إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

لُغاتُ القرآن

قرآنی مطالب کا انسائیکلوپیڈیا

جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مطالب
مستند کتبِ لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں
کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، اُن کا مکمل نقشہ
سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی اُلجھاؤ پیدا نہ ہو

پرویز

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) (جلد اوّل) ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

نام کتاب	لغات القرآن (اول)
مصنف	غلام احمد پرویز
ایڈیشن	چہارم اکتوبر 1998
ناشر	طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
	25 بی گلبرگ II لاہور پاکستان
	فون :5753666,5764484

مطبع	زاہد بشیر پرنٹرز

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتب سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

فہرست مشمولات

لغات

جلد اول کل صفحات ۵۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ (پہلا ایڈیشن)

خاک ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرہء ناچیز و تعمیر بیابانے نگر

قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور نوع انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطہء حیات ہے۔ یہ ایسے ابدی حقائق پر مشتمل ہے جن پر زمانہ کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور جو اسقدر عالمتاب اور ہمہ گیر ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی فکر کی امامت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کی کیفیت یہ ہو اسکی زبان کو کسقدر جامع، ہمہ گیر، وسیع، بلند اور عمیق، اور اسکے ساتھ، کسقدر صاف، واضح اور متعین ہونا چاہئے۔ ایک مغربی مفکر نے۔جو عیسائیت سے برگشتہ ہو کر ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو انسانی عقل و بصیرت کی تسکین کر سکے۔ کہا ہے کہ وہ جس مذہب کی تلاش میں ہے اسکی کتاب کی زبان ایسی ہونی چاہئے:

> جو ایک طرف ایسی سلیس اور سادہ ہو کہ عام سطح کے انسان بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور دوسری طرف اسقدر عمیق اور پر معنی کہ ایک بلند پایہ مفکر بھی اس سے مطمئن ہوجائے*۔

قرآن کریم کی زبان اس معیار پر بھی صحیح طور پر پوری اترتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مشیت ایزدی نے قرآن کے انقلابی پروگرام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے عربوں جیسی قوم کا انتخاب کیا تو، نزول قرآن سے صدیوں پہلے، اس قوم کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ وہ اپنی زبان کو بتدریج ارتقائی منازل طے کرائے اس مقام تک لے جائے کہ وہ قرآن کے عظیم حقائق کی متحمل ہوسکے۔ جب حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد کو دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا، تو ایک شاخ (بنی اسرائیل) کے حصے میں نبوت اور حکومت آئی اور دوسری شاخ (بنی اسمٰعیل) کو حجاز کی وادی غیرذی زرع میں بسایا گیا، جہاں ان کے ہاں (حضرت اسمٰعیل ؑ کے

* Julian Huxley-N.Y. Times 22.8.52.

بعد) نہ کوئی نبی مبعوث ہوا ، نہ انہیں بادشاہت ملی - لیکن یہ شاخ ، رفتہ رفتہ ایک ایسی قوم بن گئی جو دایہ فطرت کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی اور نبی آخرالزمان ؐ کے پیغام کی اولین مخاطب بننے کی اہل قرار پائی - اسکے ساتھ ہی اس نے اپنی زبان کو اسقدر جلا دی کہ وہ اپنے آپ کو بجا طور پر ، عرب (یعنی فصیح البیان) اور دوسروں کو عجم (یعنی گونگے) کہا کرتے تھے۔ لفظ ''عربی'' کے معنے ہی صاف ، واضح اور بیّن کے ہیں - اسوقت عربی زبان کی اصل (Origin) اور اسکے ارتقائی مراحل کے متعلق کوئی تحقیقاتی بحث میرے پیش نظر نہیں - مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جہاں بنی اسرائیل صدیوں تک تمدن و حضارت کے بلند اور پر شکوہ محلات تعمیر کرنے میں مصروف رہے اور سطوت داؤدی ؑ اور شوکت سلیمانی ؑ کے حامل بنے ، ان کے بھائی - بنی اسمٰعیل - اس تمام عرصہ میں ، شعوری یا غیرشعوری طور پر ، ایک ایسی زبان کی ترتیب و تہذیب میں کوشاں رہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کرتی تھی - ماہرین علم الالسنہ کے پیش کردہ نظریات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر تاریخ کے کسی خاص دور میں ، کسی قوم کی ذہنی سطح کا اندازہ لگانا ہو تو دیکھنا یہ چاہئے کہ اس دور میں اس قوم کی زبان میں کتنے الفاظ ایسے تھے جو تصورات (Concepts) کے مظہر تھے - اس ضمن میں انکی تحقیق یہ ہے کہ ہندی - یورپی (Indo - European) زبانوں میں جسقدر الفاظ مروّج ہیں ان کے تصوراتی مشتقات (Root - Concepts) کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سو اکیس تک پہنچتی ہے۔ اور تو اور، جس زمانے میں سنسکرت ایک زندہ زبان تھی ، اور سورج اور آگ کو دیوتا مانا جاتا تھا ، اس زمانے میں اس زبان میں سورج کے لئے کل سینتیس (۳۷) الفاظ تھے اور آگ کیلئے پینتیس (۳۵)۔ اسکے برعکس عربوں کو دیکھئے تو ان کے ہاں شہد کیلئے اسّی الفاظ - سانپ کیلئے دو سو - شیر کیلئے پانچسو - تلوار کیلئے ایک ہزار - اور اونٹ کیلئے پانچہزار سات سو چوالیس الفاظ موجود تھے* - اس سے عربوں کے تخیل کی وسعت اور ان کی زبان کی جامعیت کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے

یہ تھی وہ زبان جسمیں قرآن کریم نازل ہوا -

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ - بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶/۱۹۵-۱۹۲)

* Cosmic Consciousness-Richard Maurice Bucke pp 30-31

اور یہ (قرآن) کائنات کے نشوونما دینے والے کی طرف سے
اتارا گیا ہے ۔ روح الامین اسے لیکر تیرے قلب پر نازل
ہوا ہے تاکہ تو زمرۂ انبیاء میں شامل ہوجائے جو
لوگوں کو ان کی غلط روش کے عواقب سے متنبہ کرتے تھے ۔
(یہ قرآن) عربی مبین (بات کو کھول کر بیان کرنے والی
عربی زبان) میں (نازل ہوا ہے) ۔

یہ تو اس زبان کے متعلق تھا جس میں قرآن نازل ہوا۔ خود قرآن کے متعلق ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۲/۲)
ہم نے اس (قرآن) کو صاف اور واضح کتاب بنا کر نازل
کیا ہے تاکہ (تم بات کو اچھی طرح) سمجھ سکو۔

دوسری جگہ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۴۳/۳) کہا ہے ۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے معنی ”قرآن بزبان عربی“ بھی ہوسکتے ہیں ، اور یہ بھی کہ واضح اور کھول کر بات کرنے والا قرآن ۔ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے ۔ مثلاً سورۃ الرعد میں ہے کہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (۱۳/۳۷) ”اور اس طرح ہم نے اسے کھلے اور واضح فیصلے کے طور پر نازل کیا ہے“ ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۲۰/۱۱۳) ”اور اس طرح ہم نے اسے واضح کتاب (کی شکل میں) نازل کیا ہے“ ۔ (نیز (۴۲/۷ ; ۴۶/۱۲) ۔ سورۃ زمر میں قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے ساتھ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (۳۹/۲۸) کہکر یہ بتا دیا کہ یہ قرآن اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے مطالب میں کوئی پیچ و خم نہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۱۸/۱) ”اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں رہنے دیا“ ۔ دوسرے مقام پر کہا گیا ہے كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۴۱/۳) ”یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات الگ الگ کر کے ، نکھار کر، بیان کی گئی ہیں۔ (اسطرح) یہ قرآن صاف اور واضح (ہوگیا ہے) ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں“ ۔

قرآن کے حقائق نہایت بلند اور اس کے مطالب غایت درجہ عمیق ہیں ، لیکن اس کے ساتھ اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس کا انداز بیان بڑا آسان ہے ۔ سورۃ دخان میں ہے فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۴/۵۸) ”اے رسول! ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں“ ۔ سورۃ قمر میں اس حقیقت

کو ان الفاظ میں بار بار دھرایا گیا ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (۵۴/۱۷) " یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟"

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور اپنے مطالب میں بڑا صاف، واضح اور آسان ہے۔ اس سے انسان (عام طور پر) اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ جس شخص کو عربی زبان آتی ہو وہ قرآنی حقائق کو بآسانی سمجھ لیگا۔ یعنی قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہوگا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے ـــــ دنیا میں کوئی کتاب بھی سمجھی نہیں جا سکتی جب تک انسان اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے۔ لیکن اگر صرف عربی زبان جاننے سے قرآنی حقائق سمجھ میں آسکتے تو عرب (جن کی مادری زبان عربی ہے) قرآنی حقائق کے ماہر ہوتے۔ لیکن عرب کس حد تک قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھتے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ عربوں سے مراد صرف ان کے عوام نہیں۔ اس میں ان کا پڑھا لکھا (علماء کا) طبقہ بھی شامل ہے۔ جب اس باب میں خود عربوں کی یہ حالت ہے تو غیر عربوں کے متعلق اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سے ایک اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے، اور وہ یہ کہ ایک طرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عربی زبان کی آسان کتاب ہے اور دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف عربی جاننے والوں میں سے، بلکہ خود ان میں سے جن کی مادری زبان عربی ہے، بہت کم ہیں جو قرآنی تعلیم کو کما حقہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بڑا بنیادی اور اہم ہے اور اس کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری۔

عربی زبان کی وسعت و جامعیت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن سے پہلے ہی یہ زبان بہت منجھ چکی تھی۔ لیکن یہ معلوم کر کے غالباً آپ کو حیرت ہوگی کہ قرآن کریم نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے جو اس زبان میں لکھی گئی*۔

* بعض لوگوں نے قرآن کریم سے پہلے، عربی زبان میں نثر کی ایک آدھ غیر معروف سی کتاب کی نشاندھی کی ہے۔ لیکن اس کے متعلق حتمی اور یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ عام تحقیق کا رخ اسی طرف ہے کہ قرآن کریم اس زبان میں نثر کی اولین کتاب ہے۔

عربوں کے ہاں شعر و شاعری کا زیادہ رواج تھا اس لئے ان کی زبان کا تمام تر ذخیرہ اشعار کی شکل میں تھا جو نسلاً بعد نسلٍ (زبانی) آگے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا - جسے آج عربی لٹریچر کہا جاتا ہے وہ بیشتر عباسیوں کے زمانے میں مرتب ہوا - یہی وہ زمانہ تھا جس میں کتب احادیث و سیر اور تاریخ و آثار مرتب ہوئیں - قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں - عربی ادب کی کتابیں تالیف ہوئیں - اس زبان کی صرف و نحو کے قواعد مدون ہوئے - لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں - اس کے ساتھ یہ بھی عجیب ماجرا ہے کہ جن حضرات نے یہ کتابیں مرتب کیں وہ (باستثنائے معدودے چند) سب غیر عرب (یعنی عجمی) تھے - یہی کتابیں عربی زبان کا اولین سرمایہ ہیں -

تاریخ کا طالب العلم اس حقیقت سے واقف ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں ، عجمی تصوراتِ حیات ساری فضا میں پھیل چکے تھے - انہوں نے سلطنت انہی کی مدد سے حاصل کی تھی اس لئے اس دور کی سیاست پر بھی انہی کا اثر غالب تھا - اور یہ حقیقت ہے کہ جس گروہ کا سیاست پر اثر ہو، اس کا زندگی کے ہر شعبے پر اثر چھا جاتا ہے- نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن ان الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے - یوں عربی زبان ، تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی ، غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی - یہ تبدیلی کس کس انداز سے ہوئی ، اس کی تفصیل علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی مایہ ناز تصنیف فجر الاسلام میں شرح و بسط سے دی ہے - اس بحث کے آخر میں وہ لکھتے ہیں -

> یقیناً آپ اس بارے میں مجھ سے متفق ہونگے کہ ایرانی لٹریچر نے عربی لٹریچر کو ایک نئے رنگ میں رنگ دیا -

ظاہر ہے کہ جب عربی زبان پر خارجی (غیر عربی) اثرات اس طرح مرتب ہوئے اور اس کے الفاظ کے حقیقی مفہوم میں تبدیلی پیدا ہو گئی تو اس زبان کے جو الفاظ قرآن کریم میں آئے تھے ان کے مفہوم میں بھی فرق آ گیا - چونکہ ہماری کتب تفاسیر بھی اسی فضا میں مرتب ہوئی تھیں اس لئے وہ بھی عجمی تصورات سے متاثر ہوئیں - یوں قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آگیا جو ان سے زمانہ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا - اس کے علاوہ اس فرق کی ایک اور وجہ بھی ہوئی جو آئندہ سطور میں آپ کے سامنے آ ئیگی -

ہمارے ہاں جب تفاسیر لکھنے کی ابتدا ہوئی (یعنی تیسری چوتھی صدی ہجری میں) تو ان کا انداز یہ رکھا گیا کہ قریب قریب ہر اہم آیت کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی ''شانِ نزول،، یہ ہے - یعنی فلاں واقعہ یوں ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی - اس طرح قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کی رو سے نہیں ، بلکہ ان واقعات کی رُو سے متعین کیا گیا جن کے متعلق سمجھا گیا کہ وہ ان کے نزول کا سبب تھے - پھر اسی مفہوم کے مطابق قرآنی الفاظ کے معانی متعین کئے گئے - جو تفاسیر ان کے بعد لکھی گئیں ان میں متقدمین کا اتباع ہوتا چلا گیا - اس طرح متعلقہ آیات کا وہ مفہوم مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر گیا - اور چونکہ شان نزول کی روایات کا انتساب خود نبی اکرم[ص] یا صحابہ کبار[رض] کی طرف کیا گیا تھا اسلئے آیات کی وہ تفسیر خود نبی اکرم[ص] یا صحابہ کبار[رض] کی تفسیر سمجھ لی گئی - اسطرح قرآن کریم کے اس مفہوم کو مقدس ترین سند بھی حاصل ہوگئی ، حالانکہ تفسیری روایات کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں بیشتر ضعیف اور وضعی ہیں - حتی کہ بعض اکابر ائمہ نے سرے سے ان کا انکار ہی کر دیا ہے مثلاً امام احمد بن حنبل[رح] کا قول ہے کہ تین کتابیں ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں - مغازی - ملاحم اور تفسیر* - لیکن اس کے باوجود ہماری کتب تفاسیر کا مدار بیشتر انہی روایات پر ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی ضعیف یا وضعی روایات کی بنا پر قرآنی آیت کی تفسیر کی جائیگی اور اس تفسیر کی روشنی میں قرآنی الفاظ کا مفہوم متعین کیا جائیگا تو وہ مفہوم قرآن کریم کا صحیح صحیح مطالب بیان نہیں کریگا - یہ بات ایک مثال سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکیگی - سورۃ النساء کی چونتیسویں آیت ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ . . . . عَلِيًّا كَبِيْرًا (۴/۳۴) اسمیں ابتدائی چار الفاظ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے (ترجمہ شاہ رفیع الدین[رح])

یہاں ''قوامون،، کا ترجمہ ''حاکم'' کیا گیا ہے حالانکہ لغت کی رُو سے اس کے معنی ہیں ''روزی مہیا کرنے والے،، جس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم عمل کی رُو سے مردوں کا فریضہ کسب معاش ہے - اب یہ دیکھئے کہ اس لفظ (قَوَّام) کا ترجمہ ''حاکم'' کسطرح ہوگیا - اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے -

---

* تذکرۃ الموضوعات الشیخ محمد طاہر - بحوالہ مقدمہ معارف القرآن صفحہ ۲۸ از علامہ اسلم جیراجپوری مرحوم -

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (اسکا) مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑیگی۔ حضرت حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہؐ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ اس پر آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے خاوند نے مجھے تھپڑ مارا ہے جسکا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے (اسکا) حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ . . . ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! عورتیں آپکے اس حکم کو سنکر مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لیکر آنحضرتؐ کے پاس آئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی ہے۔ یاد رکھو جو تم میں سے اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔

حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً میاں بیوی میں اس روز ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ اشعث! تین باتیں یاد رکھو جو میں نے رسول اللہؐ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے پوچھا نہ جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت۔ اور تیسری بات راوی کے ذہن

سے نکل گئی (نسائی)۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ؐ
نے فرمایا ۔ اگر میں کسی کو حکم کرسکتا کہ ماسوائے
اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم
دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے*۔

ان تفسیری روایات کی رو سے مرد کی پوزیشن حاکم ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ کشاف میں ''قَوّٰامُوْنَ'' کا مطلب ''مسیطرین'' قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ''داروغے'' ۔ اور تفسیر جلالین میں ' متسلطین '' ۔ یعنی عورتوں پر غلبہ و تسلط رکھنے والے ۔ اس لفظ کا یہی مفہوم کتب لغت میں بھی آگیا اور اسی سے ہمارے ہاں اسکا ترجمہ ''حاکم'' اور ''داروغہ'' ہوگیا ۔ یہی تفاسیر تمام ممالک اسلامیہ کے مذہبی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور انہی کی تعلیم عوام کو دی جاتی ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ عربی جاننے والے، حتکہ خود عرب (اہل زبان) بھی قرآن کریم کے حقیقی مفہوم تک بہت کم پہنچ پاتے ہیں ۔

اس سے ایک اور اہم سوال سامنے آتا ہے ۔ اور وہ یہ کہ

(۱) جب عربی زبان عباسیوں کے دور میں عجمی اثرات سے ملوّث ہوگئی تھی ۔ اور

(۲) ہمارے ہاں عربی زبان کا جسقدر اولین تحریری سرمایہ ہے وہ بیشتر اسی دور کا پیدا شدہ ہے — خواہ یہ کتب تفاسیر ہوں یا لغت کی کتابیں ، کتب تاریخ ہوں یا ادبی تصانیف — اور کتب تفاسیر میں بھی ، ضعیف یا وضعی روایات کی وجہ سے قرآنی آیات (و الفاظ) کا مفہوم اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے ۔ تو

(۳) آج اسکی کونسی صورت باقی ہے کہ قرآنی الفاظ کا وہ مفہوم متعین کیا جاسکے جو ان سے نزول قرآن کے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا ۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ بات کسی اور زبان (اور کسی اور کتاب) سے متعلق ہوتی تو یہ دشواری ایسی تھی جسکا غالباً کوئی حل نہ مل سکتا۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم) کے سلسلے میں بعض عناصر ایسے ہیں جنکی موجودگی میں یہ مسئلہ ایسا نہیں رہتا جسکا حل ناممکن ہو ۔ سب سے پہلے یہ کہ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) نزول قرآن سے پہلے عربی زبان کا تمام تر ذخیرہ ان کے شعراء کے کلام میں محفوظ تھا۔ عربوں کے معاشرہ میں شعراء کو خاص

*تفسیر ابن کثیر ۔ المترجم مولانا محمد جونا گڑھی(مرحوم) پارہ پنجم صفحہ ۱۶-۲۰

مقام حاصل تھا۔ نیز انکی شاعری بھی زیادہ تر مختلف قبائل کے محاسن و خصائص اور ان کے مدمقابل قبائل کے معائب و ذمائم سے متعلق ہوتی تھی، اسلئے یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے تھے۔ نثر کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تو اسکا علیٰ حالہ آگے منتقل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن شعر کی کیفیت یہ نہیں۔ اسے جب بھی زبانی یاد کیا جائیگا اور دھرایا جائے گا تو اسکے الفاظ، اور الفاظ کی ترتیب اسی حالت میں رھیگی۔ یعنی شعر بالفاظہٖ آگے منتقل ہوتا ہے، اسکا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ وجہ تھی کہ زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کا کلام بلفظہٖ اور بجنسہٖ آگے منتقل ہوتا رہا تآنکہ وہ (عباسیوں کے عہد میں) ضبط تحریر میں آگیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں بہت سے وضعی اشعار بھی شعرائے جاھلیہ کی طرف منسوب کرکے ان کے کلام میں شامل کردئے گئے، لیکن اس سے اس مقصد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا جس کے لئے ہم نے اس مقام پر اس حقیقت کو پیش کیا ہے۔ وضعی اشعار کی زبان لامحالہ وھی رکھنی پڑتی تھی جو اصل اشعار کی زبان تھی۔ ایسا نہ کیاجاتا تو اصل اور نقل میں فوراً تمیز ہو جاتی۔ بہرحال، شعرائے جاھلیہ کے کلام کا بیشترحصہ اپنے اصلی الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مدون اور محفوظ ہو گیا۔ یعنی عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ھیں۔ اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ھیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ھیں اس لئے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ قرآن کریم میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ھیں جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزول قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآن کریم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ اشعار (ادب کی کتابوں کے علاوہ) عربی زبان کی مستند لغت کی کتابوں میں بھی آچکے ھیں اور ان میں، ان کے الفاظ کے معانی سے بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ معانی، بعد میں مرتب ہونے والی کتب لغت نے، اول الذکر کتابوں کی سند سے اپنے ہاں درج کرلئے ھیں۔ ان الفاظ کے ان معانی سے، قرآن کریم کے الفاظ کے وہ معانی سامنے آسکتے ھیں جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے۔

(۴) یہ تو رہا وہ خارجی عنصر جس کے ذریعے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ فلاں لفظ سے، زمانہ نزول قرآن میں، کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی زبان کی ایک داخلی خصوصیت ایسی ہے جو خاص اسباب

سے اثر پزیر نہیں ہو سکتی اور جس پر غور و فکر سے اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا ۔ عربی زبان کے ہر لفظ کا ایک مادہ (Root) ہوتا ہے جو اپنے بنیادی معنی رکھتا ہے ۔ گرامر کے قواعد کی رو سے اس مادہ کی شکلیں خواہ کیسے ہی بدلتی رہیں ، اسکے بنیادی معنی کی جھلک ہر شکل میں موجود رہیگی* ۔ مادہ کے بنیادی معنی تو ایک طرف ، اس سلسلہ میں یہانتک بھی متعین ہے کہ اگر مادہ میں فلاں حروف (مثلاً ح اور ب) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم پایا جائیگا اور فلاں حروف (مثلاً ص اور ر) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم ۔ لہٰذا ، اگر مرور زمانہ سے کسی لفظ کے مفہوم میں فرق بھی آجائے تو بھی اس کے مادہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتداءً وہ لفظ کس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ اس طریق سے بھی یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ جو الفاظ قرآن کریم میں آئے ہیں زمانۂ نزول قرآن میں ان سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا ۔

(ہ) اس باب میں تیسرا عنصر یہ ہے کہ نزول قرآن کے زمانے کے عرب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ سر پر کھلا ہوا آسمان جس میں چمکتے تارے اور جگمگاتے چاند سورج ، سامنے وسیع و عریض صحرا جس میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور کہیں کہیں پہاڑیاں ، پانی کے چشمے زندگی کے مراکز ان کے ارد گرد ہری ہری گھاس ، سروقامت کھجوروں کے جھنڈ ، کہیں کہیں انگوروں کی بیلیں اوراناروں کے پیڑ ۔ ان کے آس پاس ان صحرانشینوں کے خیمے ۔ خیموں کے اندر نہایت مختصر سامان زیست ۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی متاع ان کے ہتھیار ۔ تلوار ۔ تیر ۔ کمان ۔ نیزہ ۔ ڈھال ۔ خنجر ۔ سامنے چراگاہ میں انکے مویشی ۔ اونٹ ، گھوڑے ، بھیڑیں ، بکریاں ۔ بس یہ تھی انکی کل کائینات جس کے گرد ان کی زبان کے تمام مشتقات و مصادر گھومتے تھے ۔ چونکہ یہ تمام اشیاء محسوس و مرئی تھیں اسلئے ان کے متعلق جسقدر الفاظ استعمال میں آتے تھے ان کا مفہوم نہایت آسانی سے ذہن میں (بلکہ آنکھوں کے سامنے) آجاتا تھا ۔ الفاظ کے صحیح مفہوم کے تعین میں دقت وہاں پیش آتی ہے جہاں وہ الفاظ فلسفہ اور مابعدالطبیعیاتی مسائل سے گفتگو میں استعمال ہوئے ہوں ۔ یعنی جہاں بات تجریدی (Abstract) امور کے متعلق ہو ۔ خانہ بدوشوں اور

* اس زبان کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے ہر زمانے کی نئی نئی ضرورتوں کے ماتحت نئے نئے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں ۔ اس کے لئے مادہ کے بنیادی معنی اور مختلف ابواب کے خواص سامنے ہونے چاہئیں ، پھر کوئی نیا تصور ایسا نہیں رہتا جس کے لئے موزوں لفظ نہ بن سکے ۔

صحرانشینوں کے ہاں تجریدی مسائل کا کیا کام؟ انہی لوگوں کی صاف ستھری ، اُجلی ، نکھری زبان تھی جسے عربوں کے ہاں سند مانا جاتا تھا ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب (بہت دور جا کر نہیں) حضرت عمرؓ کے زمانے میں عربوں کا غیر عربوں سے خلا ملا بڑھنے لگا تو آپ اہل مدینہ سے کہا کرتے تھے کہ قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو صحرا کے بدؤوں میں جا کر کچھ دن گذارو ، کیونکہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ زبان ان کے ہاں اپنی اصلی شکل میں موجود ہے ۔

(۶) مادہ کے بنیادی مفہوم اور ان صحرانشینوں کے ہاں انؔ الفاظ کے عملی استعمال سے الفاظ کا صحیح مفہوم کسطرح سامنے آ جاتا ہے ، اسکا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲/۱۵۳) ''یہ حقیقت ہے کہ خدا صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے'' ۔ لفظ صبر کے جو معنی ہمارے ہاں مروّج ہیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ جب کسی پر ایسی مصیبت آ پڑے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو ۔ جہاں انسان یکسر بے چارہ اور بے کس و بے بس ہو کر رہ جائے ۔ جہاں کوئی تدبیر کارگر نہ ہو ، وہاں ہم کہتے ہیں کہ میاں صبر کرو۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ حتٰی کہ جب کوئی کمزور و ناتوان مظلوم کسی کے ظلم و زیادتی کے خلاف کچھ نہ کرسکے تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ ''اچھا ! میرا صبر'' ۔ لیکن عربی مبین میں اس مادہ (ص ۔ ب ۔ ر) کے بنیادی معنی ہیں ، کسی شخص کا مطلوبہ شے کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرنا ، جم کر کھڑے ہو جانا ، ثابت قدم رہنا ۔ اب دیکھئے کہ صحرانشین عرب اس مادہ کو کن معنوں میں استعمال کرتے تھے ۔ بادل کا وہ ٹکڑا جو چوبیس گھنٹے ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور ادھر اُدھر نہ ہو، اَلصَّبِيْرُ کہلاتا تھا ۔ آلاَ صْبِرَۃُ ان اونٹوں یا بکریوں کو کہتے تھے ، جو صبح جنگل میں چرنے کیلئے چلے جائیں اور شام کو ٹھیک انہی قدموں پر واپس آ جائیں ۔ نہ کوئی ادھر اُدھر ہو ، نہ پیچھے رہے* ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انؔ (عربوں) کے ہاں صَبْرٌ کے معنے تھے استقامت ، استقلال ، استواری ، ثابت قدمی ، ایک اصول اور روش پر جم کر کھڑے رہنا ، عمل میں دوام و استمرار ۔ یہ ہے صبر کی وہ کیفیت جو انسان کے اپنے اندر پیدا ہوتی ہے ۔ اب اس سے آگے بڑھئیے ۔ اگر کبھی بوجھ یا سواریوں کی کمی بیشی سے کشتی کا توازن بگڑ جائے اور وہ ڈگمگانے لگے تو ملاح ایک بڑا سا پتھر کشتی میں رکھدیتے تھے جس سے اسکا وزن ہموار ہوجاتا

* تاج العروس ۔

تھا ۔ (ہمارے ہاں تانگے والے اکثر ایسا کرتے ہیں) ۔ اس پتھر کو اَلصَّبُوْرَةُ کہتے ہیں**۔ لہٰذا صبر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جب کسی کے پاؤں ڈگمگانے لگیں تو "صبر" سے اس کا توازن برقرار ہو جاتا ہے اور اسکے پاؤں میں لغزش نہیں آتی ۔ چونکہ اس قسم کے عملِ پیہم اور ثبات و قرار کا نتیجہ کامرانیاں اور کامیابیاں ہوتا ہے اس لئے اَلصُّبْرَةُ غلے کے اس ڈھیر کو کہتے ہیں جس کی ناپ اور تول نہ کی گئی ہو*۔

اس لفظ (صبر) کے طریق استعمال کی ان محسوس مثالوں سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں عربوں کے ہاں اس کا مفہوم کیا تھا ۔ اس مفہوم کی رو سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ " اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے "۔

(ے) مذکورہ بالا عرسہ عناصر عربی زبان کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اسکے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ۔ لیکن، بایں ہمہ ، صرف اتنی خصوصیات سے قرآن کریم جیسی کتاب کے الفاظ کے صحیح صحیح معانی متعین نہیں کئے جاسکتے ۔ اسلئے کہ یہ کتاب زندگی کے ان اصولوں کا ضابطہ ہے جن میں تغیروتبدل نہیں ہو سکتا اور جن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے ۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکا صحیح مفہوم یقینی طور پر ہمارے سامنے آجائے ۔ تنہا لغت سے یہ نہیں ہو سکتا ۔ لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے جس سے سہو و خطا اور خارجی اثرات کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے ۔ علاوہ بریں قرآن کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے ۔ یہ اصطلاحات اسقدر جامع ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آسکتے جنہیں قرآن نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے ۔ مثلاً صلٰوۃ ۔ زکٰوۃ ۔ تقویٰ ۔ ایمان ۔ اسلام ۔ کفر ۔ فسق ۔ فجور ۔ دنیا ۔ آخرت وغیرہ ۔ ان اصطلاحات میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بڑی جامعیت سے سمو دئے گئے ہیں ۔ ان کی اس جامعیت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جوں جوں انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ۔ ان اصطلاحات کا مفہوم خود قرآن کریم ہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

قرآن کا انداز یہ ہے کہ اسمیں اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اسکی وضاحت اس انداز سے کر دی گئی ہے کہ اس سے مقام

* تاج العروس ۔ **محیط المحیط ۔

اول کی بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے۔ اس انداز کو قرآن نے " تصریف آیات " سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی آیات کو مختلف مقامات پر لوٹا کر لانا اور اسطرح مطالب کی وضاحت کر دینا۔ سورۃ انعام میں ہے وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۱۰۶) "اور اسطرح ہم آیات کو لوٹا کر لاتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذہن نشین کرادی ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیں"۔ قرآن کریم کا یہ وہ خصوصی انداز ہے جس سے اس کے مطالب واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں اور اسکے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے میں دقت نہیں ہوتی۔ مثلاً لفظ (صبر) کے جو لغوی معنی اوپر دئیے گئے ہیں انہیں پیش نظر رکھئیے اور پھر قرآن کریم کی طرف آئیے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲/۱۵۳) - " یقیناً اللہ صابرین کے ساتھ ہے"۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ الصابرین کن لوگوں کو کہتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (۳/۱۴۵) "کتنے ہی انبیاء (ایسے گذرے) ہیں جن کی معیّت میں بہت سے ربّانی لوگوں نے (مخالفین کے مقابلے میں) جنگ کی۔ پھر ان تکالیف کی وجہ سے جو انہیں اس طرح اللہ کی راہ میں پیش آئیں نہ وہ سُست گام ہوئے۔ نہ ان میں کمزوری آئی۔ اور نہ ہی وہ مخالفین سے مغلوب ہوئے۔ (یہی وہ) الصابرین ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے"۔ اگلی آیت میں ان کی اس کیفیت کو ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (۳/۱۴۶) دعاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ دعا کہ " ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ"۔ عین میدان جنگ کی حالت میں کہا ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ .... (۸/۶۶) "اگر تم میں ایک سَو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سَو پر غالب آجائینگے"۔ ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح اور متعین طور پر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم میں صبر سے مفہوم کیا ہے اور صابر کسے کہتے ہیں۔

یہی کیفیت قرآنی اصطلاحات کی بھی ہے۔ قرآن کریم ان کے مفہوم کی وضاحت بھی تصریف آیات کی رو سے کر دیتا ہے۔ لہذا کوئی عام لفظ ہو یا قرآنی اصطلاح، اگر وہ تمام آیات بیک وقت سامنے رکھ لی جائیں جن میں قرآن کریم نے انہیں استعمال کیا ہے، یا ان کے مفہوم کو بیان کیا

ہے، تو ان الفاظ و اصطلاحات کے معانی متعین کرنے میں دشواری نہیں رہتی۔ ان مقامات پر غور و فکر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے"۔

۸۔ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا طریق یہ ہے کہ

(ا)۔ سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا۔ اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں، اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہیگی۔

(ب)۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔ ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصور (Concept) کیا تھا۔ واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concepts) کا تعین نہ کیا جائے، الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دور حاضرہ میں (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ، الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ج)۔ اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئیے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔ ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quranic Concept) سامنے آجائیگا۔

(د)۔ سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہئیے۔ اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئیے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اسکی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھ کر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی۔

یہ ہے وہ طریق جس سے قرآن کے الفاظ اور آیات کا صحیح مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس ضمن میں، علامہ جمال الدین افغانیؒ کے شاگرد رشید—اور سید رشید رضاؒ کے استاد—امام شیخ محمد عبدہ، (علیہ الرحمۃ) نے تفسیر المنار کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے اعلیٰ مراتب کے سلسلہ میں بعض اہم امور بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

> اس سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن میں استعمال ہونے والے مفرد الفاظ کے حقیقی معنی سمجھے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ ان الفاظ کو اہل عرب کیونکر استعمال کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں کسی دوسرے کے قول و فہم پر بھروسہ نہ کرے۔ نہ اس پر اکتفا کرے۔ اسلئے کہ بہت سے الفاظ زمانۂ نزول قرآن میں کسی خاص مطلب و معنی کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں، تھوڑا یا زیادہ عرصہ گذرنے پر، ان کے دوسرے معنی کئے جانے لگے۔ مثلاً لفظ ''تاویل'' ہے جو ''تفسیر'' کے معنوں میں مشہور ہوگیا ہے۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی ''انجام کار''۔ ''عاقبت''۔ ''قرآن کے وعدہ وعید کا نتیجہ ظاہر ہونا''*۔
> اس ضمن میں قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملت میں بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحات کی تحقیق کرے۔ اور پھر ان میں اور قرآن میں آنے والے الفاظ میں فرق کرے۔ اکثر مفسرین قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ان اصطلاحات کی رو سے کرتے ہیں جو پہلی تین صدیوں میں ملت میں رائج ہوچکی تھیں۔ قرآن پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو زمانۂ نزول

---

* سید رشید رضاؒ نے اس سلسلہ میں لفظ ''الولی'' کی مثال دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے معنی ناصر و مددگار، حمایتی اور دوست کے ہیں۔ ''اولیاء اللہ'' کے معنی ہیں وہ اہل ایمان و تقویٰ جو اللہ کے دین کے حامی و مددگار ہیں۔ لیکن بعد میں یہ اصطلاح چل پڑی کہ وہ لوگ جو کرامات و خوارق کا مظاہرہ کریں اور ظاہری اسباب سے ماوراء قوانین فطرت میں تصرف کریں انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کبارؓ ''اولیاء اللہ'' کے یہ معنی جانتے ہی نہیں تھے (المنار)۔

قرآن میں لئے جاتے تھے - اس سلسلہ میں بہتر طریق یہ
ھے کہ الفاظ کے معانی کے تعین میں خود قرآن سے مدد لے
اور مکرر آنے والے الفاظ کا قرآن مین مطالعہ کرے۔ بعض
اوقات وہ دیکھیگا کہ ایک ھی لفظ متعدد معانی کے لئے
استعمال ھوا ھے - مثلاً ’’ ھدایت ،، وغیرہ - ان مقامات پر
غور و فکر سے معلوم ھوجائیگا کہ فلاں مقام پر اس لفظ
کے صحیح معنی کیا ھیں - اسلئے کہا گیا ھے کہ اَلْقُرْآنُ
يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بعضاً - قرآن کا ایک مقام دوسرے کی
تفسیر کرتا ھے - اسیطرح کسی لفظ کے خاص معنی کو
ترجیح دینے کیلئے قانون یہ ھوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت
سے مطابقت اور موافقت رکھتے ھوں - پورے موضوع و
مطالب سے اتفاق ر دھتے ھوں اور قرآن کے مجموعی مقصد
سے ھم آھنگ ھوں - (مقدمہ تفسیر المنار)

(۹) میں قرآن کریم کا طالب علم ھوں - میری زندگی، بچپن سے لیکر اسوقت تک، اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رھی ھے - ابتداء میں نے بھی (جیسا کہ ھمارے ھاں کا معمول ھے) اسکا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا - لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی - بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآن دیگر است - رسم و آئین مسلماں دیگر است

یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اسوقت جب میں اس ذھنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرت قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اھم نکتہ میری سمجھ مین آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رو سے سمجھنا چاھئے ، اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ھونے دینا چاھئے - ’’ تصریف آیات ،، کی رو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی - یعنی ایک موضوع سے متعلق ، قرآن کریم کی تمام آیات کو یکجا کرکے انھیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا - اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ھوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا ، اور جسکی تفصیل انھوں نے مجھے بتائی تھی ، اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی - اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی - میں نے بڑی کوشش کی

کہ کوئی جماعت، یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد، اس اہم کام کے لئے تیار ہوجائے، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور بالآخر یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا پڑا۔ اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی۔ اس میں کئی برس لگ گئے۔ پھر ہر موضوع کو، انسائیکلو پیڈیا کے انداز پر، مربوط مقالہ کی شکل میں مرتب کیا۔ اسکے بعد ان مقالات کو مختلف مجلدات میں تقسیم کیا۔ اسطرح ''معارف القرآن'' کا طویل سلسلہ وجود میں آیا۔ اس میں سے، من و یزدان۔ ابلیس و آدم۔ جوئے نور۔ برق طور۔ شعلہ مستور۔ معراج انسانیت، شائع ہوچکی ہیں۔ باقی جلدیں اپنے وقت پر شائع ہوتی جائینگی۔ و بیدہ التوفیق۔

(۱۰) ''معارف القرآن،، اور میری دیگر تصانیف و مقالات کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے نوجوان، تعلیم یافتہ (بالخصوص ''مذہب گزیدہ،،) طبقہ کے دل میں قرآن کریم کی قدر و منزلت اور عظمت و عقیدت کے جذبات بیدار ہوگئے۔ میری (سالہا سال کی) محنت اور کوشش کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہمارا نوجوان طبقہ (جو انسانوں کے خود ساختہ مذہب سے گھبرا کر، خدا کے عطا فرمودہ دین ہی سے دور بھاگ رہا تھا) کسی طرح قرآن کریم کے قریب آجائے اور اس پر براہ راست غور و فکر کرنا شروع کردے۔ میری ان حقیر سی کوششوں سے (بتوفیق خداوندی) جو نتیجہ برآمد ہوا وہ میری توقعات سے کہیں بڑھکر تھا۔ ان نوجوانوں کی کثیر تعداد قرآن کریم کے قریب آگئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ طبقہ قرآن کے قریب تو آگیا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ وہ اس کتاب عظیم کی تعلیم کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کریں تو ان کا جواب یہ تھا کہ قرآن کریم نہ موجودہ تراجم سے ان کی سمجھ میں آتا ہے، نہ تفاسیر سے۔ (وہ ایسا کہنے میں حق بجانب تھے) اسلئے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ طریق بتایا جائے جس سے وہ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے لگ جائیں۔ اس مطالبہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو عربی زبان سے ناواقف تھے اور وہ بھی جو اسے جانتے تھے۔ اس کی وجہ وہی تھی جسے تفصیل سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ایک مدت کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس دشواری کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم کا ایسا لغت ہو جس میں قرآنی الفاظ اور تصورات کا مفہوم اس انداز سے متعین کیا گیا ہو جسکی تصریح پہلے کی جا چکی ہے۔ میں نے بہت تلاش کیا لیکن اس قسم کا کوئی لغت مجھے نہ مل سکا۔ اس قسم کا لغت تو ایک طرف، مفردات امام راغبؒ

کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے۔ (حال ہی میں لغات القرآن کے عنوان سے بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن وہ ہمارے پیش نظر مقصد کو پورا نہیں کرتیں۔ علامہ حمیدالدین فراہیؒ نے اس طرز پر قرآن کریم کے افہام و تفہیم کی طرح ڈالی تھی۔ اور کچھ الفاظ کے معنی بھی اس انداز سے متعین کئے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم کا پورا لغت اس نہج پر مرتب فرما جاتے تو وہ بڑے کام کی چیز ہوتا۔ میں نے اپنے ظرف کے مطابق ان کی قرآنی بصیرت سے بھی استفادہ کیا ہے)۔ اندریں حالات، چارہ کار اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس قسم کا لغت مرتب کیا جائے۔ قرآن کریم کا لغت مرتب کرنا، اور وہ بھی اس انداز کا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، جسقدر مشکل کام ہے اس کا اندازہ اہل علم حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔ میں نے (جسطرح اس سے پہلے تبویب القرآن کے سلسلہ میں کیا تھا) بڑی کوشش کی کہ اس عظیم اور مشکل کام کے لئے کوئی جماعت تیار ہو جائے، لیکن (جسطرح پہلے ناکامی ہوئی تھی) اس میں (بھی) ناکامی ہوئی۔ ادھر یہ دشواری تھی اور اُدھر ان ارباب ذوق کا (جنہیں میں قرآن سے قریب لے آیا تھا) یہ تقاضا کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ قرآن کو براہ راست کسطرح سمجھیں، شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں جب اپنی طرف نگاہ ڈالتا تھا تو ایسے مشکل اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کی نہ اپنے اندر کماحقہ اہلیت پاتا تھا، نہ ہمت۔ ایک مدت تک یہ کشمکش جاری رہی۔ اور آخرالامر، اسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ، بھلی بری جیسی بھی ہو، اس کام کی بنیاد رکھ دینی چاہئیے۔ جب ایک دفعہ اسکی طرح پڑ گئی اور اس نے مفید نتائج مرتب کئے تو پھر دوسرے (اور مجھ سے زیادہ اہلیت رکھنے والے) حضرات اس پر بہتر عمارت استوار کردینگے۔ یہ تھے وہ حالات جن سے مجبور ہو کر میں نے اس لغت کی ترتیب کا فیصلہ کیا۔ سالہا سال کی مسلسل محنت کے بعد، جیسا کچھ یہ مرتب ہو سکا ہے، آپ کے سامنے ہے۔ اس دشوار گزار سفر میں مجھے بعض اچھے رفقاء کی معیت بھی نصیب ہو گئی۔ نیز کٹھن منازل پر میں نے ان حضرات سے مشورے بھی کئے جو ان مشوروں کے اہل تھے۔ اور آمادہ بہ تعاون۔ جی نہیں چاہتا کہ میں اس مقام پر، حبیب مکرم، (سابق سفیر مصر) ڈاکٹر عبدالوھاب عزام (نوراللہ مرقدہ) کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ انہیں عربی زبان پر جسقدر عبور اور قرآن سے جسقدر عشق تھا اس کا ان احباب کو بخوبی علم ہے جنہیں ان کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ کلام اقبال کی شرح اور ترجمہ کے سلسلہ میں میرے ان کے ساتھ برسوں تک

گہرے تعلقات رہے ۔ عربی ادب کے سلسلہ میں میں نے ان کے تبحر علمی سے جسقدر استفادہ کیا اس کی قدروقیمت کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں ۔لغات کے مرتب ہو جانے کے بعد میں نے اسکا مسودہ ایسے ذی علم احباب کو بھی دکھا لیا جن کی عربی زبان کی استعداد اور قرآنی ذوق کا مجھے اندازہ تھا ۔میں ان تمام احباب کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں ۔لیکن اس کے ساتھ ، اس حقیقت کا اعلان میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس لغت میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسکی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شریک نہیں ۔ وہ تنہا مجھپر عائد ہوتی ہے۔افسوس ہے کہ علامہ اسلم جیراجپوری ؒ لغت کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے ۔ اگر وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو میرا پورا اطمینان ہو جاتا ۔ اس انداز سے قرآن کو سمجھنے والا (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) مجھے آج کہیں نظر نہیں آتا ۔ میرا فہم قرآن ان کی بصیرت فرقانی کا جسقدر رہین کرم ہے اسکے لئے میرا ایک ایک سانس انکا سپاس گذار ہے ۔

(۱۱) زیر نظر لغت کی ترتیب و تدوین میں سب سے پہلا فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ عربی زبان کے کون سے لغت کو بطور اساس و بنیاد سامنے رکھا جائے ۔مروّجہ کتب لغت میں تین کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہے — یعنی لسان العرب ۔ تاج العروس ۔ اور قاموس ۔ (ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب لغت بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ اور خاص خاص شعبوں میں وہ ان سے بھی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں ۔ لیکن ہمارے ہاں بہ ہیئت مجموعی ان تین کتابوں کو خاصی شہرت حاصل ہے) ۔ ان تینوں کے محاسن و خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہی طے پایا کہ تاج العروس کو بنیاد قرار دیا جائے ۔

تاج العروس ، قاموس کی شرح ہے ۔ اور چونکہ لسان العرب کے بعد مرتب ہوئی ہے اسلئے اس میں لسان کی ضروری تفصیلات بھی آگئی ہیں ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاج العروس آخری (Latest) مفصل اور مستند لغت ہے جس میں اس سے پہلے کی شائع شدہ قریب قریب تمام مستند کتب لغت کا خلاصہ آگیا ہے۔لسان العرب ابن مکرّم* کی تالیف ہے جن کی وفات ۷۱۱ھ میں ہوئی ۔ قاموس کے مولف علامہ فیروزآبادی ہیں جن کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی ۔ تاج العروس کے مولف کا پورا نام محب الدین ، ابن الفیض ، السیدمحمد مرتضیٰ الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی ہے ۔ ان کی وفات ۱۲۰۵ھ (مطابق ۱۷۹۱ء) میں ہوئی ۔ انہوں نے اپنی معرکہ آرا لغت کو مصرمیں مدوّن کیا ۔ یہ دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہے ۔ ہمارے پیش نظر نسخہ مصر کے مطبع الخیریہ کا طبع شدہ ہے جس پر سن

* انہیں ابن منظور بھی کہا جاتا ہے ۔

طباعت ۱۳۰۲ھ (بار اول) درج ہے۔ لین کے قول کے مطابق، تاج العروس میں لسان العرب کے علاوہ، ایک سو مستند کتب لغت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کا مشہور لغت (Lane's Lexicon) تاج العروس ہی پر مبنی ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ لغت بڑا سائنٹیفک ہے۔

(۲) تاج العروس کے ساتھ جس کتاب کو ہم نے بنیادی طور پر سامنے رکھا ہے وہ امام راغب اصفہانی (متوفی قریب ۵۰۲ھ) کی مشہور تصنیف ''المفردات فی غریب القرآن'' ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کا لغت ہے اور اسدرجہ مقبول اور مشہور کہ اسکے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ کتاب بڑی مختصر ہے۔ ہمارے سامنے جونسخہ ہے وہ مطبع میمنیہ (مصر) میں ۱۳۲۴ھ میں چھپا تھا۔

(۳) تیسری اہم کتاب، ابن فارس (المتوفی ۳۹۵ھ) کی مقاییس اللغۃ ہے جس میں ہر لفظ کا مادہ اور مادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے لغت کا مرکزی نقطہ، مادہ کے بنیادی معنی ہیں اسلئے اس میں ابن فارس سے نمایاں استفادہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ چھ جلدوں میں مصر میں (۱۹۵۲ء میں) چھپا تھا۔

(۴) اس کے بعد جس کتاب سے زیادہ استفادہ کیا گیا وہ پطرس بستانی کی محیط المحیط ہے۔ یوں تو یہ کتاب مختصر ہے۔ (دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے)۔ لیکن اس کی افادی حیثیت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں، (۱۸۷۰ء میں) چھپا تھا۔

یہ وہ کتب لغت ہیں جنکے حوالے آپ کو زیر نظر لغت میں بالعموم ملینگے۔ ان کے علاوہ اکثر مقامات پر حسب ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(الف) فقہ اللغۃ۔ ابو منصور الثعالبی کی مشہور کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی مستند خیال کی جاتی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ ۱۹۳۸ میں مصر میں چھپا تھا۔

(ب) اقرب الموارد۔ لغت کی مشہور کتاب ہے جسے سعید الخوری الشرتونی اللبنانی نے مرتب کیا تھا۔ ہمارے پیش نظرنسخہ بیروت میں (۱۸۸۹ء میں) چھپا تھا۔

(ج) منتہی الارب۔ عربی۔ فارسی کا مشہور لغت ہے۔ ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے جو مطبع اسلامیہ لاہور میں (۱۹۲۵ء میں) چھپا تھا۔

(د) کتاب الاشتقاق۔ یہ ابن درید کی تصنیف ہے (جنکی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی تھی) لغت میں ابن درید کا مقام بہت بلند ہے اور انکی یہ کتاب مادہ کے بنیادی معنی معلوم کرنے کے لئے بڑی مفید ہے ' اگرچہ مقاییس اللغۃ جیسی مفصل نہیں۔ اسکے علاوہ، ابن درید کی لغت کی مشہور اور مستند کتاب جمہرۃ اللغۃ سے بھی بعض مقامات میں استفادہ کیا گیا ہے۔

(ر) العلم الخفاق فی علم الاشتقاق۔ یہ نواب صدیق حسن خان کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسمیں مادوں کے حروف کی بنیادی خصوصیات عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔

(س) الالفاظ المترادفۃ۔ یہ علی ابن عیسیٰ الرمانی (متوفی ۳۸۴ء) کا رسالہ ہے جس میں مرادفات کے لطیف اور دقیق فرق کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

(ش) لطائف اللغۃ۔ یہ احمد بن مصطفیٰ اللبابیدی (دمشقی) کی کتاب ہے جسمیں الفاظ کی لغوی باریکیوں سے بحث کی گئی ہے۔

(ص) کتاب القرطین۔ یہ امام ابن قتیبہ الدینوری (المتوفی ۲۷۶ھ) کی مشہور کتابوں—مشکل القرآن و غریبہ—پر مشتمل ہے اور مصر میں ۱۳۵۵ء میں چھپی ہے۔ ابن قتیبہ کا مقام علمی دنیا میں بہت بلند ہے۔

(ط) البستان۔ شیخ عبداللہ البستانی اللبنانی (المتوفی ۱۹۳۰ء) کا یہ لغت ۱۹۲۷ء میں چھپا تھا۔ اسکا مقدمہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

ان کتب لغت کے علاوہ زمخشری کی تفسیر (کشاف) تفسیر جلالین اور علامہ محمد عبدہؒ کی شہرہ آفاق تفسیر المنار، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ زیر نظر لغت میں ان کتابوں کے حوالے میں یا تو کتاب کا (پورا یا مخفف) نام دیا گیا ہے یا مصنف کا۔ مثلاً تاج۔ راغب۔ محیط۔ ابن فارس۔ لین۔ العلم الخفاق وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر دیگر کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ان کا حوالہ متعلقہ مقام پر دے دیا گیا ہے۔

(۱۲) اس لغت میں ترتیب (بالعموم) یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے مادہ کے بنیادی معنی دیئے گئے ہیں۔ پھر عربی زبان میں اسکے استعمال کی مثالیں۔ ان مثالوں میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ حتی الامکان محسوس اشیاء کی مثالیں ہوں تاکہ ان سے زیر بحث لفظ کا مفہوم محسوس طور پر سامنے آ جائے۔ اسطرح متعلقہ لفظ کا لغوی مفہوم متعین کرنے کے بعد، قرآن کریم

کی ان آیات کو درج کیا گیا ہے جن میں وہ لفظ (اپنی مختلف شکلوں) میں آیا ہے۔ ان آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد اہم الفاظ اور اصطلاحات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے قرآن کس قسم کا تصور (Concept) پیش کرتا ہے، اور وہ تصور قرآن کریم کی مجموعی تعلیم میں کیا مقام رکھتا ہے۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کتاب محض قرآنی الفاظ کا لغت نہیں بلکہ اس میں قرآنی تصورات پیش کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جن دوستوں نے اس لغت کا مسودہ (پورا یا اسکا بعض حصہ) دیکھا، ان کی رائے یہ ہے کہ اسکا بغور مطالعہ کرلینے کے بعد قرآن کا طالب علم کسی تفسیر کا محتاج نہیں رہ سکتا۔ اس خصوصیت کے پیش نظر ہم چاہتے تھے کہ اس لغت کا نام کچھ اور رکھا جائے جس سے اسکی یہ خصوصیت نمایاں طور پر سامنے آ جائے، لیکن اس سے اسکی بنیادی خصوصیت (یعنی قرآنی الفاظ کے معانی) کے نظر سے اوجھل ہو جانے کا امکان تھا، اسلئے اسکا نام لغات القرآن ہی تجویز کیا گیا ہے۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ، قرآن کریم کے الفاظ (مفردات) کا لغت ہے، پوری عربی زبان کا لغت نہیں۔ اسلئے نہ تو اس میں عربی زبان کے تمام الفاظ آئے ہیں اور نہ ہی الفاظ کی تشریح میں ادبی بحثوں کو چھیڑا گیا ہے۔ اس میں ہر لفظ کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی گئی ہے جس حد تک اسے قرآن نے لیا ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیات بھی تمام کی تمام نہیں دی گئیں۔ مثلاً اگر ایک لفظ قرآن کی بیس آیات میں (ایک ہی مفہوم میں) آیا ہے تو ان میں سے ایک آیت دی گئی ہے۔ البتہ جہاں مختلف آیات میں اس لفظ کو جداگانہ مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں وہ تمام آیات درج کر دی گئی ہیں۔ جہاں کسی آیت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی وہاں اس کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان تمام آیات کو قرآن کریم سے نکال کر خود دیکھ لینا چاہئے۔ اس سے بات واضح ہو جائیگی۔

(۱۳) اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں قاعدہ ہے، الفاظ کے ایک معنی "حقیقی" ہوتے ہیں اور ایک "مجازی"۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ "وہ تو شیر ہے" تو اس سے مراد وہ (شیر) جانور نہیں جو جنگل میں رہتا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ شیر جیسا بہادر ہے۔ لفظ "شیر" کے حقیقی معنی "جنگل کا ایک طاقتور جانور" ہیں اور (مندرجہ بالا فقرہ میں) مجازی معنی "بڑا بہادر"۔

"حقیقی اور مجازی معانی"، کی یہ صرف ایک مثال ہے ۔ بلند پایہ تصانیف میں اور بھی بہت سے طرق و اسالیب بیان ایسے ہوتے ہیں جن میں الفاظ کے مجازی معنی مقصود ہوتے ہیں ۔ عام طور پر یہ انداز بیان، تشبیہات اور استعارات پر مشتمل (Symbolical) ہوتا ہے* ۔ لیکن یہ بھی کوئی ضروری شرط نہیں ۔ اس ضمن میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے ۔

> عرب کے لوگ کلام میں مجازی معنی بھی لیتے ہیں ۔ یعنی ان کے ہاں بات کہنے کے کئی طریقے اور کئی اسلوب ہوتے ہیں ۔ چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم، تاخیر، حذف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعریض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع کے صیغے سے خطاب کرنا اور جمع کو واحد کے صیغے سے ۔ خاص لفظ سے عام معنی مراد لینا اور عام لفظ سے خاص ۔ غرضیکہ بہت سے اسلوب ہوتے ہیں جو آپکو مجاز کے ابواب میں مل سکتے ہیں . . . قرآن کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہؤا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا، قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کرسکتا . . . کیونکہ عجمی زبانوں میں مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے ۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا (۱۸/۱۱)** ۔ اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کرلیں تو اس سے وہ مفہوم نہیں سمجھا جاسکیگا جو ان الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے ۔ اگر آپ یوں کہیں کہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں چند سال تک سلائے رکھا، تو اب بھی آپ نے مفہوم کا ترجمہ تو کردیا، الفاظ کا ترجمہ نہیں کرسکے ۔
> (قرطبین جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۶۳)

---

* اس قسم کے اسلوب بیان کے متعلق مشہور انگریز ادیب (Chesterton) کہتا ہے۔
Not literally true, but only really true. (Quoted by W. H. Urban—in Humanity and Deity—P. 117)

** یہ آیت اصحاب کہف کے متعلق ہے ۔ شاہ رفیع الدینؒ اس کا لفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں "پس پردہ مارا ہم نے اوپر کانوں ان کے بیچ غار کے برس کئی ایک" ۔

یہ انداز بیان عام کتابوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن جس کتاب عظیم کی یہ کیفیت ہو کہ اس کے حقائق کو تمام نوع انسان کے لئے، ہر زمانے میں مشعل ہدایت بننا ہو، اسکا وہ حصہ اسی انداز کا ہونا چاہئے جس کا تعلق حقائق سے ہو۔ اس سے ہر دور کے ارباب علم و بصیرت اور اصحاب فکر و تدبر، اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق، الفاظ کے مجازی معانی سے، قرآنی حقائق کو سمجھتے چلے جائینگے۔ اور یوں، جوں جوں انسانی عقل کی سطح بلند ہوتی جائیگی، قرآنی حقائق بے نقاب ہوکر سامنے آتے جائینگے۔

لہذا قرآنی الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ متعلقہ آیت میں فلاں لفظ کے معنی حقیقی لئے جانے چاہئیں یا مجازی۔ زیر نظر لغت میں اسکا بھی التزام کیا گیا ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جن مقامات پر ہم نے کسی لفظ کے مجازی معنی لئے ہیں وہاں (بالضرور) اسکے مجازی معنی لئے جائیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ ان الفاظ کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ اسکے بعد متعلقہ آیت میں جو معنی (حقیقی یا مجازی) زیادہ موزوں نظر آئیں انہیں اختیار کر لینا چاہئے۔ یہی کیفیت ان مقامات کی بھی ہے جہاں ہم نے قرآنی آیات سے کوئی خاص مفہوم مستنبط کیا ہے۔ قارئین میں سے جنہیں ہمارے مفہوم سے اختلاف ہو وہ اپنے لئے خود مفہوم متعین کرسکتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ زیر نظر لغت میں جو حصہ الفاظ کے لغوی معانی سے متعلق ہے وہ مستند کتب لغت سے ماخوذ ہے، اس لئے مستند ہے۔ لیکن جو کچھ ہم نے اپنی طرف سے کہا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق اس کا مفہوم خود متعین کرسکتے ہیں۔

بعض الفاظ کے سلسلہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ جو معانی اس لغت میں دیئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہوں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروّج ہیں (اسکی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں)۔ ایسی صورت میں آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اس کتاب کا حوالہ دےدیا ہے جہاں سے وہ معانی لئے گئے ہیں۔ اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ارباب علم کے نزدیک ان کی حیثیت مستند ہے۔ ان کتابوں میں البتہ بعض‌اوقات ان کے مؤلفین نے (لغوی معانی کےعلاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خوذ اپنی رائے بھی دی ہے۔ ہم نے بعض مقامات پر ان آراء سے اختلاف کیا ہے۔ اسلئے کہ اشخاص کی آراء ان کی ذاتی استعداد، رحجانات و میلانات، نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور

عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں ، اسلئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی ۔ ایسے مقامات پر ہم نے اپنے فہم وبصیرت (اور اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق) جو بہتر سمجھا ہے لکھ دیا ہے ۔ لیکن ہم نے ہر مقام پر اس کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ (ہماری بصیرت کے مطابق) قرآن کریم کی بہ ہیئت مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ یہی اصول ہمارے اس لغت کی اصل و بنیاد ہے ۔

اردو زبان میں عربی کے بہت سے الفاظ داخل ہیں لیکن یہ الفاظ اردو میں ان معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں جن معانی میں وہ بنیادی اور اصولی طور پر عربی میں استعمال ہوتے ہیں ۔ زیر نظر لغت میں جب اس قسم کے الفاظ (ہماری) اردو زبان کی عبارت میں آئیں تو ان کے وہی معانی سمجھے جائیں جن معانی میں وہ اردو میں استعمال ہوتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں ایک لفظ کا ذکر خصوصیت سے کرنا ضروری ہے جو آپ کو زیر نظر لغت میں بکثرت ملیگا ۔ وہ لفظ ہے '' قانون ،، ۔ ہمارے ہاں قانون سے عام طور پر مفہوم وہ (Laws) لئے جاتے ہیں جن کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں ۔ لیکن لفظ قانون کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے ۔ قانون سے مراد ایسے محکم اصول ہیں جن میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا ۔ مثلاً '' قانون فطرت ،، سے مراد ہیں وہ لگے بندھے اصول وضوابط جن کے مطابق خارجی کائنات کا محیرالعقول سلسلہ اس نظم و ضبط سے چل رہا ہے ۔ ''قوانین خداوندی،، سے مراد ہیں انسانی زندگی سے متعلق وہ اصول وضوابط جو قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ وقس علی ذالک ۔ لہٰذا اس لغت میں جہاں یہ لفظ (قانون) آئے سیاق وسباق کے مطابق اسکا مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔

بعض اوقات آپ دیکھینگے کہ لغت کی رو سے ایک ہی لفظ کے متعدد معنی دئے گئے ہیں ۔ ہم اسوقت اس امر کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے کہ ایک ہی لفظ کے متعدد (اور بعض وقت متضاد) معانی کیوں ہو جاتے ہیں ۔ (یہ علم الالسنہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج) ۔ بالعموم یہ اختلاف معانی ان الفاظ کے طریق استعمال کی بنا پر ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں اس قسم کا لفظ جس مقام پر آئیگا ، یا تو سیاق وسباق بتا دیگا کہ اسکا صحیح مفہوم کیا ہے، یا تصریف آیات سے یہ مقصد حاصل ہو جائیگا ۔ یعنی قرآن کریم کی ان متعدد آیات کو سامنے لانے سے جہاں وہ لفظ آیا ہے ۔ ہم نے اپنے لغت میں یہی طریق اختیار کیا ہے ۔

(۱۴) ان اہم امور کے علاوہ ذیل کے مختصر نقاط بھی پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔

(ا) لغت میں حروف مقطعات کے معانی نہیں دئے گئے۔ یہ قرآنی مفردات نہیں بلکہ مخففات ہیں۔ انکے متعلق ہم اپنا نقطہ نظر، مفہوم القرآن میں بیان کرینگے اور وہیں انکا مفہوم بھی دینگے۔ (مفہوم القرآن کا تعارف ذرا آگے چل کر آتا ہے)۔

(ب) عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن ان کی تفصیلی بحث ایک مستقل موضوع ہے جو اس قسم کی لغت کی کتاب میں جو آپ کے پیش نظر ہے ضمنی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ بنا بریں اس لغت میں حروف کی بحث کو صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ہے جہانتک یہ بحث قرآنی آیات کے سمجھنے میں مفید تصور کی گئی ہے۔

(ج) بعض حروف کے متعلق لکھا گیا ہے کہ فلاں آیت میں یہ "زائد" ہے۔ زائد کے یہ معنی نہیں کہ وہ بلا ضرورت استعمال کیا گیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حرف کے (اس مقام میں) الگ معنی کچھ نہیں لیکن اہل زبان اسے ایسے مواقع پر استعمال کرتے ہیں اور اس سے کلام میں خاص وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس موقع پر قرآن اسے استعمال نہ کرتا تو قرآن کا انداز غیر فصیح ہو جاتا۔

(د) عربی الفاظ کے مادے بالعموم سہ حرفی (ثلاثی) ہوتے ہیں لیکن بعض مادے چار حرفی (رباعی) بھی ہوتے ہیں۔ عام کتب لغت میں رباعی کو ثلاثی کے تابع دے دیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی اس باب میں اسی طریق کا اتباع کیا ہے بجز ان مقامات کے جہاں رباعی مادہ کا الگ دیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے۔

(ر) حضرات انبیائے کرامؑ اور اقوام سابقہ کا تعارف الگ عنوانات کے تحت کرایا گیا ہے۔ لیکن یہ تعارف (لغت کی مناسبت سے) اجمالی ہے۔ تفصیلی تعارف میری دوسری تصانیف (مثلاً جوئے نور، برق طور، شعلۂ مستور، معراج انسانیت) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(س) قرآنی آیات کا حوالہ اسطرح دیا گیا ہے کہ اوپر سورۃ کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً ($\frac{۷}{۹۲}$) سے مراد ہے ساتویں سورۃ (سورۂ اعراف) کی آیت ۹۲۔ چونکہ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں دو ایک کا فرق ہوتا ہے، * اسلئے اگر زیر نظر لغت میں کوئی آیت حوالہ کے مطابق نہ

* آیات کے نمبروں کے لحاظ سے، ساری دنیا کے لئے قرآن کریم کے ایک اسٹینڈرڈ (Standard) نسخہ کی بڑی ضرورت ہے جو کتابت کی غلطیوں سے بھی بالکل پاک ہو

ملے تو ایک دو آیات آگے پیچھے دیکھ لیں - لغات میں درج شدہ آیات کو اگر آپ قرآن کریم کے نسخہ سے ملا لیں تو بہتر ہوگا تاکہ اگر ان میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسکی تصحیح ہو جائے - قرآنی آیات میں صحت کا بالخصوص خیال رکھنا چاہئے -

(ص) لغت میں عندالضرورت حوالہ کے ساتھ قرآنی آیات بھی درج کر دی گئی ہیں - لیکن جہاں آیت درج نہ کی گئی ہو اور صرف حوالہ دیا گیا ہو وہاں آپ متعلقہ آیت قرآن کریم سے خود نکال کر دیکھ لیں - اس سے بات واضح ہو جائیگی -

(ط) بعض اوقات " قرآن کریم " یا " قرآن مجید " کے بجائے صرف " قرآن " لکھا ہوا ملیگا - اسے عدم احترام پر محمول نہ کیا جائے - قرآن کریم بہرحال و بہر نوع واجب الاحترام ہے خواہ اسکے ساتھ احترام کا لفظ آئے یا نہ آئے - جہاں ایسا لفظ موجود نہ ہو وہاں آپ اسکا اضافہ خود کر لیں -

(۱۰) یہ لغت اوّلاً واساساً ان حضرات کے لئے مرتب کیا گیا ہے جو عربی زبان سے واقف نہیں - اسلئے

(۱) اس میں علمی اصطلاحات سے اجتناب کیا گیا ہے اور بات عام فہم الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے - نیز کوشش کی گئی ہے کہ اسکا انداز سلیس اور سادہ ہو تاکہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں - البتہ جہاں گفتگو ہی کسی علمی یا فنی مسئلہ کے متعلق ہو وہاں اسلوب بیان کا فنی یا نسبتاً مشکل ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے -

(۲) لغت سے پہلے، قریب ستر صفحات میں ' عربی زبان کے گرامر کے قواعد ' آسان اور غیر فنّی زبان میں دئے گئے ہیں - یہ عربی زبان کی پوری گرامر (صرف و نحو) نہیں ' صرف مبادیات ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ جو حضرات عربی زبان سے ناواقف ہوں انہیں عربی الفاظ کی مختلف شکلوں اور عربی فقروں کی مختلف ترکیبوں سے شناسائی ہو جائے اور وہ اسطرح لغت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں - اگر آپ نے ان مبادیات کا غور سے مطالعہ کیا تو آپ دیکھینگے کہ ان کی مدد سے آپ عربی زبان سے کافی حد تک شناسا ہو جائینگے -

(۳) عربی زبان کے اصول کے مطابق لغت کی ترتیب الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مادوں کے اعتبار سے رکھی گئی ہے - مثلاً لفظ " متقین " آپ کو (م - ت - ق) کے تحت نہیں ملیگا - اس لفظ کے مادہ (و - ق - ی) کے ماتحت

ملیگا۔ لیکن عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے یہ مشکل (بلکہ بعض اوقات نا ممکن) ہوگا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے، اور جب وہ مادہ ہی معلوم نہیں کر سکینگے تو وہ اس لفظ کو لغت میں تلاش کیسے کرینگے؟ اس دقت کے پیش نظر ہم نے تمام قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی ہے ۔ اس فہرست کو حروفِ تہجی (ا ۔ ب ۔ ت ۔ ث) کے مطابق ترتیب دیا ہے ، اور ہر لفظ کے سامنے وہ مادہ دے دیا ہے جس کے ماتحت وہ لفظ ملیگا ۔ مثلاً فہرست میں لفظ ،، متقین ۔ م ۔ کے ماتحت (بہ ترتیب ۔ م ۔ ت ۔ ق) دیا گیا ہے ، اور اس کے سامنے لکھا گیا ہے ۔ و۔ ق۔ ی ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ ،، متقین ،، لغت میں ،، و ۔ ق ۔ ی '' کے عنوان کے تحت ملیگا ۔ یہ فہرست تقریب سو صفحات سے زیادہ پر پھیلی ہوئی ہے ۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ مکمل ہو ، لیکن اس میں پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے ۔ اگر آپ کو اس میں کوئی سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اڈیشن میں مناسب اصلاح کر لی جائے ۔

مبادیات اور فہرست میں ، کوشش بسیار کے باوجود ، چند ایک طباعت کی غلطیاں رہ گئی ہیں ۔ انہیں فہرست کے آخر میں ،، اغلاط نامہ ،، میں درج کر دیا گیا ہے ۔ آپ متعلقہ الفاظ کی تصحیح کر لیں ۔

۱۶ ۔ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے ، اس لغت کی تدوین کا محرک جذبہ یہ تھا کہ جن حضرات کے دل میں قرآن کریم کا ذوق پیدا ہو چکا ہے وہ براہ راست اسے سمجھنے کے قابل ہو سکیں ۔ یہ مقصد بڑی حد تک زیر نظر لغت سے پورا ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے ۔ لیکن اکثر احباب کا خیال تھا (جس سے غور و فکر کے بعد مجھے بھی متفق ہونا پڑا) کہ اس کے باوجود (یا یوں کہئے کہ اس کے ساتھ) قرآن کریم کے ایک رواں ترجمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے ۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے کہا ہے (اور ابن قتیبہ ہی نے نہیں ، اب یورپ کے اکثر فاضل مستشرقین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ) قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ (اس کی تفصیل ،، مفہوم القرآن ،، میں ملیگی) ۔ یہ بالکل درست ہے ۔ میرے مدت العمر کے مطالعہ اور تدبر فی القرآن نے خود مجھے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا ہے ۔ چنانچہ میں نے اس مشکل مسئلہ پر ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک ایسا اسلوب وضع کیا جو ترجمہ اور تفسیر کے بین بین ہے ۔ یہ کچھ اس سے ملتا جلتا ہے جسے انگریزی زبان میں (Paraphrasing) کہتے ہیں ۔

اردو زبان میں اسے ”مفہوم“ کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قرآن کا مفہوم اپنے الفاظ میں۔ میں نے قرآن کریم کے بعض مقامات کا ”مفہوم“ اس انداز سے متعین کیا اور اسے تجربۃً مختلف احباب کے سامنے پیش کیا۔ یہ تجربہ بڑا مفید رہا۔ ان کی رائے تھی کہ اس سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہیں رہتی۔ اس تجربہ کے بعد میں نے، قرآنی الفاظ کے ان معانی کے رُو سے جو زیر نظر لغت میں دئے گئے ہیں، قرآن کریم کا مفہوم مرتب کیا ہے۔ اسی کا نام ”مفہوم القرآن“ ہے جو ابتدائی مسودہ کی شکل میں اس وقت موجود ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ زیر نظر لغت اور مفہوم القرآن کی اشاعت سے وہ دشواریاں رفع ہو جائینگی جو قرآن مجید کے سمجھنے میں عام طور پر پیش آتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ (لغت نہیں تو کم از کم) مفہوم القرآن انگریزی زبان میں بھی شائع ہو جائے تا کہ بیرونی دنیا (بالخصوص یورپ اور امریکہ) خدا کی اس عظیم کتاب کو جو تمام نوع انسانی کی رهنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، براہ راست سمجھ لے اور اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس کا یہ دعویٰ کسقدر مبنی بر صداقت ہے کہ جو نظام اس نے عطا کیا ہے وہ نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت محسوس کرتا ہوں کہ مغربی ممالک اس نظام کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن یہ نظام ان کے سامنے نہیں آ رہا۔ یہ اسی صورت میں سامنے آ سکیگا جب قرآن کریم کو، اس کی اصلی شکل میں، دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

۱۷۔ لغت (اور اس کے ساتھ مفہوم القرآن) سالہا سال کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مرتب تو ہو گئے لیکن اتنی ضخیم کتابوں کے چھپوانے کی مجھ میں کہاں استطاعت تھی؟ یہ وہ مقام تھا جہاں میں بے بس تھا۔ میری تصانیف سے جو کچھ (تھوڑا بہت) منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں صرف ہو جاتا ہے (بلکہ یوں کہئیے کہ وہ اس کے لئے بھی کفایت نہیں کرتا۔ اس عظیم مشن کے متعدد گوشے ایسے ہیں جو سرمایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے ہیں) اس بے بسی نے مجھے عرصہ تک وقف اضطراب رکھا تا آنکہ میرے ان قرآنی احباب نے جو میرے مشن سے متفق ہیں، از خود آگے بڑھ کر میرا یہ بوجھ ہلکا کر دیا، اور یوں میرے لئے اس دشوار گذار مرحلہ کو آسان بنا دیا۔ میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور میرا دل ان احباب کے لئے جذبات تشکر و امتنان سے لبریز ہو رہا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہ شکریہ

کے خواہاں ہیں، نہ ستائش کے متمنی — قرآن کا رشتہ بھی دنیا میں عجیب رشتہ ہے۔

اس کے بعد، طباعت کی عملی دشواریاں سامنے آئیں۔ آجکل لیتھو کی چھپائی جس بری طرح سے کتاب کو مسخ کر دیتی ہے اس کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ میں اس تجربہ کو، کم از کم لغت جیسی اہم کتاب کے سلسلہ میں، دھرانے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ اوفسٹ کی چھپائی کے متعلق معلوم کیا تو وہ ہماری بساط سے کہیں زیادہ تھی۔ اب لے دے کے ٹائپ کی چھپائی رہ جاتی تھی۔ اس میں دشواری یہ تھی کہ ہمارے ہاں ابھی ایسا ٹائپ رائج نہیں ہوا جس کے ساتھ اعراب ہوں، اور اعراب الگ لگانے سے وہ اپنے صحیح مقام سے ادھر ادھر ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے لئے کئی ایک مطابع میں تجربے کئے گئے۔ ایک پریس میں مبادیات اور فہرست کو چھپوا کر بھی دیکھ لیا۔ اس تمام تگ و تاز کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ لغت کی طباعت کی اطمینان بخش صورت اسی نہج سے ہو سکتی ہے کہ پریس اپنے زیر اہتمام ہو۔ اس کے لئے کافی عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ بہرحال اب خدا خدا کر کے اس کا انتظام ہوا ہے اور میں اس قابل ہوا ہوں کہ لغت کی پہلی جلد احباب کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس کی طباعت اب بھی میرے معیار کے مطابق نہیں (اس میں بھی بعض اوقات اعراب اپنے ٹھیک مقام پر نہیں لگ سکے۔ لیکن میں نے اسے اس لئے گوارا کر لیا ہے کہ "معیار" کی تلاش میں، وقت کی اشد ضرورت کو بالآخر کب تک التوا میں ڈالا جا سکتا ہے؟ احباب کے تقاضوں کا تو یہ عالم ہے کہ -- سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا — اس لئے اپنی طرف سے جسقدر بھی اچھے سے اچھا ہو سکا، اسے چھاپ دیا گیا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ لغات القرآن، چار یا پانچ جلدوں میں تکمیل تک پہنچ جائیگی۔ اس کے بعد "مفہوم القرآن" کی طباعت کی باری آئیگی۔ "مفہوم القرآن" کے لئے بھی احباب کے تقاضے جسقدر شدید ہیں اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن چونکہ اس مفہوم کی سند، صرف لغتِ زیر نظر میں مل سکیگی، اس لئے اسے لغت کی تکمیل سے پہلے شائع نہیں کیا جا سکتا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

واضح رہے کہ زیر نظر لغت میں قرآنی آیات کا اردو ترجمہ لغوی مفہوم کی رعایت سے دے دیا گیا ہے۔ مفہوم القرآن کا انداز اس سے الگ ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم پیش کیا گیا ہے۔

(۱۸) عام کتب لغت اسوقت مکمل ہوتی ہیں جب ان کی تمام جلدیں چھپ کر سامنے آجائیں ۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے زیر نظر لغت بھی اسی طرح مکمل ہوگا۔ لیکن یہ صرف لغت کی کتاب نہیں ۔ اس میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بھی آ گئے ہیں ۔ اس لحاظ سے اسکی ہر جلد اپنی جگہ مکمل اور خود مکتفی ہے ۔ لہذا آپ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ تمام جلدیں چھپ جائیں تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ آپ ہر جلد سے الگ الگ استفادہ کرسکتے ہیں ۔ آپ اسے لغات کیطرح نہ دیکھئے ، کہ جب کسی خاص لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں توکتاب کھول کر وہ معانی دیکھ لئے اور پھر کتاب رکھ دی ۔ آپ اسکا مسلسل مطالعہ کیجئے ۔ اس طرح قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتے جائینگے ۔

(۱۹) اگرچہ لغت کا پورا مسودہ طباعت کے لئے تیار رکھا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ طباعت کے دوران ، مزید غور و فکر سے بعض اہم چیزیں اسوقت سامنے آئیں جب متعلقہ جلد چھپ چکی ہو، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور سامنے آئیں ۔ اگر ایسا ہوا تو آخری جلد کے ساتھ ایک تکملہ شائع کر دیا جائیگا جس میں یہ تمام امور آجائینگے۔

(۲۰) جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، میں اپنی کسی تحریر کو نہ سہو وخطا سے منزہ سمجھتا ہوں ، نہ اس موضوع پر حرف آخر ۔ میری دیگر تصانیف کی طرح یہ لغت بھی بہر حال انسانی کوشش ہے جس میں سہو و خطا کا امکان اور حک و اضافہ کی گنجائش ہے ۔ جو احباب مجھے میری غلطیوں سے مطلع اور اپنے مشوروں سے مستفید فرمائینگے میں انکا شکر گذار ہونگا بشرطیکہ یہ بغرض تعاون ہو، نہ کہ بحث و جدل کی خاطر ۔ میں بحث میں الجھا نہیں کرتا ۔

اگر میری اس کوشش ناتمام سے کچھ احباب بھی قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو گئے تو میں سمجھونگا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا ۔ یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میری کاوشوں کا منتہیٰ ہے ۔ ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم ۔

۲۵ - بی - گلبرگ
لاہور (پاکستان)

غلام احمد پرویز
مارچ ۱۹۶۰



لغات القرآن

باب اوّل

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

۱

یہ باب ان قارئین کے لئے لکھا گیا ہے جو عربی زبان اور اس کی گرامر سے واقف نہیں - اس میں صرف و نحو کی دقیق اصطلاحات اور فنی باریکیوں سے بحث نہیں کی گئی، بلکہ مختصر اور سادہ الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ عربی الفاظ کی شکلیں کس طرح بدلتی ہیں اور اس تبدیلی سے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے؟

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

عربی زبان کی لغت کی خصوصیت

آپ اردو زبان کی ڈکشنری میں (مثلاً) ''مُتَعَلِّم'' یا ''تعلیم'' کے الفاظ دیکھنا چاہیں تو مُتعلّم آپ کو ''م'' کی تختی میں اور تعلیم ''ت'' کی تختی میں مل جائے گا۔ لیکن اگر آپ یہی الفاظ عربی زبان کی ڈکشنری میں دیکھیں گے تو نہ متعلم ''م'' کی تختی میں ملے گا اور نہ ہی تعلیم ''ت'' کی تختی میں - یہ دونوں ع - ل - م (علم) کے باب میں ملیں گے - اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ عربی زبان کی لغت (ڈکشنری) میں الفاظ کی ترتیب ان کے حروف کی ترتیب کے مطابق ہو - یہ پہلی دشواری ہے جو عربی نہ جاننے والوں کی راہ میں عربی زبان کی ڈکشنری سے الفاظ کے معانی معلوم کرنے کی راہ میں حائل ہوتی ہے - لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کیوں ہے تو یہی دشواری ایک طرف یہ بتا دیگی کہ عربی زبان کس قدر سائنٹیفک ہے اور دوسری طرف یہ کہ اس کے الفاظ کے معانی معلوم (بلکہ متعین) کرنے کس قدر آسان اور دلچسپ ہیں -

عربی زبان کا ہر لفظ الگ الگ مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جس طرح درخت کی شاخیں ' پتے ' پھول ' پھل اس کے بیج یا جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اسی طرح اس زبان کا ہر لفظ اپنی ایک جڑ اور اصل رکھتا ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتا ہے -

مادّہ

اس جڑ یا اصل کو مادّہ (Root) کہتے ہیں - عربی زبان میں ایک مادہ سے سینکڑوں الفاظ (اسماء - افعال- صیغے وغیرہ) بنتے ہیں- ان الفاظ کی شکلیں مختلف ہوں گی لیکن ان میں سے ہر ایک میں اس جڑ (مادہ) کی خصوصیت ضرور موجود ہوگی ' نیز یہ کہ یہ الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں یونہی اندھا دھند نہیں بن جاتیں - یہ

خاص قاعدوں کے مطابق سائنٹیفک طریق سے بنتی ہیں اور ہر شکل اپنا خاص مفہوم رکھتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم ہو اور ان قاعدوں سے واقفیت ہو جن کے مطابق اس مادہ سے مختلف الفاظ خاص شکلیں لئے ہوئے ابھرتے ہیں تو مادہ کے معنی معلوم ہو جانے سے ان تمام الفاظ کے معانی خود بخود سامنے آ جائیں گے - یہ وجہ ہے کہ عربی زبان کی ڈکشنری میں مختلف الفاظ کو ان کے حروف کی ترتیب سے نہیں دیا جاتا بلکہ انہیں ان کے مادہ کے تحت دیا جاتا ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم کرنا آ جائے تو اس سے نہ صرف اس خاص لفظ کے معانی معلوم ہوجائیں گے بلکہ اس "خاندان" (شجر، درخت) کے تمام افراد سے تعارف ہو جائیگا اور ہم ان کے خط و خال کو دیکھتے ہی بتا دینگے کہ یہ کس اصل کی شاخیں ہیں -

مادّہ معلوم کرنیکا طریقہ

اب ہم ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ مادہ (بالعموم) کس طرح معلوم کیا جاتا ہے - مندرجۂ ذیل الفاظ ہماری روز مرہ کی بولی میں شامل ہیں :

(۱) معلوم (۲) معلومات (۳) عالم (۴) علماء (۵) علم (۶) مُعَلّم (۷) متعلم (۸) متعلمه (۹) معلّمه (۱۰) تعلیم (۱۱) علوم (۱۲) علیم (۱۳) علمی (۱۴) علامت (۱۵) علمیّت (۱۶) علاّمه

یہ تمام الفاظ عربی زبان کے ہیں جنہیں ہم بے تکان اپنی زبان میں لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں - آپ ان الفاظ کی ساخت پر غور کیجئے - ایک بات نمایاں طور پر نظر آ جائیگی - یعنی کچھ حروف ایسے ہیں جو ان تمام الفاظ میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں - یہ حروف ہیں "ع - ل - م -" ان کے علاوہ باقی حروف ایسے ہیں جو کسی ایک لفظ میں پائے جاتے ہیں لیکن دوسرے میں موجود نہیں ہیں - مثلاً عـالـم میں "الف" ہے جو تعـلـم میں نہیں - متعلّم میں "ت" ہے جو معلوم میں نہیں -

وہ حروف جو تمام الفاظ میں مشترک پائے جاتے ہیں ان الفاظ کا مادہ (اصلی حروف)

کہلاتے ہیں - اس اصول کے مطابق مندرجۂ بالا سواہ الفاظ کا مادہ "ع - ل - م" (علم) ہے -

ایک مادہ سے جو مختلف الفاظ بنائے جاتے ہیں وہ اس مادہ کے "مشتقات" ہیں -

[نوٹ بعض اوقات ایک لفظ جس انداز سے لکھا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے اس کے ساتھ مادہ کے اصلی حروف اور زائد حروف کے علاوہ اور حروف بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں - اصل لفظ جس کا مادہ معلوم کرنا ہو' ان حروف کو الگ کرنے سے سامنے آتا ہے - مثلاً فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ میں اصلی لفظ يَكْفِي ہے - باقی حروف (ف - س - ک - ھُمْ) اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں - ان حروف کو الگ کرکے يَكْفِي کا مادہّ معلوم کیا جائیگا- عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت ہو جانے سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی لفظ میں اس قسم کے حروف کون کون سے ہیں - یہ حروف خاص مقصد کے لئے آتے ہیں -]

الف اور همزه کا فرق

عربی زبان کے حروف ھجا (Alphabet) حسب ذیل ہیں :

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض
ط ظ ع غ ف ق ك ل م ن ہ و ی -

زیر نظر لغت میں الفاظ انہی حروف کی ترتیب سے سامنے آئینگے - ان حروف میں صرف ایک چیز قابل غور ہے اور وہ ہے الف اور همزہ کا فرق - الف پر زبر' زیر' پیش کچھ نہیں ہوتا - جیسے قَالَ میں ق کے بعد الف ہے لیکن اس پر کوئی حرکت نہیں اس کے برعکس أَكَلَ میں الف پر زبر ہے' اس لئے اسے الف نہیں بلکہ ھمزہ کہینگے- اسی طرح يَأْتِي میں الف پر جزم ہے - یہ بھی ھمزہ ہے الف نہیں -

عربی زبان کے کسی لفظ کے مادہ میں الف کبھی نہیں آئیگا' ھمزہ آئیگا - اگر کسی مادہ میں الف نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس جگہ در حقیقت اصلی حرف واو یا ی تھا - الف اس واو یا ی سے بدل کر آیا ہے- مثلاً قَامَ میں مادہ ق - و - م ہے - گویا قَامَ اصل میں' قَوَمَ تھا - واو' الف سے بدل گیا ہے - اسی طرح بَاعَ کا مادہ ب - ی - ع ہے - ی' الف سے بدل گئی ہے -

حروفِ علّت

عربی حروف ہجا میں تین حروف (ا ۔ و ۔ ی) حروف علت (Vowel) کہلاتے ہیں اور باقی حروف صحیحہ یا حروف صحت (Consonant) ۔ علت بیماری کو کہتے ہیں ۔ جس لفظ میں ان حروف میں سے کوئی حرف آ جائے اس کے مادہ کے معلوم کرنے میں کچھ پریشانی ہو جاتی ہے (روگ لگ جاتا ہے) ۔ اس لئے کہ یہ حروف اس لفظ کو اس کی صحیح حالت اور پورے وزن پر نہیں رہنے دیتے ۔ ان امور کی تفصیل میں جانے کی آپ کو ضرورت نہیں ۔ یہاں صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جس مادہ میں واو ہو اسے واوی اور جس مادہ میں ی ہو اسے یائی کہتے ہیں ۔ ان مادوں کا فرق ظاہر کرنے اور حروف علت کی پریشان کن تبدیلیوں کو سامنے لانے کے لئے ہم آگے چل کر کچھ مثالیں پیش کرینگے ' جنہیں سمجھ لینے سے حروف علت والے مادوں کا معلوم کر لینا بھی چنداں دشوار نہیں رہیگا ۔

مادّہ اور اسکے مُشتقّات

ہر مادہ سے معین اوزان پر ' افعال (Verbs) اور اسماء (Nouns) بنائے جاتے ہیں (انہیں اس مادہ کے "مشتقات" کہتے ہیں) حروف (Particles) مادہ سے نہیں بنتے ۔

[عربی زبان میں دیگر زبانوں کی طرح حروف بڑی اہمیت رکھتے ہیں ' ان کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا]

مختلف مادوں سے حسب ذیل افعال اور اسماء بنتے ہیں :

(نوٹ ۔ اصطلاحات کی تشریح آگے چل کر آئیگی)

افعال اور ان کے مختلف ابواب :

(۱) فعل ماضی ۔ معلوم و مجہول ۔ مثبت و منفی وغیرہ (مع جملہ اقسام) ۔

(۲) فعل مضارع ۔ معلوم و مجہول ۔ مثبت و منفی ۔ لام تاکید اور نون تاکید (ثقیلہ و خفیفہ) کے ساتھ ۔ وغیرہ ۔

(۳) امر ۔ حاضر و غائب وغیرہ ۔

(۴) نہی ۔ حاضر و غائب ۔

افعال

فعل ماضی | گزرے ہوئے زمانے کو ماضی کہتے ہیں ۔ لہذا جو کام گذرے ہوئے زمانہ میں ہوا ہو یا کیا دیا ہو وہ ''فعل ماضی'' کہلاتا ہے ۔انگریزی گرامر میں اسے (Past Tense) کہتے ہیں ۔

فعل مضارع | موجودہ زمانہ کو حال (Present) اور آنے والے کو مستقبل (Future) کہتے ہیں ۔ عربی زبان میں ان دونوں زمانوں (یعنی حال و مستقبل) کے لئے ایک فعل استعمال ہوتا ہے جسے ''فعل مضارع'' کہتے ہیں ۔ انگریزی میں اسے (Aorist Tense) کہا جاتا ہے ۔

فعل مثبت اور منفی | جس فعل میں کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو وہ فعل مثبت (Affirmative) کہلاتا ہے ۔ جس فعل میں نہ کرنے کا ذکر ہو وہ فعل منفی (Negative) ۔ فعل ماضی کو منفی بنانے کے لئے اس کے شروع میں مَا بڑھا دیتے ہیں اور فعل مضارع کے شروع میں لَا ۔

فعل کی ضمیریں | عربی زبان میں فعل کے ہر صیغے میں ایک ضمیر (Pronoun) ہوتی ہے ۔ مثلاً کَتَبَ کے معنی صرف " لکھا " نہیں بلکہ " اس (مذکر) نے لکھا " ۔ اسی طرح ''اَکْتُبُ'' کے معنی ہیں " میں لکھتا ہوں " ۔

ضمائر (Pronoun) کی تین قسمیں ہیں ۔ غائب کی ضمیر (Third Person) ۔ مخاطب کی ضمیر (Second Person)۔ اور متکلم کی ضمیر (First Person) ۔ جس فعل میں غائب کی ضمیر ہوگی وہ ''غائب'' کہلائیگا ' جس میں مخاطب کی ضمیر ہوگی وہ ''مخاطب'' اور جس میں متکلم کی ضمیر ہوگی وہ ''متکلم'' ۔

مذکّر و مؤنّث | عربی زبان میں مذکر (Masculine) اور مؤنث (Faminine) کے افعال (Verb) کے لئے بھی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں ۔ مثلاً کَتَبَ ۔ اس (مذکر) نے لکھا ۔ کَتَبَتْ ۔ اس (مؤنث) نے لکھا ۔ یا ذَهَبَ وہ (مذکر) گیا ' اور ذَهَبَتْ وہ مؤنث گئی ۔

واحد ۔ تثنیہ ۔ جمع

اردو زبان میں ایک کو واحد (Singular) اور ایک سے زیادہ کو جمع (Plural) کہتے ہیں - لیکن عربی زبان میں "دو" کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے - اسے تَثْنِیَہ یا مُثَنّٰی (Dual) کہتے ہیں۔ مثلاً کَتَبَ : اس ایک (مذکر) نے لکھا - کَتَبَا : ان دو (مذکروں) نے لکھا۔ اور کَتَبُوا : ان دو سے زیادہ یا سب (مذکروں) نے لکھا -

آپ نے دیکھا کہ عربی زبان میں محض صیغہ بدل دینے سے کیا کیا فرق پڑ جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے یہ زبان بڑی جامع ہے -

فعل معلوم و مجہول

فعل (Verb) کی ابھی ایک اور قسم باقی ہے اور وہ ہے معلوم و مجہول ۔ فعل معلوم (Active) وہ ہے جس میں فاعل (یعنی کام کرنے والا) معلوم ہو۔ مثلاً قَتَلَ کے معنے ہیں "اس نے قتل کیا"۔ اس میں معلوم ہے کہ قتل کرنے والا کون ہے - لیکن جب کہا جائے قُتِلَ (وہ قتل کیا گیا) تو اس میں یہ معلوم نہیں کہ قاتل کون ہے - اول الذکر کو فعل معلوم یا فعل معروف کہتے ہیں اور ثانی الذکر کو فعل مجہول (Passive)۔ آگے چل کر ہم بتائینگے کہ فعل معروف سے فعل مجہول بنتا کس طرح ہے -

فعل کے متعلق یہ تفصیل معلوم ہوجانے کے بعد اب آپ فعل کے وزن اور صیغے دیکھئے۔

فعل ماضی کے صیغے (گردان یا شکلیں)

فعل ماضی معلوم (مثبت)

صیغہ	معنی	عدد	جنس	شخص
ذَهَبَ	وہ گیا	واحد	مذکر	غائب
ذَهَبَا	وہ دو گئے	مثنّی		
ذَهَبُوْا	وہ سب گئے	جمع		
ذَهَبَتْ	وہ گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبَتَا	وہ دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْنَ	وہ سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتَ	تو گیا	واحد	مذکر	حاضر
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئے	مثنّی		
ذَهَبْتُمْ	تم سب گئے	جمع		
ذَهَبْتِ	تو گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْتُنَّ	تم سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتُ	میں گیا یا میں گئی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
ذَهَبْنَا	ہم دو یا ہم سب گئے ہم دو یا ہم سب گئیں	مثنّی و جمع		

نوٹ - فعل ماضی منفی بنانے کے لئے شروع میں "مَا" بڑھا دیجئے - مثلاً

مَا ذَهَبَ : وہ نہیں گیا -

فعل ماضی مجہول (مثبت)

فعل ماضی مجہول بنانے کے لئے پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف پر زیر ہوجاتا ہے ۔

صیغہ	معنی	عدد	جنس	
قُتِلَ	وہ قتل کیا گیا	واحد	مذکر	غائب
قُتِلَا	وہ دو قتل کئے گئے	مثنی		
قُتِلُوْا	وہ سب قتل کئے گئے	جمع		
قُتِلَتْ	وہ قتل کی گئی	واحد	مؤنث	
قُتِلَتَا	وہ دو قتل کی گئیں	مثنی		
قُتِلْنَ	وہ سب قتل کی گئیں	جمع		
قُتِلْتَ	تو قتل کیا گیا	واحد	مذکر	حاضر
قُتِلْتُمَا	تم دو قتل کئے گئے	مثنی		
قُتِلْتُمْ	تم سب قتل کئے گئے	جمع		
قُتِلْتِ	تو قتل کی گئی	واحد	مؤنث	
قُتِلْتُمَا	تم دو قتل کی گئیں	مثنی		
قُتِلْتُنَّ	تم سب قتل کی گئیں	جمع		
قُتِلْتُ	میں قتل کیا گیا، میں قتل کی گئی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
قُتِلْنَا	ہم دو یا ہم سب قتل کئے گئے ہم دو یا ہم سب قتل کی گئیں	مثنی و جمع		

نوٹ ۔ منفی ماضی مجہول بنانے کے لئے "مَا" بڑھا دیجئے۔ جیسے مَا قُتِلَ: وہ قتل نہیں کیا گیا ۔

فعل مضارع (حال و استقبال) معلوم ۔ مثبت

صیغہ	ترجمہ	عدد	جنس	
يَعْلَمُ	وہ جانتا ہے یا جانے گا	واحد	مذکر	غائب
يَعْلَمَانِ	وہ دو جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	مثنی	مذکر	غائب
يَعْلَمُونَ	وہ سب جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	جمع	مذکر	غائب
تَعْلَمُ	وہ جانتی ہے یا جانے گی	واحد	مؤنث	غائب
تَعْلَمَانِ	وہ دو جانتی ہیں یا جانیں گی	مثنی	مؤنث	غائب
يَعْلَمْنَ	وہ سب جانتی ہیں یا جانیں گی	جمع	مؤنث	غائب
تَعْلَمُ	تو جانتا ہے یا جانے گا	واحد	مذکر	حاضر
تَعْلَمَانِ	تم دو جانتے ہو یا جانوگے	مثنی	مذکر	حاضر
تَعْلَمُونَ	تم سب جانتے ہو یا جانوگے	جمع	مذکر	حاضر
تَعْلَمِينَ	تو جانتی ہے یا جانے گی	واحد	مؤنث	حاضر
تَعْلَمَانِ	تم دو جانتی ہو یا جانوگی	مثنی	مؤنث	حاضر
تَعْلَمْنَ	تم سب جانتی ہو یا جانوگی	جمع	مؤنث	حاضر
أَعْلَمُ	میں جانتا ہوں یا جانوں گا میں جانتی ہوں یا جانوں گی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
نَعْلَمُ	ہم دو یا ہم سب جانتے ہیں یا جانیں گے ہم دو یا ہم سب جانتی ہیں یا جانیں گی	مثنی و جمع	مذکر و مؤنث	متکلم

نوٹ ۔ فعل مضارع منفی بنانے کے لئے شروع میں ”لَا“ بڑھا دیا جاتا ہے ۔
مثلاً ”لَا يَعْلَمُ : وہ نہیں جانتا ہے یا نہیں جانے گا“

فعل مضارع مجہول - مثبت

فعل مجہول بنانے کے لیے پہلے حرف پر پیش اور تیسرے پر زبر لگایا جاتا ہے

صیغہ	ترجمہ	عدد	جنس	
يُقْتَلُ	وہ قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائیگا	واحد	مذکر	غائب
يُقْتَلَانِ	وہ دو قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	مثنی	مذکر	غائب
يُقْتَلُوْنَ	وہ سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	جمع	مذکر	غائب
تُقْتَلُ	وہ قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائیگی	واحد	مؤنث	غائب
تُقْتَلَانِ	وہ دونوں قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	مثنی	مؤنث	غائب
يُقْتَلْنَ	وہ سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	جمع	مؤنث	غائب
تُقْتَلُ	تو قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائے گا	واحد	مذکر	حاضر
تُقْتَلَانِ	تم دو قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	مثنی	مذکر	حاضر
تُقْتَلُوْنَ	تم سب قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	جمع	مذکر	حاضر
تُقْتَلِيْنَ	تو قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائے گی	واحد	مؤنث	حاضر
تُقْتَلَانِ	تم دو قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤگی	مثنی	مؤنث	حاضر
تُقْتَلْنَ	تم سب قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤگی	جمع	مؤنث	حاضر
اُقْتَلُ	میں قتل کیا جاتا ہوں یا قتل کیا جاؤنگا میں قتل کی جاتی ہوں یا قتل کی جاؤنگی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
نُقْتَلُ	ہم دو یا ہم سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے ہم دو یا ہم سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	مثنی و جمع	مذکر و مؤنث	متکلم

نوٹ - منفی بنانے کے لئے شروع میں ”لَا“ بڑھا دیا جاتا ہے - جیسے

”لَا يُقْتَلُ : وہ قتل نہیں کیا جاتا ہے یا قتل نہیں کیا جائے گا“

بعض تغیرات

فعل ماضی اور فعل مضارع کے جو اوزان پیچھے دئے گئے ھیں (وہ ثلاثی مجرد کے ھیں) ان کے مطابق ھر فعل سے اتنی ھی شکلیں بنائی جا سکتی ھیں ۔ فعل معلوم (معروف) میں ماضی کے درمیانی یعنی دوسرے حرف پر الگ الگ حرکت (زبر' زیر' پیش) ھوتی ہے ۔ مثلاً فعل ماضی عَلِمَ میں ل پر زیر ہے لیکن ثَقُلَ میں ق پر پیش ہے اور ذَھَبَ میں ھ پر زبر ہے۔ اسی طرح مضارع معروف میں بھی تیسرے حرف پر مختلف حرکات ھوتی ھیں' مثلاً یَعْلَمُ میں ل پر زبر ہے ' یَنْصُرُ میں ص پر پیش ہے اور یَکْذِبُ میں ذ پر زیر ہے ۔ ان درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف کے متعلق تفصیل سے اگلے باب میں لکھا جائے گا جہاں بتایا جائے گا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ھیں ۔

یہ تو رھا درمیانی حرف کی حرکتوں کا بیان ۔ فعل ماضی کے صیغوں کے آخر میں کوئی تغیر نہیں ھوتا لیکن فعل مضارع کے شروع میں بعض حروف کے آ جانے سے اس کے صیغوں کے آخر میں کچھ تغیر ھو جاتا ہے ۔ مثلاً إِنْ ۔ لَمْ ۔ لَمَّا ۔ لام امر ۔ لاء نہی ، میں سے جب کوئی حرف مضارع سے پہلے آ جائے تو :

۱۔ مضارع کے جن صیغوں کے آخر میں ن نہیں ھوتا ان کے آخری حرف پر جزم آجاتا ہے۔ مثلاً یَعْلَمُ ۔ تَعْلَمُ ۔ اَعْلَمُ ۔ نَعْلَمُ سے لَمْ یَعْلَمْ ۔ لَمْ تَعْلَمْ ۔ لَمْ اَعْلَمْ ۔ لَمْ نَعْلَمْ ۔

۲۔ جمع مؤنث کے صیغوں کو چھوڑ کر (جو اپنی حالت پر رھتے ھیں) باقی جن صیغوں کے آخر میں ن ہے وہ اُڑ جاتا ہے ۔ مثلاً :

یَعْلَمَانِ ۔ یَعْلَمُوْنَ ۔ تَعْلَمَانِ ۔ تَعْلَمُوْنَ ۔ تَعْلَمِیْنَ سے لَمَّا یَعْلَمَا ۔ لَمْ یَعْلَمُوْا ۔ إِنْ تَعْلَمَا ۔ لَمْ تَعْلَمُوْا اور لَمْ تَعْلَمِیْ ۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے جمع مؤنث کے دو صیغوں کے ن ھر حال میں باقی

رہتے ہیں۔ مثلاً لَمْ یَعْلَمْنَ - لَمْ تَعْلَمْنَ -

۳- اسی طرح بعض حروف مضارع کے شروع میں آتے ہیں تو وہ مضارع کے ان صیغوں کے آخری حرف پر زبر لگا دیتے ہیں جن کے آخر میں ن نہیں ہوتا اور جن کے آخر میں ن ہوتا ہے ان میں وہی تغیر پیدا کرتے ہیں جو لَمْ اور لَمَّا وغیرہ کرتے ہیں - وہ حروف یہ ہیں :

اَنْ - لَنْ - کَیْ - لِکَیْ -

مثلاً یَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - نَعْلَمُ سے اَنْ یَّعْلَمَ - لَنْ تَعْلَمَ لِکَیْ اَعْلَمَ -

اور یَعْلَمَانِ سے لَنْ یَعْلَمَا - یَعْلَمُوْنَ سے اَنْ یَّعْلَمُوْا وغیرہ - جمع مؤنث کے دو صیغوں کے آخری ن ہر حال میں باقی رہتے ہیں - مثلاً لَنْ یَعْلَمْنَ - لَنْ تَعْلَمْنَ -

۴- مضارع کے شروع میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید کے آنے سے بھی مضارع میں بعض تغیرات پیدا ہوتے ہیں - مثلاً لَا یَحْطِمُ کے آخر میں نون تاکید بڑھایا جائے تو وہ لَا یَحْطِمَنَّ ہو جائے گا - یعنی م کا پیش زبر سے بدل جائے گا - اسی طرح اَحْتَنِكُ کے پہلے لام تاکید اور آخر میں نون تاکید بڑھانے سے لَاَحْتَنِكَنَّ ہوگیا - یعنی ك کا پیش زبر سے بدل گیا - (بغرض اختصار انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے) -

اب امر اور نہی کے صیغوں کو لیجئے -

امر کے صیغے
(IMPERATIVE)

اِذْهَبْ	تو جا	واحد	مذکر
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبُوْا	تم سب جاؤ	جمع	
اِذْهَبِیْ	تو جا	واحد	مؤنث
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبْنَ	تم سب جاؤ	جمع	

چونکہ امر (حکم) زیادہ تر سامنے والے شخص (مخاطب) کو دیا جاتا ہے اس لئے حاضر کے صیغوں سے امر کی شکلیں بنتی ہیں ۔ علاوہ ازیں غائب اور متکلم کے صیغوں سے بھی امر آتا ہے ۔ مثلاً لِیَفْعَلْ : اسے کرنا چاہئے یا وہ کرے ۔

نہی کے صیغے
(PROHIBITIVE IMPERATIVE)

لَا تَذْهَبْ	تو مت جا	واحد	مذکر
لَا تَذْهَبَا	تم دو مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبُوْا	تم سب مت جاؤ	جمع	
لَا تَذْهَبِیْ	تو مت جا	واحد	مؤنث
لَا تَذْهَبَا	تم دونوں مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبْنَ	تم سب مت جاؤ	جمع	

نہی کے صیغے بھی امر کی طرح حاضر کے لئے زیادہ استعمال ہوتے ہیں ۔ علاوہ ازیں

غائب اور متکلم سے بھی نہی کے صیغے مستعمل ہیں - مثلاً "لَا یَعْلَمْ : وہ نہ جانے' اسے نہیں جاننا چاہئے" - "لَا یُشْرِكْ : وہ شرک نہ کرے' اسے شرک نہیں کرنا چاہئے"- " لَا یَغْتَبْ : وہ غیبت نہ کرے' اسے غیبت نہیں کرنا چاہئے"-

---

اسم (NOUN)

یوں تو عربی زبان میں نام کو اسم کہتے ہیں لیکن اس میں اسم کا مفہوم بہت وسیع ہے - جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں عربی زبان کے تمام الفاظ صرف تین شکلوں میں تقسیم ہوتے ہیں - (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف - لہذا عربی زبان میں جو لفظ بھی فعل یا حرف نہیں ہوگا وہ اسم ہوگا -

مختلف مادوں سے جو فعل بنتے ہیں وہ پہلے لکھے جا چکے ہیں -

اسم کی متفرق شکلیں

جس طرح (سابقہ صفحات میں) افعال (ماضی - مضارع - امر - نہی) کے اوزان اور ان کی مختلف شکلیں آپ کے سامنے آئی ہیں اسی طرح اسماء کے بھی متفرق اوزان اور مختلف شکلیں ہوتی ہیں - مثلاً مُشْرِكٌ کے معنی ہیں شرک کرنے والا- لیکن آپ کہیں مُشْرِكٌ دیکھیں گے کہیں مُشْرِكَةٌ - کہیں مُشْرِكُوْنَ اور کہیں مُشْرِكِيْنَ وغیرہ وغیرہ - لفظ مُشْرِكٌ میں یہ تبدیلیاں خاص مفہوم رکھتی ہیں - مُشْرِكٌ کے معنی ایک (مذکر) مشرک- مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِيْنَ کے معنے ہیں بہت سے مشرک مرد - مُشْرِكَةٌ : ایک مشرک عورت - مُشْرِكَاتٌ : بہت سی مشرک عورتیں -

نوٹ : ہم نے اوپر لکھا ہے کہ مُشْرِكٌ کی جمع مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِيْنَ (دونوں) آتی ہیں - اس کے یہ معنی نہیں کہ جہاں آپ کا جی چاہے مُشْرِكُوْنَ کہہ دیں اور جہاں جی چاہے مُشْرِكِيْنَ - اس کے لئے خاص قاعدے مقرر ہیں' لیکن

چونکہ ان قواعد کا تعلق نحو سے ہے اور ان کا بیان بہت طول طویل ' اس لئے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہئے ۔ مقصد پیش نظر کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ بعض حالتوں میں مُشْرِکُوْنَ آتا ہے اور بعض میں مُشْرِکِیْنَ ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسم کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

مُذَکَّر و مُؤَنَّث

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مذکر (نر) کو کہتے ہیں اور مؤنث (مادہ) کو۔ اکثر مذکر نام ایسے ہوتے ہیں جن کا مؤنث نہیں ہوتا ۔ مثلاً (ہماری زبان میں) دریا ۔ سمندر ۔ آسمان ۔ مذکر بولے جاتے ہیں لیکن ان کا مؤنث کوئی نہیں ہوتا ' ان کے برخلاف بہت سے مذکر نام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مقابلہ میں ان کا مؤنث بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً دھوبی کے مقابلہ میں دھوبن۔ عربی زبان میں مذکر نام کو مؤنث بنانے کے لئے کچھ قاعدے مقرر ہیں ۔ مثلاً :

(۱) مذکر اسم کے آخر میں ۃ (گول ت) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے ۔ مثلاً عَالِمٌ (جاننے والا) عَالِمَةٌ (جاننے والی) ۔

(یاد رکھئے ۔ گول ت (ۃ) زائد حروف میں ہوتی ہے ' مادہ کے اصلی حروف میں نہیں ہوتی) ۔

(۲) جو مذکر اسم اَفْعَلُ کے وزن پر ہو اس کا مؤنث کبھی فُعْلٰی کے وزن پر اور کبھی فَعْلَاءُ کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے اَصْغَرُ (جو اَفْعَلُ کے وزن پر ہے) کا مؤنث صُغْرٰی آئیگا (جو فُعْلٰی کے وزن پر ہے) ۔ آخَرُ بروزن اَفْعَلُ کا مؤنث اُخْرٰی (بروزن فُعْلٰی) ہوگا[1] اور اَصْفَرُ (بروزن اَفْعَلُ) کا مؤنث صَفْرَاءُ (بروزن فَعْلَاءُ) آئیگا ۔

---

(۱) اَدْنٰی کا مؤنث دُنْیَا بھی اسی قاعدے کے مطابق ہے ۔

واحد ۔ تثنیہ ۔ جمع

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں ایک کے لئے واحد، دو کے لئے تثنیہ یا مثنی اور دو سے زیادہ کے لئے جمع آتی ہے ۔

واحد اسم کو تثنیہ بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں ''ان'' یا ''یْن'' بڑھا دیا جائے۔ ان اور یْن سے پہلے جو حرف ہو اس پر زبر رہیگا اور آخری نون پر ہمیشہ زیر، مثلاً :

عَیْنٌ ایک آنکھ ۔ سے تثنیہ ۔ عَیْنَانِ یا عَیْنَیْنِ (دو آنکھیں)۔ یَدٌ ۔ ایک ہاتھ سے تثنیہ ۔ یَدَانِ یا یَدَیْنِ (دو ہاتھ)۔ عَالِمَةٌ : ایک جاننے والی عورت سے تثنیہ ۔ عَالِمَتَانِ یا عَالِمَتَیْنِ (دو جاننے والی عورتیں) ۔

مرکب اضافی (Possessive Construction) میں جب مضاف (Adjunct) تثنیہ ہو تو اس کا آخری نون اڑ جاتا ہے ۔ مثلاً تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ میں یَدَا درحقیقت یَدَانِ (تثنیہ) تھا لیکن چونکہ یہ مضاف تھا اس لیے اس کا نون اڑ گیا اور یَدَانِ کی جگہ صرف یَدَا رہ گیا ۔ اسی طرح اِخْلَعْ نَعْلَیْکَ میں نَعْلَیْ مضاف ہے اس لئے اس کا نون اڑ گیا اور نَعْلَیْنِ کے بجائے صرف نَعْلَیْ رہ گیا ۔

جمع

عربی زبان میں جمع کی دو بڑی قسمیں ہیں ۔ جمع سالم (Sound Plural) اور جمع مُکَسَّر (Broken Plural) ۔ جمع سالم اسے کہتے ہیں جس میں واحد کی شکل اسی طرح صحیح و سالم باقی رہے اور مُکَسَّر میں واحد کی شکل بدل جاتی یا اس کے حروف کی ترتیب ٹوٹ جاتی ہے ۔ مثلاً عَالِمٌ (واحد) سے عَالِمُوْنَ جمع سالم ہے اور کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ جمع مُکَسَّر ہے۔ اس میں لفظ کِتَابٌ (واحد) اپنی اصلی شکل پر نہیں رہا ۔

جمع مذکر سالم بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ واحد کے آخر میں ''وْنَ'' یا ''یْنَ'' لگا

دیا جائے اور و سے پہلے حرف پر پیش اور ی سے پہلے حرف پر زبر دیدیا جائے۔ (آخری نون پر ہمیشہ زبر رہیگا) مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مذکر سالم۔ عَالِمُوْنَ یا عَالِمِیْنَ آئیگا۔

جمع مؤنث سالم بنانے کے لئے واحد کے آخر میں اتٌ کا اضافہ کر دیا جائے، مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مؤنث سالم عَالِمَاتٌ آئیگا۔

(تٌ کہاں آئیگا اور تِ کہاں۔ اس کا تعلق نحو کے قاعدوں سے ہے)۔

جمع مُکَسَّر وہ جمع جس میں واحد جوں کا توں نہیں رہتا بلکہ اس میں کچھ تبدیلی آ جاتی ہے "جمع مکسر" کہلاتی ہے۔ مثلاً کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ۔ رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ۔ قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ۔ رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ۔

اس جمع کے بہت سے اوزان ہیں اور مختلف وزنوں پر آنے والے اسموں کی مختلف وزنوں پر جمع بنائی جاتی ہے۔ یہاں چند کثیرالاستعمال جمعوں کے اوزان مع امثلہ درج کئے جاتے ہیں:

(۱) اَفْعَالٌ (کے وزن پر)۔ جیسے قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ اور رَبٌّ کی جمع اَرْبَابٌ۔

(۲) اَفْعُلٌ (کے وزن پر)۔ جیسے رِجْلٌ کی جمع اَرْجُلٌ اور نَفْسٌ کی جمع اَنْفُسٌ۔

(۳) اَفْعِلَةٌ (کے وزن پر)۔ جیسے لِسَانٌ کی جمع اَلْسِنَةٌ۔

(۴) فِعْلَةٌ (کے وزن پر)۔ جیسے فَتىً کی جمع فِتْيَةٌ۔

(۵) فُعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے صُورَةٌ کی جمع صُوَرٌ -

(٦) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے بَیْتٌ کی جمع بُیُوتٌ -

(۷) فِعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے قِطْعَةٌ کی جمع قِطَعٌ -

(۸) فِعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے ثَوْبٌ کی جمع ثِیَابٌ -

(۹) فُعْلٌ (کے وزن پر) - جیسے اَحْوَرُ کی جمع حُوْرٌ -

(۱۰) فُعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ -

(۱۱) فَعْلَی (کے وزن پر) - جیسے مَرِیْضٌ کی جمع مَرْضَی -

(۱۲) فَعَلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے کَافِرٌ کی جمع کَفَرَةٌ -

(۱۳) فُعَّلٌ (کے وزن پر) - جیسے رَاکِعٌ کی جمع رُکَّعٌ -

(۱۴) فُعَلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے سَفِیْهٌ کی جمع سُفَهَاءُ -

(۱۵) اَفْعِلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے غَنِیٌّ کی جمع اَغْنِیَاءُ -

(۱٦) فَعَالِلُ (کے وزن پر) - جیسے نُمْرُقٌ کی جمع نَمَارِقُ -

(۱۷) فَعَائِلُ (کے وزن پر) - جیسے اَرِیکَةٌ کی جمع اَرَائِكُ -

(۱۸) فَوَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے کَاعِبٌ کی جمع کَوَاعِبُ -

(۱۹) اَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے اِصْبِعٌ کی جمع اَصَابِعُ -

(۲۰) اَفَاعِیْلُ (کے وزن پر) - جیسے اُسْطُوْرَةٌ کی جمع اَسَاطِیْرُ -

(۲۱) فَعَالِیْلُ (کے وزن پر) - جیسے قِرْطَاسٌ کی جمع قَرَاطِیْسُ -

(۲۲) مَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدُ -

(۲۳) مَفَاعِیلُ (کے وزن پر) - جیسے مِسْکِیْنٌ کی جمع مَسَاکِیْنُ -

نکرہ اور معرفہ

انگریزی زبان کے ان دو فقروں پر غور کیجئے :

1. On my way to Lahore I saw a house.

2. The house was an old one.

عربی : (۱) رَاَیْتُ فِی طَرِیْقِی اِلٰی لَاھور بَیْتًا -

(۲) وَ کَانَ الْبَیْتُ قَدِیْمًا جِدًّا -

اردو ترجمہ : (۱) لاھور جاتے وقت میں نے ایک مکان دیکھا -

(۲) وہ مکان بہت پرانا تھا -

پہلے فقرہ میں لفظ لاھور ایک شہر کا نام ہے ' اسے (Proper Noun) یا اسم معرفہ کہتے ھیں - عربی زبان میں بھی ایسے اسماء کو معرفہ ھی کہتے ھیں - اس سے آگے (بَیْتًا = *A* house) ہے - یعنی ایک مکان ' اسے (Common Noun) یا اسم نکرہ کہتے ھیں - عربی میں بھی اسے اسم نکرہ ھی کہتے ھیں -

اگلے فقرہ میں اَلْبَیْتُ = *The* house) کے معنی " کوئی مکان " نہیں بلکہ اس سے مطلب وھی مکان ہے جس کا ذکر پہلے فقرہ میں آچکا ہے - یعنی اب یہ لفظ (house) نکرہ یا (Common Noun) نہیں رھا بلکہ معرفہ (Proper Noun) بن گیا -

گویا اسم معرفہ دو قسم کا ھوا - ایک تو وہ جو پہلے ھی معرفہ ھو- جیسے لاھور- زید وغیرہ اور ایک وہ جسے نکرہ سے معرفہ بنا لیا جائے -

عربی زبان میں اسم نکرہ پر تنوین آتی ہے - تنوین دو زبر - دو زیر - دو پیش کو کہتے ھیں - انھیں تنوین اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس حرف پر تنوین ھو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے - جیسے نَسْلًا ' رَجُلٍ ' قَلَمٌ -

اسے سمجھ رکھیئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس اسم پر تنوین ھو وہ ضرور نکرہ

ہی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ نُوحٌ ۔ لُوطٌ ۔ مُحَمَّدٌ (علیہم السلام) جیسے انبیاء کرام کے اسماء پر تنوین ہے ۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جو اسم نکرہ ہو اس پر تنوین ہو ۔

نکرہ سے معرفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے اَلْ لگا دیا جائے ۔ مثلاً بَیْتٌ کے معنی ہیں کوئی گھر (A house) اور اَلْبَیْتُ کے معنی ہیں وہ خاص گھر (*The* house) ۔ گویا عربی زبان کا اَلْ وہی کام کرتا ہے جو انگریزی زبان کا (Definite Article, *The*) کرتا ہے ۔ جس اسم سے پہلے اَلْ آجائے اس پر تنوین نہیں آتی ۔

اسم کے متعلق مذکورہ تفصیلات کے بعد اب ان مختلف اسماء کو دیکھئے جو مادہ سے مشتق ہوتے ہیں ۔

۱۔ مصدر

اردو میں مصدر (مثلاً مارنا) سے افعال بنتے ہیں (اس نے مارا ۔ وہ مارتا ہے ۔ وہ مارے گا ۔ تو مار' وغیرہ) لیکن عربی زبان میں افعال ' مصدر اور جملہ اسماء وغیرہ درحقیقت مادہ سے بنتے ہیں ۔ مثلاً ض۔ر۔ب (ضرب) مادہ ہے ۔ اس سے ضَرَبَ فعل ماضی بنا جس کے معنے ہیں " اس نے مارا " ۔ اور الضَّرْبُ مصدر ہے جس کے معنے ہیں "مارنا ۔ مار ۔ چوٹ " ۔ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اوزان تو غیر معین ہیں ' لیکن ثلاثی مزید فیہ اور رباعی کے مصادر ' ان کے ابواب کے مطابق معینہ اوزان پر بنائے جاتے ہیں [1]

ثلاثی مجرد کے مصادر کے چند اہم اوزان درج ذیل کئے جاتے ہیں ۔

(۱) اگر فعل کسی فن یا پیشہ سے متعلق ہو تو اس کا مصدر " فِعَالَۃٌ " کے وزن پر آتا ہے ۔ مثلاً کِتَابَۃٌ (کتابت) ۔ تِجَارَۃٌ (تجارت) ۔ قِرَاءَۃٌ (پڑھنا) ۔

---

(۱) ثلاثی مجرد ۔ ثلاثی مزید فیہ ' رباعی وغیرہ اصطلاحات یہاں پہلی مرتبہ آئی ہیں ۔ ان کی تفصیل کے لیے آئندہ باب دیکھئے جس میں "ابواب اور ان کے خواص" کا ذکر ہے ۔

(۲) فَعِلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فَعَلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے غَضِبَ سے مصدر غَضَبٌ - فَرِحَ سے مصدر فَرَحٌ -

(۳) فَعَلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فُعُوْلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے قَعَدَ سے مصدر قُعُوْدٌ - خَرَجَ سے مصدر خُرُوْجٌ -

(۴) فَعِلَ اور فَعَلَ کے وزنوں پر ماضی اگر متعدی ہو تو اس کا مصدر فَعْلٌ کے وزن پر آتا ہے - جیسے سَمِعَ سے مصدر سَمْعٌ اور نَصَرَ سے مصدر نَصْرٌ -

ہم نے یہ اوزان بطور مثال دیدئے ہیں ورنہ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اور بھی بہت سے اوزان ہیں -

۲- مصدر میمی

مصدر کی ایک قسم مَفْعَلٌ کے وزن پر آتی ہے اور وہ مصدر میمی کہلاتی ہے - مثلاً شَرِبَ فعل سے مَشْرَبٌ مصدر میمی ہے اور یہی وزن اسم ظرف کا بھی ہے -

۳- اسم مرّة

کسی کام کو ایک بار کرنے کے لئے ہر فعل سے فَعْلَةٌ کے وزن پر " اسم مرّة " بنا لیا جاتا ہے - مثلاً سَکْرَةٌ (ایک بار مدھوش ہونا) - نَظْرَةٌ (ایک بار دیکھنا) -

٤- اسم نوع

کسی کام کی وضع ہیئت - ڈھنگ بتانے کے لئے اس فعل سے فِعْلَةٌ کے وزن پر اسم نوع بنا لیا جاتا ہے - جیسے سِیْرَةٌ (چلنے کا ڈھنگ وضع یا ہیئت)-

۵- اسم مکان و زمان (ظرف)

ہر فعل سے اس کام کے کرنے یا ہونے کی جگہ یا وقت بتانے کے لئے مَفْعَلٌ (ع پر زبر اور زیر حسب قاعدہ)[1] کے وزن پر اسم مکان یا زمان بنا لیا جاتا ہے -

اسم زمان و مکان کی شکلیں

صیغہ	معنی	عدد	جنس
مَقْتَلٌ	قتل کرنے کی جگہ، قتل گاہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مذکر
مَقْتَلَانِ مَقْتَلَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے دو وقت یا دو زمانے	مثنی	مذکر
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	مذکر
مَقْتَلَةٌ	قتل کرنے کی جگہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مؤنث
مَقْتَلَتَانِ مَقْتَلَتَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں دو قتل کرنے کے وقت یا زمانے	مثنی	مؤنث
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	مؤنث

اسی طرح مَغْرِبٌ (سورج غروب ہونے کی جگہ یا وقت) - مَسْجِدٌ (سجدہ کرنے

۱- اگر مضارع کے " ع " پر زبر یا پیش ہو تو اسم ظرف کے " ع " پر زبر ہوگا ورنہ زیر-

کی جگہ یا وقت)۔ مَقْعَدٌ (بیٹھنے کی جگہ یا وقت) وغیرہ۔ یہ ثلاثی مجرد سے اسم زمان و مکان بنانے کا وزن ہے۔ ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے اسم مفعول کی شکل ان معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، مثلاً مُغْتَسَلٌ (غسل کرنے کی جگہ یا غسل کرنے کا وقت) اور مُسْتَقَرٌّ (ٹھیرنے اور قرار پانے کی جگہ یا وقت)۔

٦۔ اسم آلہ ہر فعل سے اس آلہ کے لئے جس کے ذریعہ وہ کام کیا جائے مِفْعَلٌ۔ مِفْعَالٌ کے وزنوں پر اسم آلہ بنایا جاتا ہے۔

اسم آلہ کی شکلیں

مِضْرَبٌ۔ مِضْرَابٌ	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	واحد	مذکر
مِضْرَبَان۔ مِضْرَابَان مِضْرَبَین۔ مِضْرَابَین	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مثنی	مذکر
مَضَارِبُ۔ مَضَارِیْبُ	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	جمع	مذکر
مِضْرَبَةٌ	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	واحد	مؤنث
مِضْرَبَتَان مِضْرَبَتَین	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مثنی	مؤنث
مَضَارِبُ۔ مَضَارِیْبُ	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	جمع	مؤنث

اسی طرح مِفْتَاحٌ (کھولنے کا آلہ ' کنجی) - مِیْزَانٌ (تولنے کا آلہ ' ترازو) وغیرہ -

۷۔ اسم فاعل | ہر فعل سے اس کام کو کرنے والے کے لئے ایک اسم ''فَاعِلٌ'' کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے -

اسم فاعل کی شکلیں

(ACTIVE PARTICIPLE NOUN)

عَالِمٌ	جاننے والا	واحد	مذکر
عَالِمَانِ عَالِمَیْنِ	دو جاننے والے	مثنی	
عَالِمُوْنَ عَالِمِیْنَ	جاننے والے (بہت سے)	جمع	
عَالِمَةٌ	جاننے والی	واحد	مؤنث
عَالِمَتَانِ عَالِمَتَیْنِ	دو جاننے والیاں	مثنی	
عَالِمَاتٌ	جاننے والیاں (بہت سی)	جمع	

اسی طرح ظَالِمٌ ، قَاتِلٌ ، جَاهِلٌ وغیرہ سے بھی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں -

یہ ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے اسم فاعل کی شکلیں "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۸۔ اسم مفعول

ہر متعدی فعل سے اس چیز کے لئے جس پر کام کیا جائے ایک اسم "مَفْعُوْلٌ" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے ۔

اسم مفعول کی شکلیں
(PASSIVE PARTICIPLE NOUN)

مَقْتُوْلٌ	قتل کیا ہوا	واحد	مذکر
مَقْتُوْلَانِ مَقْتُوْلَیْنِ	دو قتل کئے ہوئے	مثنی	مذکر
مَقْتُوْلُوْنَ مَقْتُوْلِیْنَ	بہت سے قتل کئے ہوئے	جمع	مذکر
مَقْتُوْلَةٌ	قتل کی ہوئی	واحد	مؤنث
مَقْتُوْلَتَانِ مَقْتُوْلَتَیْنِ	دو قتل کی ہوئیں	مثنی	مؤنث
مَقْتُوْلَاتٌ	بہت سی قتل کی ہوئیں	جمع	مؤنث

اسی طرح مَسْعُوْدٌ ۔ مَعْرُوْفٌ ۔ مَنْصُوْرٌ وغیرہ سے تمام شکلیں بنائی جا سکتی ہیں ۔ یہ ثلاثی مجرد کے افعال سے اسم مفعول کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے مفعول کا وزن "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۹ اسم صفت

عربی زبان میں اسم صفت (Adjective) کے بہت سے اوزان ہیں۔ ان میں زیادہ استعمال ہونے والے اوزان حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعِیْلٌ ۔ جیسے کَرِیْمٌ ۔ لَطِیْفٌ ۔

(۲) فَعَلٌ ۔ جیسے حَسَنٌ ۔

(۳) فَعْلٌ ۔ جیسے سَهْلٌ ۔ صَعْبٌ ۔

(۴) اَفْعَلُ ۔ جیسے اَسْوَدُ ۔ اَبْيَضُ ۔ اَعْرَجُ ۔

۱۰۔ افعل التَّفْضِيْل

جب دو آدمیوں میں، ایک دوسرے سے مقابلہ ہو اور ہم بتانا چاہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھا ہوا (یا سب سے بڑھا ہوا) ہے تو اس کے لیے أَفْعَلُ کے وزن پر اَفْعَلُ التَّفْضِيْل بنائی جاتی ہے۔ جیسے اَعْلَمُ (بہت زیادہ جاننے والا) وغیرہ۔ دو کے درمیان مقابلہ ہو تو (Comparative Degree) کہیں گے اور سب کے ساتھ مقابلہ ہو تو (Superlative Degree)۔

اَفْعَلُ التَّفْضِيْل کی شکلیں

اَصْغَرُ	زیادہ چھوٹا ۔ بہت چھوٹا	واحد	مذکر
اَصْغَرَانِ ۔ اَصْغَرَيْنِ	دو زیادہ چھوٹے	مثنی	مذکر
اَصْغَرُوْنَ ۔ اَصْغَرِيْنَ اَصَاغِرُ	بہت سے زیادہ چھوٹے	جمع	مذکر
صُغْرٰی	زیادہ چھوٹی	واحد	مؤنث
صُغْرَيَانِ صُغْرَيَيْنِ	دو زیادہ چھوٹی	مثنی	مؤنث
صُغْرَيَاتٌ ۔ صُغَرٌ	بہت سی زیادہ چھوٹی	جمع	مؤنث

۱۱۔ اوزان مبالغہ

جب کسی صفت میں زور و شدت اور زیادتی کا اظہار کرنا ہو، تو مختلف فعلوں سے مبالغہ کے اوزان (Exaggerative Adjective) استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ استعمال ہونے والے یہ ہیں۔

(۱) فَعَّالٌ ۔ جیسے تَوَّابٌ ۔ عَلَّامٌ ۔ غَفَّارٌ۔

(۲) فِعِّیْلٌ ۔ جیسے صِدِّیْقٌ ۔

(۳) مِفْعِیْلٌ ۔ جیسے مِسْکِیْنٌ ۔

(۴) فُعَلَۃٌ ۔ جیسے ھُمَزَۃٌ ۔ لُمَزَۃٌ ۔

(۵) فَعِلٌ ۔ جیسے أَسِفٌ ۔ فَرِحٌ ۔

(۶) فَعِیْلٌ ۔ جیسے رَحِیْمٌ ۔ عَظِیْمٌ ۔

(۷) فَعُوْلٌ ۔ جیسے غَفُوْرٌ ۔ وَدُوْدٌ ۔ ظَلُوْمٌ ۔

(۸) فُعَّالٌ ۔ جیسے کُبَّارٌ ۔

(۹) فَیْعُوْلٌ ۔ جیسے قَیُّوْمٌ ۔

(۱۰) فَعْلَانُ ۔ جیسے رَحْمٰنُ ۔ غَضْبَانُ ۔

ضمائر

جب ہم کہتے ہیں "حامد آیا" تو آپ کے ذہن میں فوراً ایک آدمی آ جاتا ہے جس کا نام حامد ہے۔ اسے اسم ظاہر کہتے ہیں۔ یعنی بالکل کھلا ہوا نام۔ لیکن جب ہم کہیں "وہ آیا" تو اگرچہ اس وقت بھی ہم کسی آدمی کے آنے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے متعین نہیں ہوتا کہ کون آیا۔

مگر جب ہم کہیں "حامد آیا۔ وہ بیمار تھا"۔ تو اب اس لفظ "وہ" سے مطلب سمجھ میں آ گیا۔ یعنی "حامد"

لہذا لفظ "وہ" کے اندر حامد کا نام چھپا ہوا ہے - پوشیدہ اسموں کی کئی قسمیں ہیں - مثلاً :

(۱) اسم ضمیر (PRO-NOUN)

جب اسمائے ضمیر شروع میں آئیں تو ان کی شکل اس طرح ہوتی ہے -

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُوَ	هُمَا	هُمْ	أَنْتَ	أَنْتُمَا	أَنْتُمْ	أَنَا	نَحْنُ	نَحْنُ
مؤنث	هِيَ		هُنَّ	أَنْتِ		أَنْتُنَّ			

لیکن جب ان ضمائر سے پہلے کوئی اسم یا فعل یا حرف مل کر آئے تو ان کی حسب ذیل شکلیں ہو جاتی ہیں :

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُ	هُمَا	هُمْ	كَ	كُمَا	كُمْ	ى	نَا	نَا
مؤنث	هَا		هُنَّ	كِ		كُنَّ			

(۲) اسم شارہ

پوشیدہ اسماء کی دوسری قسم اسم اشارہ (Demonstrative Pronoun) ہے - جیسے :

(ا) اشارہ قریب :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
هٰذَا	هٰذَانِ هٰذَيْنِ	هٰؤُلَاءِ	هٰذِهٖ	هَاتَانِ هَاتَيْنِ	هٰؤُلَاءِ

(ب) اشارہ بعید :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
ذٰلِكَ	ذَانِكَ ذَيْنِكَ	اُولٰئِكَ	تِلْكَ	تَانِكَ تَيْنِكَ	اُولٰئِكَ

نوٹ : ذٰلِكَ اشارہ قریب اور بعید دونوں کے لئے آتا ہے ۔

(۳) اسم موصول پوشیدہ اسماء کی تیسری قسم اسم موصول (Relative Pronoun) ہے ۔ جیسے :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
اَلَّذِيْ	اَلَّذَانِ اَلَّذَيْنِ	اَلَّذِيْنَ	اَلَّتِيْ	اَللَّتَانِ اَللَّتَيْنِ	اَللَّاتِيْ اَللَّائِيْ

(٤) اسمائے استفہام پوشیدہ اسماء کی چوتھی قسم اسمائے استفہام (Interogative Pronoun) ہے ۔ جیسے : مَنْ (کون شخص) اور مَا (کونسی چیز) ۔

مادّہ اور اس کے حروف

گذشتہ صفحات میں آپ ثلاثی مجرد - ثلاثی مزید فیہ - رباعی وغیرہ اصطلاحی الفاظ پڑھ چکے ہیں - ان کا تفصیلی بیان تو آئندہ باب میں آئے گا ' جہاں یہ بتایا جائیگا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ہوتے ہیں - اس مقام پر مختصر الفاظ میں دیکھئے کہ ان کا مطلب کیا ہے -

عربی زبان میں استعمال ہونے والے اکثر و بیشتر الفاظ کے مادے تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں - ان الفاظ کو ثُلَاثِی (تین حرفوں والا) کہتے ہیں - لیکن بعض مادے تین سے زیادہ حروف بھی رکھتے ہیں - جس مادہ میں چار حرف ہوں اسے رُبَاعِی اور جس میں پانچ ہوں اسے خُمَاسِی کہتے ہیں - ذیل میں رباعی مادہ "زل زل" سے افعال اور اسماء کی ایک ایک شکل بطور مثال درج کی جاتی ہے -

ماضی معروف	مضارع معروف	ماضی مجہول	مضارع مجہول	امر
زَلْزَلَ	يُزَلْزِلُ	زُلْزِلَ	يُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ
نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر	
لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	زَلْزَلَةٌ - زِلْزَالٌ	

نوٹ : قاعدے کی رو سے رباعی مادوں کو ثلاثی سے الگ لکھنا چاہئے لیکن بہت سے ارباب لغت انہیں ثلاثی کے تحت ہی لکھتے ہیں - اس لئے ہم نے بھی لغت میں انہیں (بجز مستثنیات) عام طور پر ثلاثی کے تحت لکھا ہے - لیکن اسکی تصریح کر دی ہے کہ یہ رباعی ہے -

مادّہ میں حرف علت

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ' عربی کے ان الفاظ کا مادہ تو نسبتاً آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے جن میں حروف صحت ہوں ' لیکن جن مادوں میں حروف علت ہوں ان کا دریافت کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے' بالخصوص واوی اور یائی میں یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے

کہ اس مادہ میں واو ہے یا ی ۔ بعض شکلوں میں اگر واوی کو یائی یا یائی کو واوی سمجھ لیا جائے تو معنوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے ۔ مثلاً صَلّٰی ایک لفظ ہے ۔ اگر اسے صلو (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "صلوٰۃ ادا کرنا" اور اگر صلی (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "آگ میں جھونکنا" ۔ چونکہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے یہ متعین کرنا از بس دشوار (بلکہ ناممکن) ہے کہ کسی لفظ کا صحیح مادہ کیا ہے اس لئے ہم نے زیر نظر لغات کے شروع میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کو انہی شکلوں میں لکھ کر جن میں وہ قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے سامنے ان کا مادہ لکھ دیا ہے ۔ آپ جس لفظ کے معنی معلوم کرنا چاہیں اسے پہلے اس فہرست میں دیکھ کر متعین کر لیں کہ اس کا مادہ کیا ہے ' پھر اس مادہ کے معنی لغات میں دیکھ لیں ۔

ذیل میں ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ جن مادوں میں حروف علت آتے ہیں ان میں مختلف اوزان اورابواب میں جاکر کیا کیا (تعجب انگیز اور پریشان کن) تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ۔

نوٹ : اس مقام پر آپ ابواب کے صرف نام دیکھ جائیے ان کا تفصیلی تعارف اور خواص آئندہ باب میں سامنے آئینگے ۔

حروفِ علت والے مادوں میں تبدیلیوں کی مثالیں

پہلی مثال مادہ ۔ و ع د

مادہ	فعل کی قسم	فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی
و ع د	معلوم	وَعَدَ	يَعِدُ	عِدْ	لَا تَعِدْ
	مجہول	وُعِدَ	يُوعَدُ	لِتُوعَدْ	لَا تُوعَدْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
و ع د	وَاعِدٌ	مَوْعُودٌ	أَوْعَدُ	مِيعَادٌ	مَوْعِدٌ

دوسری مثال مادہ د ع و

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
د ع و	معلوم	دَعَا	يَدْعُو	اُدْعُ	لَا تَدْعُ
	مجہول	دُعِيَ	يُدْعَى	لِتُدْعَ	لَا تُدْعَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
د ع و	دَاعٍ، اَلدَّاعِي	مَدْعُوٌّ	اَدْعَى	مِدْعًى	مَدْعًى

تیسری مثال مادہ و ق ی

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
و ق ی	معلوم	وَقَى	يَقِي	قِ	لَا تَقِ
	مجہول	وُقِيَ	يُوْقَى	لِيُوْقَ	لَا يُوْقَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
و ق ی	وَاقٍ، اَلْوَاقِي	مَوْقِيٌّ	اَوْقَى	مِيْقًى	مَوْقًى

چوتھی مثال مادہ ق و ل

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ق و ل	معلوم	قَالَ	يَقُوْلُ	قُلْ	لَا تَقُلْ
	مجہول	قِيْلَ	يُقَالُ	لِيُقَلْ	لَا يُقَلْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ق و ل	قَائِلٌ	مَقُوْلٌ	اَقْوَلُ	مِقْوَلٌ	مَقَالٌ

پانچویں مثال مادہ ب ی ع

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ب ی ع	معلوم	بَاعَ	يَبِيْعُ	بِعْ	لَا تَبِعْ
	مجہول	بِيْعَ	يُبَاعُ	لِيُبَعْ	لَا يُبَعْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ب ی ع	بَائِعٌ	مَبِيْعٌ	اَبْيَعُ	مِبْيَعٌ	مَبَاعٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
و ع د	معلوم	ماضی	وعّد	أوعد	اتّعد	تواعد	واعد	توعّد	استوعد
		مضارع	یوعّد	یوعد	یتّعد	یتواعد	یواعد	یتوعّد	یستوعد
	مجہول	ماضی	وعّد	أوعد	اتّعد	تووعد	ووعد	توعّد	استوعد
		مضارع	یوعّد	یوعد	یتّعد	یتواعد	یواعد	یتوعّد	یستوعد
و ع د		امر	وعّد	أوعد	اتّعد	تواعد	واعد	توعّد	استوعد
		نہی	لا توعّد	لا توعد	لا تتّعد	لا تتواعد	لا تواعد	لا تتوعّد	لا تستوعد
و ع د		اسم فاعل	موعّد	موعد	متّعد	متواعد	مواعد	متوعّد	مستوعد
		اسم مفعول	موعّد	موعد	متّعد	متواعد	مواعد	متوعّد	مستوعد

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

ماده	قسم	فعل	تَفْعِیل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَة	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
د ع و	معلوم	ماضی	دَعَّی	اَدْعَی	اِدَّعَی	تَدَاعَی	دَاعَی	تَدَعَّی	اِسْتَدْعَی
		مضارع	یُدَعِّی	یُدْعِی	یَدَّعِی	یَتَدَاعَی	یُدَاعِی	یَتَدَعَّی	یَسْتَدْعِی
د ع و	مجہول	ماضی	دُعِّیَ	اُدْعِیَ	اُدُّعِیَ	تُدُوعِیَ	دُوعِیَ	تُدُعِّیَ	اُسْتُدْعِیَ
		مضارع	یُدَعَّی	یُدْعَی	یُدَّعَی	یُتَدَاعَی	یُدَاعَی	یُتَدَعَّی	یُسْتَدْعَی
د ع و		امر	دَعِّ	اَدْعِ	اِدَّعِ	تَدَاعَ	دَاعِ	تَدَعَّ	اِسْتَدْعِ
		نہی	لَا تُدَعِّ	لَا تُدْعِ	لَا تَدَّعِ	لَا تَتَدَاعَ	لَا تُدَاعِ	لَا تَتَدَعَّ	لَا تَسْتَدْعِ
		اسم فاعل	مُدَعٍّ، اَلْمُدَعِّی	مُدْعٍ، اَلْمُدْعِی	مُدَّعٍ، اَلْمُدَّعِی	مُتَدَاعٍ، اَلْمُتَدَاعِی	مُدَاعٍ، اَلْمُدَاعِی	مُتَدَعٍّ، اَلْمُتَدَعِّی	مُسْتَدْعٍ، اَلْمُسْتَدْعِی
		اسم مفعول	مُدَعًّی	مُدْعًی	مُدَّعًی	مُتَدَاعًی	مُدَاعًی	مُتَدَعًّی	مُسْتَدْعًی

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

ماده	قسم	فعل	تَفْعِیْل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَہ	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
وقی	معلوم	ماضی	وَقَّ	اَوْقَ	اِتَّقَی	تَوَاقَ	وَاقَ	تَوَقَّ	اِسْتَوْقَ
		مضارع	یُوَقِّ	یُوْقِ	یَتَّقِی	یَتَوَاقَ	یُوَاقِ	یَتَوَقَّ	یَسْتَوْقِ
	مجہول	ماضی	وُقِّ	اُوْقِ	اُتُّقِی	تُوُوْقِ	وُوْقِ	تُوُقِّیَ	اُسْتُوْقِ
		مضارع	یُوَقَّ	یُوْقَ	یُتَّقَی	یُتَوَاقَ	یُوَاقَ	یُتَوَقَّ	یُسْتَوْقَ
وقی		امر	وَقِّ	اَوْقِ	اِتَّقِ	تَوَاقَ	وَاقِ	تَوَقَّ	اِسْتَوْقِ
		نہی	لَا تُوَقِّ	لَا تُوْقِ	لَا تَتَّقِ	لَا تَتَوَاقَ	لَا تُوَاقِ	لَا تَتَوَقَّ	لَا تَسْتَوْقِ
وقی		اسم فاعل	مُوَقٍّ ۔ اَلْمُوَقِّ	مُوْقٍ ۔ اَلْمُوْقِ	مُتَّقٍ ۔ اَلْمُتَّقِی	مُتَوَاقٍ ۔ اَلْمُتَوَاقِ	مُوَاقٍ ۔ اَلْمُوَاقِ	مُتَوَقٍّ ۔ اَلْمُتَوَقِّ	مُسْتَوْقٍ ۔ اَلْمُسْتَوْقِ
		اسم مفعول	مُوَقًّی	مُوْقًی	مُتَّقًی	مُتَوَاقًی	مُوَاقًی	مُتَوَقًّی	مُسْتَوْقًی

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
ق و ل	معلوم	ماضی	قَوَّلَ	اَقَالَ	اِقْتَالَ	تَقَاوَلَ	قَاوَلَ	تَقَوَّلَ	اِسْتَقَالَ
		مضارع	يُقَوِّلُ	يُقِيْلُ	يَقْتَالُ	يَتَقَاوَلُ	يُقَاوِلُ	يَتَقَوَّلُ	يَسْتَقِيْلُ
	مجہول	ماضی	قُوِّلَ	اُقِيْلَ	اُقْتِيْلَ	تُقُوْوِلَ	قُوْوِلَ	تُقُوِّلَ	اُسْتُقِيْلَ
		مضارع	يُقَوَّلُ	يُقَالُ	يُقْتَالُ	يُتَقَاوَلُ	يُقَاوَلُ	يُتَقَوَّلُ	يُسْتَقَالُ
ق و ل		امر	قَوِّلْ	اَقِلْ	اِقْتَلْ	تَقَاوَلْ	قَاوِلْ	تَقَوَّلْ	اِسْتَقِلْ
		نہی	لَا تُقَوِّلْ	لَا تُقِلْ	لَا تَقْتَلْ	لَا تَتَقَاوَلْ	لَا تُقَاوِلْ	لَا تَتَقَوَّلْ	لَا تَسْتَقِلْ
ق و ل		اسم فاعل	مُقَوِّلٌ	مُقِيْلٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوِلٌ	مُقَاوِلٌ	مُتَقَوِّلٌ	مُسْتَقِيْلٌ
		اسم مفعول	مُقَوَّلٌ	مُقَالٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوَلٌ	مُقَاوَلٌ	مُتَقَوَّلٌ	مُسْتَقَالٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
ب ی ع	معلوم	ماضی	بیّع	اباع	ابتاع	تبایع	بایع	تبیّع	استباع
		مضارع	یبیّع	یبیع	یبتاع	یتبایع	یبایع	یتبیّع	یستبیع
ب ی ع	مجہول	ماضی	بیّع	ابیع	ابتیع	تبویع	بویع	تبیّع	استبیع
		مضارع	یبیّع	یباع	یبتاع	یتبایع	یبایع	یتبیّع	یستباع
ب ی ع		امر	بیّع	أبع	ابتع	تبایع	بایع	تبیّع	استبع
		نہی	لاتبیّع	لا تبع	لا تبتع	لا تتبایع	لا تبایع	لا تتبیّع	لا تستبع
		اسم فاعل	مبیّع	مبیع	مبتاع	متبایع	مبایع	متبیّع	مستبیع
		اسم مفعول	مبیّع	مباع	مبتاع	متبایع	مبایع	متبیّع	مستباع

نگہ باز گشت

مادہ اور اس کے مشتقات کا مختصر سا بیان آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثال کے ذریعے آپ کے سامنے وہ تمام مختلف شکلیں آ جائیں جو گذشتہ صفحات میں آپ کی نگاہوں سے گذری ہیں۔ اس سے آپ کو اس کا بھی اندازہ ہو جائیگا کہ زیر نظر لغت میں آپ کو ایک عنوان کے تحت کس کس قسم کے الفاظ بالعموم ملیں گے۔ مثلاً مادہ ہے۔

فتح یعنی ف - ت - ح

اس مادہ کے تحت آپ کو فَتَحَ (فعل ماضی معروف)۔ فُتِحَ (فعل ماضی مجہول)۔ یَفْتَحُ (فعل مضارع معروف)۔ یُفْتَحُ (فعل مضارع مجہول)۔ اِفْتَحْ (امر)۔ لَاتَفْتَحْ (نہی)۔ فَاتِحٌ (اسم فاعل)۔ مَفْتُوحٌ (اسم مفعول)۔ مَفْتَحٌ (اسم ظرف)۔ مِفْتَحٌ و مِفْتَاحٌ (اسم آلہ)۔ فَتَّاحٌ (اسم مبالغہ) وغیرہ ملیں گے۔ ان کے علاوہ فَتَحَ کے مختلف ابواب سامنے آئیں گے۔ مثلاً اَفْتَحَ (باب اِفْعَال)۔ فَتَّحَ (باب تَفْعِیل)۔ فَاتَحَ (باب مُفَاعَلَہ)۔ تَفَاتَحَ (باب تَفَاعُل)۔ تَفَتَّحَ (باب تَفَعُّل)۔ اِفْتَتَحَ (باب اِفْتِعَال)۔ اِنْفَتَحَ (باب اِنْفِعَال)۔ اِسْتَفْتَحَ (باب اِسْتِفْعَال) وغیرہ بھی لکھے ہوئے ملیں گے۔

نوٹ: زیر نظر لغت میں ہر مادہ کے تحت یہ تمام مشتقات نہیں دئیے گئے۔ جس طرح لغت میں صرف وہی مادے دئیے گئے ہیں جن سے متعلق کوئی لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اسی طرح ہر مادہ کے تحت الفاظ کی صرف وہی شکلیں دی گئی ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں (بعض مقامات میں ان تمام شکلوں کو بالتفصیل بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی) اس لئے کہ ہمارا یہ لغت قرآن کریم کا لغت ہے ' عربی زبان کا مکمل لغت نہیں۔

حروف

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ' عربی زبان کے تمام الفاظ تین قسموں کے ہوتے ہیں - (۱) یا تو وہ لفظ نام ہوگا - اسے اسم کہا جاتا ہے - جیسے :

اَللّٰہُ - مُحَمَّدٌ - قَلَمٌ - عَالِمٌ - قَتْلٌ - تَعْلِیْمٌ - وغیرہ -

(۲) یا وہ لفظ کسی کام کے کرنے یا ہونے کے لئے بولا جائے گا - اسے فعل کہا جاتا ہے - مثلاً ذَهَبَ : وہ گیا (فعل ماضی) - یَأْكُلُ : وہ کھاتا ہے یا کھائے گا (فعل مضارع) قُلْ : تو کہہ دے (فعل امر) وغیرہ

(۳) اور یا وہ حرف ہوگا - بالفاظ دیگر اگر کوئی لفظ نہ اسم ہے نہ فعل ' تو وہ لازماً حرف ہوگا - مثلاً اس فقرہ میں

اَنَا - اَذْهَبُ - اِلَى - الْبَیْتِ -

اَنَا اسم ضمیر ہے (معنی - میں) - اَذْهَبُ - فعل ہے (میں جاتا ہوں) - البَیْت اسم ہے (معنی - گھر) - اب رہ گیا اِلَى - سو یہ حرف ہے (معنی - کی طرف) - فقرے کے معنے ہوئے - میں گھر کی طرف جاتا ہوں -

حرف کی اہمیت

ہر چند حرف نہ اسم ہے نہ فعل اور دیکھنے میں بھی زبان کا سب سے چھوٹا جزو ہے (مندرجہ بالا مثال میں اِلَى پھر بھی وزن دار دکھائی دیتا ہے ورنہ خالی ب - ل بھی حروف ہیں) لیکن زبان میں ان کی بڑی اہمیت ہے - یہ زبان میں ربط پیدا کرتے ہیں - اسماء اور افعال کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں - گفتگو میں زور و قوت اور معنوں میں ہمواری اور استواری پیدا کرتے ہیں - انہی سے اقرار اور انکار کا علم ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ کلام میں استفہام - ترغیب - تاکید - تنبیہ کے معانی پیدا ہوتے ہیں - ان کی تبدیلی سے فعل کا پورے کا پورا مفہوم بدل جاتا ہے - مثلاً "رغبت"

عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے آپ بخوبی سمجھتے ہیں - اگر ہم (عربی زبان میں) کہیں رَغِبْتُ اِلَیْهِ تو اس کے معنے ہوں گے "میں اس کی طرف مائل ہوا" - لیکن اگر اِلٰی (حرف) کی جگہ عَنْ آ جائے اور ہم کہیں رَغِبْتُ عَنْهُ تو اس کے معنی ہوں گے "میں نے اس سے اعراض برتا - اس سے منہ موڑا - اسے چھوڑ دیا"- آپ نے دیکھا کہ حرف (جو بظاہر نہ نام کا ہے نہ کام کا) کس طرح افعال کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں ادھر سے اُدھر لئے لئے پھرتا ہے - یہ حروف وہی ہیں جنہیں انگریزی زبان میں (Prepositions) کہتے ہیں اور جن کی اہمیت کا غالباً آپ کو اندازہ ہے -

محذوفات کی جگہ

اتنا ہی نہیں کہ یہ افعال کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک حرف کتنے ایسے الفاظ کے معنے دے جاتا ہے جو اس فقرے میں کہیں نہیں ہوتے - یعنی وہ محذوف (Understood) ہوتے ہیں - مثلاً -

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ - اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے - لیکن اس سے بات واضح نہیں ہوتی - در حقیقت اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مفسد کو مصلح سے الگ کر کے - تمیز کر کے - فرق کر کے جانتا ہے - وہ جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون - دیکھئے اس عبارت میں ایک حرف مِنْ نے اس محذوف عبارت کا کام دے دیا - یا مثلاً قرآن میں ہے اِلَّا (اِنْ لَا) تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ - اس کا ویسے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو یقیناً اللہ اس کی مدد کر چکا ہے" - لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو - اس میں کچھ مضائقہ نہیں - کوئی حرج نہیں' کوئی پرواہ نہیں - کیونکہ (جس طرح) اللہ اس کی مدد (فلاں موقع پر) کر چکا ہے (اب بھی کرے گا) - چنانچہ عربی

زبان میں یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ اگر اِنْ (حرف شرط) کے جو اب شرط سے پہلے فَقَدْ آ جائے تو اس کا مفہوم وہ ہوتا ہے جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

حرف کی قسمیں

حرف کے اس تمہیدی تعارف کے بعد اب یہ دیکھئے کہ اس کی قسمیں کتنی ہیں۔ یہ قسمیں حروف کے انداز استعمال کی رو سے کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) وہ حروف جو صرف افعال (Verbs) سے پہلے آتے ہیں۔ ان سے فعلوں کے معنوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً۔ لَمْ ۔ لَنْ ۔ قَدْ ۔ سَ۔ سَوْفَ وغیرہ۔

لَمْ اور لَنْ دونوں مضارع پر آتے ہیں اور دونوں "تاکید کے ساتھ نفی" (نہ) کے معنے پیدا کرتے ہیں۔ لَمْ فعل مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جیسے یَأْکُلُ (وہ کھاتا ہے یا کھائیگا) سے پہلے لَمْ آ جانے تو لَمْ یَأْکُلْ کے معنے ہو جائینگے "اس نے قطعاً نہیں کھایا"۔ اسی طرح جب ارع سے پہلے حرف لَنْ آ جاتے تو اس کے معنے منفی مستقبل کے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لَنْ یَأْکُلَ : "وہ قطعاً نہیں۔ کھائیگا"

(۲) دوسری قسم کے حروف وہ ہیں جو تنہا لفظوں پر نہیں بلکہ جملوں پر آتے ہیں۔ مثلاً اِنَّ ۔ اَنَّ ۔ کَاَنَّ ۔ لَیْتَ ۔ لٰکِنَّ ۔ لَعَلَّ وغیرہ' جملوں کے پہلے آتے ہیں اور جملہ میں خاص معنے پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یقیناً ' بے شک ' یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

(۳) تیسری قسم کے وہ حروف ہیں جو اسم سے پہلے آتے ہیں۔ بِ ۔ فِی ۔ لِ ۔ عَلٰی ۔ مِنْ ۔ اِلٰی ۔ عَنْ وغیرہ۔ جیسے بِالْقَلَمِ (قلم سے ' قلم کے ساتھ) فِی الْبَیْتِ

(گھر میں)۔ الیٰ اللہ (اللہ کیطرف) ۔ عربی زبان میں ان حروف کو خاص اھمیت حاصل ہے ۔ اس اھمیت میں اس وقت اور اضافہ ھوجاتا ہے جب ان سے پہلے فعل آئے۔ جیسا کہ ہم رَغِبْتُ اِلَیْہِ اور رَغِبْتُ عَنْہُ کی مثال میں بتا چکے ھیں ۔

حروف کا ترجمہ

نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے حروف تو اپنے معانی معین رکھتے ھیں لیکن نمبر ۳ کے حروف کچھ اس انداز سے آتے ھیں کہ اردو زبان میں ان کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا ' بلکہ مفہوم کے اعتبار سے ھی کیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً

(۱) عَلیٰ کے معنی " پر ' اوپر " ھیں۔ عربی زبان میں کہینگے عَلیٰ سَفَرٍ لیکن اردو میں اس کا ترجمہ " سفر پر " غیر فصیح ھوگا ۔ " سفر میں " ٹھیک ھوگا ۔ ھم یہ نہیں کہینگے کہ " اگر تم سفر پر ھو " ۔ ھم کہینگے " اگر تم سفر میں ھو " ۔

(۲) یا مثلاً لِ کے معنے " لئے یا واسطے " ھیں۔ جیسے لِزَیْدٍ : زید کے لئے یا زید کے واسطے ۔ لیکن جب ھم اس سے پہلے فعل لا کر قُلْتُ لِزَیْدٍ کہینگے تو اس کا ترجمہ " میں نے زید کے لئے کہا " نہیں ھوگا ' اس کا صحیح ترجمہ ھوگا " میں نے زید سے کہا " ۔

اسی طرح بِ کے معنی عموماً " ساتھ " یا " سے " کئے جاتے ھیں ' لیکن مختلف فعلوں (VERBS) کے ساتھ آنے سے اس کا ترجمہ مختلف ھو جائیگا ' جیسے

(۱) ذَھَبَ بِالْکِتَابِ : لفظی ترجمہ ۔ وہ کتاب کے ساتھ گیا ۔ با محاورہ ترجمہ ۔ وہ کتاب لے گیا ۔

(۲) حَکَمَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ : لفظی ترجمہ ۔ اس نے ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلہ کیا ۔ با محاورہ ترجمہ ۔ اس نے ما انزل اللہ (قانون خداوندی) کے مطابق فیصلہ کیا ۔

آپ نے دیکھا ' ان مثالوں میں کہیں بھی ب کے معنے " سے " یا " ساتھ " نہیں - زیر نظر لغت میں حروف کا عام ترجمہ دیا گیا ہے - لیکن اردو زبان میں ان کا ترجمہ (عبارت کے لحاظ سے) الگ الگ ہوگا - اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں - زبان سے واقفیت اور تھوڑی سی مشق کے بعد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ فلاں فقرہ میں حرف کا صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہئے -

تفصیلی بیان

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے' عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے پیش نظر آپ گرامر (اور بعض لغت) کی کتابوں میں حروف کے متعلق بڑی طویل بحثیں دیکھینگے - لیکن ہم نے اس مقام پر بھی' اور لغت کے اندر بھی بڑے اختصار سے کام لیا ہے اور فنی بحثوں' لفظی باریکیوں اور علمی اصطلاحوں سے قطع نظر کر کے حروف کے صرف وہ معانی بیان کر دئے ہیں جن کا استعمال عام ہوتا ہے - مثلاً گرامر کی کتابوں میں واو عطف کی بہت سی قسمیں دی گئی ہیں لیکن ان سب کا ترجمہ " اور" (and) ہی ہوتا ہے - ہم نے ان اقسام سے بحث نہیں کی - نیز ہم اس بحث میں بھی نہیں الجھے کہ ایک حرف کے آنے سے اسم میں کیا کیا اعرابی ' رفع (پیش) نصب (زبر) جر (زیر کی) تبدیلیاں ہو جاتی ہیں - مثلاً اِنَّ مبتدا کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے وغیرہ وغیرہ - ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ کو عربی زبان کے الفاظ اور ان کی مختلف شکلوں کی اس قدر پہچان ہو جائے کہ مادہ کے معنے سمجھ لینے کے بعد ان مختلف شکلوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے آ سکے اور اس طرح آپ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو سکیں - فنی نکات آفرینیوں اور اصطلاحی موشگافیوں سے بحث کرنا ہمارے پیش نظر نہیں -

ابواب اور ان کے خواص

یہ بتایا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں ہر فعل مادّہ سے بنتا ہے - مادّہ ان اصلی حروف کو کہتے ہیں جن کے بغیر فعل کی پہلی شکل وجود میں نہ آ سکے - فعل کا مادّہ کبھی تین حروف کا ہوتا ہے اور کبھی چار کا - (اسماء کے مادہ میں پانچ اور چھ حروف بھی ہوتے ہیں) تین حرفی مادہ کو ثُلَاثِی کہتے ہیں - یہ ثَلَاثَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی "تین" ہیں - عربی زبان میں زیادہ تر ثلاثی افعال ہیں - چار حرفی مادہ کو رُبَاعِي کہتے ہیں - یہ اَرْبَعَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی "چار" ہیں - عربی زبان میں رباعی افعال کم استعمال ہوتے ہیں -

ثلاثی مجُرّد اور ثلاثی مزید فیہ

اگر کسی فعل کا مادہ تین حروف کا ہو اور اس کی ماضی کی پہلی شکل میں بھی تین حروف ہی ہوں تو وہ ثلاثی مجرّد کہلاتا ہے - لیکن جب مادہ تین حروف کا ہو مگر ماضی کی پہلی شکل میں تین حروف سے زیادہ ہوں تو ایسے فعل کو ثلاثی مزیدفیہ کہا جائیگا - آپ کو شاید اس پر تعجب ہوگا کہ جب مادہ تین ہی حروف کا ہے تو پھر فعل ماضی میں تین سے زیادہ حروف کیسے آسکتے ہیں ؟ یہ اس طرح کہ ثلاثی مجرد میں کچھ حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں اور اس اضافہ سے وہ ایک نیا باب بن جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے معنے بدل جاتے ہیں - یہی وہ تبدیلیاں ہیں (یعنی ابواب اور ان کے خواص) جن کی وضاحت کے لئے موجودہ عنوان آپکے سامنے لایا گیا ہے - "ابواب اور ان کی خاصیتیں" عربی زبان کی منفرد خصوصیت ہے جس سے یہ زبان لامحدود وسعتوں کی حامل ہوگئی ہے ' لہذا آپ اس عنوان کو بڑے غور سے دیکھئے -

ثلاثی مجرد کے ابواب

ابواب ثلاثی مجرد کے بھی ہوتے ہیں اور ثلاثی مزیدفیہ کے بھی - پہلے ثلاثی مجرد کے ابواب کو لیجئے - یہ وہ ابواب ہیں جن کا مادہ سہ حرفی ہے اور ماضی کی پہلی شکل بھی سہ حرفی ہے -

اور اس میں کسی حرف کا مزید اضافہ نہیں ہوتا ہے ' صرف حرکت بدل جانے سے باب بدل جاتا ہے ' اور حرکت بھی تینوں حروف کی نہیں بلکہ صرف دوسرے (یعنی درمیانی) حرف کی حرکت بدلنے سے ایک نیا باب ظہور میں آ جاتا ہے ۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے' فعل ثلاثی مجرد میں ماضی کی پہلی شکل تین حرف رکھتی ہے ۔ ان میں سے پہلا اور تیسرا (آخری) حرف ایک حالت میں رہتے ہیں لیکن دوسرا (درمیانی) حرف ایک حالت پر نہیں رہتا ' اس پر کبھی زبر کبھی زیر اور کبھی پیش آتا ہے ۔ یہی درمیانی حرف فعل مضارع میں بھی بدلتا رہتا ہے ۔ ہر نئی شکل جو فعل ماضی اور اس کے فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں (زبر ۔ زیر ۔ پیش) سے مل کر بنتی ہے "باب" کہلاتی ہے ۔

ماضی اور مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اعتبار سے ثلاثی مجرد کے چھ ابواب مستعمل ہیں ۔

نمبر	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	فَتَحَ	یَفْتَحُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زبر ہے۔
۲	ضَرَبَ	یَضْرِبُ	درمیانی حرف "ر" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زیر ہے ۔
۳	کَتَبَ	یَکْتُبُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر پیش ہے ۔
۴	عَلِمَ	یَعْلَمُ	درمیانی حرف "ل" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زبر ہے ۔
۵	ثَقُلَ	یَثْقُلُ	درمیانی حرف "ق" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر پیش ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر پیش ہے۔
۶	وَرِثَ	یَرِثُ	درمیانی حرف "ر" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زیر ہے ۔

(نوٹ ۔ ثلاثی مجرد کے اول الذکر پانچ ابواب عام طور پر آتے ہیں ۔ آخری چھٹا باب قرآن میں شاذ آیا ہے ۔)

مندرجہ بالا چھ متفرق شکلیں ہیں جو فعل ماضی اور فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہیں' اور یہی ثلاثی مجرد کے ابواب ہیں۔ ان میں سے ہر شکل ایک باب کہلاتی ہے۔ ان ابواب کا معنوں سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ فقط اتنا بتاتے ہیں کہ عربی زبان میں جسقدر ثلاثی مجرد کے افعال (ماضی۔ مضارع) آئینگے وہ انہی شکلوں کے اندر آئینگے۔ لیکن اگر ایک ہی باب میں درمیانی حرکتوں کو بدل دیا جائے تو اس طرح بعض اوقات معنوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً :۔

	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	بَعُدَ	يَبْعُدُ	ماضی اور مضارع میں درمیانی حرف پر پیش ہے' اس کے معنی ہیں "دور ہوا"
	بَعِدَ	يَبْعَدُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے۔ اب اس کے معنے ہیں "ہلاک ہوا' مر گیا"
۲	حَزِنَ	يَحْزَنُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے۔ اس کے معنی ہیں "غمگین ہوا' رنجیدہ ہوا" (فعل لازم)۔
	حَزَنَ	يَحْزُنُ	فعل ماضی کے درمیانی حرف پر زبر اور فعل مضارع کے درمیانی حرف پر پیش ہے۔ معنی "غمگین کیا رنجیدہ کیا" (فعل متعدی)

ثلاثی مزید فیہ کے ابواب

ثلاثی مجرد کے علاوہ ایسے افعال جن میں اصلی حروف تو تین ہی ہوں' لیکن ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں ثلاثی مزید فیہ کہلاتے ہیں۔ ان کے مختلف ابواب مختلف وزان پر آتے ہیں' جن میں بیشتر استعمال ہونے والے ابواب قرآن مجید میں بارہ ہیں' اور یہ حسب ذیل ہیں :۔

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۱	تَفْعِيْل	كَرُمَ	كَرَّمَ	يُكَرِّمُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے درمیانی حرف کو مشدد کر دیا جاتا ہے۔
		عَلِمَ	عَلَّمَ	يُعَلِّمُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۲	اِفْعَالٌ	حَسُنَ	اَحْسَنَ	يُحْسِنُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے ماضی پر ایک "ہمزہ" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		نَعِمَ	اَنْعَمَ	يُنْعِمُ	
۳	مُفَاعَلَةٌ	جَهَدَ	جَاهَدَ	يُجَاهِدُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		قَتَلَ	قَاتَلَ	يُقَاتِلُ	
۴	تَفَاعُلٌ	كَثُرَ	تَكَاثَرَ	يَتَكَاثَرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کی ماضی سے قبل "ت" اور پہلے حرف کے بعد "الف" بڑھایا جاتا ہے۔
		غَمَزَ	تَغَامَزَ	يَتَغَامَزُ	
۵	تَفَعُّلٌ	قَطَعَ	تَقَطَّعَ	يَتَقَطَّعُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "ت" بڑھا کر درمیانی حرف مُشدّد کر دیا جاتا ہے۔
		عَلِمَ	تَعَلَّمَ	يَتَعَلَّمُ	
۶	اِنْفِعَالٌ	قَلَبَ	اِنْقَلَبَ	يَنْقَلِبُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "اِن" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		فَجَرَ	اِنْفَجَرَ	يَنْفَجِرُ	
۷	اِفْتِعَالٌ	قَرُبَ	اِقْتَرَبَ	يَقْتَرِبُ	اس باب میں شروع میں "ہمزہ" اور ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد "ت" بڑھائی جاتی ہے۔
		كَسَبَ	اِكْتَسَبَ	يَكْتَسِبُ	
۸	اِسْتِفْعَالٌ	كَبُرَ	اِسْتَكْبَرَ	يَسْتَكْبِرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد پر "اِست" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		غَفَرَ	اِسْتَغْفَرَ	يَسْتَغْفِرُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۹	اِفْعِلَالٌ	سَوِدَ	اِسْوَدَّ	یَسْوَدُّ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ اور آخری حرف کو مشدد کیا جاتا ہے۔
		بَیِضَ	اِبْیَضَّ	یَبْیَضُّ	
۱۰	اِفْعِیْلَالٌ	دَهِمَ	اِدْهَامَّ	یَدْهَامُّ	اس باب میں باب نمبر ۹ پر آخری مشدد حرف سے قبل الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
۱۱	اِفَّعُّلٌ	زَمَلَ	اِزَّمَّلَ	یَزَّمَّلُ	اس باب میں شروع میں ہمزہ کے علاوہ پہلے اور دوسرے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفعّل کی ایک متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔
		دَثَرَ	اِدَّثَّرَ	یَدَّثَّرُ	
۱۲	اِفَّاعُلٌ	ثَقُلَ	اِثَّاقَلَ	یَثَّاقَلُ	اس باب میں شروع میں ہمزہ اور پہلے حرف کے بعد الف لایا جاتا ہے نیز پہلے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفاعل کی متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔

نوٹ۔ ان ابواب کا مصدر اسی وزن پر آنے گا جو باب کے خانے میں درج ہیں۔ مثالیں ذرا آگے چل کر آئیں گی۔

یہاں آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان تبدیلیوں سے بالآخر مقصود کیا ہوتا ہے؟ ان تبدیلیوں سے مقصود معانی میں وسعت اور ان کے درمیان معنوی فرق و اختلاف پیدا کرنا ہے۔ یعنی ایک ہی فعل جب باب تفعیل میں ہو تو اس کے معنے اور ہوتے ہیں اور باب افعال میں ہو تو اور۔ ان ابواب کی یہ خصوصیات (یعنی خاص معنی) مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا (اگرچہ ان خصوصیات میں بعض اوقات استثناء بھی ہو جاتی ہے) کسی فعل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ:

۱۔ اس مادہ کے معنی کیا ہیں اور

۲۔ وہ کس باب میں ہے۔

یہ عربی زبان کی وہ خصوصیت ہے جو کہیں اور نہیں ملتی - ذیل میں ہم ان ابواب کی خصوصیتیں (مختصراً) درج کرتے ہیں - آپ انہیں غور سے دیکھیں -

ابوابِ ثلاثی مزید فیہ کے خواص

اب ثلاثی مزید فیہ کے مختلف ابواب کے خواص دیکھئے - واضح رہے کہ ہم نے مختلف ابواب کے تمام خواص درج نہیں کئے - صرف اسی قدر خواص دئے ہیں جو قرآن کریم میں استعمال شدہ الفاظ کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں -

۱- باب تَفْعِیْلٌ :-

(اس باب سے مصدر تَفْعِیْلٌ کے وزن پر آئیگا - مثلاً تَکْرِیْمٌ - تَنْزِیْلٌ)[۱]

ثلاثی مجرد کو باب تَفْعِیْلٌ میں لے جائیں تو مندرجہ ذیل فوائد و خواص مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) لازم فعل متعدی بن جاتا ہے - مثالیں :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
ثَبَتَ	مضبوطی سے جما ' ثبت ہوا -	ثَبَّتَ	مضبوطی سے جمایا ' ثبت کیا -
کَرُمَ	شریف و باعزت ہوا	کَرَّمَ	شریف و باعزت بنایا

---

(۱) کبھی کبھی تَفْعِیْلٌ کے علاوہ تَفْعِلَةٌ اور فِعَّالٌ کے وزن پر بھی اس کا مصدر آ جاتا ہے - جیسے جَرَّبَ سے مصدر تَجْرِیْبٌ اور تَجْرِبَةٌ - اور کَذَّبَ سے مصدر تَکْذِیْبٌ و کِذَّابٌ - بالخصوص جب مادہ میں آخری حرف صحیح نہ ہو بلکہ حرف علت ہو تو مصدر ہمیشہ تَفْعِلَةٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے صَلّٰی سے تَصْلِیَةٌ اور سَمّٰی سے تَسْمِیَةٌ -

(۲) ثلاثی مجرد کا فعل متعدی جو ایک مفعول چاہتا ہے اس باب میں آنے کے بعد دو مفعول چاہنے لگتا ہے ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی و مثال	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی و مثال
سَمِعَ	اس نے سنا ۔ سَمِعَ زَیْدٌ الخَبَرَ : زید نے خبر سنی ۔ یہاں "الخَبَرَ" مفعول ہے ۔	سَمَّعَ	سنایا ۔ سَمَّعَ زَیْدٌ حَامِدًا الخَبَرَ : زید نے حامد کو خبر سُنائی ۔ یہاں "حامداً اور الخَبَرَ" دو مفعول ہیں ۔
فَهِمَ	اس نے سمجھا ۔ فَهِمَ حَامِدٌ الکَلَامَ" حامد نے بات سمجھی ۔ یہاں "الکَلَامَ" مفعول ہے ۔	فَهَّمَ	سمجھایا ۔ فَهَّمَ حَامِدٌ ذَاکِرًا الکَلَامَ حامد نے ذاکر کو بات سمجھائی' یہاں 'ذاکراً اور الکَلَامَ' دو مفعول ہیں ۔

(۳) کسی کام میں زور و شدت' زیادتی و کثرت اور مبالغہ کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
قَطَعَ	اس نے کاٹا	قَطَّعَ	بہت زیادہ کاٹا ' خوب اچھی طرح کاٹا ۔ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا ۔
قَتَلَ	مار ڈالا ' قتل کیا ۔	قَتَّلَ	بکثرت قتل کیا ۔ بری طرح قتل کیا ۔

(۴) کسی کام کو بتدریج تھوڑا تھوڑا اور بار بار کرنے کے لئے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
نَزَلَ	اترا ، نازل ھوا	نَزَّلَ	اتارا ، نازل کیا ، بار بار تھوڑا تھوڑا بتدریج اتارا ۔
ذَکَرَ	یاد کیا	ذَکَّرَ	یاد دلایا بار بار یاد دلایا ۔

(۵) کسی کام کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال کیا جاتا ھے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
کَذَبَ	جھوٹ بولا	کَذَّبَ	اسےجھٹلایا ، جھوٹا بتایا ۔ اسکی طرف جھوٹ کو منسوب کیا ۔
صَدَقَ	سچ بولا	صَدَّقَ	اسے سچا بتایا ۔ اس کی تصدیق کی ۔ سچ اسکی طرف منسوب کیا ، سچ کرکے دکھایا ۔

(۶) کسی کیفیت کو دور کرنے اور سلب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
مَرِضَ	وہ بیمار ہوا ۔	مَرَّضَ	اس کی بیماری دور کی ۔
ذُکَاءٌ	حرارت غریزی ۔	ذَکّٰی	جانورکی حرارت غریزی نکالی 'اسے ذبح کیا'

(۷) باب افعال کے مخالف معنوں کے لئے بھی آتا ہے ۔ مثلاً :

اَفْرَطَ (باب افعال) حد سے تجاوز کیا ۔ افراط ۔

فَرَّطَ (باب تفعیل) حد سے کمی کی ۔ تفریط ۔

(۹) بعض اوقات یہ ثلاثی مجرد کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً بَشَرَ اور بَشَّرَ کے معنی ایک ہیں ۔

باب تفعیل سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی معلوم	فعل ماضی مجہول	فعل مضارع معلوم	فعل مضارع مجہول	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
عَلَّمَ	عُلِّمَ	یُعَلِّمُ	یُعَلَّمُ	عَلِّمْ	لَا تُعَلِّمْ	مُعَلِّمٌ	مُعَلَّمٌ	تَعْلِیْمٌ

(۲) باب اِفْعَالٌ کے خواص

(اس باب سے (حروف صحت والے مادوں کا) مصدر اِفْعَالٌ کے وزن پر آئے گا ۔ مثلاً اِسْلَامٌ ۔ اِکْرَامٌ)

ثلاثی مجرد کو اِفْعَال میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں ۔

(۱) ثلاثی مجرد کے فعل لازم کو فعل متعدی بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیه باب افعال	معنے
فَرِحَ	وہ خوش ہوا	أَفْرَحَ	اسنے خوش کیا
عَزَّ	وہ با عزت و سر بلند ہوا	أَعَزَّ	اسنے با عزت و سر بلند کیا

(۲) ثلاثی مجرد اگر متعدی ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے تو اسے دو مفعول والا متعدی فعل بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	مثال	ثلاثی مزید فیه باب افعال	مثال
قَرَأَ اس نے پڑھا	قَرَأَ زَيْدٌ كِتَابًا : زید نے کتاب پڑھی یہاں " كِتَابًا " مفعول ہے -	أَقْرَأَ پڑھایا	أَقْرَأَ زَيْدٌ حَامِدًا كِتَابًا : زید نے حامد کو کتاب پڑھائی - یہاں " حَامِدًا " اور " كِتَابًا " دو مفعول ہیں -

(۳) کسی " وقت یا جگہ میں داخل ہونا " بتانے کے لئے - مثلاً :-

أَصْبَحَ (باب افعال) وہ صبح کے وقت میں داخل ہوا -

أَمْسَى (باب افعال) وہ شام کے وقت میں داخل ہوا -

أَعْرَقَ (باب افعال) وہ عراق میں داخل ہوا -

(۴) کسی " حالت یا صفت کا پایا جانا " بتانے کے لیے :- جیسے

أَكْبَرَ (باب افعال) اسے بڑا پایا -

(۵) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے۔ مثلاً

اَلْحَقَ (باب افعال) بمعنی لَحِقَ (ثلاثی مجرد) : پیچھے سے آکر ملا۔

(۶) کسی صفت کے زائل ہونے اور سلب کرنے کے لئے۔ مثلاً

اَعْتَبَ (باب افعال) عتاب زائل کیا۔

(۷) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد متعدی کا لازم بنتا ہے۔ جیسے کَبَّہٗ (ثلاثی مجرد متعدی) عَلٰی وَجْھِہٖ :- اسے منہ کے بل گرایا، فَاَکَبَّ (باب افعال' لازم) تو وہ منہ کے بل گر گیا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اَسْلَمَ	اُسْلِمَ	یُسْلِمُ	یُسْلَمُ	اَسْلِمْ	لَا تُسْلِمْ	مُسْلِمٌ	مُسْلَمٌ	اِسْلَامٌ

(۳) باب مُفَاعَلَۃ کے خواص

(اس باب سے مصدر مُفَاعَلَۃٌ اور فِعَالٌ کے وزن پر آتا ہے۔ مثلاً مُجَاھَدَۃٌ و جِھَادٌ ، مُسَابَقَۃٌ وسِبَاقٌ)۔

ثلاثی مجرد کو باب "مُفَاعَلَۃ" میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) دو آدمیوں کا ایک ہی کام میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف ہونا' مثلاً جب دو آدمی آپس میں جنگ کر رہے ہوں تو قَتَلَ کی جگہ قَاتَلَ کہا جائیگا۔ یعنی دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ مثالیں دیکھئے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنے
حَرَبَ	جنگ، لڑائی	حَارَبَ	ایک دوسرے کے خلاف لڑے
جَهَدَ	اس نے پوری کوشش کی	جَاهَدَ	ایک نے دوسرے کو زیر کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کی
ضَرَّ	نقصان پہنچایا	ضَارَّ	ایک نے دوسرے کو نقصان پہنچایا

(۲) کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے - جیسے:

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنے
سَبَقَ	وہ آگے بڑھا	سَابَقَ	ایک نے دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت لیجانے کی کوشش کی، آگے بڑھنے میں مقابلہ کیا -
سَرُعَ	وہ تیز رفتار ہوا	سَارَعَ	ایک نے دوسرے سے جلدی کرنے میں مقابلہ کیا

(۳) باب تفعیل کی طرح کسی کام میں کثرت و زیادتی بتانے کے لئے - مثلاً:

ضَاعَفَ (باب مفاعلہ) : کئی گنا بڑھایا، دو چند سہ چند کیا -

(۴) باب اِفْعَال کی طرح لازم کو متعدی بنانے کے لئے بھی کبھی کبھی یہ باب

مستعمل ہوتا ہے - مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنی
بَعُدَ	دور ہوا	بَاعَدَ	دور کیا
		وَارَی	چھپایا

(٥) کبھی اس کے معنے - ثلاثی مجرد کے ہوتے ہیں - مثلاً :

نَافَقَ (باب مفاعلہ) اس نے منافقت کی -

قَاتَلَ (باب مفاعلہ) اس نے مار ڈالا' قتل کیا ' بمعنی قَتَلَ (ثلاثی مجرد) -

بَارَکَ (باب مفاعلہ) اس نے خیر کا اضافہ کیا' برکت دی -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی معلوم	فعل ماضی مجہول	فعل مضارع معلوم	فعل مضارع مجہول	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
قَاتَلَ	قُوْتِلَ	يُقَاتِلُ	يُقَاتَلُ	قَاتِلْ	لَا تُقَاتِلْ	مُقَاتِلٌ	مُقَاتَلٌ	مُقَاتَلَةٌ قِتَالٌ

(٤) باب تَفَاعُلٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَاعُلٌ کے وزن پر آئیگا۔ مثلاً تَقَابُلٌ)

ثلاثی مجرد کو باب تَفَاعُل میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فائدے مطلوب ہوتے ہیں :

(١) دو یا دو سے زیادہ افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا ' ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ (مفاعلہ کے باب کی طرح) یا ایک جماعت کا دوسری جماعت

کے ساتھ کسی کام کو کرنا (باب مفاعلہ میں بالعموم ایک فرد دوسرے فرد کے مقابل میں ہوتا ہے اور باب تفاعل میں عام طور پر ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابل ہوتی ہے)۔

مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعل	معنی
قَبِلَ	سامنے ہوا۔	تَقَابَلَ	آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے
رَاَی	دیکھا	تَرَاءَی	آپس میں ایک نے دوسرے کو دیکھا۔

(۲) باب ''مُفَاعَلَةٌ'' کا اثر قبول کرنے کے لئے آتا ہے - اگر ''مُفَاعَلَة'' میں فاعل و مفعول درکار ہوں تو اس باب (تَفَاعُل) میں صرف فاعل درکار ہوگا :

باب مفاعلہ	معنی	باب تفاعل	معنی
بَاعَدَهُ	اسے دور کیا	تَبَاعَدَ	وہ دور ہوگیا

نوٹ - غور کیجئے ۔ دور ہونے میں دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں لیکن جب ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دور ہو گیا تو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے' یعنی دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہوتا ۔

(۳) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہوتا ہے ۔ جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعُل	معنے
عَلَا	بلند ہوا	تَعَالٰی	بلند ہوا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول اور یہی اسم مکان و زمان بھی ہے	مصدر
تَنَافَسَ	يَتَنَافَسُ	تَنَافَسْ	لَا تَتَنَافَسْ	مُتَنَافِسٌ	مُتَنَافَسٌ	تَنَافُسٌ

(۵) باب تَفَعُّل کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَعُّلٌ کے وزن پر آنے گا۔ جیسے تَقَدُّمٌ)

ثلاثی مجرد کو باب ”تَفَعُّل“ میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :-

(۱) باب تَفْعِیْل میں جس کام کو کیا جائے اس کا اثر قبول کر لینے اور اس کام کے ہو جانے کے لئے یہ باب استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے :-

باب تَفْعِیْل	معنے	باب تَفَعُّل	معنے
قَطَّعَ	کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا	تَقَطَّعَ	کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا ۔
قَدَّمَ	آگے بھیجا ، پیش کیا	تَقَدَّمَ	آگے آیا ، پیش ہوا ۔

(۲) کسی کام کا یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا ہونا یا کرنا ۔ جیسے :-

تَجَرَّعَ (باب تَفَعُّل) گھونٹ گھونٹ پیا ۔

(۳) کسی کام کو کرنے اور اس کے فوائد سے متمتع ہونے کے لئے زور لگانا اور

جد و جہد کرنا ۔ جیسے :۔

تَعَلَّمَ (باب تَفَعُّل) اس نے (کوشش اور کاوش سے) علم حاصل کیا ۔

تَدَبَّرَ (باب تَفَعُّل) اس نے (سعی و محنت سے) غور کیا ' پیچھا کیا ۔

(۴) کسی کام کو چھوڑنا اور اس سے دور ہونا ۔ مثلاً :۔

" هُجُوْدٌ " کے معنی نیند اور سونا ہیں ۔

تَهَجَّدَ (باب تَفَعُّلٌ میں اس کے معنی ہوں گے) : اس نے سونا چھوڑا ۔ یعنی جاگا ۔

(۵) باب تفعیل کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ جیسے :۔

باب تَفْعِيْلٌ	معنے	باب تَفَعُّل	معنے
فَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا ۔	تَفَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول (و اسم ظرف)	مصدر
معروف	مجہول	معروف	مجہول					
تَدَبَّرَ	تُدُبِّرَ	يَتَدَبَّرُ	يُتَدَبَّرُ	تَدَبَّرْ	لَا تَتَدَبَّرْ	مُتَدَبِّرٌ	مُتَدَبَّرٌ	تَدَبُّرٌ

(٦) باب اِنْفِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِنْفِعَالٌ کے وزن پر آئے گا ۔ جیسے اِنْقِلَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب انفعال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد پیدا ہوتے ہیں :۔

(۱) ثلاثی مجرد کے جن افعال میں اثر اندازی اور زور لگا کر کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے ' یہ باب ان افعال کا اثر قبول کرنے اور ویسا ہوجانے کے لئے استعمال ہوتا ہے

نیز متعدی فعل کو لازم کر دیتا ہے - مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب اِنْفِعَالٌ	معنی
قَلَبَ	پلٹا ، پھیرا ، الٹا	اِنْقَلَبَ	پلٹ گیا ، پھر گیا ، الٹ گیا -
فَلَقَ	پھاڑا	اِنْفَلَقَ	پھٹ گیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	ظرف زمان و مکان	مصدر
اِنْقَلَبَ	يَنْقَلِبُ	اِنْقَلِبْ	لَاتَنْقَلِبْ	مُنْقَلِبٌ	مُنْقَلَبٌ	اِنْقِلَابٌ

نوٹ - یہ باب لازم ہی آتا ہے اور کسی لازم فعل سے نہ مجہول بنایا جاتا ہے نہ اسم مفعول -

۷ - باب اِفْتِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِفْتِعَالٌ کے وزن پر آئے گا - مثلاً اِكْتِسَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب اِفْتِعَال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مستحدثہ ہوتے ہیں -

(۱) ثلاثی مجرد فعل کا اثر قبول کرنا اور جو کام کیا جائے اس کا ہو جانا ، جیسے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
جَمَعَ	جمع کیا ، اکٹھا کیا -	اِجْتَمَعَ	جمع ہو گیا ، اکٹھا ہوا -
هَدَى	راستہ بتایا ، رہنمائی کی -	اِهْتَدَى	راستہ پر لگا ، رہنمائی ہوئی ، راستہ معلوم ہوا -

(۲) کسی کام میں محنت کرنا اور انتہائی زور لگانا ، مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَسَبَ	اس نے کمایا	اِکْتَسَبَ	اس نے محنت اور انتہائی زور لگا کر کمایا ۔
جَهَدَ	کوشش کی	اِجْتَهَدَ	پوری کوشش اور انتہائی زور لگایا ۔

(۳) اپنے جی سے کسی کام کو بنا لینا اور گھڑ لینا :- جیسے

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَتَبَ	لکھا	اِکْتَتَبَ	اپنی طرف سے لکھ لیا ۔
خَلَقَ	بنایا	اِخْتَلَقَ	اپنے جی سے بنا لیا، گھڑ لیا ، تراش لیا ۔

(۴) کسی کام کو چاھنا اور اسے طلب کرنا ۔ نیز کسی چیز کو پیش کرنا اور اظہار کرنا ۔ مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
عَذَرَ	اس نے معاف کیا ۔ عذر قبول کیا	اِعْتَذَرَ	اس نے معافی چاھی ۔ عذر پیش کیا ۔

(۵) باب تَفَاعُل کی طرح اس باب میں بھی باھمی اشتراک کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
قَتَلَ	قتل کیا	اِقْتَتَلَ	باھم قتل کیا
سَبَقَ	آگے بڑھا	اِسْتَبَقَ	آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کی ۔

اس باب کے مشتق اسماء و افعال کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اِشْتَمَلَ	اُشْتُمِلَ	يَشْتَمِلُ	يُشْتَمَلُ	اِشْتَمِلْ	لَا تَشْتَمِلْ	مُشْتَمِلٌ	مُشْتَمَلٌ	اِشْتِمَالٌ

(۸) باب اِسْتِفْعَالٌ کے خواص

ثلاثی مجرد کو باب "استفعال" میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ھیں :

(۱) کسی کام کو چاھنا، اسے طلب کرنا اور مانگنا ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
نَصَرَ	اس نے مدد کی	اِسْتَنْصَرَ	اس نے مدد چاھی، مدد مانگی
غَفَرَ	اسے بچایا، محفوظ رکھا	اِسْتَغْفَرَ	اس نے حفاظت چاھی۔ بچاؤ کا طالب ھوا ۔

(۲) مفعول میں فعل کی صفت کو پانا یا سمجھنا ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
ضعف	کمزور ہوا	استضعفہ	اسے کمزور پایا ، یا کمزور سمجھا ۔

(۳) کسی کام کا اثر قبول کرنے اور اس کے ساتھ جیسا کیا جائے ویسا ہو جانے کے لئے بھی اس باب کو استعمال کیا جاتا ہے ۔ جیسے :

استجاب (باب استفعال) پکار کا جواب دیا، آواز کو قبول کیا ۔

(۴) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
قر	وہ ٹھہرا	استقر	وہ ٹھہرا

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
استنصر	استنصر	یستنصر	یستنصر	استنصر	لا تستنصر	مستنصر	مستنصر	استنصار

(۹) باب اِفْعِلَال کے خواص

(ابواب نمبر ۹ تا ۱۲ بہت کم استعمال ہوتے ہیں)

(۱) یہ باب کسی رنگ یا عیب کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے :

اسم	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افعلال	معنے
أَبْيَضُ	سفید	اِبْيَضَّ	سفید ہوا۔
أَسْوَدُ	کالا	اِسْوَدَّ	سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِبْيَضَّ	يَبْيَضُّ	اِبْيَضَّ	لَا تَبْيَضَّ	مُبْيَضٌّ	اِبْيِضَاضٌ

(۱۰) باب اِفْعِيلَال کے خواص

باب اِفْعِيلَال در اصل باب افعلال (نمبر ۹) کی ایک قسم ہے اس لئے اسی کے خواص رکھتا ہے۔ نیز حرف ”ی“ کے اضافہ کی وجہ سے معنی میں زور ومبالغہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً :

اِدْهَامَّ (باب افعیلال) سخت سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِدْهَامَّ	يَدْهَامُّ	اِدْهَامَّ	لَا تَدْهَامَّ	مُدْهَامٌّ	اِدْهِيمَامٌ

۱۲۰۱۱۔ باب اِفّعَلَ اور باب اِفّاعَلَ کے خواص

یہ ابواب در اصل باب تَفَعُّلْ اور باب تَفَاعُلْ کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں، اور انہی ابواب کے خواص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مثالیں :

باب اِفّعَلَ	معنے	باب اِفّاعَلَ	معنے
اِزَّمَّلَ	(۱) اس نے چادر اوڑھی۔ (۲) اس نے ساتھی بنایا۔	اِثَّاقَلَ	وہ بوجھل اور بھاری ہوا۔
اِطَّهَّرَ	اس نے پاکی اختیار کی، پاک ہوا۔	اِدَّارَكَ	ایک دوسرے کو ملا۔ ایک نے دوسرے کو پایا۔

رُباعی مجرّد اور مزید فیه کے ابواب

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، ثلاثی وہ فعل ہے جس میں مادّہ یعنی اصلی حروف کی تعداد تین ہو۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (۱) مجرّد (۲) مزید فیہ۔ "مجرد" وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں صرف تین حروف ہوتے ہیں۔ "مزید فیہ" وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں لیکن بہر حال اصلی حروف تین ہی ہوں۔ مثال کے طور پر "نَصَرَ" فعل ماضی کی پہلی شکل ہے۔ اس میں تین حروف ہیں۔ یہ ثلاثی مجرّد ہے۔ لیکن "اِسْتَنْصَرَ" جو اگرچہ نَصَرَ میں ہی کچھ حرفوں کے اضافہ سے بنا ہے، ثلاثی مجرد نہیں بلکہ ثلاثی مزید فیہ ہے۔

رُباعی
مجرد۔ مزید فیه

وہ فعل جس کی ماضی کی پہلی شکل میں چار حروف ہوں اور وہ چاروں اصلی ہوں اور ان میں کوئی بھی زائد نہ ہو فعل رباعی کہلاتا ہے۔ اگر ماضی کی پہلی شکل میں صرف چار حرف ہوں تو وہ فعل رباعی مجرّد کہلائے گا' لیکن جب اصلی حروف تو چار ہی ہوں لیکن ماضی کی پہلی شکل میں چار سے زیادہ حروف ہوں تو اسے رباعی مزید فیه کہینگے۔

عربی میں عموماً ثلاثی افعال زیادہ استعمال ہوتے ہیں' رباعی کم استعمال ہوتے ہیں' اور اسی لئے رباعی کے ابواب بھی کم ہیں۔ رباعی مجرد کا تو صرف ایک باب ہے۔

(۱) باب فَعْلَلَةٌ

رباعی مجرد

وہ فعل جس کا مادہ (اصلی حروف) چار حرفوں پر مشتمل ہو اور ماضی کی پہلی شکل میں بھی صرف چار حرف ہوں' رباعی مجرد کہلاتا ہے۔ اور اس کا ایک باب ہے۔ یہ باب عموماً متعدی ہوتا ہے۔ مثالیں:

وَسْوَسَ : اس نے خیال یا وسوسہ ڈالا۔

زَلْزَلَ : اس نے هلایا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
زَلْزَلَ	زُلْزِلَ	يُزَلْزِلُ	يُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ	لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	(۱) زَلْزَلَةٌ (۲) زِلْزَالٌ

نوٹ۔ مصدر میں دوسرا وزن کم مستعمل ہے۔

رباعی مزید فیه اور اس کے ابواب

جب فعل ماضی کی پہلی شکل میں اصلی چار حروف کے ساتھ ساتھ کچھ زائد حروف بھی ہوں تو وہ فعل ''رُبَاعِی مَزِید فِیه'' کہلاتا ہے۔ اس کے ابواب یہ ہیں۔

(۱) باب اِفْعِلَّالٌ

اس باب میں ماضی کی پہلی شکل اِطْمَأَنَّ ہے' یہ طَمْأَنَ سے بنی ہے۔ اِطْمَأَنَّ میں شروع کا الف اور آخر میں ن پر تشدید زیادہ ہے۔ اسی طرح اِقْشَعَرَّ اور اِشْمَأَزَّ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِطْمَأَنَّ	يَطْمَئِنُّ	اِطْمَئِنَّ	لَا تَطْمَئِنَّ	مُطْمَئِنٌّ	اِطْمِئْنَانٌ

(۲) باب تَفَعْلُلٌ

رباعی مزید کا ایک باب جو رباعی مجرد کے باب کا اثر قبول کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے' اس کی ماضی کی پہلی شکل تَفَعْلَلَ کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے:
تَزَحْزَحَ ، تَزَلْزَلَ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
تَدَحْرَجَ	يَتَدَحْرَجُ	تَدَحْرَجْ	لَا تَتَدَحْرَجْ	مُتَدَحْرِجٌ	تَدَحْرُجٌ

امید ہے کہ عربی گرامر کے ان مختصر سے نکات سے (عربی نہ جاننے والے) قارئین اتنا سمجھ گئے ہونگے کہ عربی الفاظ کے مادے کیا ہوتے ہیں ۔ ان مادوں سے الفاظ کی مختلف شکلیں کیسے بنتی ہیں اور ان شکلوں سے الفاظ کے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے ۔ یہ معلومات نہ صرف زیر نظر لغت سے استفادہ میں بڑی مدد دینگی بلکہ عربی زبان کے سمجھنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہونگی ۔

آئندہ باب میں قارئین کے سامنے ایک فہرست آئیگی جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ ان کی اصلی شکل میں (یعنی جس شکل میں وہ قرآن میں آئے ہیں) دئے گئے ہیں اور ہر لفظ کے سامنے اس کا مادہ دیا گیا ہے تاکہ لغت سے الفاظ کے معنی معلوم کرنے میں دقت نہ ہو ۔

لغات القرآن

باب دوم

جیسا کہ سابقہ باب میں لکھا جا چکا ہے ' عربی زبان کے ہر لفظ کا (بجز حروف کے) ایک مادہ ہوتا ہے اور لغت میں وہ لفظ اپنے مادہ کے تحت لکھا جاتا ہے - عربی جاننے والوں کے لئے تو یہ معلوم کر لینا مشکل نہیں ہوتا کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے ' لکن جو لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ان کے لئے الفاظ کے مادے معلوم کرنا مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوتا ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی کو ایک لفظ کا مادہ ہی معلوم نہیں ہوگا تو وہ اسے لغت میں تلاش کیسے کریگا ؟ مثلاً ایک لفظ ہے ”مُتَّقِیْنَ“ - عربی نہ جاننے والا اسے " م ت " کے نیچے تلاش کرے گا ' اور اس کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوگا کہ یہ لفظ " و ق ی " کے تحت ملے گا جو اس کا مادہ ہے - چونکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ اس لغت کی مدد سے عربی نہ

جاننے والے حضرات قرآنی مطالب کو براہ راست سمجھ سکیں اس لئے ان کی سہولت کے لئے قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر دی گئی ہے۔ اس فہرست میں قرآن کا ہر لفظ اسی شکل میں دیا گیا ہے جس میں وہ قرآن کے اندر موجود ہے اور اس کے سامنے وہ مادہ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ لفظ لغت میں ملے گا۔ آپ قرآن کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنا چاہیں، اسے فہرست میں، عام ڈکشنریوں کے قاعدے کے مطابق، تلاش کرلیں۔ پھر، اس کے سامنے جو مادہ دیا گیا ہو اسے زیر نظر لغت میں (ڈکشنری کے قاعدے کے مطابق) اس کے مقام میں دیکھ لیں۔ مطلوبہ لفظ اس مادہ کے تحت مل جائیگا۔

اس فہرست میں :

(۱) عام طور پر قرآنی الفاظ پر اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ) نہیں دئے گئے۔ ایسا کیا جاتا تو فہرست (بلا ضرورت) طویل ہو جاتی۔ مثلاً اِسْتَغْفَرَ۔ اَسْتَغْفِرُ۔ اِسْتَغْفِرْ کو الگ الگ لکھنے کی بجائے، ایک ہی جگہ (استغفر کی شکل میں بلا اعراب) لکھ دیا گیا ہے اور اس کے سامنے اس کا مادہ (غ ف ر) دیدیا گیا ہے۔ البتہ جہاں اعراب کے بدل جانے سے مادہ بدل جاتا ہے وہاں الفاظ پر اعراب لگا دئے گئے ہیں۔ مثلاً صَفًّا کا مادہ (ص ف ف) ہے اور صَفَا کا مادہ (ص ف و)۔ ان پر اعراب دیدئے گئے ہیں۔

اسی طرح عربی میں، مختلف وُجوہ کی بنا پر، اسم کے آخری حرف پر زبر (ـَ یا ـً) زیر (ـِ یا ـٍ) پیش (ـُ یا ـٌ) آتے ہیں۔ فہرست میں ایسے الفاظ کی بھی صرف ایک شکل دی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں کہیں عِلْمًا ہے۔ کہیں اَلْعِلْمَ، عِلْمٌ اَلْعِلْمُ، عِلْمٍ اور اَلْعِلْمِ۔ فہرست میں آپ کو صرف (علم) ملے گا۔

(۲) عربی زبان میں بعض اوقات اصل لفظ سے پہلے (ا ل) یا (ف) وغیرہ کے حروف آ جاتے ہیں۔ مثلاً اَلْبَيْتَ۔ یا فَذَكِّرْ۔ زیر نظر فہرست میں ایسے الفاظ اپنی اصل شکل میں ملینگے۔ یعنی (اَلْبَيْتُ) آپ کو (اَلْ) کے نیچے نہیں ملے گا بلکہ

بَیْت کے مقام پر ملے گا - لیکن جہاں (اَلْ) کسی لفظ کا جزو ہے تو وہ لفظ (اَلْ) ہی کے تحت ملے گا - مثلاً (اَلْوَاح) - ہمیں اس کا احساس ہے کہ عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے بعض اوقات یہ متعین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ (اَلْ) اس لفظ کا اصلی جزو ہے یا نہیں - لیکن اس دشواری کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ ایسے الفاظ کو آپ (اَلْ) کے تحت بھی دیکھ لیں اور (اَلْ) کے بغیر اصل لفظ کے تحت بھی -

اسی طرح عربی میں متعدد حروف ' اسم اور فعل سے پہلے ' اور مختلف ضمیریں اسم اور فعل کے بعد ' اس طرح ملا کر لکھدی جاتی ہیں کہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے انہیں الگ الگ کر کے الفاظ کی اصلی شکلیں جاننا مشکل ہو جاتا ہے - مثلاً أَفَتُمَارُوْنَهُ مجموعہ ہے أَ+فَ+تُمَارُوْنَ+هُ کا - اور فَقُلْنَا مجموعہ ہے فَ+قُ+نَا ' کا - اور فَأَلْهَمَهَا مجموعہ ہے فَ+أَلْهَمَ+هَا کا - اور أَلْهٰكُمْ مجموعہ ہے أَلْهٰى+كُمْ کا - لہٰذا ان میں سے جس لفظ (یا حرف) کے معنی دیکھنے مقصود ہوں اسے الگ کر کے لغت میں دیکھئے -

(۳) بعض اوقات لفظ کے مادہ میں بھی تھوڑی سی دقت پیش آ جاتی ہے - ایسا ان مادوں میں ہوتا ہے جن میں (ی) یا (و) آئے - مثلاً (تَرَاقِی) کا مادہ (ر ق ی) بھی ہو سکتا ہے اور (ر ق و) بھی - ایسے الفاظ کی صورت میں فہرست میں دونوں مادے دیدئے گئے ہیں - لیکن اگر کسی جگہ ایسا نہ کیا جا سکا ہو تو ان مادوں کو (ی) میں بھی دیکھ لینا چاہئے اور (و) میں بھی - *اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۳ جلد چہارم عنوان تمہید۔*

(۴) فہرست میں حروف مقطعات مثلاً الٓرٰ - کٓهٰیٰعٓصٓ - وغیرہ نہیں دئے گئے - *اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان تمہید۔*

آخر میں اتنا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ فہرست ہر لحاظ سے مکمل ہو لیکن اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض قرآنی الفاظ نہ آ سکے ہوں یا کوئی اور غلطی رہ گئی ہو - قارئین سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں اس قسم کا سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کر دی جائے -

اب فہرست الفاظ ملاحظہ فرمائیے - ہر صفحہ پر تین خانے ہیں - اور ہر خانے میں " لفظ " کے نیچے قرآنی الفاظ ہیں اور " مادہ " کے نیچے وہ مقام جہاں وہ الفاظ لغت میں ملیں گے -



قرآنی الفاظ کی فہرست

لفظ	مادہ
اَ	أ
آباء	ا ب و
آت	ا ت ی
آتی	,,
آتوا	,,
آتی	,,
آتیت	,,
آتیة	,,
آتیتم	,,
آتیتموا	,,
آتین	,,
آتینا	,,
آثار	ا ث ر
آثر	,,
آثم	ا ث م
آثمین	,,

لفظ	مادہ
آخذین	ا خ ذ
آخر	ا خ ر
آخران	,,
آخرة	,,
آخرون	,,
آخرین	,,
آدم	ا د م
آذان	ا ذ ن
آذن	,,
آذنا	,,
آذنت	,,
آذوا	ا ذ ی
آذیتمو	,,
آزر	ا ز ر
آزفة	ا ز ف
آسی	ا س و

لفظ	مادہ
آسفوا	ا س ف
آسن	ا س ن
آصال	ا ص ل
آفاق	ا ف ق
آفلین	ا ف ل
آکلون	ا ک ل
آل	ا و ل
آلاء	ا ل و (الی)
الآن	أ+ا و ن
آلاف	ا ل ف
آلهة	ا ل ہ
آمر	ا م ر
آمرون	,,
آمن	ا م ن
آمنا	,,
آمنت	,,

لفظ	ماده
آمنة	ا م ن
آمنتم	,,
آمنوا	,,
آمنون	,,
آمنين	,,
آمين	ا م م
آنّ	ا و ن
آنٍ	ا ن ی
آناء	,,
آنس	ا ن س
آنستم	,,
آنف	ا ن ف
آنية	ا ن ی
آوی	ا و ی
آووا	,,
آوی	,,
آوينا	,,
آيات	ا ی ی
آية	,,
آيتين	,,
ائت	ا ت ی
ائتمروا	ا م ر
ائتمن	ا م ن
ائتوا	ا ت ی

لفظ	ماده
ائتيا	ا ت ی
ائذن	ا ذ ن
ائذنوا	,,
ائمة	ا م م
اِمر	ا م ر
اَبَّ	ا ب و
اَبّ	ا ب ب
ابی	ا ب ی
ابابيل	ا ب ل
اباريق	ب ر ق
ابت	ا ب و
ابتدعوا	ب د ع
ابتر	ب ت ر
ابتغ	ب غ ی
ابتغی	,,
ابتغاء	,,
ابتغوا	,,
ابتغي	,,
ابتغيت	,,
ابتلی	ب ل و
ابتلوا	,,
ابحر	ب ح ر
ابدا	ا ب د
ابدل	ب د ل

لفظ	ماده
ابرئ	ب ر أ
ابرار	ب ر ر
ابراهيم	ابراهيم
ابرح	ب ر ح
ابرص	ب ر ص
ابرموا	ب ر م
ابسلوا	ب س ل
ابشروا	ب ش ر
ابصار	ب ص ر
ابصر	,,
ابصرنا	,,
ابعث	ب ع ث
ابعثوا	,,
ابغي	ب غ ی
ابق	ا ب ق
ابقی	ب ق ی
ابکی	ب ک ی
ابکار	ب ک ر
ابکم	ب ک م
ابل	ا ب ل
ابلعي	ب ل ع
ابلغ	ب ل غ
ابلغت	,,
ابلغوا	,,

لفظ	ماده
ابليس	ب ل س
ابن	ب ن ی
اَبْنَ	ب ن و(بنی)
ابن السبيل	ب ن و+س ب ل
ابناء	ب ن و(بنی)
ابنة	,,
ابنتي	,,
ابنوا	ب ن ی
ابني	ب ن و
ابو	ا ب و
ابوا	ا ب ی
ابواب	ب و ب
ابوين	ا ب و
ابي	,,
ابي لهب	ا ب و+ل ه ب
ابيض	ب ی ض
ابيضت	,,
اَبَيْنَ	ا ب ی
اُبَيِّنَ	ب ی ن
اتی	ا ت ی
اتباع	ت ب ع
اتبع	,,
اتبعت	,,

لفظ	ماده
اتبعتم	ت ب ع
اتبعنا	,,
اتبعوا	,,
اتت	ا ت ی
اتخاذ	ا خ ذ
اتخذ	,,
اتخذت	,,
اتخذتم	,,
اتخذتموا	,,
اتخذنا	,,
اتخذوا	,,
اتخذی	,,
اتراب	ت ر ب
اترفتم	ت ر ف
اترفنا	,,
اترفوا	,,
اترك	ت ر ك
اتسق	و س ق
اتق	و ق ی
اتقی	,,
اتقن	ت ق ن
اتقوا	و ق ی
اتقيتن	,,
اتقين	,,

لفظ	ماده
اتل	ت ل و
اتلوا	,,
اتم	ت م م
اتمم	,,
اتمت	,,
اتممنا	,,
اتموا	,,
اتوا	ا ت ی
اتوب	ت و ب
اتوكأ	و ک أ
اتيا	ا ت ی
اتيت	,,
اتين	,,
اتينا	,,
اثاب	ث و ب
اثاث	ا ث ث
اثارة	ا ث ر
اثاروا	ث و ر
اثاقلتم	ث ق ل
اثبتوا	ث ب ت
اثخنتموا	ث خ ن
اثر	ا ث ر
اثرن	ث و ر
اثقال	ث ق ل

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
احصرتم	ح ص ر	احمی	ح م ی	اختین	ا خ و
احصرو	,,	احي	ح ی ی	اخدان	خ د ن
احصن	ح ص ن	احیاء	,,	اخدود	خ د د
احصنت	ح ص ن	احیط	ح و ط	اخذ	ا خ ذ
احصوا	ح ص ی	احوی	ح و و	اخذة	ا خ ذ
احصینا	,,	احیي	ح ی ی	اخذت	,,
احضرت	ح ض ر	احییت	,,	اخذتم	,,
احطت	ح و ط	احیینا	,,	اخذن	,,
احطنا	,,	اخ	ا خ و	اخذنا	,,
احفظوا	ح ف ظ	اخاف	خ و ف	اخذوا	,,
احق	ح ق ق	اخالف	خ ل ف	اخر	ا خ ر
احقاب	ح ق ب	اخبار	خ ب ر	اخری	,,
احقاف	ح ق ف	اخبتوا	خ ب ت	اخراج	خ ر ج
احکم	ح ک م	اخت	ا خ و	اخرت	ا خ ر
احکمت	,,	اختار	خ ی ر	اخرج	خ ر ج
احل	ح ل ل	اخترت	,,	اخرجت	,,
احلام	ح ل م	اخترنا	,,	اخرجتم	,,
احلت	ح ل ل	اختصموا	خ ص م	اخرجنا	,,
احلل	,,	اختلاف	خ ل ف	اخرجوا	,,
احللنا	,,	اختلاق	خ ل ق	اخرنا	ا خ ر
احلوا	,,	اختلط	خ ل ط	اخزی	خ ز ی
احال	ح م ل	اختلف	خ ل ف	اخزیت	,,
احمد	ح م د	اختلفتم	,,	اخسئوا	خ س أ
احمل	ح م ل	اختلفوا	,,	اخسرون	خ س ر

لفظ	ماده
اخشوا	خ ش ی
اخضر	خ ض ر
اخطأتم	خ ط أ
اخطانا	خ ط أ
اخفی	خ ف ی
اخفض	خ ف ض
اخفي	خ ف ی
اخفیتم	,,
اخلاء	خ ل ل
اخلاص	خ ل ص
اخلد	خ ل د
اخلصنا	خ ل ص
اخلصوا	,,
اخلع	خ ل ع
اخلف	خ ل ف
اخلفت	,,
اخلفتم	,,
اخلفنا	,,
اخلفوا	,,
اخلق	خ ل ق
اخن	خ و ن
اخوات	ا خ و
اخوال	خ و ل
اخوان	ا خ و

لفظ	ماده
اخوة	ا خ و
اخیار	خ ی ر
اخیه	ا خ و
اد	ا د د
ادآء	ا د ی
ادارأتم	د ر أ
ادارك	د ر ك
اداركوا	د ر ك
ادبار	د ب ر
ادبر	,,
ادخل	د خ ل
ادخلا	,,
ادخلنا	,,
ادخلوا	,,
ادخلي	,,
ادری	د ر ی
ادرءوا	د ر أ
ادرك	د ر ك
ادری	د ر ی
ادریس	ادریس
ادع	د ع و
ادعوا	,,
ادعیاء	,,
ادفع	د ف ع

لفظ	ماده
ادفعوا	د ف ع
ادکر	ذ ک ر
ادل	د ل ل
ادلی	د ل و
ادنی	د ن و
ادوا	ا د ی
ادهی	د ه ی
اذْ	ا ذ
اذًا	ا ذ ن
اذا	ا ذ ا
اذاعوا	ذ ی ع
اذاق	ذ و ق
اذان	ا ذ ن
اذبح	ذ ب ح
اذکر	ذ ک ر
اذکروا	,,
اذقان	ذ ق ن
اذقنا	ذ و ق
اذل	ذ ل ل
اذلة	,,
اذلين	,,
اذن	ا ذ ن
اذنت	,,

لفظ	ماده
ارید	ر و د
ارینا	ر أ ی
از	ا ز ز
ازاغ	ز ی غ
ازدادو	ز ی د
ازدجر	ز ج ر
ازر	ا ز ر
ازفت	ا ز ف
ازکی	ز ک و
ازل	ز ل ل
ازلام	ز ل م
ازلفت	ز ل ف
ازلفنا	,,
ازواج	ز و ج
ازید	ز ی د
ازین	ز ی ن
ازینت	,,
اساء	س و ء
اسأتم	,,
اساءوا	,,
اساری	ا س ر
اساطیر	س ط ر
اسال	س أ ل
اسالوا	,,

لفظ	ماده
اساور	س و ر
اسباب	س ب ب
اسباط	س ب ط
اسبغ	س ب غ
استاجر	ا ج ر
استاجرت	,,
استاذن	ا ذ ن
استاذنوا	,,
استبدال	ب د ل
استبرق	استبرق
استبشروا	ب ش ر
استبقا	س ب ق
استبقوا	,,
استجاب	ج و ب
استجابوا	,,
استجار	ج و ر
استجب	ج و ب
استجبتم	,,
استجیب	,,
استجیبوا	,,
استحبوا	ح ب ب
استحفظوا	ح ف ظ
استحق	ح ق ق
استحقا	,,

لفظ	ماده
استحوذ	ح و ذ
استحیاء	ح ی ی
استحیوا	,,
استحیي	ح ی ی
استخرج	خ ر ج
استخف	خ ف ف
استخلص	خ ل ص
استخلف	خ ل ف
استرق	س ر ق
استرهبوا	ر ه ب
استزل	ز ل ل
استسقی	س ق ی
استشهدوا	ش ه د
استضعفوا	ض ع ف
استطاع	ط و ع
استطاعوا	,,
استطعت	,,
استطعتم	,,
استطعما	ط ع م
استطعنا	ط و ع
استعجال	ع ج ل
استعجلتم	,,
استعذ	ع و ذ
استعصم	ع ص م

لفظ	ماده
استعلی	ع ل و
استعمر	ع م ر
استعینوا	ع و ن
استغاث	غ و ث
استغشوا	غ ش ی
استغفار	غ ف ر
استغفر	,,
استغفرت	,,
استغفروا	,,
استغفری	,,
استغلظ	غ ل ظ
استغنی	غ ن ی
استفت	ف ت ی
استفتحوا	ف ت ح
استفزز	ف ز ز
استقاموا	ق و م
استقر	ق ر ر
استقم	ق و م
استقیما	,,
استقیموا	,,
استکانوا	ک و ن
استکبار	ک ب ر
استکبر	,,
استکبرت	,,

لفظ	ماده
استکبرتم	ک ب ر
استکبروا	,,
استکثرت	ک ث ر
استکثرتم	,,
استمتعتم	م ت ع
استمتعوا	,,
استمسك	م س ك
استمع	س م ع
استمعوا	,,
استنصر	ن ص ر
استمتع	م ت ع
استنصروا	ن ص ر
استنکفوا	ن ک ف
استوی	س و ی
استوت	,,
استوقد	و ق د
استویت	س و ی
استویتم	,,
استهزئ	ه ز أ
استهزء وا	,,
استهوت	ه و ی
استیأس	ی أ س
استیأسوا	,,
استیسر	ی س ر

لفظ	ماده
استیقنت	ی ق ن
اسجد	س ج د
اسجدوا	,,
اسجدی	,,
اسحار	س ح ر
اسحٰق	اسحٰق
اسخط	س خ ط
أَسْر	ا س ر
أَسْر	س ر ی
أَسَرَّ	س ر ر
أَسْرى (فعل)	س ر ی
أَسْرى (اسم)	ا س ر
اسرائیل	اسرائیل
اسرار	س ر ر
اسراف	س ر ف
اسرح	س ر ح
اسرت	س ر ر
اسرع	س ر ع
اسرف	س ر ف
اسرفوا	,,
اسروا	س ر ر
اسس	ا س س
استطاعوا	ط و ع
اسعوا	س ع ی

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اسفا	ا س ف	اسلمنا	س ل م	اشحة	ش ح ح
اسفى	,,	اسلموا	,,	اشد	ش د د
اسفار	س ف ر	اسلنا	س ی ل	اشداء	,,
اسفر	,,	اسم	س م و	اشدد	,,
اسفل	س ف ل	اسماء	,,	اشر	ا ش ر
اسفلين	,,	اسمع	س م ع	اشرار	ش ر ر
اسقط	س ق ط	اسمعوا	,,	اشراط	ش ر ط
اسقي	س ق ی	اسمعيل	اسمعيل	اشراق	ش ر ق
اسقينا	,,	اسوأ	س و ء	اشربوا	ش ر ب
اسكن	س ک ن	اسواق	س و ق	اشربي	,,
اسكنا	,,	اسوة	ا س و	اشرح	ش ر ح
اسكنت	,,	اسود	س و د	اشرقت	ش ر ق
اسكنوا	,,	اسودت	,,	اشرك	ش ر ك
اسلام	س ل م	اسورة	س و ر	اشركت	,,
اسلحة	س ل ح	اسير	ا س ر	اشركتم	,,
اسلفت	س ل ف	اشاء	ش ی ء	اشركتموا	,,
اسلفتم	,,	اشارت	ش و ر	اشركنا	,,
اسلك	س ل ك	اشتات	ش ت ت	اشركوا	,,
اسلكوا	,,	اشتدت	ش د د	اشعار	ش ع ر
اسلكي	,,	اشترى	ش ر ی	اشفقتم	ش ف ق
اسلم	س ل م	اشتروا	,,	اشفقن	,,
اسلما	,,	اشتعل	ش ع ل	اشق	ش ق ق
اسلمت	,,	اشتملت	ش م ل	اشقى	ش ق ی
اسلمتم	,,	اشتهت	ش ه و	اشكر	ش ک ر

لفظ	ماده
اشکروا	ش ک ر
اشکرا	ش ک و
اشمأزت	ش م ز
اشهاد	ش ه د
اشهد	,,
اشهدت	,,
اشهدوا	,,
اشهر	ش ه ر
اشیاء	ش ی ء
اشیاع	ش ی ع
اصاب	ص و ب
اصابت	,,
اصابع	ص ب ع
اصب	ص ب و
اصباح	ص ب ح
اصبتم	ص و ب
أصبح	ص ب ح
اصبحت	,,
اصبحتم	,,
اصبحوا	,,
اصبر	ص ب ر
اصبروا	,,
اصبنا	ص و ب
اصحاب	ص ح ب

لفظ	ماده
اصحاب الیمین	ص ح ب / ی م ن
اصحاب الفیل	ص ح ب / ف ی ل
اصحاب الکهف	ص ح ب / ک ه ف
اصدع	ص د ع
اصدق	ص د ق
اصر	ا ص ر
اصرف	ص ر ف
اصروا	ص ر ر
اصطادوا	ص ی د
اصطبر	ص ب ر
اصطفی	ص ف و
اصطفیت	,,
اصطفینا	,,
اصطنعت	ص ن ع
اصغر	ص غ ر
اصفی	ص ف و
اصفاد	ص ف د
اصفح	ص ف ح
اصفحوا	,,
اصل	ا ص ل
اصلاب	ص ل ب
اصلاح	ص ل ح

لفظ	ماده
اصلب	ص ل ب
اصلح	ص ل ح
اصلحا	,,
اصلحنا	,,
اصلوا	ص ل ی
اصلی	,,
اصم	ص م م
اصنام	ص ن م
اصنع	ص ن ع
اصوات	ص و ت
اصواف	ص و ف
اصول	ا ص ل
اصیب	ص و ب
اصیل	ا ص ل
اضاء	ض و ء
اضاءت	,,
اضاعوا	ض ی ع
اضحك	ض ح ك
اضرب	ض ر ب
اضربوا	,,
اضطر	ض ر ر
اضطررتم	,,
اضعاف	ض ع ف
اضعف	,,

لفظ	ماده
اضغاث	ض غ ث
اضغاث }	ض غ ث
احلام }	ح ل م
اضغان	ض غ ن
اضل	ض ل ل
اضلا	,,
اضللتم	,,
اضللن	,,
اضلوا	,,
اضمم	ض م م
اضیع	ض ی ع
اطاع	ط و ع
اطاعوا	,,
اطراف	ط ر ف
اطرحوا	ط ر ح
اطعام	ط ع م
اطعتم	ط و ع
اطعتموا	,,
اطعم	ط ع م
اطعموا	,,
اطعن	ط و ع
اطعنا	,,
اطغی	ط غ ی
اطغیت	,,
اطفا	ط ف أ
اطفال	ط ف ل
اطلع	ط ل ع
اطلعت	,,
اطمأن	ط م ن (طمأن)
اطمأننتم	,,
اطمأنوا	,,
اطمس	ط م س
اطمع	ط م ع
اطوار	ط و ر
اطهر	ط ه ر
اطهروا	,,
اطیرنا	ط ی ر
اطیروا	,,
اطیعوا	ط و ع
اظفر	ظ ف ر
اظلم	ظ ل م
اظن	ظ ن ن
اظهر	ظ ه ر
اعادة	ع و د
اعان	ع و ن
اعبد	ع ب د
اعبدوا	,,
اعتبروا	ع ب ر
اعتدی	ع د و
اعتدت	,,
اعتدنا	,,
اعتدوا	,,
اعتدینا	,,
اعتری	ع ر ی
اعترفنا	ع ر ف
اعترفوا	,,
اعتزل	ع ز ل
اعتزلتموا	,,
اعتزلوا	,,
اعتصموا	ع ص م
اعتلوا	ع ت ل
اعتمر	ع م ر
اعثرنا	ع ث ر
اعجاز	ع ج ز
اعجب	ع ج ب
اعجبت	,,
اعجل	ع ج ل
اعجمی	ع ج م
اعجمین	,,
اعد	ع د د
اعداء	ع د و
اعدت	ع د د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اعدل	ع د ل	اعقاب	ع ق ب	اغترف	غ ر ف
اعدلوا	,,	اعقب	,,	اغدوا	غ د و
اعدوا	ع د د	اعلی	ع ل و	اغرقنا	غ ر ق
اعذب	ع ذ ب	اعلام	ع ل م	اغرقوا	,,
اعراب	ع ر ب	اعلم	,,	اغرینا	غ ر و
اعراض	ع ر ض	اعلموا	,,	اغسلوا	غ س ل
اعراف	ع ر ف	اعلنت	ع ل ن	اغشیت	غ ش ی
اعرج	ع ر ج	اعلنتم	,,	اغشینا	,,
اعرض	ع ر ض	اعلون	ع ل و	اغضض	غ ض ض
اعرضتم	,,	اعمی	ع م ی	اغطش	غ ط ش
اعرضوا	,,	اعمال	ع م ل	اغفر	غ ف ر
اعز	ع ز ز	اعمام	ع م م	اغفلنا	غ ف ل
اعزة	,,	اعمل	ع م ل	اغلال	غ ل ل
اعصار	ع ص ر	اعملوا	,,	اغلب	غ ل ب
اعصر	ع ص ر	اعناب	ع ن ب	اغلظ	غ ل ظ
اعصي	ع ص ی	اعناق	ع ن ق	اغنی	غ ن ی
اعط	ع ط و	اعنت	ع ن ت	اغنت	,,
اعطی	,,	اعوذ	ع و ذ	اغنیاء	,,
اعطوا	,,	اعهد	ع ه د	اغوی	غ و ی
اعطینا	,,	اعیب	ع ی ب	اغویت	,,
اعظ	و ع ظ	اعیدوا	ع و د	اغوینا	,,
اعظم	ع ظ م	اعیذ	ع و ذ	اف	ا ف ف
اعف	ع ف و	اعین	ع ی ن	افاء	ف ی أ
اعفوا	,,	اعینوا	ع و ن	افاض	ف ی ض

لفظ	مادہ
افاق	ف و ق
افاك	أ ف ك
افئدة	ف أ د
افت	ف ت ی
افتح	ف ت ح
افتدی	ف د ی
افتدت	,,
افتدوا	,,
افتراء	ف ر ی
افتری	,,
افتریت	,,
افترینا	,,
افتوا	ف ت ی
افرغ	ف ر غ
افرق	ف ر ق
افسحوا	ف س ح
افسدوا	ف س د
افصح	ف ص ح
افضی	ف ض و
افضتم	ف ی ض
افعل	ف ع ل
افعلوا	,,
افق	ا ف ق
افك	ا ف ك

لفظ	مادہ
افل	ا ف ل
افلت	,,
افلح	ف ل ح
افنان	ف ن ن
افواج	ف و ج
افواه	ف و ه
افوز	ف و ز
افوض	ف و ض
افیضوا	ف ی ض
اقام	ق و م
اقاموا	,,
اقاویل	ق و ل
اقبر	ق ب ر
اقبل	ق ب ل
اقبلت	,,
اقبلنا	,,
اقبلوا	,,
اقتت	و ق ت
اقتتل	ق ت ل
اقتتلوا	,,
اقتحم	ق ح م
اقتد	ق د و
اقترب	ق ر ب
اقتربت	,,

لفظ	مادہ
اقترفتموا	ق ر ف
اقتل	ق ت ل
اقتلوا	,,
اقدام	ق د م
اقدمون	,,
اقذفي	ق ذ ف
اقرأ	ق ر أ
اقرءوا	,,
اقرب	ق ر ب
اقربون	,,
اقررتم	ق ر ر
اقررنا	,,
اقرضتم	ق ر ض
اقرضوا	,,
اقسط	ق س ط
اقسطوا	,,
اقسم	ق س م
اقسمتم	,,
اقسموا	,,
اقصی	ق ص و
اقصد	ق ص د
اقصص	ق ص ص
اقض	ق ض ی
اقضوا	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اقطار	ق ط ر	اکالون	ا ک ل	اکفر	ک ف ر
اقطع	ق ط ع	اکبر	ک ب ر	اکفرن	,,
اقطعوا	,,	اکبرن	,,	اکفروا	,,
اقعد	ق ع د	اکتالوا	ک ی ل	اکفل	ک ف ل
اقعدوا	,,	اکتب	ک ت ب	اکل	ا ک ل
اقفال	ق ف ل	اکتبوا	,,	اکلا	,,
اَقُلْ	ق و ل	اکتتب	,,	اکلم	ک ل م
اَقَلَّ	ق ل ل	اکتسب	ک س ب	اکلوا	ا ک ل
اقلام	ق ل م	اکتسبت	,,	اکمام	ک م م
اقلت	ق ل ل	اکتسبن	,,	اکملت	ک م ل
اقلعي	ق ل ع	اکتسبوا	,,	اکمه	ک م ه
اقم	ق و م	اکثر	ک ث ر	اکن	ک و ن
اقمت	,,	اکثرت	,,	اکنان	ک ن ن
اقمتم	,,	اکثروا	,,	اکنة	,,
أقمن	,,	اکدی	ک د ی	اکننتم	,,
اقنی	ق ن ی	اکرام	ک ر م	اکواب	ک و ب
اقنتي	ق ن ت	اکراه	ک ر ه	اکون	ک و ن
اقوات	ق و ت	اکرم	ک ر م	اکید	ک ی د
اقول	ق و ل	اکرمن	,,	اَلْ	ا ل
اقوم	ق و م	اکرمي	,,	اَلّ	ا ل ل
اقیموا	,,	اکره	ک ر ه	اَلَّا	الّا
الك	ک و ن	اکرهت	,,	اَلَّا	اَلّا
اکابر	ک ب ر	اکسوا	ک س و	اَلَا	اَلَا–اَ+لا
اکاد	ک و د	اکشف	ک ش ف	اَلَا	اَلَا–اَ+لا

لفظ	مادہ
الی	ا ل ی
الآن	ا و ن
الٰہ	ا ل ہ
اللہ	,,
الٰہین	,,
الباب	ل ب ب
التفت	ل ف ف
التقی	ل ق ی
التقتا	,,
التقط	ل ق ط
التقم	ل ق م
التقیتم	ل ق ی
التمسوا	ل م س
التنا	و ل ت
التي	الذی
الحاد	ل ح د
الحاف	ل ح ف
الحق	ل ح ق
الحقتم	,,
الحقنا	,,
اَلَدُّ	ل د د
اَلِدُ	و ل د
اللذان	الذی

لفظ	مادہ
الذی	الذی
الذین	,,
الزم	ل ز م
الزمنا	,,
السنة	ل س ن
العن	ل ع ن
الغوا	ل غ و
الف	ا ل ف
الفاف	ل ف ف
الفت	ا ل ف
الفوا	ل ف ی
الفیا	,,
الفین	ا ل ف
الفینا	ل ف ی
الق	ل ق ی
القی	,,
القاب	ل ق ب
القت	ل ق ی
القوا	,,
القي	,,
القیا	,,
القیت	,,
القینا	,,
اللائی	الذی

لفظ	مادہ
اللاتی	الذی
اللہ	ا ل ہ
اللّٰھُمَّ	,,
الواح	ل و ح
الوان	ل و ن
الوف	ا ل ف
الہی	ل ہ و
الہم	ل ہ م
اِلَیَّ	الی+ی
اِلیاس	الیاس
الیاسین	الیاس
الیسع	الیسع
الیم	ا ل م
اَمْ	اَمْ
اُمٌّ	ا م م
اِمّا	اِمّا
اَمّا	اَمّا
اماء	ا م و
امات	م و ت
امارة	ا م ر
امام	ا م م
امانة	ا م ن
امانات	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
امانی	م ن ی	امروا	ا م ر	ام	ا م م
أَمْتًا	ا م ت	امس	ا م س	امن	ا م ن
أَمَتَّ	م و ت	امساك	م س ك	امنت	,,
أَمَةً	ا م و	امسحوا	م س ح	امنة	,,
أُمَّةً	ا م م	امسك	م س ك	امنتم	,,
امتازوا	م ی ز	امسكتم	,,	امنن	م ن ن
امتحن	م ح ن	امسكن	,,	امني	م ن ی
امتحنوا	,,	امسكوا	,,	امنية	,,
امتع	م ت ع	امشاج	مشج	اموات	م و ت
امتعة	,,	امشوا	م ش ی	اموال	م و ل
امتلئت	م ل أ	امضوا	م ض ی	اموت	م و ت
امثال	م ث ل	امطر	م ط ر	امور	ا م ر
امثل	,,	امطرت	,,	امهات	ا م م
أَمَدٌ	ا م د	امطرنا	,,	امهل	م ه ل
أَمَدَّ	م د د	امعاء	م ع ی	امي	ا م م
امددنا	,,	امكثوا	م ك ث	اميت	م و ت
أَمْرٌ	ا م ر	امكن	م ك ن	امين	ا م ن
أَمَرَّ	م ر ر	امل	ا م ل	اميون	ا م م
أَمْرٌ	ا م ر	املأ	م ل أ	اميين	,,
امرؤ	م ر أ	املی	م ل و	انَّ	انَّ
امراة	,,	املاق	م ل ق	أَنَّ	أَنَّ
امرءتان	,,	املك	م ل ك	أَنْ	أَنْ
امرت	ا م ر	املي	م ل و	إِنْ	إِنْ
امرنا	,,	امليت	,,		

لفظ	ماده
أَنَّى	أَنَّى
أَنَا	أَنَا
أَنَا	ا ن ى
أَنَّا	انَّ+نَا
اناب	ن و ب
انابوا	,,
اناث	ا ن ث
اناس	ا ن س
اناسي	,,
انام	ا ن م
انامل	ن م ل
انباء	ن ب أ
انبأ	,,
انبئ	,,
انبئوا	,,
انبت	ن ب ت
انبتت	,,
انبتنا	,,
انبجست	ب ج س
انبذ	ن ب ذ
انبعاث	ب ع ث
انبعث	,,
انبنا	ن و ب

لفظ	ماده
انبياء	ن ب أ-ن ب و
أَنْتَ	أَنْتَ
أَنْتِ	أَنْتِ
انتبذت	ن ب ذ
انتشرت	ن ش ر
انتشروا	,,
انتصر	ن ص ر
انتصروا	ن ص ر
انتظر	ن ظ ر
انتظروا	,,
انتقام	ن ق م
انتقمنا	,,
أَنْتُمْ	أَنْتُمْ
أَنْتُمَا	أَنْتُمَا
انتهى	ن ه ى
انتهوا	,,
انثى	ا ن ث
انثيين	,,
انجى	ن ج و
انجيت	,,
اِنْجِيل	اِنْجِيل
انجينا	ن ج و
انحر	ن ح ر

لفظ	ماده
انداد	ن د د
انذر	ن ذ ر
انذرت	,,
انذرنا	,,
انذروا	,,
انزل	ن ز ل
انزلت	,,
انزلتموا	,,
انزلنا	,,
انس	ا ن س
انسى	ن س ى
انساب	ن س ب
انسان	ا ن س
انسلخ	س ل خ
انسوا	ن س ى
انسي	ا ن س
انشأ	ن ش أ
انشاء	,,
انشأتم	,,
انشأنا	,,
انشر	ن ش ر
انشرنا	,,
انشزوا	ن ش ز
انشق	ش ق ق

لفظ	ماده
انشقت	ش ق ق
انصاب	ن ص ب
انصار	ن ص ر
انصب	ن ص ب
انصتو	ن ص ت
انصح	ن ص ح
انصر	ن ص ر
انصرفوا	ص ر ف
انصروا	ن ص ر
انطق	ن ط ق
انطلق	ط ل ق
انطلقا	,,
انطلقتم	,,
انطلقوا	,,
انظر	ن ظ ر
انظروا	,,
انظری	,,
انعام	ن ع م
انعم	,,
انعمت	,,
انعمنا	,,
انف	ا ن ف
انفاق	ن ف ق
انفال	ن ف ل

لفظ	ماده
انفجرت	ف ج ر
انفخ	ن ف خ
انفخوا	,,
انفذوا	ن ف ذ
انفروا	ن ف ر
انفس	ن ف س
انفصام	ف ص م
انفضو	ف ض ض
انفطرت	ف ط ر
انفق	ن ف ق
انفقت	,,
انفقتم	,,
انفقوا	,,
انفلق	ف ل ق
انقذ	ن ق ذ
انقص	ن ق ص
انقض	ن ق ض
انقلب	ق ل ب
انقلبتم	,,
انقلبوا	,,
انکاث	ن ک ث
انکال	ن ک ل
انکحوا	ن ک ح
انکدرت	ک د ر

لفظ	ماده
انکر	ن ک ر
اَنَّمَا	ان+ما
انهَ	ن ه ی
انهی	,,
اَنْهَارٌ	ن ه ر
اَنْهَارَ	ه و ر
اَنّٰی	اَنّٰی
انیب	ن و ب
انیبوا	,,
اَوْ	اَوْ
اواب	ا و ب
اوابین	,,
اواری	و ر ی
اواه	ا و ه
اوبار	و ب ر
اوبی	ا و ب
اوتی	ا ت ی
اوتین	,,
اوتاد	و ت د
اوتوا	ا ت ی
اوتی	,,
اوتیت	,,

لفظ	ماده
اوتیتم	,,
اوتینا	,,
اوثان	و ث ن
اوجس	و ج س
اوجفتم	و ج ف
اوحی	و ح ی
اوحي	,,
اوحیت	,,
اوحینا	,,
اودیة	و د ی
اوذوا	ا ذ ی
اوذي	,,
اوذینا	,,
اورث	و ر ث
اورثتمو	,,
اورثنا	,,
اورثوا	,,
اورد	و ر د
اوزار	و ز ر
اوزع	و ز ع
اوسط	و س ط
اوصی	و ص ی
اوضعوا	و ض ع
اوعی	و ع ی

لفظ	ماده
اوعیة	و ع ی
اوف	و ف ی
اوفی	,,
اوفوا	,,
اوقد	و ق د
اوقدوا	,,
اول	ا و ل
أُولَى	,,
أَولَى	و ل ی
أُولَاء	أُولَاء
أُولَئِكَ	أُولَئِكَ
اولات	أُولُو
اولات الاحمال	أُولُو + ح م ل
اولاد	و ل د
اولی لك	و ل ی
اولو	أُولُو
اولی النعمة	أُولُو+ن ع م
اولون	ا و ل
اولیاء	و ل ی
اولیان	,,
اولین	ا و ل
اوهن	و ه ن
اهان	ه و ن

لفظ	ماده
اهانن	ه و ن
اهب	و ه ب
اهبط	ه ب ط
اهبطا	,,
اهبطوا	,,
اهتدی	ه د ی
اهتدوا	,,
اهتدیت	,,
اهتدیتم	,,
اهتزت	ه ز ز
اهجر	ه ج ر
اهجروا	,,
اهد	ه د ی
اهدی	,,
اهدوا	,,
اهدي	,,
اهش	ه ش ش
أُهِلَّ	ه ل ل
أَهْلٌ	ا ه ل
اهلة	ه ل ل
اهلك	ه ل ك
اهلكت	,,
اهلكنا	,,
اهلكوا	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اهلون	ا ه ل	ايام	ی و م	ايدنا	ا ی د
اهمت	ه م م	ايامی	ا ی م	ايدی	ی د ی
اهواء	ه و ی	ايان	أَيَّانَ	ايقاظ	ی ق ظ
اهوی	,,	ايانا	ايَّا + نَا	ايكة	ا ی ك
اهون	ه و ن	اياه	,, + هُ	ايلاف	ا ل ف
أَيِ	أَيِ	اياها	,, + هَا	أَيْمَانَ	ی م ن
أَيٌّ	أَيٌّ	اياهم	,, + هُم	إِيمَان	ا م ن
اياب	ا و ب	ايای	,, + ی	أَيمن	ی م ن
اياك	ايَّا + كَ	اية	ا ی ی	أَيْنَ	أَيْنَ
اياكما	ايَّا + كُمَا	ايتاء	ا ت ی	أَيْنَمَا	أَيْنَ + مَا
اياكم	ايَّا + كُمْ	ايد	ا ی د	ايوب	أَيُّوب
		ايدت	,,	ايها	ای + ها

ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ب	ب	باخع	ب خ ع	بازغة	ب ز غ
باد	ب د و	بادون	ب د و	باس	ب أ س
باء	ب و ء	بادي	,,	باساء	,,
بائس	ب أ س	بارد	ب ر د	باسرة	ب س ر
بئر	ب أ ر	بارزة	ب ر ز	باسط	ب س ط
بئس	ب أ س	بارزون	,,	باسطون	,,
بائع	ب ی ع	بارك	ب ر ك	باسقات	ب س ق
باءوا	ب و ء	باركنا	,,	باشروا	ب ش ر
بئيس	ب أ س	بارئ	ب ر أ	باطل	ب ط ل
باب	ب و ب	بازغ	ب ز غ	باطن	ب ط ن
بابل	بابل				

لفظ	ماده
باطنة	ب ط ن
باعد	ب ع د
باغ	ب غ ی
باق	ب ق ی
باقون	,,
باقيات	,,
باقية	,,
بال	ب و ل
بالغ	ب ل غ
بالغة	,,
بالغون	,,
بايع	ب ی ع
بايعتم	,,
بث	ب ث ث
بحار	ب ح ر
بحر	,,
بحران	,,
بحرين	,,
بحيرة	,,
بخس	ب خ س
بخل	ب خ ل
بخلوا	,,
بدا	ب د و
بدأ	ب د أ
بدار	ب د ر

لفظ	ماده
بدءوا	ب د أ
بدأنا	,,
بدت	ب د و
بدر	ب د ر
بدع	ب د ع
بدعة	,,
بدل	ب د ل
بدلنا	,,
بدلوا	,,
بدن	ب د ن
بدو	ب د و
بديع	ب د ع
بر	ب ر ر
برا	ب ر أ
برءاء	,,
براءة	,,
برد	ب ر د
بررة	ب ر ر
برز	ب ر ز
برزت	,,
برزخ	ب ر ز خ
برزوا	ب ر ز
برق	ب ر ق
بركات	ب ر ك

لفظ	ماده
بروج	ب ر ج
برهان	ب ر ه
برهانان	,,
بريء	ب ر ا
بريئون	,,
برية	,, - ب ر ی
بس	ب س س
بساط	ب س ط
بست	ب س س
بسر	ب س ر
بسط	ب س ط
بسطة	,,
بسطت	,,
بشر	ب ش ر
بشری	,,
بشرتموا	,,
بشرنا	,,
بشروا	,,
بشرين	,,
بشير	,,
بصائر	ب ص ر
بصر	,,
بصرت	,,

لفظ	ماده
بصل	ب ص ل
بصير	ب ص ر
بصيرة	,,
بضاعة	ب ض ع
بضع	,,
بطائن	ب ط ن
بطانة	,,
بطر	ب ط ر
بطرت	,,
بطش	ب ط ش
بطشة	,,
بطشتم	,,
بطل	ب ط ل
بطن	ب ط ن
بطون	,,
بعث	ب ع ث
بعثر	ب ع ث ر
بعثرت	,,
بعثنا	ب ع ث
بعد	ب ع د
بعدت	,,
بعض	ب ع ض
بعل	ب ع ل
بعوضة	ب ع ض

لفظ	ماده
بعولة	ب ع ل
بعيد	ب ع د
بعير	ب ع ر
بغى	ب غ ی
بغاء	,,
بغال	ب غ ل
بغت	ب غ ی
بغتة	,,
بغضاء	ب غ ض
بغوا	ب غ ی
بغی	,,
بقر	ب ق ر
بقرات	,,
بقرة	,,
بقعة	ب ق ع
بقل	ب ق ل
بقی	ب ق ی
بقية	,,
بكة	ب ك ك
بكت	ب ك ی
بكر	ب ک ر
بكرة	,,
بكم	ب ک م
بکی	ب ک ی

لفظ	ماده
بَلْ	بَلْ
بَلٰی	بَلٰی
بلاء	ب ل و
بلاد	ب ل د
بلاغ	بلغ
بلد	ب ل د
بلدة	,,
بلغ	ب ل غ
بلغا	,,
بلغت	,,
بلغن	,,
بلغنا	,,
باغوا	,,
بلونا	ب ل و
بَلِّغْ	ب ل غ
بنى	ب ن ی
بناء	,,
بنات	ب ن و - ی
بنان	ب ن ن
بنوا	ب ن ی
بنون	ب ن و
بنی	ب ن و
بنی اسرائیل	بنی اسرائیل

لفظ	ماده
بنیان	ب ن ی
بنی	,,
بنینا	,,
بوأ	ب و أ
بوانا	,,
بوار	ب و ر
بور	,,
بورك	ب ر ك
بهت	ب ه ت

لفظ	ماده
بهتان	ب ه ت
بهجة	ب ه ج
بهیج	,,
بهیمة	ب ه م
بیات	ب ی ت
بیان	ب ی ن
بیت	ب ی ت
بیض	ب ی ض
بیضاء	,,

لفظ	ماده
بیع	ب ی ع
بین	ب ی ن
بین ایدی	,, + ی د ی
بینا	,,
بینات	,,
بینة	ب ی ن
بینوا	,,
بیوت	ب ی ت

ت

لفظ	ماده
ت	ت
تائب	ت و ب
تائبات	,,
تائبون	,,
تاب	,,
تابا	,,
تأبی	أ ب ی
تابع	ت ب ع
تابعین	,,
تابوا	ت و ب
تابوت	تابوت
تاتني	ا ت ی
تاتوا	,,

لفظ	ماده
تاتون	ا ت ی
تاتی	,,
توثرون	ا ث ر
تاثیم	ا ث م
تاجر	ا ج ر
تاجیل	أ ج ل
تاخذ	ا خ ذ
تاخذوا	,,
تاخذون	,,
تاخر	ا خ ر
تودوا	ا د ی
تاذن	ا ذ ن
تارة	ت و ر
تارك	ت ر ك

لفظ	ماده
تاركوا	ت ر ك
تؤز	أ ز ز
تاس	ا س و
تاسرون	ا س ر
تاسوا	ا س و
تافك	ا ف ك
تاكل	ا ك ل
تاكلوا	,,
تاكلون	,,
تالمون	ا ل م
تالیات	ت ل و
تامر	ا م ر
تامرون	,,

لفظ	ماده
تامرين	ا م ر
تامن	ا م ن
تاويل	ا و ل
تُبْ	ت و ب
تَبَّ	ت ب ب
تباب	,,
تبار	ت ب ر
تبارك	ب ر ك
تباشروا	ب ش ر
تبايعتم	ب ى ع
تُبْتُ	ت و ب
تَبَّتْ	ت ب ب
تبتئس	ب أ س
تبتم	ت و ب
تبتغون	ب غ ى
تبتغي	,,
تبتل	ب ت ل
تبتيل	ب ت ل
تبخسوا	ب خ س
تبخلوا	ب خ ل
تبد	ب د و
تبدل	ب د ل
تبدوا	ب د و
تبدون	ب د و
تبدى	,,
تبديل	ب د ل

لفظ	ماده
تبذر	ب ذ ر
تبذير	,,
تبرأ	ب ر أ
تبرئ	,,
تبرانا	,,
تبرءوا	,,
تبرج	ب ر ج
تبرجن	,,
تبرنا	ت ب ر
تبروا	ب ر ر
تبسط	ب س ط
تبسل	ب س ل
تبسم	ب س م
تبشر	ب ش ر
تبشرون	,,
تبصر	ب ص ر
تبصرة	,,
تبصرون	,,
تبطلوا	ب ط ل
تبع	ت ب ع
تبعثون	ب ع ث
تبعوا	ت ب ع
تبغ	ب غ ى
تبغوا	,,
تبغون	,,

لفظ	ماده
تبغي	ب غ ى
تبقي	ب ق ى
تبكون	ب ك ى
تبلى	ب ل و
تبلغ	ب ل غ
تبلغوا	,,
تبلوا	ب ل و
تبلون	,,
تبنون	ب ن ى
تبوء	ب و ء
تبوءا	,,
تبوءوا	,,
تبور	ب و ر
تبهت	ب ه ت
تبيان	ب ى ن
تبيد	ب ى د
تبيض	ب ى ض
تبيع	ت ب ع
تبين	ب ى ن
تبينت	,,
تبينوا	,,
تتبدلوا	ب د ل
تتبع	ت ب ع
تتبعان	ت ب ع

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تتبعون	,,	تتوفی	و ف ی	تجوع	ج و ع
تتبیب	ت ب ب	تتولوا	و ل ی	تجهر	ج ه ر
تتبیر	ت ب ر	تثبیت	ث ب ت	تجهروا	,,
تتجافی	ج ف و	تثریب	ث ر ب	تجهلون	ج ه ل
تتخذ	ا خ ذ	تثقفن	ث ق ف	تحاجون	ح ج ج
تتخذون	,,	تثیر	ث و ر	تحاضون	ح ض ض
تتذکرون	ذ ك ر	تجادل	ج د ل	تحاور	ح و ر
تتری	و ت ر	تجادلون	,,	تحبرون	ح ب ر
تترك	ت ر ك	تجارة	ت ج ر	تحبسون	ح ب س
تترکون	,,	تجأرون	ج أ ر	تحبط	ح ب ط
تتفرقوا	ف ر ق	تجاهدون	ج ه د	تحبون	ح ب ب
تتفکر	ف ک ر	تجتنبون	ج ن ب	تحت	تحت
تتقلب	ق ل ب	تجد تجدوا	و ج د ,,	تحدث	ح د ث
تتقون	و ق ی	تجدون	,,	تحدثون	,,
تتکبر	ک ب ر	تجرمون	ج ر م	تحذرون	ح ذ ر
تتلی	ت ل و	تجری	ج ر ی	تحرثون	ح ر ث
تتلقی	ل ق ی	تجریان	,,	تحرص	ح ر ص
تتلوا	ت ل و	تجزی	ج ز ی	تحرك	ح ر ك
تتلون	,,	تجزون	,,	تحرم	ح ر م
تتماری	م ر ی	تجسسو	ج س س	تحرموا	,,
تتمنوا	م ن ی	تجعل	ج ع ل	تحروا	ح ر ی
تتناجوا	ن ج و	تجعلون	,,	تحریر	ح ر ر
تتنزل	ن ز ل	تجلی	ج ل و	تحزن	ح ز ن
تتوبا	ت و ب	تجمعوا	ج م ع	تحزنون	,,

لفظ	ماده
تحزنی	ح ز ن
تحس	ح س س
تحسب	ح س ب
تحسبون	,,
تحسدون	ح س د
تحسسوا	ح س س
تحسنوا	ح س ن
تحسون	ح س س
تحشرون	ح ش ر
تحصن	ح ص ن
تحصنون	,,
تحصوا	ح ص ی
تحط	ح و ط
تحکم	ح ك م
تحکمون	,,
تحل	ح ل ل
تحلوا	,,
تحلة	,,
تحلقوا	ح ل ق
تحمل	ح م ل
تحملون	,,
تحنث	ح ن ث
تحویل	ح و ل
تحیة	ح ی ی

لفظ	ماده
تحید	ح ی د
تحیطوا	ح و ط
تحیون	ح ی ی
تحیی	ح ی ی
تخاصم	خ ص م
تخاطب	خ ط ب
تخاف	خ و ف
تخافا	,,
تخافت	خ ف ت
تخافون	خ و ف
تخافي	,,
تخالطوا	خ ل ط
تخبت	خ ب ت
تختانون	خ و ن
تختصموا	خ ص م
تختصمون	,,
تختلفون	خ ل ف
تخر	خ ر ر
تخرج	خ ر ج
تخرجون	,,
تخرصون	خ ر ص
تخرق	خ ر ق
تخزون	خ ز ی
تخز	,,

لفظ	ماده
تخسروا	خ س ر
تخسیر	خ س ر
تخشی	خ ش ی
تخشع	خ ش ع
تخشوا	خ ش ی
تخضعن	خ ض ع
تخط	خ ط ط
تخطف	خ ط ف
تخفی	خ ف ی
تخفوا	,,
تخفون	,,
تخفي	,,
تخفیف	خ ف ف
تخلت	خ ل و
تخلدون	خ ل د
تخلف	خ ل ف
تخلق	خ ل ق
تخلقون	,,
تخوف	خ و ف
تخونون	خ و ن
تخویف	خ و ف
تخیرون	خ ی ر
تدارك	د ر ك
تداینتم	د ی ن

لفظ	ماده
تدخرون	ذ خ ر
تدخل	د خ ل
تدخلوا	,,
تدرسون	د ر س
تدرك	د ر ك
تدرون	د ر ی
تدري	,,
تدع	د ع و
تدعی	,,
تدعوا	,,
تدعون	,,
تدلی	د ل و
تدلوا	,,
تدمر	د م ر
تدمیر	,,
تدور	د و ر
تدهن	د ه ن
تدیرون	د و ر
تذبحوا	ذ ب ح
تذر	و ذ ر
تذرن	,,
تذروا	ذ ر و
تذرون	و ذ ر
تذكر	ذ ک ر
تذكرة	ذ ک ر
تذكرون	,,
تذكروا	,,
تذكیر	,,
تذل	ذ ل ل
تذلیل	,,
تذودان	ذ و د
تذوقوا	ذ و ق
تذهب	ذ ه ب
تذهبوا	,,
تذهبون	,,
تذهل	ذ ه ل
تر	ر أ ی
تری	,,
ترآء	,,
ترآئب	ت ر ب
ترآءت	ر أ ی
تراب	ت ر ب
تراث	و ر ث
تراض	ر ض ی
تراضوا	,,
تراضیتم	,,
تراقي	رق‌ی-رق‌و
تراود	ر و د
تربص	ر ب ص
تربصتم	ر ب ص
تربصوا	,,
تربصون	,,
ترتابوا	ر ی ب
ترتدوا	ر د د
ترتیل	ر ت ل
ترثوا	و ر ث
ترجع	ر ج ع
ترجعون	,,
ترجف	ر ج ف
ترجمون	ر ج م
ترجو	ر ج و
ترجون	,,
ترجی	,,
ترحم	ر ح م
ترحمون	,,
ترد	ر د د
تردی	ر د ی
تردن	ر و د
تردون	ر د د
تردین	ر د ی
ترزق	ر ز ق
ترزقان	,,
ترضی	ر ض ی

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ترضع	ر ض ع	ترهق	ر ه ق	تساءلون	س أ ل
ترضون	ر ض ی	تری	ر أ ی	تساقط	س ق ط
ترغبون	ر غ ب	تریحون	ر و ح	تسأل	س أ ل
ترفع	ر ف ع	ترید	ر و د	تسألون	,,
ترفعوا	,,	تریدون	,,	تسأموا	س أ م
ترق	ر ق ی	ترین	ر أ ی	تسبح	س ب ح
ترقب	ر ق ب	تزال	ز و ل	تسبحون	,,
ترک	ت ر ک	تزاور	ز و ر	تسبق	س ب ق
ترکب	ر ک ب	تزد	ز ی د	تسبوا	س ب ب
ترکبون	,,	تزداد	,,	تسبیح	س ب ح
ترکبوا	,,	تزدری	ز ر ی	تستأخرون	ا خ ر
ترکت	ت ر ک	تزر	و ز ر	تستأنسوا	ا ن س
ترکتم	,,	تزرعون	ز ر ع	تستبدلون	ب د ل
ترکتموا	,,	تزعمون	ز ع م	تستبین	ب ی ن
ترکضوا	ر ک ض	تزغ	ز ی غ	تسترون	س ت ر
تَرَکْنَ	ت ر ک	تزکی	ز ک و	تستجیبون	ج و ب
تَرْکَنُ	ر ک ن	تزکو	,,	تستخرجون	خ ر ج
ترکنا	ت ر ک	تزل	ز ل ل	تستخفون	خ ف ف
ترکنوا	ر ک ن	تزودوا	ز و د	تسترضعوا	ر ض ع
ترکوا	ت ر ک	تزول	ز و ل	تستطع	ط و ع
ترمی	ر م ی	تزولا	,,	تستطیع	,,
ترون	ر أ ی	تزهق	ز ه ق	تستطیعون	,,
ترهبون	ر ه ب	تزیدون	ز ی د	تستعجل	ع ج ل
		تزیلوا	ز ی ل	تستعجلون	,,

لفظ	ماده
تستعجلوا	ع ج ل
تستغفر	غ ف ر
تستغفرون	,,
تستغيثون	غ و ث
تستفت	ف ت ی
تستفتحوا	ف ت ح
تستفتيان	ف ت ی
تستقدمون	ق د م
تستقسموا	ق س م
تستكبرون	ک ب ر
تستكثر	كثر
تستمعون	س م ع
تستووا	س و ی
تستوی	,,
تستهزءون	ه ز أ
تسجد	س ج د
تسجدوا	,,
تسحر	س ح ر
تسحرون	,,
تسخرون	س خ ر
تسر	س ر ر
تسرحون	س ر ح
تسرقوا	س ر ف
تسرون	س ر ر
تسريح	س ر ح
تسع	ت س ع
تسعة	,,
تسعة عشر	,, + ع ش ر
تسعون	,,
تسعی	س ع ی
تسفكون	س ف ک
تسقط	س ق ط
تسقی	س ق ی
تسكن	س ک ن
تسكنون	,,
تسلكوا	س ل ک
تسلموا	س ل م
تسليم	,,
تسمع	س م ع
تسمعون	,,
تسمی	س م و
تسمية	,,
تسنيم	س ن م
تسوء	س و ء
تسوی	س و ی
تسود	س و د
تسوروا	س و ر
تسير	س ی ر
تسيمون	س و م
تشاء	ش ی أ
تشاؤن	,,
تشابه	ش ب ه
تشابهت	,,
تشاقون	ش ق ق
تشاور	ش و ر
تشتروا	ش ر ی
تشتكی	ش ک و
تشتهی	ش ه و
تشخص	ش خ ص
تشربون	ش ر ب
تشرک	ش ر ك
تشركون	,,
تشطط	ش ط ط
تشعرون	ش ع ر
تشقی	ش ق ی
تشقق	ش ق ق
تشكرون	ش ک ر
تشمت	ش م ت
تشهد	ش ه د
تشهدون	,,
تشيع	ش ی ع
تصاحب	ص ح ب

لفظ	مادہ
تصبح	ص ب ح
تصبحون	,,
تصبر	ص ب ر
تصبرون	ص ب ر
تصدی	ص د ی
تصدق	ص د ق
تصدقوا	,,
تصدقون	,,
تصدون	ص د د
تصدیة	ص د ی
تصدیق	ص د ق
تصرف	ص ر ف
تصرفون	,,
تصریف	,,
تصطلون	ص ل ی
تصعدون	ص ع د
تصعر	ص ع ر
تصغی	ص غ و
تصف	و ص ف
تصفحوا	ص ف ح
تصفون	و ص ف
تصلی	ص ل ی
تصلحون	ص ل ح
تصل / تَصِلُ	ص ل و / و ص ل

لفظ	مادہ
تصلیة	ص ل ی
تصنع	ص ن ع
تصنعون	,,
تصوموا	ص و م
تصیب	ص و ب
تصیبوا	,,
تصیر	ص ی ر
تضار	ض ر ر
تضاروا	,,
تضحی	ض ح و
تضحکون	ض ح ک
تضربوا	ض ر ب
تضرع	ض ر ع
تضرعوا	,,
تضرون	ض ر ر
تضع	و ض ع
تضعون	,,
تضل	ض ل ل
تضلوا	,,
تضلیل	,,
تضیقوا	ض ی ق
تطئوا	و ط أ
تطاول	ط و ل
تطرد	ط ر د

لفظ	مادہ
تطع	ط و ع
تطعمون	ط ع م
تطغوا	ط غ ی
تطلع	ط ل ع
تطمئن	ط م ن
تطمعون	ط م ع
تطوع	ط و ع
تطہر	ط ہ ر
تطہرن	,,
تطہیر	,,
تطیرنا	ط ی ر
تطیعوا	ط و ع
تظاہرا	ظ ہ ر
تظاہرون	,,
تظلم	ظ ل م
تظلمون	,,
تظما	ظ م ا
تظن	ظ ن ن
تظنون	,,
تظہرون	ظ ہ ر
تعارفو	ع ر ف
تعاسرتم	ع س ر
تعاطی	ع ط و
تعالوا	ع ل و

لفظ	مادہ
تعالوا	ع ل و
تعالین	,,
تعاونوا	ع و ن
تعبثون	ع ب ث
تعبد	ع ب د
تعبدوا	,,
تعبدون	,,
تعبد	,,
تعبرون	ع ب ر
تعتدوا	ع د و
تعتدون	ع د د
تعتذرو	ع ذ ر
تعثو	ع ث ی
تعجب	ع ج ب
تعجبون	,,
تعجبین	,,
تعجل	ع ج ل
تُعْدُ	ع د و
تَعِدُ	و ع د
تعدان	,,
تعدل	ع د ل
تعدلوا	,,
تعدوا	ع د و
تعدون	ع د د
تعذب	ع ذ ب

لفظ	مادہ
تعری	ع ر ی
تعرج	ع ر ج
تعرض	ع ر ض
تعرضوا	,,
تعرضون	,,
تعرف	ع ر ف
تعرفون	,,
تعریف	,,
تعز	ع ز ز
تعزروا	ع ز ر
تعزموا	ع ز م
تعس	ت ع س
تعضلوا	ع ض ل
تعظون	و ع ظ
تعفف	ع ف ف
تعفوا	ع ف و
تعقلون	ع ق ل
تعلم	ع ل م
تعلموا	,,
تعلمون	,,
تعلن	ع ل و
تعلنون	ع ل ن
تعلوا	ع ل و
تعمی	ع م ی
تعمدت	ع م د
تعمل	ع م ل

لفظ	مادہ
تعملون	ع م ل
تعودوا	ع و د
تعولوا	ع و ل
تعی	و ع ی
تغابن	غ ب ن
تغتسلوا	غ س ل
تغر	غ ر ر
تغرب	غ ر ب
تغرق	غ ر ق
تغشی	غ ش ی
تغفر	غ ف ر
تغفروا	,,
تغفلون	غ ف ل
تغلبون	غ ل ب
تغلوا	غ ل و
تغمضوا	غ م ض
تغن	غ ن ی
تغنی	,,
تغیض	غ ی ض
تغیظ	غ ی ظ
تفاخر	ف خ ر
تفادون	ف د ی
تفاوت	ف و ت
تفتئو	ف ت أ

لفظ	ماده
تفتح	ف ت ح
تفترون	ف ر ی
تفتری	,,
تفتن	ف ت ن
تفتنون	,,
تفث	ت ف ث
تفجر	ف ج ر
تفجیر	,,
تفرح	ف ر ح
تفرحوا	,,
تفرضوا	ف ر ض
تفرق	ف ر ق
تفرقوا	,,
تفرون	ف ر ر
تفریق	ف ر ق
تفسحوا	ف س ح
تفسدون	ف س د
تفسقون	ف س ق
تفسیر	ف س ر
تفشلا	ف ش ل
تفشلوا	,,
تفصیل	ف ص ل
تفضحوا	ف ض ح
تفضیل	ف ض ل
تفعل	ف ع ل
تفعلون	,,
تفقد	ف ق د
تفقدون	,,
تفقهون	ف ق ه
تفکهون	ف ک ه
تفلحون	ف ل ح
تفندوا	ف ن د
تفور	ف و ر
تفيءُ	ف ی أ
تفیض	ف ی ض
تفیضون	,,
تقاة	و ق ی
تقاتل	ق ت ل
تقاتلون	,,
تقاسموا	ق س م
تقبل	ق ب ل
تقبلوا	,,
تقتل	ق ت ل
تقتلون	,,
تقتیل	,,
تقدروا	ق د ر
تقدیر	,,
تقدم	ق د م
تقدموا	ق د م
تقر	ق ر ر
تقرأ	ق ر أ
تقرب	ق ر ب
تقربا	,,
تقربوا	,,
تقربون	,,
تقرض	ق ر ض
تقرضوا	,,
تقسطوا	ق س ط
تقسموا	ق س م
تقشعر	ق ش ع ر
تقصروا	ق ص ر
تقصص	ق ص ص
تقضي	ق ض ی
تقطع	ق ط ع
تقطعت	,,
تقطعوا	,,
تقطعون	,,
تقع	و ق ع
تقعد	ق ع د
تقعدوا	,,
تقف	ق ف و
تقلب	ق ل ب

لفظ	ماده
تقلبون	ق ل ب
تقم	ق و م
تقنطوا	ق ن ط
تقوی	و ق ی
تقول	ق و ل
تقولون	,,
تقوم	ق و م
تقوموا	,,
تقویم	,,
تقهر	ق ه ر
تقي	و ق ی
تقیموا	ق و م
تَكُ	ک و ن
تکاثر	ک ث ر
تکاد	ک و د
تکبروا	ک ب ر
تکبیر	,,
تکتب	ک ت ب
تکتبوا	,,
تکتموا	ک ت م
تکتمون	,,
تکذبان	ک ذ ب
تکذبون	,,
تکذیب	,,

لفظ	ماده
تکرمون	ک ر م
تکره	ک ر ه
تکرهون	,,
تکسب	ک س ب
تکسبون	,,
تکفر	ک ف ر
تکفرون	,,
تکلف	ک ل ف
تکلم	ک ل م
تکلمون	,,
تکلیم	,,
تکملوا	ک م ل
تکن	ک ن ن۔ ک و ن
تکنزون	ک ن ز
تکوی	ک و ی
تکون	ک و ن
تکونا	,,
تکونون	,,
تل	ت ل ل
تلی	ت ل و
تلاق	ل ق ی
تلاوة	ت ل و
تلبثوا	ل ب ث
تلبسون	ل ب س

لفظ	ماده
تلذ	ل ذ ذ
تلظی	ل ظ ی
تلفت	ل ف ت
تلفح	ل ف ح
تلقاء	ل ق ی
تلقی	,,
تلقف	ل ق ف
تلقوا	ل ق ی
تلقون	,,
تلک	ذلك
تلکما	,,
تلکم	,,
تلمزو	ل م ز
تلوت	ت ل و
تلومون	ل و م
تلوون	ل و ی
تلهی	ل ه و
تلیت	ت ل و
تلین	ل ی ن
تم	ت م م
تماثیل	م ث ل
تمار	م ر ی
تماروا	,,
تمارون	,,

لفظ	ماده
تمام	ت م م
تمت	،،
تمترون	م ر ی
تمترن	،،
تمتع	م ت ع
تمتعوا	،،
تمتعون	،،
تمثل	م ث ل
تمد	م د د
تمدون	،،
تمر	م ر ر
تمرحون	م ر ح
تمرون	م ر ر
تمس	م س س
تمسس	،،
تمسکوا	م س ک
تمسوا	م س س
تمسون	م س و
تمشون	م ش ی
تمشی	،،
تمکرون	م ک ر
تملی	م ل و
تملک	م ل ک
تملکون	،،
تمنی	م ن ی
تمن	م ن ن
تمنع	م ن ع
تمنن	م ن ن
تمنوا	م ن ی
تُمنون	م ن ن
تُمنون	م ن ی
تموت	م و ت
تموتون	،،
تمور	م و ر
تمهید	م ه د
تمید	م ی د
تمیز	م ی ز
تمیلوا	م ی ل
تنابزوا	ن ب ز
تناجوا	ن ج و
تناجیتم	،،
تناد	ن د و
تنادوا	،،
تنازعتم	ن ز ع
تنازعوا	،،
تناصرون	ن ص ر
تنال	ن ی ل
تنالوا	،،
تناوش	ن و ش
تنبیٔ	ن ب أ
تنبئون	،،
تنبت	ن ب ت
تنبتون	،،
تنتشرون	ن ش ر
تنتصران	ن ص ر
تنته	ن ه ی
تنتهوا	،،
تنجی	ن ج و
تنحتون	ن ح ت
تنذر	ن ذ ر
تنزع	ن ز ع
تنزل	ن ز ل
تنزلت	،،
تنزیل	،،
تنسی	ن س ی
تنسون	،،
تنشق	ش ق ق
تنصر	ن ص ر
تنصروا	،،
تنصرون	،،
تنطقون	ن ط ق
تنظر	ن ظ ر

لفظ	ماده
تنظرون	ن ظ ر
تنفخ	ن ف خ
تنفد	ن ف د
تنفذون	ن ف ذ
تنفروا	ن ف ر
تنفس	ن ف س
تنفع	ن ف ع
تنفقون	ن ف ق
تنقذ	ن ق ذ
تنقص	ن ق ص
تنقصوا	,,
تنقضوا	ن ق ض
تنقلبوا	ق ل ب
تنقم	ن ق م
تنقمون	,,
تنکح	ن ک ح
تنکحوا	,,
تنکرون	ن ک ر
تنکصون	ن ک ص
تنکیل	ن ک ل
تنوء	ن و ء
تنور	ت ن و ر
تنهر	ن ه ر
تنهون	ن ه ی

لفظ	ماده
تنهی	ن ه ی
تنیا	و ن ی
تواب	ت و ب
توابین	,,
تؤاخذ	أ خ ذ
توارت	و ر ی
تواصوا	و ص ی
تواعدتم	و ع د
تواعدون	,,
توب	ت و ب
توبة	,,
توبوا	,,
تونّن	ا ت ی
توتی	,,
تؤثرون	ا ث ر
توجل	و ج ل
توجه	و ج ه
تود	و د د
تودون	,,
تؤذون	ا ذ ی
تورون	و ر ی
تورته	تورات
توسوس	و س و س
توصون	و ص ی

لفظ	ماده
توصية	و ص ی
توعدون	و ع د
توعظون	و ع ظ
توف	و ف ی
توف	,,
توفت	,,
توفکون	ا ف ك
توفون	و ف ی
توفیت	,,
توفیق	و ف ق
توقدون	و ق د
توقروا	و ق ر
توقنون	ی ق ن
توکل	و ک ل
توکلت	,,
توکلنا	,,
توکلوا	,,
توکید	و ک د
تول	و ل ی
تولی	,,
تولوا	,,
تولون	,,
تولیتم	,,
تومر	ا م ر

لفظ	ماده
تومرون	ا م ر
تومن	ا م ن
تومنون	,,
تووی	ا و ی
تهاجروا	ه ج ر
تهتدون	ه د ی
تهتدی	,,
تهتز	ه ز ز
تهجد	ه ج د
تهجرون	ه ج ر
تهدوا	ه د ی
تهدی	,,
تهلک	ه ل ک
تهلکة	,,
تهنوا	و ه ن
تهوی	ه و ی
تیئسوا	ی أ س
تیسر	ی س ر
تیمموا	ی م م
تین	ت ی ن

ث

لفظ	ماده
ثابت	ث ب ت
ثاقب	ث ق ب
ثالث	ث ل ث
ثالثة	,,
ثامن	ث م ن
ثانی	ث ن ی
ثاوی	ث و ی
ثبات	ث ب ی
ثبت	ث ب ت
ثبتنا	,,
ثبتوا	,,
ثبط	ث ب ط
ثبوت	ث ب ت
ثبور	ث ب ر
ثجاج	ث ج ج
ثری	ث ر ی
ثعبان	ث ع ب
ثقل	ث ق ل
ثقفتموا	ث ق ف
ثقفوا	,,
ثقلان	ث ق ل
ثقلت	,,
ثقیل	,,
ثلاث	ث ل ث
ثلثون	,,
ثلة	ث ل ل
ثلث	ث ل ث
ثلثان	,,
ثلثی	ث ل ث
ثُمَّ	ثُمَّ
ثَمَّ	ثَمَّ
ثمانی	ث م ن
ثمانیة	,,
ثمانین	,,
ثمر	ث م ر
ثمرة	,,
ثمن	ث م ن
ثمود	ث م د
ثواب	ث و ب
ثوب	,,
تثریب	ث ر ب
ثیاب	ث و ب
ثیبات	ث ی ب

ج

لفظ	ماده
جاء	ج ی أ
جاءت	,,
جائر	ج و ر
جاءوا	ج ی أ
جئت	,,
جئتم	,,
جئتموا	,,
جابوا	ج و ب
جاثية	ج ث و
جاثمين	ج ث م
جادل	ج د ل
جادلت	,,
جادلتم	,,
جادلوا	,,
جار	ج و ر
جاريات	ج ر ی
جارية	,,
جاز	ج ز ی
جاسوا	ج و س
جاعل	ج ع ل
جاعلون	,,
جالوت	جالوت
جامدة	ج م د
جامع	ج م ع
جان	ج ن ن
جئنا	ج ی أ
جانب	ج ن ب
جاوز	ج و ز
جاوزا	,,
جاوزنا	,,
جاهد	ج ه د
جاهدا	,,
جاهدوا	,,
جاهل	ج ه ل
جاهلون	,,
جاهلية	,,
جب	ج ب ب
جبار	ج ب ر
جبارين	,,
جبال	ج ب ل
جباه	ج ب ه
جبت	ج ب ت
جبريل	جبريل
جبل	ج ب ل
جبلة	,,
جبين	ج ب ن
جثی	ج ث و
جحدوا	ج ح د
جحيم	ج ح م
جد	ج د د
جدار	ج د ر
جدال	ج د ل
جدد	ج د د
جدر	ج د ر
جدلا	ج د ل
جدل	,,
جديد	ج د د
جذاذ	ج ذ ذ
جذع	ج ذ ع
جذوة	ج ذ و
جذوع	ج ذ ع
جراد	ج ر د
جرحتم	ج ر ح
جرز	ج ر ز
جرف	ج ر ف

لفظ	ماده
جرم	ج ر م
جروح	ج ر ح
جرین	ج ر ی
جزء	ج ز أ
جزاء	ج ز ی
جزعنا	ج ز ع
جزوع	،،
جزیت	ج ز ی
جزیة	،،
جسد	ج س د
جسم	ج س م
جعل	ج ع ل
جعلا	،،
جعلت	،،
جعلتم	،،
جعلنا	،،
جعلوا	،،
جفاء	ج ف و
جفان	ج ف ن
جلاء	ج ل و
جلی	،،
جلابیب	ج ل ب
جلال	ج ل ل
جلدة	ج ل د

لفظ	ماده
جم	ج م م
جمال	ج م ل
جمالة	،،
جمع	ج م ع
جمعان	،،
جمعة	،،
جمعنا	،،
جمعوا	،،
جمل	ج م ل
جملة	،،
جمیع	ج م ع
جمیل	ج م ل
جن	ج ن ن
جنا	ج ن ی
جنات	ج ن ن
جناح	ج ن ح
جناحی	،،
جنبه	ج ن ب
جنة	ج ن ن
جنتان	،،
جنحوا	ج ن ح
جند	ج ن د
جنف	ج ن ف
جنوب	ج ن ب

لفظ	ماده
جنود	ج ن د
جنی	ج ن ی
جو	ج و و
جواب	ج و ب-ج و ب ی
جوار	ج ر ی
جوارح	ج ر ح
جودی	ج و د
جوع	ج و ع
جوف	ج و ف
جهاد	ج ه د
جهار	ج ه ر
جهاز	ج ه ز
جهالة	ج ه ل
جهد	ج ه د
جهر	ج ه ر
جهرة	،،
جهز	ج ه ز
جهنم	جهنم
جهول	ج ه ل
جیاد	ج و د
جیب	ج ی ب
جید	ج ی د
جیوب	ج ی ب
جیء	ج ی أ

ح

لفظ	مادہ
حاج	ح ج ج
حاجة	ح و ج
حاججتم	ح ج ج
حاجز	ح ج ز
حاجزین	,,
حاجوا	ح ج ج
حاد	ح د د
حاذرون	ح ذ ر
حارب	ح ر ب
حاسبنا	ح س ب
حاسبین	,,
حاسد	ح س د
حاش	ح ا ش
حاشرین	ح ش ر
حاصب	ح ص ب
حاضرة	ح ض ر
حاضری	,,
حافرة	ح ف ر
حافظ	ح ف ظ
حافظات	,,
حافظوا	,,
حافظون	,,
حافین	ح ف ف
حاق	ح ی ق
حاقة	ح ق ق
حاکمین	ح ک م
حال	ح و ل
حام	ح م ی
حامدون	ح م د
حاملات	ح م ل
حاملین	,,
حامیة	ح م ی
حب	ح ب ب
حبال	ح ب ل
حبه	ح ب ب
حبة	,,
حبط	ح ب ط
حبطت	,,
حبك	ح ب ك
حبل	ح ب ل
حتی	حتّی
حتم	ح ت م
حثیثا	ح ث ث
حج	ح ج ج
حجاب	ح ج ب
حجارة	ح ج ر
حجة	ح ج ج
حجج	,,
حجر	ح ج ر
حجرات	,,
حجور	,,
حدائق	ح د ق
حداد	ح د د
حدب	ح د ب
حدث	ح د ث
حدود	ح د د
حدیث	ح د ث
حدید	ح د د
حذر	ح ذ ر
حر	ح ر ر
حرام	ح ر م
حرب	ح ر ب
حرث	ح ر ث
حرج	ح ر ج
حرد	ح ر د
حرس	ح ر س

لفظ	مادہ
حرصت	ح ر ص
حرصتم	،،
حرض	ح ر ض
حرف	ح ر ف
حرقوا	ح ر ق
حرم	ح ر م
حرمات	،،
حرمت	،،
حرمنا	،،
حرموا	،،
حرور	ح ر ر
حرير	،،
حريص	ح ر ص
حريق	ح ر ق
حزب	ح ز ب
حزين	،،
حزن	ح ز ن
حساب	ح س ب
حسابيه	،،
حسان	ح س ن
حسب	ح س ب
حسبان	،،
حسبت	،،
حسبتم	،،
حسبوا	ح س ب
حسد	ح س د
حسرات	ح س ر
حسرة	،،
حسرتی	،،
حسن	ح س ن
حسنی	،،
حسنات	،،
حسنة	،،
حسنت	،،
حسنيين	،،
حسوم	ح س م
حسيب	ح س ب
حسير	ح س ر
حسيس	ح س س
حشر	ح ش ر
حشرت	،،
حشرنا	،،
حصاد	ح ص د
حصب	ح ص ب
حصحص	ح ص ص (حصحص)
حصدتم	ح ص د
حصرت	ح ص ر
حصل	ح ص ل
حصور	ح ص ر
حصون	ح ص ن
حصيد	ح ص د
حصير	ح ص ر
حضر	ح ض ر
حضروا	،،
حطام	ح ط م
حطب	ح ط ب
حطة	ح ط ط
حطمة	ح ط م
حظ	ح ظ ظ
حفدة	ح ف د
حفرة	ح ف ر
حفظ	ح ف ظ
حفظة	،،
حفظنا	،،
حففنا	ح ف ف
حفي	ح ف ی
حفيظ	ح ف ظ
حق	ح ق ق
حق اليقين	ح ق ق + ی ق ن
حقب	ح ق ب
حقت	ح ق ق
حقيق	،،

لفظ	ماده
حکام	ح ک م
حکم	,,
حکمة	,,
حکمت	,,
حکمتم	,,
حکیم	,,
حل	ح ل ل
حلائل	,,
حلاف	ح ل ف
حلال	ح ل ل
حلفتم	ح ل ف
حلقوم	ح ل ق
حللتم	ح ل ل
حلم	ح ل م
حلوا	ح ل ی
حلي	,,
حلیة	,,
حلیم	ح ل م
حمأ	ح م أ
حمار	ح م ر
حمالة	ح م ل
حمئة	ح م أ
حمد	ح م د
حمر	ح م ر
حمل	ح م ل
حملت	,,
حملتم	,,
حملنا	,,
حملوا	,,
حمولة	,,
حمیة	ح م ی
حمید	ح م د
حمیر	ح م ر
حمیم	ح م م
حناجر	ح ن ج ر
حنان	ح ن ن
حنث	ح ن ث
حنفاء	ح ن ف
حنیذ	ح ن ذ
حنیف	ح ن ف
حنین	ح ن ن
حواري	ح و ر
حوایا	ح و ی
حوب	ح و ب
حوت	ح و ت
حور	ح و ر
حول	ح و ل
حولین	,,
حي	ح ی ی
حیوة	,,
حیة	,,
حیتان	ح و ت
حیث	حَیْثُ
حیثما	,,
حیران	ح ی ر
حیل	ح و ل
حیلة	,,
حین	ح ی ن
حینئذ	حین+اذ
حیوا	ح ی ی
حیوان	,,
حیوك	,,
حییتم	,,

خ

لفظ	ماده
خائبین	خ ی ب
خائضین	خ و ض
خائف	خ و ف
خائفین	,,
خائنة	خ و ن
خائنین	,,

لفظ	ماده
خاب	خ ی ب
خاتم	خ ت م
خادع	خ د ع
خارج	خ ر ج
خارجين	,,
خازنين	خ ز ن
خاسئ	خ س أ
خاسئين	,,
خاسرة	خ س ر
خاسرون	,,
خاشع	خ ش ع
خاشعات	,,
خاشعة	,,
خاشعون	,,
خاصة	خ ص ص
خاضعين	خ ض ع
خاضوا	خ و ض
خاطئة	خ ط أ
خاطئون	,,
خاطب	خ ط ب
خاف	خ و ف
خافت	,,
خافضة	خ ف ض
خافوا	خ و ف
خافية	خ ف ی
خال	خ و ل
خالات	,,
خالد	خ ل د
خالدين	,,
خالص	خ ل ص
خالصة	,,
خالفين	خ ل ف
خالق	خ ل ق
خالقون	,,
خالقين	,,
خالية	خ ل و
خامدون	خ م د
خامسة	خ م س
خانتا	خ و ن
خانوا	,,
خاوية	خ و ی
خبأ	خ ب أ
خبائث	خ ب ث
خبال	خ ب ل
خبت	خ ب و
خبث	خ ب ث
خبر	خ ب ر
خبز	خ ب ز
خبيث	خ ب ث
خبيثة	,,
خبيثون	,,
خبير	خ ب ر
ختار	خ ت ر
ختام	خ ت م
ختم	,,
خد	خ د د
خذ	ا خ ذ
خذوا	,,
خذول	خ ذ ل
خر	خ ر ر
خراب	خ ر ب
خراج	خ ر ج
خراصون	خ ر ص
خرج	خ ر ج
خرجت	,,
خرجتم	,,
خرجن	,,
خرجنا	,,
خرجوا	,,
خردل	خ ر د ل
خرطوم	خ ر ط م
خرق	خ ر ق

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خرقت	خ ر ق	خصم	خ ص م	خلاف	خ ل ف
خرقوا	,,	خصم / خصمٰن	,, / ,,	خلاق	خ ل ق
خروا	خ ر ر	خصمون	,,	خلال	خ ل ل
خروج	خ ر ج	خصيم	,,	خلت	خ ل و
خزآئن	خ ز ن	خضتم	خ و ض	خلة	خ ل ل
خزنة	,,	خضر	خ ض ر	خلد	خ ل د
خزی	خ ز ی	خطأ	خ ط أ	خلصوا	خ ل ص
خسار	خ س ر	خطاب	خ ط ب	خلطاء	خ ل ط
خسر	,,	خطايا	خ ط أ	خلطوا	,,
خسران	,,	خطب	خ ط ب	خلف	خ ل ف
خسروا	,,	خطبة	,,	خلفاء	,,
خسف	خ س ف	خطف	خ ط ف	خلفة	,,
خسفنا	,,	خطفة	,,	خلفتموا	,,
خسوف	,,	خطوات	خ ط و	خلفوا	,,
خشب	خ ش ب	خطيئة	خ ط أ	خلق	خ ل ق
خشع	خ ش ع	خفاف	خ ف ف	خلقت	,,
خشعت	,,	خفْتَ	خ و ف	خلقنا	,,
خشوع	,,	خَفَّتْ	خ ف ف	خلقوا	,,
خشی	خ ش ی	خفتم / خفف	خ و ف / خ ف ف	خلوا	خ ل و
خشيت	,,	خفی	خ ف ی	خلود	خ ل د
خشية	,,	خفية	,,	خليفة	خ ل ف
خشينا	,,	خفيف	خ ف ف	خليل	خ ل ل
خصاصة	خ ص ص	خلا	خ ل و	خمر	خ م ر
خصام	خ ص م	خلائف	خ ل ف	خمس	خ م س

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خمسة	خ م س	خوان	خ و ن	خير	خ ی ر
خمسين	,,	خوض	خ و ض	خيرات	,,
خمط	خ م ط	خوف	خ و ف	خيرة	,,
خنازير	خنزير	خول	خ و ل	خيط	خ ی ط
خناس	خ ن س	خولنا	,,	خيطالابيض	خ‌ی‌ط + ب‌ی‌ض
خنزير	خنزير	خياط	خ ی ط	خيط الاسود	خ‌ی‌ط + س‌و‌د
خنس	خ ن س	خيام	خ ی م	خيفة	خ و ف
خوار	خ و ر	خيانة	خ و ن	خيل	خ ی ل
خوالف	خ ل ف				

د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
دآئبين	د أ ب	دار	د و ر	دخان	د خ ن
دآئرة	د و ر	داع	د ع و	دخل	د خ ل
دآئم	د و م	داعی	,,	دخلت	,,
دآئمون	,,	دافع	د ف ع	دخلتم	,,
داود	داود	دافق	د ف ق	دخلتموا	,,
دأب	د أ ب	ماء دافق	م و ه + د ف ق	دخلوا	,,
دأبا	,,	دامت	د و م	دخول	,,
دابة	د ب ب	دامو	,,	دراسة	د ر س
دابر	د ب ر	دان	د ن و	دراهم	د ر ه م
داحضة	د ح ض	دانية	,,	درجات	د ر ج
داخرون	د خ ر	دبر	د ب ر	درجة	,,
داخرين	,,	دحی	د ح و - ی	درست	د ر س
داخلون	د خ ل	دحورا	د ح ر	درسوا	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
درك	د ر ك	دفء	د ف أ	دمدم	د م د م
دری	د ر ر	دفع	د ف ع	دمر	د م ر
دسی	دس‌س(دسو)	دفعتم	,,	دمع	د م ع
دسر	د س ر	دك	د ك ك	دنی	د ن و
دُعَ	و د ع	دكاء	,,	دنیا	,,
دعّ	د ع ع	دكت	,,	دوائر	د و ر
دعا	د ع و	دكة	,,	دواب	د ب ب
دعاء	,,	دكتا	,,	دولة	د و ل
دعائی	,,	دل	د ل ل	دون	د و ن
دعوا	,,	دلی	د ل و	دهاق	د ه ق
دعوی	,,	دلو	,,	دهان	د ه ن
دعوة	,,	دلوك	د ل ك	دهر	د ه ر
دعوت	,,	دليل	د ل ل	دهن	د ه ن
دعوتم	,,	دم	د م و	دیار	د و ر
دعوتموا	,,	دماء	,,	دية	و د ی
دعي	,,	دمت	د و م	دین	د ی ن
دعيتم	,,	دمتم	,,	دینار	د ن ر

ذ

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ذا	ذ ا	ذئب	ذ أ ب	ذاقوا	ذ و ق
ذا	ذ و	ذات	ذ و	ذاك	ذ ا
ذا النون	ذا النون	ذاريات	ذ ر و	ذاكرات	ذ كر
ذائقة	ذ و ق	ذاقا	ذ و ق	ذاكرين	,,
ذآئقون	,,	ذاقت	,,	ذالک	ذا

لفظ	ماده
ذلکم	ذ ا
ذلکما	,,
ذلکن	,,
ذان	,,
ذانک	,,
ذاهب	ذ ه ب
ذهاب	ذ ه ب
ذبح	ذ ب ح
ذبحوا	,,
ذر	و ذ ر
ذرنی	,,
ذرأ	ذ ر أ
ذرأنا	,,
ذراع	ذ ر ع
ذراعی	,,
ذرة	ذ ر ر
ذرع	ذ ر ع
ذَرُوا	ذ ر و
ذَرُوا	و ذ ر

لفظ	ماده
ذرية	ذ ر ر (ذری)
ذريات	,,
ذق	ذ و ق
ذکر	ذ ك ر
ذکری	,,
ذکران	,,
ذکرت	,,
ذکرتم	,,
ذکروا	,,
ذکرين	,,
ذکور	,,
ذکيتم	ذ ک و
ذل	ذ ل ل
ذلة	,,
ذلل	,,
ذللت	,,
ذللنا	,,
ذلول	,,

لفظ	ماده
ذمة	ذ م م
ذنب	ذ ن ب
ذنوب	,,
ذو	ذ و
ذوالكفل	ذوالكفل
ذوالقرنين	ذوالقرنين
ذوا	ذ و
ذواتا	,,
ذواتی	,,
ذوقوا	ذ و ق
ذوی	ذ و
ذه	ذ ا
ذهاب	ذ ه ب
ذهب	,,
ذهبت	,,
ذهبنا	,,
ذهبوا	,,
ذي	ذ و

ر

لفظ	ماده
رابطوا	ر ب ط
رابع	ر ب ع
رابيا	ر ب و

لفظ	ماده
رابية	ر ب و
رأت	ر أ ی
راجعون	ر ج ع

لفظ	ماده
راجفة	ر ج ف
راحمين	ر ح م
راد	ر د د

لفظ	ماده
رکز	ر ک ز
رکع	ر ک ع
رکن	ر ک ن
رکوب	ر ک ب
رمی	ر م ی
رماح	ر م ح
رماد	ر م د
رمان	ر م ن
رمز	ر م ز
رمضان	ر م ض
رمیت	ر م ی
رمیم	ر م م
رواح	ر و ح

لفظ	ماده
رواسی	ر س و
رواکد	ر ک د
روح	ر و ح
روضات	ر و ض
روضة	,,
روع	ر و ع
روم	ر و م
رویدا	ر و د
رهان	ر ه ن
رهب	ر ه ب
رهبان	,,
رهبانیة	,,
رهبة	,,

لفظ	ماده
رهط	ر ه ط
رهق	ر ه ق
رهوا	ر ه و
رهین	ر ه ن
رهینة	,,
رئاء	ر أ ی
ریاح	ر و ح
ریب	ر ی ب
ریبة	,,
ریح	روح
ریحان	ر و ح
ریش	ر ی ش
ریع	ر ی ع

ز

لفظ	ماده
زاجرات	ز ج ر
زاد	ز ی د
زادت	,,
زادوا	,,
زارعون	ز ر ع
زاغ	ز ی غ
زاغت	,,
زاغوا	,,
زالت	ز و ل

لفظ	ماده
زالتا	ز و ل
زانی	ز ن ی
زانیة	,,
زاهدین	ز ه د
زاهق	ز ه ق
زبانیة	ز ب ن
زبد	ز ب د
زبر	ز ب ر
زبور	,,

لفظ	ماده
زجاجة	ز ج ج
زجر	ز ج ر
زجرة	,,
زحزح	ز ح ز ح
زحف	ز ح ف
زخرف	ز خ ر ف
زد	ز ی د
زدنا	,,
زرابی	ز ر ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
زراع	ز ر ع	زلزلت	زلل (زلزل)	زوجت	ز و ج
زرتم	ز و ر	زلزلة	,,	زوجنا	,,
زرق	ز ر ق	زلزلوا	,,	زوجین	,,
زرع	ز ر ع	زلف	ز ل ف	زور	ز و ر
زروع	,,	زلفی	,,	زهرة	ز ه ر
زعم	ز ع م	زلفة	,,	زهق	ز ه ق
زعمت	,,	زلق	ز ل ق	زهوق	,,
زعمتم	,,	زللتم	ز ل ل	زیادة	ز ی د
زعیم	,,	زمرا	ز م ر	زیت	ز ی ت
زفیر	ز ف ر	زمهریر	ز م ه ر	زیتون	,,
زقوم	ز ق م	زنا	ز ن ی	زیتونة	,,
زکی	ز ک و	زنجبیل	زنجبیل	زید	زید
زکوٰة	,,	زنوا	و ز ن	زیغ	ز ی غ
زکریا	زکریا	زنیم	ز ن م	زیلنا	ز و ل
زکی	ز ک و	زوال	ز و ل	زین	ز ی ن
زکیة	,,	زوج	ز و ج	زینا	,,
زلتم	ز و ل	زوجان	,,	زینت	,,
زلزال	زلل (زلزل)			زینة	,,
				زینوا	,,

س

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
س	س	سائحون	س ی ح	سابحات	س ب ح
ساء	س و ء	سائغ	س و غ	سابغات	س ب غ
سائبة	س ی ب	سائق	س و ق	سابق	س ب ق
ساءت	س و ء	سائل	س أ ل	سابقات	,,
سائحات	س ی ح	سائلین	,,	سابقوا	,,

لفظ	ماده
سابقون	س ب ق
ساجد	س ج د
ساجدون	,,
ساحة	س ی ح
ساحر	س ح ر
ساحران	,,
ساحرون	,,
ساحل	س ح ل
ساخرین	س خ ر
سادة	س و د
سادس	س د س
سار	س ی ر
سارب	س ر ب
سارعوا	س ر ع
سارق	س ر ق
سارقة	,,
سارقون	,,
ساعة	س و ع، س ی ع
سافل	س ف ل
سافلین	,,
ساق	س و ق
ساقط	س ق ط
ساقی	س و ق
ساکن	س ک ن
سال	س أ ل
سئل	,,
سألت	,,
سالت	س ی ل
سئلت	س أ ل
سألتم	,,
سألتموا	,,
سالمون	س ل م
سألوا	س أ ل
سئلوا	,,
سامدون	س م د
سامر	س م ر
سامری	,,
سؤل	س أ ل
ساوی	س و ی
ساهرة	س ه ر
ساهم	س ه م
ساهون	س ه و
سبا	سبأ
سبات	س ب ت
سبب	س ب ب
سبت	س ب ت
سبح	س ب ح
سبحان	,,
سبحوا	س ب ح
سبع	س ب ع
سبعة	,,
سبق	س ب ق
سبقت	س ب ق
سبقوا	,,
سبل	س ب ل
سبیل	,,
ستة	س ت ت
ستر	س ت ر
ستین	س ت ت
سجی	س ج و
سجد	س ج د
سجدا	,,
سجدوا	,,
سجرت	س ج ر
سجل	س ج ل
سجن	س ج ن
سجود	س ج د
سجیل	س ج ل
سجین	س ج ن
سحاب	س ح ب
سحابة	,,
سحار	س ح ر

لفظ	ماده
سحت	س ح ت
سحر	س ح ر
سحران	،،
سحرة	،،
سحروا	،،
سحق	س ح ق
سحيق	،،
سخر	س خ ر
سخرنا	،،
سخروا	،،
سخري	،،
سخط	س خ ط
سد	س د د
سدى	س د ی
سدر	س د ر
سدرة	،،
سدس	س د س
سديد	س د د
سدين	،،
سر	س ر ر
سراء	،،
سرائر	،،
سراب	س ر ب
سرابيل	س ر ب ل

لفظ	ماده
سراج	س ر ج
سراح	س ر ح
سرادق	س ر د ق
سراع	س ر ع
سرب	س ر ب
سرحوا	س ر ح
سرد	س ر د
سرر	س ر ر
سرق	س ر ق
سرمد	س ر م د
سرور	س ر ر
سری	س ر ی - و
سریر	س ر ر
سریع	س ر ع
سطحت	س ط ح
سعى	س ع ی
سعة	و س ع
سعدوا	س ع د
سعر	س ع ر
سعرت	،،
سعوا	س ع ی
سعي	،،
سعيد	س ع د
سعير	س ع ر

لفظ	ماده
سفاهة	س ف ه
سفر	س ف ر
سفرة	،،
سفلى	س ف ل
سفه	س ف ه
سفهاء	،،
سفينة	س ف ن
سفيه	س ف ه
سقى	س ق ی
سقاية	،،
سقر	س ق ر
سقط	س ق ط
سقطوا	،،
سقف	س ق ف
سقنا	س و ق
سقوا	س ق ی
سقيا	،،
سقيت	،،
سقيم	س ق م
سكارى	س ک ر
سكت	س ک ت
سكر	س ک ر
سكرة	،،
سكرت	،،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سکن	س ك ن	سماعون	س م ع	سنة	س ن و ـ ه
سکنتم	,,	سماء	س م و	سنة	س ن ن
سکین	,,	سمان	س م ن	سندس	س ن د س
سکینة	,,	سموات	س م و	سنن	س ن ن
سل	س أ ل	سمع	س م ع	سنین	س ن و ـ ه
سلالة	س ل ل	سمعت	,,	سوء	س و ء
سلاسل	س ل س ل	سمعتم	,,	سوی	س و ی
سلام	س ل م	سمعتموا	,,	سواء	,,
سلسبیل	س ب ل	سمعنا	,,	سوأی	س و أ
سلسلة	س ل س ل	سمعوا	,,	سوآت	,,
سلط	س ل ط	سمک	س م ک	سوءة	س و ء
سلطان	,,	سموا	س م و	سواع	سواع
سلطانیه	,,	سموم	س م م	سؤال	س أ ل
سلف	س ل ف	سمی	س م و	سؤل	,,
سلقوا	س ل ق	سمیت	,,	سود	س و د
سلک	س ل ک	سمیتمو	,,	سور	س و ر
سلکنا	,,	سمیع	س م ع	سورة	,,
سلم	س ل م	سمین	س م ن	سوط	س و ط
سلمتم	,,	سن	س ن ن	سوف	سوف
سلموا	,,	سنا	س ن ی	سوق	س و ق
سلوی	س ل و	سنابل	س ن ب ل	سول	س و ل
سلیم	س ل م	سنبل	,,	سولت	,,
سلیمان	سلیمان	سنبلة	,,	سوی	س و ی
سم	س م م	سنة	و س ن	سویت	,,

لفظ	ماده
سهول	س ه ل
سيءٌ	س و ء
سيئات	,,
سيئة	,,
سيئت	,,
سيارة	س ى ر
سيحوا	س ى ح
سيد	س و د
سير	س ى ر
سيرة	,,
سيرت	,,
سيروا	,,
سيق	س و ق
سيل	س ى ل
سيما	س و م
سيناء	سيناء
سينين	سينين

ش

لفظ	ماده
شاء	ش ى ء
شئت	,,
شئتما	,,
شئتم	,,
شئنا	,,
شاخصة	ش خ ص
شاربون	ش ر ب
شارك	ش ر ك
شاطئ	ش ط أ
شاعر	ش ع ر
شافعين	ش ف ع
شاقوا	ش ق ق
شاكر	ش ك ر
شاكرون	,,
شاكلة	ش ك ل
شامخات	ش م خ
شان	ش أ ن
شانئٌ	ش ن أ
شاور	ش و ر
شاهد	ش ه د
شاهدون	,,
شبه	ش ب ه
شتاء	ش ت و
شتى	ش ت ت
شجر	ش ج ر
شجرة	,,
شح	ش ح ح
شحوم	ش ح م
شداد	ش د د
شددنا	,,
شدوا	,,
شديد	,,
شر	ش ر ر
شراب	ش ر ب
شرب	,,
شربوا	,,
شرح	ش ر ح
شرد	ش ر د
شرذمة	ش ر ذ م
شرر	ش ر ر
شرع	ش ر ع
شرعة	,,
شرعوا	,,
شرقي	ش ر ق
شرقية	,,
شرك	ش ر ك
شركاء	,,
شروا	ش ر ى

ص

لفظ	ماده
صائم	ص و م
صائمات	,,
صابئون	ص ب أ
صابر	ص ب ر
صابرة	,,
صابروا	,,
صابرون	,,
صاحب	ص ح ب
صاحب الحوت	ص ح ب / ح و ت
صاحبة	ص ح ب
صاحبي	,,
صاخة	ص خ خ
صادق	ص د ق
صادقات	,,
صادقون	,,
صارمين	ص ر م
صاعقة	ص ع ق
صاغرون	ص غ ر
صافات	ص ف ف
صافنات	ص ف ن
صافون	ص ف ف

لفظ	ماده
صال	ص ل ی
صَالِحٌ	صَالِحٌ
صالح	ص ل ح
صالحات	,,
صالحون	,,
صالحين	,,
صالوا	ص ل ی
صامتون	ص م ت
صبّ	ص ب ب
صباح	ص ب ح
صبار	ص ب ر
صببنا	ص ب ب
صبح	ص ب ح
صبر	ص ب ر
صبرتم	,,
صبرنا	,,
صبروا	,,
صبغ	ص ب غ
صبغة	,,
صبوا	ص ب ب
صبي	ص ب و
صحاف	ص ح ف

لفظ	ماده
صحف	ص ح ف
صخر	ص خ ر
صخرة	,,
صد	ص د د
صددتم	,,
صددنا	,,
صدر	ص د ر
صدع	ص د ع
صدف	ص د ف
صدفين	,,
صدق	ص د ق
صدقات	,,
صدقة	,,
صدقت	,,
صدقنا	,,
صدقوا	,,
صدوا	ص د د
صدود	,,
صدور	ص د ر
صديد	ص د د
صديق	ص د ق
صديقة	,,

لفظ	ماده
صديقون	ص د ق
صور	ص و ر
صرّ	ص ر ر
صراط	ص ر ط
صرة	ص ر ر
صرح	ص ر ح
صرصر	ص ر ر
صرعیٰ	ص ر ع
صرف	ص ر ف
صرفت	,,
صرفنا	,,
صريخ	ص ر خ
صريم	ص ر م
صعد	ص ع د
صعق	ص ع ق
صعقا	,,
صعود	ص ع د
صعيد	,,
صغار	ص غ ر
صغت	ص غ و
صغير	ص غ ر
صغيرة	,,
صف	ص ف ف

لفظ	ماده
صفّا	ص ف ف
صفا	ص ف و
صفح	ص ف ح
صفر	ص ف ر
صفراء	,,
صفصف	ص ف ف
صفوان	ص ف و
صكت	ص ك ك
صل	ص ل و
صلّی	,,
صلوٰة	,,
صلب	ص ل ب
صلبوا	,,
صلح	ص ل ح
صلد	ص ل د
صلصال	ص ل ص ل
صلوا	ص ل و
صلوات	,,
صلي	ص ل ی
صم	ص م م
صمد	ص م د
صموا	ص م م

لفظ	ماده
صنع	ص ن ع
صنعة	,,
صنعوا	,,
صنوان	ص ن و
صواب	ص و ب
صواع	ص و ع
صواعق	ص ع ق
صواف	ص ف ف
صوامع	ص م ع
صوت	ص و ت
صور	ص و ر
صورة	,,
صورنا	,,
صوم	ص و م
صهر	ص ه ر
صياصي	ص ی ص
صيام	ص و م
صيب	ص و ب
صيحة	ص ی ح
صيد	ص ی د
صيف	ص ی ف

ض

لفظ	ماده
ضائق	ض ی ق
ضاحك	ض ح ك
ضاحكة	،،
ضار	ض ر ر
ضاق	ض ی ق
ضاقت	،،
ضال	ض ل ل
ضالین	،،
ضامر	ض م ر
ضأن	ض أ ن
ضبح	ض ب ح
ضحی	ض ح و
ضحكت	ض ح ك
ضد	ض د د
ضر	ض ر ر
ضراء	ض ر ر
ضرار	،،
ضرب	ض ر ب
ضربت	،،
ضربتم	،،
ضربنا	،،
ضربوا	،،
ضرر	ض ر ر
ضریع	ض ر ع
ضعاف	ض ع ف
ضعف	،،
ضعفاء	،،
ضعفوا	،،
ضعفین	،،
ضعیف	،،
ضغث	ض غ ث
ضفادع	ض ف د ع
ضل	ض ل ل
ضلال	،،
ضلالة	،،
ضلت	،،
ضللنا	،،
ضلوا	،،
ضنك	ض ن ك
ضنین	ض ن ن
ضیاء	ض و ء
ضیر	ض ی ر
ضیزی	ض و ز
ضیف	ض ی ف
ضیق	ض ی ق

ط

لفظ	ماده
طائر	ط ی ر
طائعین	ط و ع
طائف	ط و ف
طائفة	،،
طائفتان	،،
طائفتین	ط و ف
طائفین	،،
طاب	ط ی ب
طارد	ط ر د
طارق	ط ر ق
طاعة	ط و ع
طاعم	ط ع م
طاغوت	ط غ ی
طاغون	،،
طاغیة	،،

لفظ	ماده
طاغين	ط غ ی
طاف	ط و ف
طاقة	ط و ق
طال	ط و ل
طالب	ط ل ب
طالوت	طالوت
طامة	ط م م
طباق	ط ب ق
طبتم	ط ی ب
طبع	ط ب ع
طبق	ط ب ق
طبن	ط ی ب
طحی	ط ح ی
طرائق	ط ر ق
طردت	ط ر د
طرف	ط ر ف
طرفي	,,
طري	ط ر ی
طريق	ط ر ق
طريقة	,,
طعام	ط ع م
طعم	,,
طعمتم	,,

لفظ	ماده
طعموا	ط ع م
طعن	ط ع ن
طعنوا	,,
طغی	ط غ ی
طغوا	,,
طغوی	,,
طغيان	,,
طفق	ط ف ق
طفقا	,,
طفل	ط ف ل
طل	ط ل ل
طلاق	ط ل ق
طلب	ط ل ب
طلح	ط ل ح
طلع	ط ل ع
طلعت	,,
طلق	ط ل ق
طلقتم	,,
طلقتمو	,,
طلقوا	,,
طلوع	ط ل ع
طمست	ط م س
طمسنا	,,

لفظ	ماده
طمع	ط م ع
طوی	ط و ی
طوائف	ط و ف
طوبی	ط ی ب
طود	ط و د
طور	طور
طوع	ط و ع
طوعت	,,
طوفان	ط و ف
طول	ط و ل
طويل	,,
طهر	ط ه ر
طهرا	,,
طهور	,,
طي	ط و ی
طيب	ط ی ب
طيبات	,,
طيبة	,,
طيبون	,,
طير	ط ی ر
طين	ط ی ن

ظ

لفظ	ماده
ظالم	ظ ل م
ظالمة	,,
ظالمون	,,
ظانين	ظ ن ن
ظاهر	ظ ه ر
ظاهرة	,,
ظاهروا	,,
ظاهرين	,,
ظعن	ظ ع ن
ظفر	ظ ف ر
ظل	ظ ل ل
ظلال	,,
ظلام	ظ ل م
ظلة	ظ ل ل
ظلت	,,

لفظ	ماده
ظلتم	ظ ل ل
ظلل	,,
ظللنا	,,
ظلم	ظ ل م
ظلمات	,,
ظلمة	,,
ظلمت	,,
ظلمتم	,,
ظلمنا	,,
ظلموا	,,
ظلوا	ظ ل ل
ظلوم	ظ ل م
ظليل	ظ ل ل
ظماء	ظ م أ

لفظ	ماده
ظمآن	ظ م أ
ظن	ظ ن ن
ظنا	,,
ظننا	,,
ظننت	,,
ظننتم	,,
ظنوا	,,
ظنون	,,
ظهر	ظ ه ر
ظهور	,,
ظهري	,,
ظهير	,,
ظهيرة	,,

ع

لفظ	ماده
عائدون	ع و د
عائل	ع ى ل (عول)
عابد	ع ب د
عابدات	,,
عابدون	,,
عابدين	,,

لفظ	ماده
عابري	ع ب ر
عابر	,,
عاتية	ع ت و
عاجلة	ع ج ل
عَادٍ	ع د و

لفظ	ماده
عَادٌّ	عَادٌّ
عَادَ	ع و د
عادوا	,,
عادون	ع د و
عاديات	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عادیتم	ع د و	عامل	ع م ل	عتو	ع ت و
عادین	ع د د	عاملة	,,	عتوا	,,
عارض	ع ر ض	عاملون	,,	عتي	,,
عاشروا	ع ش ر	عامین	ع و م	عتید	ع ت د
عاصف	ع ص ف	عاهد	ع ه د	عتیق	ع ت ق
عاصفات	,,	عاهدا	,,	عثر	ع ث ر
عاصفة	,,	عاهدت	,,	عجاب	ع ج ب
عاصم	ع ص م	عاهدتم	,,	عجاف	ع ج ف
عافین	ع ف و	عاهدوا	,,	عجب	ع ج ب
عاقب	ع ق ب	عباد	ع ب د	عجبت	,,
عاقبة	,,	عبادة	,,	عجبتم	,,
عاقبتم	,,	عبث	ع ب ث	عجبوا	,,
عاقبوا	,,	عبد	ع ب د	عجزت	ع ج ز
عاقر	ع ق ر	عبدت	,,	عجل	ع ج ل
عاکف	ع ک ف	عبدتم	,,	عجلت	,,
عال	ع ل و	عبدنا	,,	عجلتم	,,
عالم	ع ل م	عبدین	,,	عجلنا	,,
عالمون	,,	عبرة	ع ب ر	عجوز	ع ج ز
عالمین	,,	عبس	ع ب س	عجول	ع ج ل
عالي	ع ل و	عبقری	ع ب ق ر	عجیب	ع ج ب
عالية	,,	عبوس	ع ب س	عد	ع د د
عاليهم	,,	عبید	ع ب د	عداوة	ع د و
عالين	,,	عتت	ع ت و	عدة	ع د د
عام	ع و م	عتل	ع ت ل	عدتم	ع و د

لفظ	ماده
عدد	ع د د
عدس	ع د س
عـدل	ع د ل
عدن	ع د ن
عدنا	ع و د
عدو	ع د و
عدوان	,,
عدوة	,,
عذاب	ع ذ ب
عذب	,,
عذبنا	,,
عذت	ع و ذ
عذر	ع ذ ر
عراء	ع ر ی
عرب	ع ر ب
عربي	,,
عرجون	ع ر ج ن
عرش	ع ر ش
عرض	ع ر ض
عرضة	,,
عرضتم	,,
عرضنا	,,
عرضوا	,,
عرف	ف
عرفات	ع ر ف
عرفت	,,
عرفوا	,,
عرم	ع ر م
عروة	ع ر و
عروش	ع ر ش
عريض	ع ر ض
عز	ع ز ز
عزة	,,
عزرتموا	ع ز ر
عزروا	,,
عززنا	ع ز ز
عزلت	ع ز ل
عزم	ع ز م
عزمت	,,
عزموا	,,
عزى	ع ز ز
عزير	عزير
عزيز	ع ز ز
عزين	ع ز و
عسى	ع س ی
عسر	ع س ر
عسرى	,,
عسرة	,,
عسعس	ع س ع س
عسل	ع س ل
عسيتم	ع س ی
عسر	ع س ر
عشاء	ع ش و
عشار	ع ش ر
عشر	,,
عشرة	,,
عشرون	,
عشي	ع ش ی
عشية	,,
عشير	ع ش ر
عشيرة	,,
عصا	ع ص و
عصى	ع ص ی
عصبة	ع ص ب
عصر	ع ص ر
عصف	ع ص ف
عصم	ع ص م
عصوا	ع ص ی
عِصِيّ	ع ص و
عُصِيّ	ع ص ی
عصيان	,,
عصيب	ع ص ب

لفظ	ماده
عصيت	ع ص ى
عصيتم	,,
عصينا	,,
عضد	ع ض د
عضوا	ع ض ض
عضين	ع ض و
عطاء	ع ط و
عطف	ع ط ف
عطلت	ع ط ل
عظ	و ع ظ
عظام	ع ظ م
عظم	,,
عظوا	و ع ظ
عظيم	ع ظ م
عفا	ع ف و
عفريت	عفريت
عفو	ع ف و
عفونا	,,
عفي	,,
عقاب	ع ق ب
عقبه	,,
عقبى	,,
عقبة	,,
عقبي	,,
عقد	ع ق د
عقدة	,,
عقدت	,,
عقدتم	,,
عقر	ع ق ر
عقروا	,,
عقلوا	ع ق ل
عقود	ع ق د
عقيم	ع ق م
علا	ع ل و
على	على
علام	ع ل م
علامات	,,
علانية	ع ل ن
علق	ع ل ق
علقة	,,
علم	ع ل م
علماء	,,
علمت	,,
علمتم	,,
علمتموا	,,
علمنا	,,
علموا	,,
عُلُوًّا	ع ل و
عَلَوْا	ع ل و
علي	,,
عليا	,,
عليم	ع ل م
عليون	ع ل و
عليهم	على + هم
عَمَّ	عن + ما
عَمّ	ع م م
عمات	,,
عماد	ع م د
عمارة	ع م ر
عمد	ع م د
عمر	ع م ر
عمران	,,
عمرة	,,
عمروا	,,
عمل	ع م ل
عملت	,,
عملتم	,,
عملوا	,,
عموا	ع م ى
عمون	,,
عمي	,,
عميان	,,

غ

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
غرف	غ ر ف	غفران	غ ف ر	غمرات	غ م ر
غرفات	,,	غفرنا	,,	غمة	غ م م
غرفة	,,	غفلة	غ ف ل	غمام	,,
غرق	غ ر ق	غفور	غ ف ر	غنم	غ ن م
غروب	غ ر ب	غل	غ ل ل	غنمتم	,,
غرور	غ ر ر	غلاظ	غ ل ظ	غني	غ ن ی
غزی	غ ز و	غلام	غ ل م	غوی	غ و ی
غزل	غ ز ل	غلامین	,,	غواش	غ ش ی
غساق	غ س ق	غلب	غ ل ب	غواص	غ و ص
غسق	,,	غلبت	,,	غور	غ و ر
غسلین	غ س ل	غلبوا	,,	غول	غ و ل
غشی	غ ش ی	غلت	غ ل ل	غوي	غ و ی
غشاوة	,,	غلظة	غ ل ظ	غوینا	,,
غصب	غ ص ب	غلف	غ ل ف	غي	,,
غصة	غ ص ص	غلقت	غ ل ق	غیابت	غ ی ب
غضب	غ ض ب	غلمان	غ ل م	غیب	,,
غضبان	,,	غلوا	غ ل ل	غیث	غ ی ث
غضبوا	,,	غلي	غ ل و ـ ی	غیر	غ ی ر
غطاء	غ ط و	غلیظ	غ ل ظ	غیض	غ ی ض
غفار	غ ف ر	غم	غ م م	غیظ	غ ی ظ
غفر	,,	غمرة	غ م ر	غیوب	غ ی ب

ف

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ف	ف	فأت	ف ی أ	فائزون	ف و ز

لفظ	ماده
فآءوا	ف ی أ
فات	ف و ت
فئة	ف أ و
فئتان	,,
فئتين	,,
فاتحين	ف ت ح
فاتنين	ف ت ن
فاجر	ف ج ر
فاحشة	ف ح ش
فار	ف و ر
فارض	ف ر ض
فارغ	ف ر غ
فارقات	ف ر ق
فارقوا	,,
فارهين	ف ر ه
فاز	ف و ز
فاسق	ف س ق
فاصلين	ف ص ل
فاطر	ف ط ر
فاعل	ف ع ل
فاقرة	ف ق ر
فاقع	ف ق ع
فاكهة	ف ک ه
فاكهون	,,
فالق	ف ل ق
فان	ف ن ی
فاه	ف و ه
فتی	ف ت ی
فتاح	ف ت ح
فتح	,,
فتحت	,,
فتحنا	,,
فتحوا	,,
فترة	ف ت ر
فتقنا	ف ت ق
فتنا	ف ت ن
فتنة	,,
فتنتم	,,
فتنوا	,,
فتون	,,
فتيات	ف ت ی
فتيان	,,
فتية	,,
فتيل	ف ت ل
فج	ف ج ج
فجاج	,,
فجار	ف ج ر
فجر	,,
فجرة	ف ج ر
فجرت	,,
فجرنا	,,
فجوة	ف ج و
فجور	ف ج ر
فحشا	ف ح ش
فخار	ف خ ر
فخور	,,
فدآء	ف د ی
فدية	,,
فدينا	,,
فرات	ف ر ت
فرادی	ف ر د
فرار	ف ر ر
فراش	ف ر ش
فراق	ف ر ق
فرت	ف ر ر
فرث	ف ر ث
فرج	ف ر ج
فرجت	,,
فرح	ف ر ح
فرحوا	,,
فرحون	,,
فرد	ف ر د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
فردوس	ف ر د س	فريضة	ف ر ض	فطر	ف ط ر
فروت	ف ر ر	فريق	ف ر ق	فطرة	,,
فررتم	,,	فريقان	,,	فطور	,,
فرش	ف ر ش	فريقين	,,	فظ	ف ظ ظ
فرشنا	,,	فزع	ف ز ع	فعال	ف ع ل
فرض	ف ر ض	فزعوا	,,	فعل	,,
فرضتم	,,	فساد	ف س د	فعلة	,,
فرضنا	,,	فسدت	,,	فعلت	,,
فرط	ف ر ط	فسدتا	,,	فعلتم	,,
فرطت	,,	فسق	ف س ق	فعلن	,,
فرطتم	,,	فسقوا	,,	فعلنا	,,
فرطنا	,,	فسنيسره	ی س ر	فعلوا	,,
فرع	ف ر ع	فسوق	ف س ق	فقر	ف ق ر
فرعون	فرعون	فشلتم	ف ش ل	فقرآء	,,
فرغت	ف ر غ	فصال	ف ص ل	فقير	,,
فرق	ف ر ق	فصل	,,	فلك	ف ک ک
فرقان	,,	فصلت	,,	فكر	ف ک ر
فرقة	,,	فصلنا	,,	فكهين	ف ک ه
فرقت	,,	فصيلته	,,	فلان	ف ل ن
فرقنا	,,	فضة	ف ض ض	فلق	ف ل ق
فرقوا	,,	فضل	ف ض ل	فلك	ف ل ک
فروا	ف ر ر	فضلت	,,	فواحش	ف ح ش
فروج	ف ر ج	فضلنا	,,	فؤاد	ف أ د
فري	ف ر ی	فضلوا	,,	فواق	ف و ق

لفظ	ماده
فواکه	ف ک ه
فوت	ف و ت
فوج	ف و ج
فور	ف و ر

لفظ	ماده
فوز	ف و ز
فوق	ف و ق
فوم	ف و م

لفظ	ماده
فهمنا	ف ه م
في	في
فيل	ف ی ل

ق

لفظ	ماده
ق	و ق ی
قَآئِلٌ	ق و ل
قَآئِلُونَ	ق ی ل
قائم	ق و م
قائمة	،،
قائمون	،،
قاب	ق و ب
قاب‌قوسين	ق‌و‌ب+ق‌و‌س
قابل	ق ب ل
قاتل	ق ت ل
قاتلا	،،
قاتلوا	،،
قادر	ق د ر
قارعة	ق ر ع
قارون	قَارُونُ
قاسطون	ق س ط
قاسم	ق س م

لفظ	ماده
قاسية	ق س و
قاصد	ق ص د
قاصرات	ق ص ر
قاصرات الطرف	ق ص ر + ط ر ف
قاصف	ق ص ف
قاض	ق ض ی
قاضية	،،
قاطعة	ق ط ع
قاع	ق ی ع
قاعد	ق ع د
قاعدون	،،
قال	ق و ل
قالا	،،
قالت	،،
قالتا	،،
قالوا	،،
قالين	ق ل ی - و

لفظ	ماده
قام	ق و م
قاموا	،،
قانت	ق ن ت
قانتات	،،
قانتون	،،
قانطين	ق ن ط
قانع	ق ن ع
قاهر	ق ه ر
قبائل	ق ب ل
قبر	ق ب ر
قبس	ق ب س
قبض	ق ب ض
قبضة	،،
قبضت	،،
قبضنا	،،
قبل	ق ب ل
قبلة	،،
قبور	ق ب ر

لفظ	ماده
قبول	ق ب ل
قبيل	,,
قتال	ق ت ل
قتر	ق ت ر
قترة	,,
قتل	ق ت ل
قتلى	,,
قتلت	,,
قتلتم	,,
قتلتموا	,,
قتلنا	,,
قتلوا	,,
قتور	ق ت ر
قثاء	ق ث أ
قَدْ	قَدْ
قُدَّ	ق د د
قدت	,,
قدح	ق د ح
قدد	ق د د
قدر	ق د ر
قدرنا	,,
قدروا	,,
قدس	ق د س
قدم	ق د م

لفظ	ماده
قدمت	ق د م
قدمتم	,,
قدمتموا	,,
قدمنا	,,
قدموا	,,
قدور	ق د ر
قدوس	ق د س
قدير	ق د ر
قديم	ق د م
قذف	ق ذ ف
قذفنا	,,
قرى	ق ر ى
قرأ	ق ر أ
قرئ	,,
قرأت	,,
قرار	ق ر ر
قراطيس	ق ر ط س
قرآن	ق ر أ
قرآنا	,,
قرب	ق ر ب
قربا	,,
قربى	,,
قربات	,,
قربة	,,

لفظ	ماده
قربان	ق ر ب
قربنا	,,
قرة	ق ر ر
قرح	ق ر ح
قردة	ق ر د
قرض	ق ر ض
قرطاس	ق ر ط س
قَرْنَ	و ق ر
قَرْنٌ	ق ر ن
قرناء	,,
قرنين	,,
قروء	ق ر أ
قرون	ق ر ن
قري	ق ر ر
قريب	ق ر ب
قرية	ق ر ى
قريتين	,,
قريش	قريش
قرين	ق ر ن
قست	ق س و
قسط	ق س ط
قسطاس	,,
قسم	ق س م
قسمة	,,

لفظ	ماده
قسمنا	ق س م
قسوة	ق س و
قسورة	ق س ر
قسيسين	ق س س
قص	ق ص ص
قصاص	,,
قصد	ق ص د
قصر	ق ص ر
قصص	ق ص ص
قصصنا	,,
قصمنا	ق ص م
قصوى	ق ص و
قصور	ق ص ر
قُصِّي	ق ص ص
قَصِيًّا	ق ص و
قَضَىٰ	ق ض ى
قضب	ق ض ب
قضوا	ق ض ى
قضي	,,
قضيت	ق ض ى
قضيتم	,,
قضينا	,,
قط	ق ط ط
قطر	ق ط ر
قطران	ق ط ر
قطع	ق ط ع
قطعت	,,
قطعتم	,,
قطعن	,,
قطعنا	,,
قطمير	ق ط م ر
قطوف	ق ط ف
قعد	ق ع د
قعدوا	,,
قعوا	و ق ع
قعود	ق ع د
قعيد	,,
قفوا	و ق ف
قفينا	ق ف و
قُلْ	ق و ل
قَلَّ	ق ل ل
قلى	ق ل ى
قلائد	ق ل د
قلب	ق ل ب
قلبوا	,,
قلبين	,,
قلت	ق و ل
قلتم	,,
قلم	ق ل م
قلن	ق و ل
قلنا	,,
قلوب	ق ل ب
قليل	ق ل ل
قليلة	,,
قم	ق و م
قمتم	,,
قمر	ق م ر
قمطرير	ق م ط ر
قمل	ق م ل
قميص	ق م ص
قناطير	ق ن ط ر
قنطار	,,
قنطوا	ق ن ط
قنوان	ق ن و
قنوط	ق ن ط
قوا	و ق ى
قوى	ق و ى
قوارير	ق ر ر
قواعد	ق ع د
قوام	ق و م
قوامون	,,
قوة	ق و ى

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
قوتلتم	ق ت ل	قولی	ق و ل	قیضنا	ق ی ض
قوتلوا	,,	قوم	ق و م	قیعة	ق ی ع
قوس	ق و س	قوموا	,,	قیل	ق و ل
وسین	,,	قوي	ق و ی	قیله	,,
قول	ق و ل	قهار	ق ه ر	قیم	ق و م
قولا	,,	قیام	ق و م	قیمة	,,
قولوا	,,	قیامة	,,	قیوم	,,

ك

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ک	ک	کارهون	ک ر ه	کالوا	ک ی ل
کَ	کَ	کارهین	,,	کامله	ک م ل
کِ	کَ	کاس	ک أ س	کاملین	,,
کاتب	ک ت ب	کاشف	ک ش ف	کَأَنَّ	کَأَنَّ
کاتبوا	,,	کاشفة	,,	کأنما	,,
کاتبون	,,	کاشفوا	,,	کَانَ	ک و ن
کاتبین	,,	کاظمین	ک ظ م	کانا	,,
کاد	ک و د	کفی	ک ف ی	کانت	,,
کادت	,,	کافة	ک ف ف	کانتا	,,
کادح	ک د ح	کافر	ک ف ر	کانوا	,,
کادوا	ک و د	کافرة	,,	کاهن	ک ه ن
کاذب	ک ذ ب	کافرون	,,	کاین	کأیّن
کاذبة	,,	کافرین	,,	کبائر	ک ب ر
کاذبون	,,	کافور	,,	کبار	,,
کاذبین	,,	کالحون	ک ل ح	کُبّت	ک ب ب

لفظ	مادہ
كُبِتَ	ک ب ت
كبتوا	,,
كبد	ک ب د
كبر	ک ب ر
كبرىٰ	,,
كبراء	,,
كبرت	,,
كبكبوا	ک ب ب
كبرياء	ک ب ر
كبيرة	,,
كتاب	ک ت ب
كتابيه	,,
كتب	,,
كتبت	,,
كتبنا	,,
كتم	ک ت م
كثر	ک ث ر
كثرة	,,
كثرت	,,
كثيب	ک ث ب
كثير	ک ث ر
كثيرة	,,
كدت	ک و د
كدح	ک د ح

لفظ	مادہ
كدنا	ک ی د
كذاب	ک ذ ب
كذالک	ک + ذ ا
كذالكم	,,
كذب	ک ذ ب
كذبت	ک ذ ب
كذبتم	,,
كذبنا	,,
كذبوا	,,
كرام	ک ر م
كراما كاتبين	ک ر م / ک ت ب
كرب	ک ر ب
كرة	ک ر ر
كرتين	,,
كرسي	ک ر س
كرمت	ک ر م
كرمنا	,,
كره	ک ر ه
كرهتموا	,,
كرهوا	,,
كريم	ک ر م
كساد	ک س د
كسالىٰ	ک س ل
كسب	ک س ب

لفظ	مادہ
كسبا	ک س ب
كسبت	,,
كسبتم	,,
كسبوا	,,
كسف	ک س ف
كسوة	ک س و
كسونا	,,
كشطت	ک ش ط
كشف	ک ش ف
كشفت	,,
كشفنا	,,
كظيم	ک ظ م
كعبة	ک ع ب
كعبين	,,
كف	ک ف ف
كفا	,,
كفىٰ	ک ف ی
كفات	ک ف ت
كفار	ک ف ر
كفارة	,,
كفر	,,
كفران	,,
كفرة	,,
كفرت	,,

لفظ	مادہ
كفرتم	ك ف ر
كفرنا	,,
كفروا	,,
كففت	ك ف ف
كفل	ك ف ل
كفلين	,,
كفؤ	ك ف أ ـ و
كفوا	ك ف ف
كفور	ك ف ر
كفي	ك ف ف
كفيل	ك ف ل
كفينا	ك ف ى
كَلٌّ وكُلٌّ	ك ل ل / كُلّ (حرف)
كَلَا	كَلَا (حرف)
كَلَّا	كَلَّا ,,
كِلَا	أ ك ل
كلالة	ك ل ل

لفظ	مادہ
كلام	ك ل م
كلب	ك ل ب
كلتا	كلا
كلتم	ك ى ل
كلم	ك ل م
كلما	ك ل ل
كلمات	ك ل م
كلمة	,,
كلوا	ا ك ل
كلي	,,
كَمْ	كَمْ (حرف)
كُمْ	كُم (ضمير)
كُمَا	كُمَا ,,
كُمُوا	كُمْ ,,
كُنْ	ك و ن
كُنَّ	ك ن ن
كُنَّ	ك و ن + كُنَّ (ضمير)

لفظ	مادہ
كُنَّا	ك و ن
كُنْتُ	,,
كُنْتُمْ	,,
كُنْتُنَّ	,,
كنز	ك ن ز
كنزتم	,,
كنس	ك ن س
كنود	ك ن د
كوكب/كواكب	ك و ك ب
كونوا	ك و ن
كوني	,,
كهف	ك ه ف
كهل	ك ه ل
كيف	كَيْفَ (حرف)
كي	كَيْ ,,
كيد	ك ى د
كيدوا	,,
كيل	ك ى ل

ل

لفظ	مادہ
ل	لَ (حرف جر)
ل	لَ (حرف تاكيد)
لا	لَا (حرف)
لائم	ل و م

لفظ	مادہ
لابثين	ل ب ث
لَاتَ	لَاتَ
لَاتُّ	لَاتُّ
لازب	ل ز ب

لفظ	مادہ
لاعبين	ل ع ب
لاعنون	ل ع ن
لاغية	ل غ و
لاقي	ل ق ى

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
لَوْ	لَوْ	لوموا	ل و م	لَيْتَ	لَيْتَ
لواحة	ل و ح	لون	ل و ن	ليس	لَيْسَ
لواذ	ل و ذ	لووا	ل و ی	ليست	,,
لواقح	ل ق ح	لَهُ	لَ+هُ	ليسوا	,,
لوامة	ل و م	لهب	ل ه ب	ليل	ل ی ل
لوح	ل و ح	لهو	ل ه و	ليلة	,,
لوط	ل و ط	لي	ل و ی	لين	ل ی ن
لَوْلَا	لَو+لَا	ليال	ل ی ل	لينبذن	ن ب ذ
لَوْمَا	لَوْ+مَا	ليالي	,,	لينة	ل ی ن
لومة	ل و م				

م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ما	مَا	مَاذَا	ماذا	مالكون	م ل ک
مآء	م و ه	مأرب	ا ر ب	مامن	ا م ن
مائة	م ء ی	مارج	م ر ج	مامون	,,
مائتين	,,	مارد	م ر د	مانعة	م ن ع
مآئدة	م ی د	ماروت	ماروت	ماوی	ا و ی
مآب	ا و ب	ماعون	م ع ن	ماهدون	م ه د
مات	م و ت	ماكثون	م ک ث	ماهيه	ما+ هي
ماتوا	,,	ماكرين	م ک ر	مبارک	ب ر ک
ماتي	ا ت ی	ماكول	ا ک ل	مباركة	,,
ماجوج	أ ج ج	مال	م و ل	مبتلي	ب ل و
مَادُمْتَ	د و م	مالئون	م ل أ	مبتلين	,,
مَادُمْتُمْ	,,	مالک	م ل ک	مبثوث	ب ث ث

لفظ	ماده
مبثوثة	ب ث ث
مبدل	ب د ل
مبدي	ب د و
مبذرين	ب ذ ر
مبرءون	ب ر أ
مبرمون	ب ر م
مبسوطتان	ب س ط
مبشر	ب ش ر
مبشرات	,,
مبشرون	,,
مبصر	ب ص ر
مبصرات	,,
مبصرون	,,
مبطلون	ب ط ل
مبعدون	ب ع د
مبعوثون	ب ع ث
مبلسون	ب ل س
مبلغ	ب ل غ
مبوأ	ب و أ
مبين	ب ى ن
مبينات	,,
مبينة	,,
مت	م و ت
متى	مَتَى
متاب	ت و ب
متاع	م ت ع
متبر	ت ب ر
متبرجات	ب ر ج
متبعون	ت ب ع
متتابعين	,,
متجاورات	ج و ر
متجانف	ج ن ف
متحرف	ح ر ف
متحيز	ح ى ز
متخذ	أ خ ذ
متخذات	,,
متراكب	ر ك ب
متربة	ت ر ب
متربص	ر ب ص
متربصون	,,
متردية	ر د ى
مترفوا	ت ر ف
مترفين	,,
متشابه	ش ب ه
متشابهات	,,
متشاكسون	ش ك س
متصدع	ص د ع
متصدقات	ص د ق
متصدقة	ص د ق
متصدقين	,,
مطهرة	ط ه ر
متطهرين	,,
متعال	ع ل و
متعت	م ت ع
متعت	,,
متعتم	,,
متعمدا	ع م د
متعنا	م ت ع
متعوا	,,
متفرقة	ف ر ق
متفرقون	,,
متقابلين	ق ب ل
متقلب	ق ل ب
متقلبان	,,
متقون	و ق ى
متقين	,,
متكأ	و ك أ
متكئون	,,
متكئين	,,
متكبر	ك ب ر
متكبرين	,,
متكلفين	ك ل ف

لفظ	مادہ
متلقیان	ل ق ی
مُتِمّ	ت م م
مُتُّم	م و ت
مِتنا	،،
متنافسون	ن ف س
متوسمین	و س م
متوفی	و ف ی
متوکل	و ک ل
متوکلون	،،
متوکلین	،،
متین	م ت ن
مثابة	ث و ب
مثانی	ث ن ی
مثبور	ث ب ر
مثقال	ث ق ل
مثقلة	،،
مثقلون	،،
مثل	م ث ل
مثلی	،،
مثلات	،،
مثلي	،،
مثنی	ث ن ی
مثوی	ث و ی
مثوبة	ث و ب

لفظ	مادہ
مجالس	ج ل س
مجاهد	ج ه د
مجتمعون	ج م ع
مجذوذ	ج ذ ذ
مجری	ج ر ی
مجرم	ج ر م
مجرمون	،،
مجمع	ج م ع
مجموع	،،
مجموعون	،،
مجنون	ج ن ن
مجوس	مجوس
مجیب	ج و ب
مجید	م ج د
محاریب	ح ر ب
محاسبة	ح س ب
محال	م ح ل
محبة	ح ب ب
محتضر	ح ض ر
محتظر	ح ظ ر
محجوبون	ح ج ب
محجور	ح ج ر
محدث	ح د ث
محذور	ح ذ ر

لفظ	مادہ
محراب	ح ر ب
محرر	ح ر ر
محرم	ح ر م
محرمة	،،
محروم	،،
محرومون	،،
محسن	ح س ن
محسنات	،،
محسنون	،،
محسنین	،،
محسور	ح س ر
محشورة	ح ش ر
محصنات	ح ص ن
محصنة	،،
محصنین	،،
محضر	ح ض ر
محضرون	،،
محظور	ح ظ ر
محفوظ	ح ف ظ
محکمات	ح ک م
محکمة	،،
محل	ح ل ل
محلقین	ح ل ق
محلي	ح ل ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
محله	ح ل ل	مخلصون	خ ل ص	مدهنون	د ه ن
محمد	ح م د	مخلصین	,,	مدین	مدین
محمود	,,	مخلف	خ ل ف	مدینة	م د ن
محونا	م ح و	مخلفون	,,	مدینون	د ی ن
محي	ح ی ی	مخلقة	خ ل ق	مدینین	,,
محیا	,,	مخمصة	خ م ص	مذءوم	ذ ا م
محیص	ح ی ص	مد	م د د	مذبذبین	ذ ب ب
محیض	ح ی ض	مدآئن	م د ن	مذعنین	ذ ع ن
محیط	ح و ط	مداد	م د د	مذکر	ذ ک ر
محیطة	,,	مدبر	د ب ر	مذکور	,,
مخاض	م خ ض	مدبرات	,,	مذموم	ذ م م
مخبتین	خ ب ت	مدبرین	د ب ر	مر	م ر ر
مختال	خ ی ل	مدة	م د د	مرء	م ر أ
مختلف	خ ل ف	مدت	,,	مرآء	م ر ی
مختوم	خ ت م	مدثر	د ث ر	مرات	م ر ر
مخذول	خ ذ ل	مدحضین	د ح ض	مراضع	ر ض ع
مخرج	خ ر ج	مدحور	د ح ر	مراغم	ر غ م
مخرجون	,,	مدخل	د خ ل	مرافق	ر ف ق
مخرجین	,,	مدد	م د د	مرة	م ر ر
مخسرین	خ س ر	مددنا	,,	مرت	,,
مخضرة	خ ض ر	مدرار	د ر ر	مرتاب	ر ی ب
مخضود	خ ض د	مدرکون	د ر ک	مرتان	م ر ر
مخلدون	خ ل د	مدکر	ذ ک ر	مرتفق	ر ف ق
مخلص	خ ل ص	مدهامتان	د ه م	مرتقبون	

لفظ	ماده
مستبشرة	ب ش ر
مستبصرين	ب ص ر
مستبين	ب ی ن
مستخف	خ ف ی
مستخلفين	خ ل ف
مستسلمون	س ل م
مستضعفون	ض ع ف
مستطر	س ط ر
مستطير	ط ی ر
مستعان	ع و ن
مستغفرين	غ ف ر
مستقبل	ق ب ل
مستقدمين	ق د م
مستقر	ق ر ر
مستقيم	ق و م
مستكبر	ک ب ر
مستكبرون	,,
مستمر	م ر ر
مستمسكون	م س ك
مستمع	س م ع
مستمعون	,,
مستنفرة	ن ف ر
مستودع	و د ع
مستور	س ت ر

لفظ	ماده
مستهزؤن	ه ز أ
مستيقنين	ی ق ن
مسجد	س ج د
مسجور	س ج ر
مسجونين	س ج ن
مسح	م س ح
مسحرين	س ح ر
مسحور	,,
مسحورون	,,
مسخر	س خ ر
مسخرات	,,
مسخنا	مسخ
مسد	م س د
مسرف	س ر ف
مسرفون	,,
مسرفين	,,
مسرور	س ر ر
مسطور	س ط ر
مسغبة	س غ ب
مسفرة	س ف ر
مسفوح	س ف ح
مسک	م س ک
مسکن	س ک ن
مسکنة	,,

لفظ	ماده
مسکوب	س ک ب
مسکونة	س ک ن
مسکين	,,
مسلم	س ل م
مسلمات	,,
مسلمة	,,
مسلمون	,,
مسلمين	,,
مسمى	س م و
مسمع	س م ع
مسنا	م س س
مسندة	س ن د
مسنون	س ن ن
مسود	س و د
مسودة	,,
مسومة	س و م
مسومين	,,
مسیء	س و ء
مسيح	م س ح
مسيطر	س ط ر
مسيطرون	,,
مشاء	م ش ی
مشارب	ش ر ب
مشارق	ش ر ق

لفظ	ماده
مشئمة	ش أ م
مشتبه	ش ب ه
مشترکون	ش ر ک
مشحون	ش ح ن
مشرب	ش ر ب
مشرق	ش ر ق
مشرقين	,,
مشرك	ش ر ك
مشركات	,,
مشركة	,,
مشركون	,,
مشركين	,,
مشعر	ش ع ر
مشفقون	ش ف ق
مشكوة	ش ک و
مشكور	ش ک ر
مشوا	م ش ی
مشهد	ش ه د
مشهود	,,
مشي	م ش ی
مشيد	ش ی د
مشيدة	,,
مصابيح	ص ب ح
مصانع	ص ن ع
مصباح	ص ب ح
مصبحين	ص ب ح
مصدق	ص د ق
مصدقات	ص د ق
مصدقين	,,
مصر	م ص ر
مصرخ	ص ر خ
مصروف	ص ر ف
مصطفين	ص ف و
مصفى	,,
مصفر	ص ف ر
مصفوفة	ص ف ف
مصلى	ص ل و
مصلح	ص ل ح
مصلحون	,,
مصلين	ص ل و
مصور	ص و ر
مصيب	ص و ب
مصيبة	,,
مصير	ص ی ر
مصيطر	س ط ر
مضى	م ض ی
مضاجع	ض ج ع
مضار	ض ر ر
مضاعفة	ض ع ف
مضت	م ض ی
مضطر	ض ر ر
مضعفون	ض ع ف
مضغة	م ض غ
مضل	ض ل ل
مضلين	,,
مطاع	ط و ع
مطر	م ط ر
مطففين	ط ف ف
مطلع	ط ل ع
مطلعون	,,
مطلقات	ط ل ق
مطلوب	ط ل ب
مطمئن	ط م ن
مطمئنة	,,
مطمئنين	,,
مطوعين	ط و ع
مطويات	ط و ی
مطهر	ط ه ر
مطهرة	,,
مطهرون	,,
مظلم	ظ ل م
مظلمون	,,

لفظ	ماده
مظلوم	ظ ل م
مَعَ	مع
معاجزين	ع ج ز
معاد	ع و د
معاذ	ع و ذ
معاذير	ع ذ ر
معارج	ع ر ج
معاش	ع ی ش
معايش	,,
معتبين	ع ت ب
معتد	ع د و
معتدون	,,
معتر	ع ر ر
معجز	ع ج ز
معجزين	,,
معدود	ع د د
معدودات	,,
معدودة	,,
معذب	ع ذ ب
معذبون	,,
معذبين	,,
معذرة	ع ذ ر
معذرون	,,
معرة	ع ر ر

لفظ	ماده
معرضون	ع ر ض
معرضين	,,
معروشات	ع ر ش
معروف	ع ر ف
معروفة	,,
معز	م ع ز
معزل	ع ز ل
معزولون	,,
معشار	ع ش ر
معشر	,,
معصرات	ع ص ر
معصية	ع ص ی
معطلة	ع ط ل
معقب	ع ق ب
معقبات	,,
معكوف	ع ک ف
معلقة	ع ل ق
معلم	ع ل م
معلوم	,,
معلومات	,,
معمر	ع م ر
معمور	,,
معوقين	ع و ق
معيشة	ع ی ش

لفظ	ماده
معين	ع ی ن-م ع ن
مغارات	غ و ر
مغارب	غ ر ب
مغاضب	غ ض ب
مغانم	غ ن م
مغتسل	غ س ل
مغرب	غ ر ب
مغربين	,,
مغرقون	غ ر ق
مغرم	غ ر م
مغرمون	,,
مغشي	غ ش ی
مغضوب	غ ض ب
مغفرة	غ ف ر
مغلوب	غ ل ب
مغلولة	غ ل ل
مغنم	غ ن م
مغنون	غ ن ی
مغير	غ ی ر
مغيرات	غ و ر
مفاتح	ف ت ح
مفاتيح	,,
مفاز	ف و ز
مفازة	,,

لفظ	ماده
مفتحة	ف ت ح
مفتر	ف ر ی
مفتری	,,
مفترون	,,
مفتریات	,,
مفتون	ف ت ن
مفر	ف ر ر
مفرطون	ف ر ط
مفروض	ف ر ض
مفسد	ف س د
مفسدون	,,
مفصل	ف ص ل
مفصلات	,,
مفعول	ف ع ل
مفلحون	ف ل ح
مقابر	ق ب ر
مقاعد	ق ع د
مقالید	ق ل د
مقام	ق و م
مقامة	,,
مقامع	ق م ع
مقبوحین	ق ب ح
مقبوضة	ق ب ض
مقت	م ق ت

لفظ	ماده
مقتحم	ق ح م
مقتدر	ق د ر
مقتدرون	,,
مقتدون	ق د و
مقتر	ق ت ر
مقترفون	ق ر ف
مقترنين	ق ر ن
مقتسمين	ق س م
مقتصد	ق ص د
مقتصدة	ق ص د
مقدار	ق د ر
مقدس	ق د س
مقدسة	,,
مقدور	ق د ر
مقربة	ق ر ب
مقربون	,,
مقرنين	ق ر ن
مقسطين	ق س ط
مقسمات	ق س م
مقسوم	,,
مقصرين	ق ص ر
مقصورات	,,
مقضی	ق ض ی
مقطوع	ق ط ع

لفظ	ماده
مقطوعة	ق ط ع
مقعد	ق ع د
مقمحون	ق م ح
مقنطرة	ق ن ط ر
مقنعي	ق ن ع
مقوين	ق و ی
مقيت	ق و ت
مقيل	ق ی ل
مقيم	ق و م
مقيمين	,,
مكاء	م ک و
مكان	ک و ن
مكانة	م ك ن
مكب	ک ب ب
مكة	م ک ك
مكتوب	ک ت ب
مكث	م ک ث
مكذبون	ک ذ ب
مكذوب	,,
مكر	م ک ر
مكرتموا	,,
مكرم	ک ر م
مكرمة	,,
مكرمون	,,

لفظ	ماده
مکرنا	م ک ر
مکروا	,,
مکروه	ک ر ه
مکظوم	ک ظ م
مکابین	ک ل ب
مکن	م ک ن
مکنا	,,
مکنون	ک ن ن
مکیال	ک ی ل
مکیدون	ک ی د
مکین	م ک ن
ملأ	م ل أ
ملء	,,
ملئه	,,
ملائکة	الك - ملك
ملئت	م ل أ
ملاقي	ل ق ی
ملاقوا	,,
ملة	م ل ل
ملتحد	ل ح د
ملجأ	ل ج أ
ملح	م ل ح
ملعونة	ل ع ن
ملعونین	,,

لفظ	ماده
ملقون	ل ق ی
ملقیات	ل ق ی
مَلَك	الك+ملك
مُلْك	م ل ك
ملکت	,,
ملکتم	,,
ملکوت	الك+ملك
ملکین	,,
ملوك	م ل ك
ملوم	ل و م
ملومین	,,
ملی	م ل و
ملیک	م ل ك
ملیم	ل و م
مم	من+ما
مما	,,
مات	م و ت
ممترین	م ر ی
ممد	م د د
ممدود	,,
ممدودة	,,
ممرد	م ر د
ممزق	م ز ق
ممسک	م س ك

لفظ	ماده
ممسکات	م س ك
ممطر	م ط ر
مملوك	م ل ك
ممن	مِنْ + مَنْ
ممنوعة	م ن ع
ممنون	م ن ن
مِنْ	مِنْ
مَنْ	مَنْ
مَنّ	م ن ن
منوة	منوة
مناد	ن د و - ی
منادی	,,
منازل	ن ز ل
مناسک	ن س ك
مناص	ن و ص
مناع	م ن ع
منافع	ن ف ع
منافقات	ن ف ق
منافقون	,,
منافقین	,,
مناکب	ن ك ب
منام	ن و م
منبث	ب ث ث

لفظ	ماده
منتشر	ن ش ر
منتصر	ن ص ر
منتظرون	ن ظ ر
منتقمون	ن ق م
منتهی	ن ه ی
منتهون	,,
منثور	ن ث ر
منجوا	ن ج و
منخنقة	خ ن ق
من ذا	من+ذا
منذر	ن ذ ر
منذرون	,,
منذرين	,,
منزل	ن ز ل
منزلون	,,
منزلين	,,
منسأة *	ن س أ
منسک	ن س ك
منسی	ن س ی
منشآت	ن ش أ
منشئون	,,
منشرة	ن ش ر
منشرين	,,
منشور	,,

لفظ	ماده
منصور	ن ص ر
منضود	ن ض د
منطق	ن ط ق
منظرون	ن ظ ر
منع	م ن ع
منفطر	ف ط ر
منفقون	ن ف ق
منفكين	ف ك ك
منفوش	ن ف ش
منقعر	ق ع ر
منقلب	ق ل ب
منقلبون	,,
منقوص	ن ق ص
منكر	ن ك ر
منكرة	,,
منكرون	,,
مننا	م ن ن
منوع	م ن ع
منون	م ن ن
منهاج	ن ه ج
منهمر	ه م ر
مني	م ن ی
منيب	ن و ب
منيبين	,,

لفظ	ماده
منير	ن و ر
مواخر	م خ ر
موازين	و ز ن
مواضع	و ض ع
مواطن	و ط ن
مواقع	و ق ع
مواقعوا	,,
مواقيت	و ق ت
موئل	و أ ل
موالی	و ل ی
موؤدة	و أ د
موبق	و ب ق
موت	م و ت
موتی	,,
مؤتفكات	أ ف ك
مؤتفكة	,,
موتوا	م و ت
مؤتون	أ ت ی
موثق	و ث ق
موج	م و ج
موجل	أ ج ل
مودة	و د د
مؤذن	أ ذ ن
مور	م و ر

ن

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ن (ثقیله یا خفیفه)	ن	ناشرات	ن ش ر	نبی	ن ب أ
ن (وقایه)	ن	ناشطات	ن ش ط	نبّأت	,,
نا	نا (ضمیر)	ناصبة	ن ص ب	نبات	ن ب ت
نأ	ن أ ی	ناصح	ن ص ح	نبئوا	ن ب أ
نائم	ن و م	ناصحون	,,	نبتغي	ب غ ی
نأتی	أ ت ی	ناصر	ن ص ر	نبتلي	ب ل و
نؤتی	,,	ناصرین	,,	نبتهل	ب ه ل
ناج	ن ج و	ناصیة	ن ص و	نبدل	ب د ل
ناجیتم	,,	ناضرة	ن ض ر	نبذ	ن ب ذ
نأخذ	أ خ ذ	ناظرة	ن ظ ر	نبذت	,,
نادی	ن د و - ی	ناظرین	,,	نبذنا	,,
نادت	,,	ناعمة	ن ع م	نبذوا	,,
نادمین	ن د م	نافقوا	ن ف ق	نبرأ	ب ر أ
نادوا	ن د و - ی	نافلة	ن ف ل	نبرح	ب ر ح
نادی	,,	ناقة	ن و ق	نبشر	ب ش ر
نادیتم	,,	ناقور	ن ق ر	نبطش	ب ط ش
نادینا	,,	ناکبون	ن ک ب	نبعث	ب ع ث
نار	ن و ر	ناکسوا	ن ک س	نبغي	ب غ ی
نازعات	ن ز ع	نأکل	أ ک ل	نبلوا	ب ل و
ناس	ا ن س	ناهون	ن ه ی	نبوئ	ب و أ
ناسکو	ن س ك	نبأ	ن ب أ	نبوة	ن ب أ
ناشئة	ن ش أ	نبؤ	,,	نبي	,,

لفظ	ماده
نبيت	ب ي ت
نبيون	ن ب أ
نبين	ب ي ن
نبيين	ن ب أ
لتبرأ	ب ر أ
نتبع	ت ب ع
نتبوأ	ب و أ
نتجاوز	ج و ز
لتخذ	ا خ ذ
نتخطف	خ ط ف
نتربص	ر ب ص
نترك	ت ر ك
نتقبل	ق ب ل
نتقنا	ن ت ق
نتكلم	ك ل م
نتلو	ت ل و
نتنزل	ن ز ل
نتوفى	و ف ي
نتوكل	و ك ل
نثبت	ث ب ت
نج	ن ج و
نجى	,,
نجاة	,,
نجازى	ج ز ي

لفظ	ماده
نجب	ج و ب
نجد	و ج د
نجدين	ن ج د
نجزى	ج ز ي
نجس	ن ج س
نجعل	ج ع ل
نجم	ن ج م
نجمع	ج م ع
نجني	ن ج و
نجوى	,,
نجوت	,,
نجوم	ن ج م
نجي	ن ج و
نجينا	ن ج و
نحاس	ن ح س
نحب	ن ح ب
نحرق	ح ر ق
نحس	ن ح س
نحسات	,,
نحضر	ح ض ر
نحفظ	ح ف ظ
نحل	ن ح ل
نحلة	,,
نحمل	ح م ل

لفظ	ماده
نحن	نحن
نحي	ح ي ي
نخاف	خ و ف
نختم	خ ت م
نخرة	ن خ ر
نخرج	خ ر ج
نخزى	خ ز ي
نخسف	خ س ف
نخشى	خ ش ي
نخفى	خ ف ي
نخل	ن خ ل
نخلة	,,
نخالف	خ ل ف
نخلق	خ ل ق
نخوض	خ و ض
نخوف	خ و ف
نخيل	ن خ ل
نداء	ن د و - ي
ندامة	ن د م
نداول	د و ل
ندخل	د خ ل
ندرى	د ر ي
ندعوا	د ع و
ندل	د ل ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ندى	ن د و	نزداد	ز ى د	نسف	ن س ف
نذر	ن ذ ر	نزع	ن ز ع	نسفت	,,
نَذَرُ	و ذ ر	نزعنا	,,	نسفع	س ف ع
نذرت	ن ذ ر	نزغ	ن ز غ	نسقط	س ق ط
نذرتم	,,	نزل	ن ز ل	نسقي	س ق ى
نذق	ذ و ق	نزلة	,,	نسك	ن س ك
نذكر	ذ ك ر	نزلت	,,	نسكن	س ك ن
نذل	ذ ل ل	نزلنا	,,	نسل	ن س ل
نذور	ن ذر	نزيد	ز ى د	نسلخ	س ل خ
نذهب	ذ ه ب	نساء	ن س و	نسلك	س ل ك
نذير	ن ذ ر	نسارع	س ر ع	نسلم	س ل م
نذيق	ذ و ق	نسئل	س أ ل	نسم	و س م
نرى	ر أ ى	نسب	ن س ب	نسمع	س م ع
نراود	ر و د	نسبح	س ب ح	نسوا	ن س ى
نرب	ر ب و	نستبق	س ب ق	نسوة	ن س و
نرث	و ر ث	نستحوذ	ح و ذ	نسوق	س و ق
نرد	ر د د	نستحيي	ح ى ى	نسوى	س و ى
نرزق	ر ز ق	نستدرج	د ر ج	نسى	ن س ى
نرسل	ر س ل	نستعين	ع و ن	نسيء	ن س أ
نرفع	ر ف ع	نستنسخ	ن س خ	نسيا	ن س ى
نري	ر أ ى	نسجد	س ج د	نسيت	,,
نريد	ر و د	نسخة	ن س خ	نسيتم	,,
نزاعة	ن ز ع	نسخر	س خ ر	نسير	س ى ر
نزد	ز ى د	نسر	نسر	نسينا	ن س ى

لفظ	ماده
نشاء	ش ی أ
نشأة	ن ش أ
نشتری	ش ر ی
نشد	ش د د
نشر	ن ش ر
نشرت	,,
نشرح	ش ر ح
نشرك	ش ر ك
نشط	ن ش ط
نشور	ن ش ر
نشوز	ن ش ز
نشهد	ش ه د
نصاری	نصاری
نصب	ن ص ب
نصبت	,,
نصبر	ص ب ر
نصح	ن ص ح
نصحت	,,
نصحوا	,,
نصدق	ص د ق
نصر	ن ص ر
نصراني	نصاری
نصرف	ص ر ف
نصرنا	ن ص ر
نصروا	ن ص ر
نصف	ن ص ف
نصلي	ص ل ی
نصوح	ن ص ح
نَصِيبٌ	ن ص ب
نُصِيبُ	ص و ب
نصير	ن ص ر
نضاختان	ن ض خ
نضجت	ن ض ج
نضرب	ض ر ب
نضرة	ن ض ر
نضطر	ض ر ر
نضع	و ض ع
نضيد	ن ض د
نضيع	ض ی ع
نطبع	ط ب ع
نطعم	ط ع م
نطفة	ن ط ف
نطق	ن ط ق
نطمس	ط م س
نطمع	ط م ع
نطوي	ط و ی
نطيحة	ن ط ح
نطيع	ط و ع
نظر	ن ظ ر
نظرة	,,
نظل	ظ ل ل
نظن	ظ ن ن
نعاج	ن ع ج
نعاس	ن ع س
نعبد	ع ب د
نعجة	ن ع ج
نعجز	ع ج ز
نَعُودُ	ع و د
نَعِدُ	و ع د
نَعُدُّ	ع د د
نعذب	ع ذ ب
نعف	ع ف و
نعقل	ع ق ل
نعلم	ع ل م
نعلن	ع ل ن
نعلي	ن ع ل
نعم	ن ع م
نعماء	,,
نعما	نعم+ما
نعمة	ن ع م

لفظ	ماده
نعمر	ع م ر
نعمل	ع م ل
نعود	ع و د
نعيد	,,
نعيم	ن ع م
نغادر	غ د ر
نغرق	غ ر ق
نغرين	غ ر و
نغفر	غ ف ر
نفاثات	ن ف ث
نفاد	ن ف د
نفاق	ن ف ق
نفتن	ف ت ن
نفحة	ن ف ح
نفخ	ن ف خ
نفخة	,,
نفخت	,,
نفخنا	,,
نفد	ن ف د
نفدت	,,
نفر	ن ف ر
نفرغ	ف ر غ
نفرق	ف ر ق
نفس	ن ف س
نفسد	ف س د
نفشت	ن ف ش
نفصل	ف ص ل
نفضل	ف ض ل
نفع	ن ف ع
نفعت	,,
نفعل	ف ع ل
نفق	ن ف ق
نفقات	,,
نفقة	,,
نفقد	ف ق د
نفقه	ف ق ه
نفور	ن ف ر
نفوس	ن ف س
نفير	ن ف ر
نقاتل	ق ت ل
نقب	ن ق ب
نقبوا	,,
نقتبس	ق ب س
نقتل	ق ت ل
نقدر	ق د ر
نقدس	ق د س
نقذف	ق ذ ف
نُقِرَ	ن ق ر
نُقِرُّ	ق ر ر
نقرءه	ق ر أ
نقرب	ق ر ب
نَنقُصُ	ن ق ص
نَقُصُّ	ق ص ص
نقصص	,,
نقض	ن ق ض
نقضت	,,
نقع	ن ق ع
نقعد	ق ع د
نقلب	ق ل ب
نقموا	ن ق م
نقول	ق و ل
نقيب	ن ق ب
نقير	ن ق ر
نقيض	ق ی ض
نقيم	ق و م
نَكُ	ك و ن
نكاح	ن ك ح
نكال	ن ك ل
نكتب	ك ت ب
نكتل	ك ی ل
نكتم	ك ت م
نكث	ن ك ث

لفظ	ماده
نكثوا	ن ک ث
نكح	ن ک ح
نكحتم	,,
نكد	ن ک د
نكذب	ک ذ ب
نكر	ن ک ر
نكروا	,,
نَكْسُوا	ک س و
نُكِسُوا	ن ک س
نكص	ن ک ص
نكفر	ک ف ر
نكلف	ک ل ف
نكلم	ک ل م
نكن	ک و ن
نكون	,,
نكير	ن ک ر
نلزم	ل ز م
نلعب	ل ع ب
نلعن	ل ع ن
نلقي	ل ق ی
نمارق	ن م ر ق
نمتع	م ت ع
نمد	م د د
نمكن	م ک ن

لفظ	ماده
نمل	ن م ل
نملة	,,
نملي	م ل و
نمن	م ن ن
نمنع	م ن ع
نموت	م و ت
نميت	,,
نمير	م ی ر
نميم	ن م م
ننبی	ن ب أ
ننجي	ن ج و
ننزع	ن ز ع
ننزل	ن ز ل
ننس	ن س ی
ننسیٰ	,,
ننسخ	ن س خ
ننسف	ن س ف
ننشئ	ن ش أ
ننشز	ن ش ز
ننصر	ن ص ر
ننظر	ن ظ ر
ننقص	ن ق ص
ننكس	ن ک س
ننهیٰ	ن ه ی
نوی	ن و ی

لفظ	ماده
نواصي	ن ص و
نؤت	ا ت ی
نؤثر	ا ث ر
لوح	لوح
نوحي	و ح ی
نوخر	ا خ ر
نودوا	ن د و - ی
نودي	,,
نور	ن و ر
نورث	و ر ث
نوف	و ف ی
نولي	و ل ی
نوم	ن و م
نومن	ا م ن
نون	ن و ن
نهیٰ	ن ه ی
نهار	ن ه ر
نهتدي	ه د ی
نهدي	,,
نهر	ن ه ر
نهلك	ه ل ك
نهوا	ن ه ی
نهيت	,,
نيسر	ی س ر
نيل	ن و ل

و

لفظ	ماده
و	و
وابل	و ب ل
واثق	و ث ق
واجفة	و ج ف
واحد	و ح د
واحدة	,,
واد	و د ی
وادی المقدس	,,+ق د س
وارث	و ر ث
وارثون	و ر ث
وارد	و ر د
واردون	,,
وازرة	و ز ر
واسع	و س ع
واسعة	,,
واصب	و ص ب
واعدنا	و ع د
واعظ	و ع ظ
واعظين	,,
واعية	و ع ی
واق	و ق ی
واقع	و ق ع

لفظ	ماده
واقعة	و ق ع
وال	و ل ی
والد	و ل د
والدات	,,
والدة	,,
والدين	,,
واهية	و ه ی
وبال	و ب ل
وبيل	,,
وتر	و ت ر
وتين	و ت ن
وثاق	و ث ق
وثقى	,,
وجبت	و ج ب
وجد	و ج د
وجدا	,,
وجدت	,,
وجدتم	,,
وجدنا	,,
وجدوا	,,
وجلة	و ج ل
وجلت	,,

لفظ	ماده
وجلون	و ج ل
وجوه	و ج ه
وجه	,,
وجهة	,,
وجهت	,,
وجيه	,,
وحد	و ح د
وحده	,,
وحوش	و ح ش
وحي	و ح ی
وحيد	و ح د
ودّ	ودّ
ودّ	و د د
ودّ	,,
ودت	,,
ودع	و د ع
ودق	و د ق
ودوا	و د د
ودود	,,
وراء	و ر ی
ورث	و ر ث

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ورثوا	و ر ث	وصيد	و ص د	وقع	و ق ع
ورد	و ر د	وصيلة	و ص ل	وقعة	,,
وردة	,,	وصينا	و ص ى	وقعت	,,
وردوا	,,	وضع	و ض ع	وقفوا	و ق ف
ورق	ورق	وضعت	,,	وقود	و ق د
ورقة	,,	وضعنا	,,	وكز	و ك ز
وريد	و ر د	وطأ	و ط أ	وكل	و ك ل
وزر	و ز ر	وطر	و ط ر	وكلنا	,,
وزن	و ز ن	وعاء	و ع ى	وكيل	,,
وزنوا	,,	وعد	و ع د	ول	و ل ى
وزير	و ز ر	وعدت	,,	ولى	,,
وسط	و س ط	وعدنا	,,	ولاية	,,
وسطى	,,	وعدوا	,,	ولد	و ل د
وسطن	,,	وعظت	و ع ظ	ولدان	,,
وسع	و س ع	وعيد	و ع د	ولدت	,,
وسعت	,,	وفى	و ف ى	ولدن	,,
وسق	و س ق	وفاق	و ف ق	ولوا	و ل ى
وسواس	و س و س	وفد	و ف د	ولي	,,
وسوس	,,	وفيت	و ف ى	وليت	,,
وسوسة	,,	وق	و ق ى	وليتم	,,
وسيلة	و س ل	وقار	و ق ر	وليجة	و ل ج
وصى	و ص ى	وقب	و ق ب	وليد	و ل د
وصف	و ص ف	وقت	و ق ت	ووری	و ر ى
وصلنا	و ص ل	وقر	و ق ر	وهاب	و ه ب
وصية	و ص ى				

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
وهاج	و ه ج	وهبنا	و ه ب	وَيْكَأَنَّ	وی+كأن
وهب	و ه ب	وهن	و ه ن	ويل	و ی ل
وهبت	,,	وهنوا	,,	ويلتى	,,

ه

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ه	ه (ضمیر)	هارون	هارون	هديت	ه د ی
ه	ه (سكته)	هكذا	ها+ك+ذا	هدية	,,
ه	ه (وقف)	هالك	ه ل ك	هدينا	,,
ها	ها (ضمیر)	هالكين	,,	هرب	ه ر ب
ها	ها (حرف تنبیه)	هامان	هامان	هزل	ه ز ل
هَاؤُلَآء	هؤلاء	هامدة	ه م د	هزموا	ه ز م
هاؤم	هاؤم (اسم فعل)	هاوية	ه و ی	هزؤ	ه ز أ
هاتوا	ه ی ت	هٰهنا	هنا	هزى	ه ز ز
هاتين	هذا	هب	و ه ب	هشيم	ه ش م
هاجر	ه ج ر	هباء	ه ب و	هضم	ه ض م
هاجرن	,,	هجر	ه ج ر	هضيم	,,
هاجروا	,,	هد	ه د د	هل	هل
هادوا	ه و د	هدى	ه د ی	هلك	ه ل ك
هادي	ه د ی	هداية	,,	هلم	هَلُمَّ
هٰذا	هٰذا	هدمت	ه د م	هلوع	ه ل ع
هٰذان	,,	هدنا	ه و د	هُمْ	هُمْ
هٰذه	,,	هدوا	ه د ی	هَمَّ	ه م م
هار	ه و ر	هدهد	هدهد	هما	هما
هاروت	هاروت	هدى	ه د ی	هماز	ه م ز

لفظ	ماده
همت	ه م م
همزات	ه م ز
همزة	,,
همس	ه م س
هموا	ه م م
هُنّ	هُنّ
هنالك	هُنَا
هنيئا	ه ن أ
هو	هُوَ
هوى	ه و ى
هواء	,,
هود	ه و د
هون	ه و ن
هِيَ	هِيَ
هيء	ه ى أ
هيئة	,,
هيت	هيت
هيم	ه ى م
هين	ه و ن
هَيِّنَه	هين+ه
هيهات	هيهات

ى

لفظ	ماده
ي	ي (ضمير)
يا	يا (حرف ندا)
ياايها	,,
ياب	أ ب ى
يابس	ى ب س
يابسات	,,
ياتل	أ ل و
ياتمرون	أ م ر
ياتون	أ ت ى
ياتي	,,
ياتيان	,,
ياتين	,,
ياجوج	ياجوج(اجج)
ياخذ	أ خ ذ
ياخذون	أ خ ذ
يوخر	أ خ ر
يودي	أ د ى
ياذن	أ ذ ن
يبعث	ب ع ث
يئس	ى أ س
يئسن	,,
يئسوا	,,
يافكون	أ ف ك
ياقوت	ياقوت
ياكل	أ ك ل
ياكلان	,,
ياكلن	,,
ياكلون	,,
يالمون	أ ل م
يالون	أ ل و
يَا لَيْتَهَا	يا+ليت+ها
يامر	أ م ر
يامرون	,,
يامن	أ م ن
يامنوا	,,
يان	أ ن ى
يَؤُدُ	أ و د
يُؤَدِّ	أ د ى
يؤس	ى أ س
يؤيد	أ ى د
يبايعن	ب ى ع
يبايعون	,,

لفظ	ماده
يبتغ	ب غ ى
يبتغون	,,
يبتكن	ب ت ك
يبتلي	ب ل و
يبث	ب ث ث
يبحث	ب ح ث
يبخس	ب خ س
يبخسون	,,
يبخل	ب خ ل
يبخلون	,,
يبدء	ب د أ
يبدل	ب د ل
يبدلون	,,
يبدون	ب د و
يبدئ	ب د أ
يبدين	ب د و
يبس	ى ب س
يبسط	ب س ط
يبسطوا	,,
يبشر	ب ش ر
يبصر	ب ص ر
يبصرون	,,
يبطئ	ب ط أ
يبطئن	,,
يبطش	ب ط ش
يبطشون	,,
يبطل	ب ط ل
يبعث	ب ع ث
يبعثون	,,
يبغون	ب غ ى
يبغي	,,
يبغيان	,,
يبقى	ب ق ى
يبكون	ب ك ى
يبلى	ب ل ى
يبلس	ب ل س
يبلغ	ب ل غ
يبلغا	,,
يبلغوا	,,
يبلغون	,,
يبلو	ب ل و
يبلون	,,
يبلي	,,
يبور	ب و ر
يبيتون	ب ى ت
يبين	ب ى ن
يتاخر	أ خ ر
يتامى	ى ت م
يتبدل	ب د ل
يتبروا	ت ب ر
يتبع	ت ب ع
يتبعون	,,
يتبوء	ب و أ
يتبين	ب ى ن
يتجرع	ج ر ع
يتجنب	ج ن ب
يتحاجون	ح ج ج
يتحاكموا	ح ك م
يتخافتون	خ ف ت
يتخبط	خ ب ط
يتخذ	أ خ ذ
يتخذون	,,
يتخطف	خ ط ف
يتخلفون	خ ل ف
يتخيرون	خ ى ر
يتدبرون	د ب ر
يتذكر	ذ ك ر
يتذكرون	,,
يتر	و ت ر
يتراجعا	ر ج ع
يتربص	ر ب ص
يتربصن	,,

لفظ	مادہ
یتربصون	ر ب ص
یترددون	ر د د
یترقب	ر ق ب
یترقبون	,,
یترك	ت ر ك
یترکوا	,,
یتزکی	ز ک و
یتساءلون	س أ ل
یتسللون	س ل ل
یتسنه	س ن ه
یتضرعون	ض ر ع
یتطهر	ط ه ر
یتطهرون	,,
یتعارفون	ع ر ف
یتعد	ع د و
یتعلمون	ع ل م
یتغامزون	غ م ز
یتغیر	غ ی ر
یتفجر	ف ج ر
یتفرقا	ف ر ق
یتفرقون	,,
یتفضل	ف ض ل
یتفطرن	ف ط ر
یتفقهوا	ف ق ه
یتفکرون	ف ک ر
یتفیؤا	ف ی أ
یتقبل	ق ب ل
یتقدم	ق د م
یتقون	و ق ی
یتقی	,,
یتکئون	و ک أ
یتکبرون	ک ب ر
یتکلم	ک ل م
یتکلمون	,,
یتلی	ت ل و
یتلاومون	ل و م
یتلطف	ل ط ف
یتلقی	ل ق ی
یتلو	ت ل و
یتلون	,,
یتم	ت م م
یتماسا	م س س
یتمتعون	م ت ع
یتمطی	م ط ی
یتمنوا	م ن ی
یتمنون	,,
یتناجون	ن ج و
یتنازعون	ن ز ع
یتنافس	ن ف س
یتناهون	ن ه ی
یتنزل	ن ز ل
یتواری	و ر ی
یتوب	ت و ب
یتوبون	,,
یتوفی	و ف ی
یتوفون	,,
یتوکل	و ک ل
یتوکلون	,,
یتولی	و ل ی
یتولون	,,
یتیم	ی ت م
یتیمین	,,
یتیهون	ت ی ه
یثبت	ث ب ت
یثبتوا	,,
یثخن	ث خ ن
یثرب	ث ر ب
یثقفوا	ث ق ف
یثنون	ث ن ی
یجادل	ج د ل
یجادلون	,,
یجار	ج و ر

لفظ	ماده
يجارون	ج أ ر
يجاورون	ج و ر
يجاهد	ج ه د
يجاهدون	,,
يجبٰى	ج ب ى-و
يجتبى	,,
يجتنبون	ج ن ب
يجحد	ج ح د
يجحدون	,,
يجد	و ج د
يجدون	,,
يجر	ج ر ر
يجرم	ج ر م
يجري	ج ر ى
يجزى	ج ز ى
يجزون	,,
يجعل	ج ع ل
يجعلون	,,
يجلي	ج ل و
يجمحون	ج م ح
يجمع	ج م ع
يجمعون	,,
يجنب	ج ن ب
يجهلون	ج ه ل

لفظ	ماده
يجيب	ج و ب
يجير	ج و ر
يحاجون	ح ج ج
يحادون	ح د د
يحاربون	ح ر ب
يحاسب	ح س ب
يحاط	ح و ط
يحافظون	ح ف ظ
يحاور	ح و ر
يحب	ح ب ب
يحبب	,,
يحبرون	ح ب ر
يحبس	ح ب س
يحبط	ح ب ط
يحبطن	,,
يحبون	ح ب ب
يحتسب	ح س ب
يحتسبون	,,
يحتسبوا	,,
يحدث	ح د ث
يحذر	ح ذ ر
يحذرون	,,
يحرفون	ح ر ف
يحرم	ح ر م

لفظ	ماده
يحرمون	ح ر م
يحزن	ح ز ن
يحزنون	,,
يحسب	ح س ب
يحسبون	,,
يحسدون	ح س د
يحسنون	ح س ن
يحشر	ح ش ر
يحشرون	,,
يحض	ح ض ض
يحضرون	ح ض ر
يحضن	ح ى ض
يحطم	ح ط م
يحف	ح ف ى-و
يحفظن	ح ف ظ
يحفظون	,,
يحق	ح ق ق
يحكم	ح ک م
يحكمان	,,
يحكمون	,,
يحل	ح ل ل
يحلفون	ح ل ف
يحلل	ح ل ل
يحلون	,,

لفظ	ماده
يحملون	ح ل ى
يحمي	ح م ى
يحمدوا	ح م د
يحمل	ح م ل
يحملن	,,
يحملون	,,
يحموم	ح م م
يحور	ح و ر
يحول	ح و ل
يحيى	ح ى ى
يحيى	يحيى
يحيطون	ح و ط
يحيق	ح ى ق
يخادعون	خ د ع
يخاف	خ و ف
يخافون	,,
يخافا	,,
يخالفون	خ ل ف
يختار	خ ى ر
يختانون	خ و ن
يختص	خ ص ص
يختلفون	خ ل ف
يختم	خ ت م
يخدعون	خ د ع

لفظ	ماده
يخذل	خ ذ ل
يخربون	خ ر ب
يخرج	خ ر ج
يخرجا	,,
يخرجن	,,
يخرجون	,,
يخرصون	خ ر ص
يخرون	خ ر ر
يخزي	خ ز ى
يخسر	خ س ر
يخسرون	,,
يخسف	خ س ف
يخشى	خ ش ى
يخشون	,,
يخصفان	خ ص ف
يخصمون	خ ص م
يخطف	خ ط ف
يخفى	خ ف ى
يخفف	خ ف ف
يخفون	خ ف ى
يخفين	,,
يخل	خ ل و
يخلد	خ ل د
يخلف	خ ل ف

لفظ	ماده
يخلفون	خ ل ف
يخلق	خ ل ق
يخلقون	,,
يخوضون	خ و ض
يخوف	خ و ف
يخوفون	,,
يخيل	خ ى ل
يد	ى د ى
يدا	,,
يدافع	د ف ع
يدبر	د ب ر
يدبروا	,,
يدحضوا	د ح ض
يدخل	د خ ل
يدخلون	,,
يدرؤن	د ر أ
يدرسون	د ر س
يدرك	د ر ك
يدري	د ر ى
يدس	د س س
يدع	د ع و
يدع	د ع ع
يدعى	د ع و
يدعو	,,

لفظ	ماده
يدعون	د ع و
يُدَعُّونَ	د ع ع
يدمغ	د م غ
يدنين	د ن و
يدهنون	د ه ن
يدى	ى د ى
يدينون	د ى ن
يذبح	ذ ب ح
يذبحون	,,
يذر	و ذ ر
يذرون	,,
يذكر	ذ ک ر
يذكرون	,,
يذوق	ذ و ق
يذوقون	,,
يذهب	ذ ه ب
يذهبا	,,
يذهبن	,,
يذهبوا	,,
يذيق	ذ و ق
يرى	ر أ ى
يراءون	,,
يراد	ر و د
يربط	ر ب ط
يربوا	ر ب و
يربي	,,
يرتاب	ر ى ب
يرتابوا	,,
يرتد	ر د د
يرتدد	,,
يرتع	ر ت ع
يرتقوا	ر ق ى
يرث	و ر ث
يرثون	,,
يرجع	ر ج ع
يرجعون	,,
يرجموا	ر ج م
يرجوا	ر ج و
يرجون	,,
يرحم	ر ح م
يُرَدُّ	ر د د
يُرِدْ	ر و د
يَرُدُّوا	ر د د
يردون	,,
يردن	ر و د
يُرْدُوا	ر د ى
يرزق	ر ز ق
يرزقون	ر ز ق
يرسل	ر س ل
يرشدون	ر ش د
يرضى	ر ض ى
يرضعن	ر ض ع
يرضون	ر ض ى
يرضين	,,
يرغب	ر غ ب
يرغبون	,,
يرغبوا	,,
يرفع	ر ف ع
يرقبون	ر ق ب
يركبون	ر ک ب
يركضون	ر ک ض
يركعون	ر ک ع
يركم	ر ک م
يرمون	ر م ى
يرمي	,,
يروا	ر أ ى
يرون	,,
يرهبون	ر ه ب
يرهق	ر ه ق
يري	ر أ ى
يريد	ر و د

لفظ	ماده
يريدان	ر و د
يريدون	,,
يريكموا	ر أ ى+كم
يزال	ز و ل
يزالون	,,
يزجي	ز ج و
يزداد	ز ى د
يزدادوا	,,
يزرون	و ز ر
يزعمون	ز ع م
يزفون	ز ف ف
يزكى	ز ك و
يزكون	,,
يزلقون	ز ل ق
يزنون	ز ن ى
يزنين	,,
يزوج	ز و ج
يزيد	ز ى د
يزيدون	,,
يزيغ	ز ى غ
يسارعون	س ر ع
يساقون	س و ق
يسئل	س أ ل
يسئلون	,,

لفظ	ماده
يسام	س أ م
يسامون	,,
يسبتون	س ب ت
يسبح	س ب ح
يسبحن	,,
يسبحون	,,
يسبق	س ب ق
يسبقون	,,
يسبوا	س ب ب
يستاخرون	أ خ ر
يستاذن	أ ذ ن
يستاذنون	,,
يستبدل	ب د ل
يستبدلون	,,
يستبشرون	ب ش ر
يستثنون	ث ن ى
يستجيب	ج و ب
يستجيبون	,,
يستحبون	ح ب ب
يستحسرون	ح س ر
يستحيون	ح ى ى
يستحيي	,,
يستخرجا	خ ر ج
يستخف	خ ف ف

لفظ	ماده
يستخفون	خ ف ى
يستخلف	خ ل ف
يستسخرو	س خ ر
يستصرخ	ص ر خ
يستضعف	ض ع ف
يستضعفون	,,
يستطع	ط و ع
يستطيع	,,
يستطيعون	,,
يستعتبوا	ع ت ب
يستعتبون	,,
يستعجل	ع ج ل
يستعجلون	,,
يستعفف	ع ف ف
يستعففن	,,
يستغشون	غ ش ى
يستغفر	غ ف ر
يستغفرون	,,
يستغيثان	غ و ث
يستغيثوا	,,
يستفتحون	ف ت ح
يستفتون	ف ت ى
يستفز	ف ز ز
يستفزون	,,

لفظ	ماده
يشاقق	ش ق ق
يشترون	ش ر ى
يشتري	,,
يشتهون	ش ه و
يشرب	ش ر ب
يشربون	,,
يشرح	ش ر ح
يشرك	ش ر ك
يشركن	,,
يشركون	,,
يشرون	ش ر ى
يشري	,,
يشعر	ش ع ر
يشعرون	,,
يشفع	ش ف ع
يشفعون	,,
يشفي	ش ف ى
يشقى	ش ق ى-و
يشقق	ش ق ق
يشقي	ش ق ى-و
يشكر	ش ک ر
يشكرون	,,
يشوي	ش و ى
يشهد	ش ه د

لفظ	ماده
يشهدون	ش ه د
يصب	ص ب ب
يصبح	ص ب ح
يصبحوا	,,
يصبر	ص ب ر
يصبروا	,,
يصحبون	ص ح ب
يصد	ص د د
يصدر	ص د ر
يصدعون	ص د ع
يصدفون	ص د ف
يصدق	ص د ق
يصدقوا	,,
يصدقون	,,
يصد	ص د د
يصدوا	,,
يصدون	,,
يصدن	,,
يصر	ص ر ر
يصرف	ص ر ف
يصرفون	,,
يصرمون	ص ر م
يصرمن	,,
يصروا	ص ر ر

لفظ	ماده
يصرون	ص ر ر
يصطرخون	ص ر خ
يصطفي	ص ف و
يصعد	ص ع د
يصعقون	ص ع ق
يصفحوا	ص ف ح
يصفون	و ص ف
يصلى	ص ل ى
يصلب	ص ل ب
يصلبوا	,,
يصلح	ص ل ح
يصلحا	,,
يصلحون	,,
يَصْلَوْنَ	ص ل ى
يَصِلُونَ	و ص ل
يُصَلُّونَ	ص ل و
يصلي	,,
يصم	ص و م
يصنع	ص ن ع
يصنعون	,,
يصور	ص و ر
يصهر	ص ه ر
يصيب	ص و ب
يضار	ض ر ر

لفظ	ماده
يضاعف	ض ع ف
يضاهئون	ض ه ی
يضحكون	ض ح ك
يضر	ض ر ر
يضرب	ض ر ب
يضربن	,,
يضربون	,,
يضرعون	ض ر ع
يضرون	ض ر ر
يضع	و ض ع
يضعن	و ض ع
يضل	ض ل ل
يضلل	,,
يضلون	,,
يضيء	ض و أ
يضيع	ض ی ع
يضيفوا	ض ی ف
يضيق	ض ی ق
يطاع	ط و ع
يطاف	ط و ف
يطئون	و ط أ
يطبع	ط ب ع
يطعم	ط ع م
يطعمون	,,

لفظ	ماده
يطغى	ط غ ی
يطفئوا	ط ف أ
يطلب	ط ل ب
يطلع	ط ل ع
يطمئن	ط م ن
يطمث	ط م ث
يطمع	ط م ع
يطمعون	,,
يطوف	ط و ف
يطوفوا	,,
يطوفون	,,
يطوقون	ط و ق
يطهر	ط ه ر
يطهرن	,,
يطير	ط ی ر
يطيروا	,,
يطيع	ط و ع
يطيعون	,,
يطيقون	ط و ق
يظاهرون	ظ ه ر
يظللن	ظ ل ل
يظلم	ظ ل م
يظلمون	,,
يظن	ظ ن ن

لفظ	ماده
يظنون	ظ ن ن
يظهر	ظ ه ر
يظهرون	,,
يعبؤ	ع ب أ
يعبد	ع ب د
يعبدوا	,,
يعبدون	,,
يعتدون	ع د و
يعتذرون	ع ذ ر
يعتزلوا	ع ز ل
يعتصم	ع ص م
يعجب	ع ج ب
يعجز	ع ج ز
يعجزون	,,
يعجل	ع ج ل
يعد	و ع د
يعدلون	ع د ل
يعدون	ع د و
يعذب	ع ذ ب
يعرج	ع ر ج
يعرجون	,,
يعرشون	ع ر ش
يعرض	ع ر ض
يعرضوا	,,

لفظ	ماده
يعرضون	ع ر ض
يعرف	ع ر ف
يعرفن	,,
يعرفون	,,
يعزب	ع ز ب
يعش	ع ش و
يعص	ع ص ى
يعصرون	ع ص ر
يعصم	ع ص م
يعصون	ع ص ى
يعصين	,,
يعض	ع ض ض
يعطوا	ع ط و
يعطي	,,
يعظ	و ع ظ
يعظم	ع ظ م
يعفوا	ع ف و
يعفون	,,
يعقب	ع ق ب
يعقل	ع ق ل
يعقلون	,,
يَعْقُوبُ	يَعْقُوبُ
يعكفون	ع ك ف
يعلم	ع ل م
يعلمان	ع ل م
يعلمون	,,
يعلنون	ع ل ن
يعمر	ع م ر
يعمروا	,,
يعمل	ع م ل
يعملون	,,
يعمهون	ع م ه
يعودون	ع و د
يعوذون	ع و ذ
يعوق	يَعُوقُ
يعيد	ع و د
يعيدوا	,,
يعي	ع ى ى
يغاث	غ و ث
يغاثوا	,,
يغادر	غ د ر
يغتب	غ ى ب
يغر	غ ر ر
يغرر	,,
يغرق	غ ر ق
يغرن	غ ر ر
يغشى	غ ش ى
يغشي	,,
يغضضن	غ ض ض
يغضون	,,
يغفر	غ ف ر
يغفرون	,,
يغل	غ ل ل
يغلب	غ ل ب
يغلبوا	,,
يغلبون	,,
يغلل	غ ل ل
يغلي	غ ل و ى
يغنوا	غ ن ى
يغني	,,
يغنيا	,,
يَغُوثُ	يَغُوثُ
يغوصون	غ و ص
يغوي	غ و ى
يغير	غ ى ر
يغيروا	,,
يغيظ	غ ى ظ
يفتح	ف ت ح
يفتدوا	ف د ى
يفتدي	,,
يفتر	ف ت ر
يفترى	ف ر ى

لفظ	ماده
یفترون	ف ر ی
یفتری	,,
یفترین	,,
یفتن	ف ت ن
یفتنون	,,
یفتنن	,,
یفتی	ف ت ی
یفجر	ف ج ر
یفجرون	,,
یفر	ف ر ر
یفرح	ف ر ح
یفرحون	,,
یفرط	ف ر ط
یفرطون	,,
یفرق	ف ر ق
یفرقون	,,
یفسح	ف س ح
یفسد	ف س د
یفسدون	,,
یفسقون	ف س ق
یفصل	ف ص ل
یفعل	ف ع ل
یفعلون	,,
یفقهون	ف ق ه

لفظ	ماده
یفلح	ف ل ح
یفلحون	,,
یقاتل	ق ت ل
یقاتلون	,,
یقال	ق و ل
یقبض	ق ب ض
یقبضن	,,
یقبضون	,,
یقبل	ق ب ل
یقتتلان	ق ت ل
یقترف	ق ر ف
یقترفون	,,
یقتروا	ق ت ر
یقتل	ق ت ل
یقتلن	,,
یقتلوا	,,
یقتلون	,,
یقدر	ق د ر
یقدرون	,,
یقدم	ق د م
یقذف	ق ذ ف
یقذفون	,,
یقرءون	ق ر أ
یقربوا	ق ر ب

لفظ	ماده
یقرض	ق ر ض
یقسم	ق س م
یقسمان	,,
یقسمون	,,
یقص	ق ص ص
یقصرون	ق ص ر
یقصون	ق ص ص
یقضی	ق ض ی
یقضون	,,
یقطع	ق ط ع
یقطعون	,,
یقطین	یقطین
یقلب	ق ل ب
یقلل	ق ل ل
یقنت	ق ن ت
یقنط	ق ن ط
یقنطون	,,
یقول	ق و ل
یقولا	,,
یقولون	,,
یقوم	ق و م
یقومان	,,
یقیما	,,
یقیموا	,,

لفظ	ماده
يقيمون	ق و م
يقين	ى ق ن
يَكُ	ك و ن
يكاد	ك و د
يكادون	,,
يكبت	ك ب ت
يكبر	ك ب ر
يكبروا	,,
يكتب	ك ت ب
يكتبون	,,
يكتم	ك ت م
يكتمن	,,
يكتمون	,,
يكد	ك و د
يكذب	ك ذ ب
يكذبون	,,
يكره	ك ر ه
يكرهون	,,
يكسب	ك س ب
يكسبون	,,
يكشف	ك ش ف
يكف	ك ف ف
يكفِ	ك ف ى
يكفر	ك ف ر
يكفروا	,,

لفظ	ماده
يكفرون	ك ف ر
يكفل	ك ف ل
يكفلون	,,
يكفون	ك ف ف
يكفي	ك ف ى
يكلؤ	ك ل أ
يكلف	ك ل ف
يكلم	ك ل م
يَكُنْ	ك و ن
يكنزون	ك ن ز
يكور	ك و ر
يكون	ك و ن
يكونا	,,
يكونون	,,
يكيدون	ك ى د
يلاقوا	ل ق ى
يلبثون	ل ب ث
يلبس	ل ب س
يلبسوا	,,
يلبسون	,,
يلت	و ل ت
يلتفت	ل ف ت
يلتقط	ل ق ط
يلتقيان	ل ق ى

لفظ	ماده
يلج	و ل ج
يلحدون	ل ح د
يلحقوا	ل ح ق
يلد	و ل د
يلدوا	,,
يلعب	ل ع ب
يلعبون	,,
يلعن	ل ع ن
يلفظ	ل ف ظ
يلق	ل ق ى
يلقى	,,
يلقوا	,,
يلقون	,,
يلمز	ل م ز
يلمزون	,,
يلون	و ل ى
يلوون	ل و ى
يله	ل ه و
يلهث	ل ه ث
يم	ى م م
يمارون	م ر ى
يمت	م و ت
يمترون	م ر ى
يمتع	م ت ع

لفظ	ماده
يمتعون	م ت ع
يمح	م ح و
يمحص	م ح ص
يمحق	م ح ق
يمحو	م ح و
يمد	م د د
يمدد	,,
يمدون	,,
يمرون	م ر ر
يمس	م س س
يمسس	,,
يمسك	م س ك
يمسكون	,,
يمشون	م ش ى
يمشي	,,
يمكث	م ک ث
يمكر	م ک ر
يمكرون	,,
يمكن	م ک ن
يمكنن	,,
يمل	م ل ل
يملك	م ل ك
يملكون	,,
يملل	م ل ل
يمن	م ن ن
يمنى	م ن ى
يمنعون	م ن ع
يمنون	م ن ن
يمني	م ن ى
يموت	م و ت
يموتون	,,
يموتوا	,,
يموج	م و ج
يمهدون	م ه د
يميت	م و ت
يميز	م ى ز
يميلون	م ى ل
يمين	ى م ن
ينابيع	ن ب ع
ينادون	ن د ى-و
ينادي	,,
ينازع	ن ز ع
ينال	ن و ل
ينالون	,,
ينئون	ن أ ى
ينبئ	ن ب أ
ينبأ	,,
ينبت	ن ب ت
ينبذ	ن ب ذ
ينبغي	ب غ ى
ينبوع	ن ب ع
ينتصرون	ن ص ر
ينتظر	ن ظ ر
ينتظرون	,,
ينتقم	ن ق م
ينته	ن ه ى
ينتهون	,,
ينجي	ن ج و
ينحتون	ن ح ت
ينذر	ن ذ ر
ينذرون	,,
ينزع	ن ز ع
ينزغ	ن ز غ
ينزغنك	,,
ينزفون	ن ز ف
ينزل	ن ز ل
ينسى	ن س ى
ينسخ	ن س خ
ينسف	ن س ف
ينسلون	ن س ل
ينسي	ن س ى

لفظ	ماده
ينشؤا	ن ش أ
ينشئ	,,
ينشر	ن ش ر
ينشرون	,,
ينصر	ن ص ر
ينصرون	,,
ينطق	ن ط ق
ينطقون	,,
ينطلق	ط ل ق
ينظر	ن ظ ر
ينظرون	,,
ينع	ى ن ع
ينعق	ن ع ق
ينغضون	ن غ ض
ينفخ	ن ف خ
ينفد	ن ف د
ينفروا	ن ف ر
ينفضوا	ف ض ض
ينفع	ن ف ع
ينفعون	,,
ينفق	ن ف ق
ينفقون	,,
ينفوا	ن ف ى
ينقذون	ن ق ذ
ينقص	ن ق ص
ينقصوا	,,
ينقض	ق ض ض
ينقضون	ن ق ض
ينقلب	ق ل ب
ينقلبون	,,
ينكث	ن ك ث
ينكثون	,,
ينكح	ن ك ح
ينكحن	,,
ينكر	ن ك ر
ينكرون	,,
ينكسون	ن ك س
ينهى	ن ه ى
ينهون	,,
ينيب	ن و ب
يواخذ	أ خ ذ
يوادون	و د د
يوارى	و ر ى
يواطئوا	و ط أ
يوبق	و ب ق
يؤت	أ ت ى
يوتى	,,
يوتون	,,
يوثر	أ ث ر
يوثرون	,,
يوثق	و ث ق
يوجه	و ج ه
يوح	و ح ى
يوحوا	,,
يوحون	,,
يوحي	,,
يوخذ	أ خ ذ
يؤخر	أ خ ر
يُؤَدِّ	أ د ى
يَوَدُّ	و د د
يودون	,,
يوذن	أ ذ ن
يؤذون	أ ذ ى
يؤذي	أ ذ ى
يؤذين	,,
يورث	و ر ث
يوزعون	و ز ع
يُوسُفُ	يوسف
يوسوس	و س و س
يوصى	و ص ى
يوصل	و ص ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یوصین	و ص ی	یوقنون	ی ق ن	یهبط	ه ب ط
یوعدون	و ع د	یول	و ل ی	یهتدون	ه د ی
یوعظ	و ع ظ	یولج	و ل ج	یهجعون	ه ج ع
یوعظون	,,	یولد	و ل د	یهد	ه د ی
یوعون	و ع ی	یولف	ا ل ف	یهدی	,,
یوف	و ف ی	یولون	و ل ی	یهدون	ه د ی
یوف	,,	یولون	ا ل و	یهرعون	ه ر ع
یوفضون	و ف ض	یوم	ی و م	یهزم	ه ز م
یوفق	و ف ق	یومئذ	,,+اذا	یهلك	ه ل ك
یوفك	أ ف ك	یومرون	ا م ر	یهلكون	,,
یوفكون	,,	یومن	ا م ن	یهن	ه و ن
یوفون	و ف ی	یومنون	,,	یهود	یهود
یوفي	,,	یومین	ی و م	یهودي	یهود
یوق	و ق ی	یونس	یونس	یهیء	ه ی أ
یوقد	و ق د	یهاجر	ه ج ر	یهیج	ه ی ج
یوقدون	و ق د	یهاجروا	,,	یهیمون	ه ی م
یوقع	و ق ع	یهب	و ه ب	ییئس	ی أ س

اغـــلاط نـامه مبادیات و فهرست

کوشش کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ ان غلطیوں کی تصحیح ابھی کر لیں۔ ان میں بعض مقامات پر تو صرف حروف اڑ گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۷ سطر ۱۰- کم کرنے والا۔ صفحہ ۱۴- نہی کے صیغے۔ صفحہ ۲۷- مر بجائے امر۔ صفحہ ۳۴ سطر ۱۲- مضارع۔ صفحہ ۴۸- وزان بجائے اوزان۔ لیکن ذیل کی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اثر معانی پر پڑتا ہے اس لئے ان کی تصحیح بہت ضروری ہے۔

صفحہ	سطر	تصحیح
۲۲	۵	فَعَلَ کی جگہ فَعِلَ
۳۵	۱	اِفتَعالَ کی جگہ اِفْتَعَالَ
۳۵	۵	یَـوَاعَدُ کی جگہ یُـوَاعَدُ
۳۹	٦	اِستَتبِعْ کی جگہ اِستَتبِعْ
۷۵		آنَسَ کے سامنے ا ن س
۷٦		بوا کی جگہ ابوا
۸۸		اقطار کے سامنے ق ط ر
۸۹		الهم کے سامنے ل ہ م
۱۰۳		تصبر کے سامنے ص ب ر
۱۱۳		حصل کے سامنے ح ص ل
۱۲۳		زالتا کے سامنے ز و ل
۱۲۵		ساھرۃ کے سامنے س ھ ر
۱۳۱		صلی کی جگہ صلیٰ
۱۵۱		مُـتِمُّ کے سامنے ت م م
		متوکل کے سامنے و ك ل
۱٦۱		نا کے سامنے نا
۱٦۲		تتبراء کی جگہ تتبرأ
۱٦۳		تذھب کے سامنے ذ ھ ب
۱۷۳		یحکم کے سامنے ح ک م
۱۷۷		یسفی کے بجائے یسقی
۱۷۸		پہلا کالم آخری سطر کے بجائے یشھد۔ شر ھ د
۱۸۳		یؤذون کے سامنے ا ذ ی


تتمة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تتمہ

ہم نے لغات القرآن، جلد اول (صفحہ ۴۳) پر لکھا تھا کہ اگر لغات کی طباعت کے دوران، مزید غور و فکر سے بعض اہم نکات سامنے آئے، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور موصول ہوئے، تو آخری جلد کے ساتھ ایک تتمہ شائع کر دیا جائیگا۔ یہ تتمہ اسی مقصد کے پیش نظر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں بیشتر اضافے یا ترمیمات جلد اول سے متعلق ہیں۔

جہانتک طباعت کی غلطیوں کا تعلق ہے، ان میں سے صرف انہی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے جن سے مفہوم پر اثر پڑتا تھا۔ دیگر معمولی غلطیوں، یا آیات میں بعض مقامات پر اعراب کی غلطیوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب اردو کے ٹائپ میں عربی عبارت چھاپی جائے تو اس میں اعراب کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ آیات کا قرآن کریم کے نسخے سے مقابلہ کر لینا چاہئے۔ یہ ضروری ہے۔

ان اضافوں یا تبدیلیوں کے بعد بھی یہ دعوےٰ نہیں کیا جاسکتا کہ جو کچھ اس لغات میں لکھا گیا ہے وہ حرف آخر ہے۔ یہ بہرحال ایک انسانی کوشش ہے جس میں اصلاح کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے۔

مبادیات

صفحہ ۱۵ ۔ سطر ۹ ۔ ”جو اسم بنتے ہیں“ میں ”اسم“ کی جگہ ”فعل“ ہونا چاہئے۔

تمہید

ہم نے صفحہ ۳۷ ۔ نمبر (۳) کے تحت لکھا ہے کہ مادوں میں جہاں ”و“ یا ”ی“ آئے وہاں مادہ کا تعین کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب مادہ کا آخری حرف ”و“ یا ”ی“ ہو تو اس

مادہ میں بیشتر ''و'' یا ''ی'' دونوں ہی شکلیں جائز ہوتی ہیں - ایسے مادوں کو جن کے آخر میں ہم نے ''و'' دیا ہے، ''ی'' میں بھی دیکھ لینا چاہئے - بعض جگہ ہم نے فہرست میں مادہ بتاتے ہوئے آخری حرف ''و'' لکھ دیا ہے لیکن لغت میں آخر میں ''و'' کی بجائے ''ی'' ہے - مثلاً آسیٰ، تَاَسَّ - تاسوا - اسوۃ - میں ہم نے مادہ بتاتے وقت ''ا س و'' لکھا ہے اور لغت میں ان کی تشریح ''ا - س - ی'' کے عنوان کے تحت دی گئی ہے - لہذا جہاں مادہ کے آخر میں ''و'' ہو اور وہ ''و'' میں نہ ملے تو اس کے ساتھ ''ی'' میں بھی دیکھ لیجئے - اسی طرح جہاں مادہ کا آخری حرف ''ی'' ہو اور وہ ''ی'' میں نہ ملے تو ایسے ''و'' میں بھی دیکھ لیجئے -

بعض الفاظ جو قرآن کریم میں نہیں ملتے اور فہرست میں آ گئے ہیں :—

لفظ	مادہ
بائع	ب ی ع
بدعۃ	ب د ع
ذہ	ذ ا
کفا	ک ف ف
محاسبۃ	ح س ب

(۴) ایک اہم بات حروف تہجی کی ترتیب کے ضمن میں ہے۔ عربی زبان میں (ن ۔ و ۔ ہ) بھی ترتیب وار لکھتے ہیں اور (ن ۔ ہ ۔ و) بھی۔ ہم نے "فہرست الفاظ قرآنی" میں (ن ۔ و ۔ ہ) کی ترتیب کو ملحوظ رکھا لیکن اصل لغات میں سہواً یہ ترتیب (ن ۔ ہ ۔ و) کی ہو گئی۔ یہی ترتیب شروع سے اخیر تک چلی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو لغات میں (ن) کے بعد (ہ) ملیگی اور اس کے بعد (و)۔ مادے تلاش کرتے وقت اس ترتیب کو ذہن میں رکھئے۔ واضح رہے کہ مادوں میں تو "ہ" کے بعد "و" کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے لیکن خود حرف "و" لغت میں "ہ" سے پہلے ملے گا۔ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۶۸۰) اور (۱۷۹۷)۔

اب اصل لغات کی طرف آئیے۔

ءُ
أ

صفحہ ۱۹۰

نمبر (۵) میں اَلَمْ تَرَ برائے تعجب بتایا گیا ہے، لیکن اس قسم کا مرکب عموماً دعوت غور و فکر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "اَفَلَا" اور "اَوَلَا"، اَفَلَمْ اور اَوَلَمْ وغیرہ بھی۔

ا ب د

صفحہ ۱۹۲

دوسرے پیریگراف کے آخری حصہ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جہنم کی بالآخر کوئی حد زمانی ہے، اس کے بعد جہنم ختم ہو جائیگا اور جہنمی اس سے نکل کر کہیں اور چلے جائینگے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں یہ تصریح موجود ہے کہ جہنم سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ ابدیت اس قسم کی ابدیت نہیں جس قسم کی ابدیت خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اسکی تشریح اگلا پیرا کر رہا ہے۔

ابراھیم

صفحہ ۱۹۳

اُمَّةً قَانِتاً۔

"ا م م"۔ (صفحہ ۲۶۱) میں اُمَّةٌ کے معنے امام بھی دئے ہوئے ہیں۔ نیز اسکے معنے وہ شخص بھی ہیں جو ہر قسم کے خیر کا منبع و سر چشمہ ہو۔

"امام"، کی تائید قرآن کریم میں دوسری جگہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۲/۱۲۴) سے کر دی ہے۔ اس لئے، جیسا کہ عنوان (ا - م - م) میں لکھا گیا ہے، آیت (۱۶/۱۲۰) میں اُمَّۃً کے معنی امام اور مقتدا بھی کئے جاسکتے ہیں۔

ا ب ی

صفحہ ۱۹۶

(۱) اس مادہ میں چوتھی سطر کے آخر میں جہاں الاِبَاءُ والاُبَاءُ لکھا گیا ہے وہاں سے الاُبَاءُ حذف کر دیا جائے۔

(۲) نیچے سے چوتھی سطر میں یَآبِلِی کی جگہ یَآبَی ہونا چاہئے۔

ا ج ج

صفحہ ۲۰۲

سَمِعْتُ اَجَّۃَ الْقَوْمِ میں نے لوگوں کی مخلوط حرکتوں اور آوازوں کا شور سا سنا۔

صفحہ ۲۰۴

شعر سے اوپر کے پیریگراف میں کہا گیا ہے کہ جب کسی مردہ قوم پر دوسری مہذب اور ترقی یافتہ قوم استیلاء کر لیتی ہے تو اس سے کچھ عرصہ کے بعد اس مردہ قوم کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خدا خود یہ چاہتا ہے کہ طاقتور قومیں، کمزور قوموں کو اپنا غلام بنائیں تاکہ کمزور قوموں کو ازسرنو زندگی مل جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم تو یہ ہے کہ طاقتور قوموں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ کمزور قوموں کی کمزوریوں کو رفع کرکے انہیں انسانیت کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل بنا دیں۔ اس نے کہا یہ ہے کہ اگر طاقتور قومیں ایسا نہ کریں تو کمزور قومیں خود ایک دن اٹھ کر ان کی غلامی کے جوئے کو گلے سے اتار پھینکیں گی۔

ا ج ر

صفحہ ۲۰۵

دوسرا پیرا۔ یہ مفہوم لین نے قاموس کے حوالے سے دیا ہے۔

ا ج ل

صفحہ ۲۰۶

اَجَلٌ مدتِ معینہ کو بھی کہتے ہیں اور اس آخری حد کو بھی جہاں وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔

ا ح د

صفحہ ۲۰۷

پانچویں سطر میں آحَدٌ الاَحَدِیْنَ لکھا ہے۔ صحیح ''آحَدٌ الْاَحَدَیْنِ،، ہے۔

ا خ ذ

صفحہ ۲۰۸

دوسری سطر۔ مَآخَذٌ کی بجائے مَآخَذٌ ہونا چاہئے۔

ا د م

صفحہ ۲۱۴

اخیر میں لکھئے۔ ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے جس تمدنی دور سے قرآن کریم نے اس تمثیلی داستان کا آغاز کیا ہے، اس میں کوئی عظیم شخصیت ''آدم،، کے نام کی ہو اور اس دور کو اسی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ یا اس دور کی نسبت سے اس شخصیت کو اس نام سے پکارا گیا ہو۔ ہم نے انہیں بالیقین ''نبی،، اس لئے نہیں لکھا کہ قرآن کریم نے زمرہ انبیاء میں ان کا ذکر بصراحت نہیں کیا۔

۲۔ قرآن کریم میں ''قصہ آدم'' بیان کرنے سے ایک مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو بتایا جائے کہ اگر اس نے وحی کا دامن چھوڑا تو اس کی حالت کیا ہوگی اور اس حالت سے نکل کر پھر سے جنتی زندگی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے وحی سے تمسک۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اس قصہ سے ان باطل عقائد کی بھی تردید کر دی جسے (بالخصوص) عیسائیت نے پھیلا رکھا تھا۔ یعنی یہ کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر گنہگار ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اولین ماں باپ (آدم و حوا) کے گناہ کا بوجھ ساتھ لاتا ہے، اور یہ گناہ حضرت عیسیٰؑ کے کفارہ پر ایمان لانے بغیر دھل ہی نہیں سکتے۔ یا یہ کہ مرد کو پھسلانے کا باعث عورت ہوتی ہے اس لئے عورت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ یا یہ کہ (جیسا کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے) فطرت کی قوتیں دیوی دیوتا ہیں، انسان کو انہیں معبود بنانا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے اس داستان سے ان تمام باطل عقائد و تصورات کی تردید کر دی۔

ا ر ب

صفحہ ۲۲۱

چوتھی سطر۔ اَلتَّابِعِیْنَ غَیْرَ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ کے معنے لکھے گئے ہیں ''جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو''۔ ان میں ایسے ملازم

(یا دیگر پست درجہ کے کام کاج کرنے والے) بھی شامل ہو سکتے ہیں جو زیادہ عقل و فکر کے مالک نہ ہوں اور کھانے پینے سے زیادہ کسی اور طرف ان کا دھیان ہی نہ جاسکے۔ یا وہ کسی طرح وجہ کشش ہی نہ بن سکیں۔ قرآن کریم کی یہ اصطلاح بڑی جامع ہے۔

صفحہ ۲۲۱

ا ر ض

تیسرا پیرہ۔ پہلی سطر۔ اس میں اِرَاضَۃٌ کی جگہ آرَاضَۃٌ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۲۲۴

ا ر ک

الأَرَاک۔ یہ چارہ ترش نہیں بلکہ نمکین اور تلخ سا ہوتا ہے۔ اونٹ اسے پیٹ بھر جانے پر کھاتے ہیں تاکہ اس سے کھانا ہضم ہو جائے۔

آرِیْکَۃٌ کے ضمن میں راغب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آرَکَ بالمَکَانِ سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنے کسی جگہ اقامت کرنا ہیں۔ اس لحاظ سے آرِیْکَۃٌ مسہری کو اس لئے کہا جائے گا کہ اس پر ٹھہرا اور رہا جاتا ہے۔ گویا وہ قیام گاہ ہوگی۔

صفحہ ۲۲۴

ا ز ر

پہلی سطر۔ الأَزْرُ کے پہلے معنے ''کمر،، کاٹ دئے جائیں۔

تیسری سطر۔ الإِزَارُ کے معنے لکھے ہیں ہر وہ چیز جو ستر کا کام دے۔ اس کی بجائے یہ کہئے کہ ہر وہ چیز جو تمہارے بدن کے لئے ستر کا کام دے۔

صفحہ ۲۲۵

ا ز ف

دوسری سطر میں بجائے التقا أَزْفٌ کے التقا أَزْفٌ ہے۔ اس کے معنی قریب کے ہیں۔

صفحہ ۲۲۸

ا س ف

چھٹی سطر۔ ''حزن دل'' کی بجائے ''خونِ دل،،۔

صفحہ ۲۲۹

ا س ن

پہلی سطر میں آلآسِنُ کے بجائے آلآسِیْنُ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۲۲۹ ا س ی

اس میں مادہ (ا ۔ س ۔ و) بھی شامل ہے ۔

صفحہ ۲۳۳ ا ص ر

یہ اضافہ کر لیجئے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْاِصْرُ سے مراد وہ امور ہیں جو بھلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے ۔

صفحہ ۲۳۶ ا ف ک

(۱) المُؤْتَفِکَاتُ ۔ اَفَکَ کے معنے جھوٹ بولنے کے ہیں ۔ نیز کسی کو اس کی صحیح راہ سے پھیر دینا بھی ۔ اس لحاظ سے اِئْتَفَکَ میں صحیح راہ سے ہٹ جانے اور جھوٹ گھڑ لینے کا مفہوم آسکتا ہے ۔ اَلْمُؤْتَفِکَاتُ ان ہواؤں کو بھی کہتے ہیں جو اپنے صحیح رُخ سے ہٹی ہوئی چلتی ہیں ۔ لہذا المُؤْتَفِکَاتُ کے معنے ہوسکتے ہیں وہ بستیاں جو اپنی صحیح روش پر قائم نہ رہیں اور غلط اعمال کرتی رہیں ۔ یا جھوٹ گھڑتی رہیں ۔ اگرچہ قرآن مجید کا طرز بیان یہی بتا رہا ہے کہ وہ خاص بستیاں تھیں جنہیں الٹ دیا گیا تھا ۔

(۲) جھوٹ گھڑنے کے معنوں میں سورۃ احقاف میں ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ (۴۶/۱۱) ۔ یہ کہینگے کہ یہ تو وہی جھوٹ ہے جو ابتدائی ایام (قدیم) سے گھڑا جاتا رہا ہے ۔ اسی کو دوسری جگہ قرآن کریم نے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۵۴/۲) سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی وہ جھوٹ جو شروع سے چلا آرہا ہے ۔

(۳) سورۃ نور میں قرآن کریم نے مومنین کو نصیحت اور تاکید کی ہے کہ وہ جھوٹے الزامات نہ وضع کیا کریں اور معاشرہ میں اس قسم کی باتوں کو نہ پھیلایا کریں (دیکھئے ۲۴/۴ و ۲۴/۱۸) ۔ اس ضمن میں اس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں ایک گروہ نے کسی پر جھوٹا الزام لگایا تھا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (۲۴/۱۱)۔ ''جو لوگ اس جھوٹ کو افترا کرکے لائے ہیں وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے'' ۔ اس سارے واقعہ میں قرآن کریم نے کہیں نہیں بتایا کہ وہ کون تھا جس کے خلاف یہ الزام لگایا گیا تھا ۔ اس نے کہا صرف یہ ہے کہ جب یہ خبر جماعت مومنین تک

پہنچی ہے تو ان کا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہئیے تھا کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے اور کہہ دیتے کہ ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (۲۴/۱۲)۔ اور ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (۲۴/۱۶)۔ یہ وہی بات ہے جس کی دوسری جگہ یہ کہکر وضاحت کی گئی ہے کہ جب کوئی فاسق کوئی بات تم تک پہنچائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (۴۹/۶)۔ قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے لیکن ہماری تاریخ (روایات) میں اس واقعہ کو (معاذ اللہ) حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرکے اس پر افسانہ طرازی کی ایک عمارت قائم کر دی گئی ہے۔ حتکہ اس میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ خود نبی اکرمؐ بھی اس باب میں سخت متردد تھے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو ان کے میکے بھیج دیا تھا جہاں ان کی حالت غیر ہو گئی۔ حتکہ خدا نے بذریعہ وحی ان کی براءت کی۔ تب حضور اکرمؐ انہیں گھر لائے۔

صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک گھڑا ہؤا قصہ ہے جسے خاص مقصد کے ماتحت وضع کیا گیا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ اسے مستند واقعہ کی حیثیت سے لئے چلے آ رہے ہیں، اور جب مخالفین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں تو ہم طیش میں آ جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں اس کے جواب میں وہی کہہ دینا چاہئیے جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (۲۴/۱۲)۔ یعنی یہ واقعہ جسے حضرت عائشہؓ اور نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، افک مبین اور بہتان عظیم (۲۴/۱۶) ہے۔

ا ک ل

صفحہ ۲۳۸

دوسرا پیرا۔ راغب نے لکھا ہے کہ اکل مال سے مراد انفاق مال ہے، اس لئے کہ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے۔

آخری پیرا۔ یوں چاہئیے۔ "ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی۔۔۔۔

ا ل ک

صفحہ ۲۴۲

پہلی سطر۔ اَلْمَآلُکَۃ کی بجائے اَلْمَآلُکَۃ ہے۔

دوسرے پیرے میں تاج کا ** حوالہ دیا گیا ہے۔ تاج میں یہ مادہ (م ل ک) کے تحت آیا ہے۔

اَلَّا (حرف)

صفحہ ۲۴۶

پہلی سطر۔ "اَلَّا تَعْلُوْا" یوں ہونا چاہئیے۔

ال و (ال ی) صفحہ ۲۵۲

دوسرے پیرے کے آخر میں بڑھائیے۔

آلاء پر بحث کرتے ہوئے علامہ حمید الدین فراہی اپنی تالیف مفردات القرآن صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں :—

اگرچہ آلاء کے معنے بالاتفاق نعمتیں ہی بتائے جاتے ہیں لیکن قرآن مجید اور اشعار عرب میں اس لفظ کا استعمال بتا رہا ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں ۔ بظاہر اس کے معنے " عجیب کاریگریاں " معلوم ہوتے ہیں جن کے لئے فارسی کا لفظ " کرشمہ " استعمال ہو سکتا ہے ۔ ۔ ۔ "۔

انہوں نے جوہری کے حوالہ سے آلاء کے معنے خصال جمیلہ ، اچھی صفات ، خوبیاں بھی لکھے ہیں ، اس ضمن میں انہوں نے متعدد عربی اشعار بھی پیش کئے ہیں ۔

اِلٰی (حرف) صفحہ ۲۵۳

نمبر (۴) میں وَ اُولٰٓئِکَ مِنْ اِلَیْکَ کی بجائے اِلَیْکَ ہے (۴۳/۲)

ا م ت صفحہ ۲۵۵

سطر چھٹی ۔ " بمقابلہ قاعاً صفصفاً " کے معنی یہ ہیں کہ اَمْتًا اس کی ضد ہے ۔

ا م ر صفحہ ۲۵۹

دوسرے پیرے کے آخر میں لکھئے ۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ آرام پرست ، کثرت کی طالب ، تعیش پسند اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی مالک ہو جاتی ہیں ۔ ان میں آسودہ حالوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر دیتے ہیں اور اس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے ۔

ا م س صفحہ ۲۶۰

چوتھی سطر میں اَمْسِ کی جگہ اَلْاَمْسِ چاہئے ۔

صفحہ ۲۶۰
ا م ل

چھٹی سطر شروع میں "ہے"، کے بعد دو نشان ** رہ گئے ہیں، یعنی یہ عبارت تاج میں ہے۔

صفحہ ۲۶۱
ا م م

اُمّۃٌ ۔ فُعْلَۃٌ یا فُعَلَۃٌ دونوں وزنوں پر مبالغہ کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے ۔ فُعْلَۃٌ کے وزن پر اس کے معنے ہونگے جسکا بہت قصد کیا جائے ۔ اس مفہوم سے اس کا مطلب امام ہو سکتا ہے ۔ اور فُعَلَۃٌ کے لحاظ سے اسکے معنے ہونگے جو بکثرت کسی کا قصد کرے ۔ اس اعتبار سے آیت (۱۶/۱۲۰) میں اُمّۃٌ سے مراد ہوگا خدا کی طرف بار بار قصد کرنے والا ۔

اُمّۃٌ (۱۶/۱۲۰) کے لئے ابراھیم کے عنوان کے تحت بھی لکھا جا چکا ہے ۔

صفحہ ۲۶۵
ا م ن

شروع پیرا ۔ "جب آمَنَ کا صلہ لام ہو"، میں بجائے آمَنَ کے آمَنَ چاہئے ۔

صفحہ ۲۶۸
امّا

دوسری سطر ۔ "خواہ وہ انہیں عذاب دے" ہونا چاہئے ۔

صفحہ ۲۶۹
ا م و

دوسری سطر ۔ عَبَدٌ کی بجائے عَبْدٌ چاہئے ۔

اِنْ

صفحہ ۲۷۰ شق (۳) ۔ حوالہ آیت (۹/۷) کی جگہ (۹/۸) ہونا چاہئے ۔

صفحہ ۲۷۵
ا ن س

تیسرا پیرا ۔ انسان اور بشر کے فرق کے لئے دیکھئے عنوان "ب ش ر"۔

صفحہ ۲۸۰
ا ھ ل

پہلی سطر ۔ صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنے درج کئے ہیں ۔ پھر ابوحنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے ۔

صفحہ ۲۸۲　　　**ا و ب**

اس میں (**) دو نشان سے راغب کا حوالہ مراد ہے، محیط زائد ہے۔ راغب نے اختیار کا لفظ نہیں لکھا۔ صرف ارادہ لکھا ہے۔ لہذا ''اختیار'' کاٹ دیا جائے۔

صفحہ ۲۸۳ اس عنوان کے اخیر پر لکھئے۔

اگر اس آیت میں ''جبال'' کے حقیقی معنی (پہاڑ) لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں سے وہ کام لیتے تھے جن کے لئے فطرت نے انہیں بنایا ہے۔ حفاظت کا کام، جنگلات اگانے اور لکڑی حاصل کرنے کا کام، معدنیات نکالنے اور پتھروں کو مختلف مصارف میں لانے کا کام۔ وغیرہ وغیرہ، یہ تھی پہاڑوں کی طرف سے قانون خداوندی کے مطابق اطاعت۔

صفحہ ۲۹۲　　　**ب (حرف)**

نمبر (۴) آیت اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ بِاتِّخَاذِكُمْ میں ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمْ چاہئے۔

صفحہ ۲۹۴　　　**ب أ س**

پہلی سطر شروع بِئْسَ (بڑا) کی بجائے ''بُرا'' ہونا چاہئے۔

صفحہ ۳۰۰　　　**ب خ ل**

دوسری سطر راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے ''بخل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہوتے دیکھ نہ سکے۔ اور یہ زیادہ قابل مذمت ہے''۔ پھر اس نے موخر الذکر بخل کے لئے آیت (۳۷/۴) کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔

صفحہ ۳۰۴　　　**ب د ل**

آخری پیرے کی آخری سے اوپر کی سطر میں آیت (۲۰/۴) میں اسْتِبْدَالَ زَوْاجٍ میں الف زائد ہے۔ یہ اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ ہے۔

صفحہ ٣٠٥　　**ب د و**

دوسرا پیرا ۔ بَادِیَ الرّاْیِ (١١/٢٧) کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے وہ کسی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر نہیں پہنچے بلکہ یونہی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے ۔

صفحہ ٣١٠　　**ب ر د**

دوسرے پیرا کی دوسری سطر۔ آیت کا حوالہ (٢١/٩٩) کی بجائے (٢١/٦٩) ہے۔

صفحہ ٣١٦　　**ب ر ک**

صفحہ کے آخر کی چار سطروں کی جگہ (آیت کے بعد) یہ لکھئے ۔

تَبَارَکَ ۔ با برکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا ۔ تَبَارَکَ الَّذِیْ . . . سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیرو برکت اپنی پوری کثرت کے ساتھ انتہا تک پہنچ چکی ہو ۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمہ خیر و برکت جہاں تمام خوبیاں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی ، ذاتِ خداوندی ہے ۔ اور ربوبیت عالمینی اسی سرچشمۂ خیر و برکت سے ہوتی ہے ۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرے ، اسے بھی (علٰی حد بشریت) سرچشمہ خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامان نشو و نما مہیا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے ۔

صفحہ ٣٢١　　**ب س ل**

چوتھی سطر کے آخر میں بڑھائیے ۔

راغب کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے ۔ ”روکنے کے مفہوم کے پیش نظر البَسْلُ اس کو کہینگے جسے محروم کر دیا گیا ہو۔ نیز اس چیز کو جسے کسی کے پاس گرو رکھ دیا ہو“ ۔

راغب نے اس مادہ میں بَسْلٌ اور حرام کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ حرام عام ہے اور بَسْلٌ اس روکنے اور منع کرنے کو کہینگے جس میں قہر پایا جائے ۔

صفحہ ٣٢٣　　**ب ش ر**

پہلا پیرا شروع ۔ ”بِشَارَةٌ“ سے لیکر ”خبر دینا“ تک کی عبارت کا حوالہ اقرب الموارد ہے ۔

سطر ۱۱ - بَشَارَۃ کی بجائے بِشَارَۃٌ چاھئے -

عنوان کے آخر پر لکھئے -

قرآن کریم میں بَشِیْرٌ و نَذِیْرٌ حضرات انبیاء کرامؑ کے لئے آیا ھے (۵/۱۹) - بَشِیْرٌ کے معنی ھیں وہ جو لوگوں کو ایمان اور اعمال صالح کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دے - اور نَذِیْرٌ وہ جو انھیں غلط روش زندگی کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرے۔ دوسری جگہ نَذِیْرًا کے ساتھ مُبَشِّرًا بھی آیا ھے (۱۷/۱۰۵) - اس کے معنی بھی خوش خبری دینے والا ھیں -

ب ص ر

صفحہ ۳۲۳ -

سطر ۳ - بَصِیْرَۃٌ - خون کا نشان یا ٹیکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندھی ھوتی ھو -

سطر ۴ - بَصْرَۃٌ - سخت زمین نیز خستہ سفید پتھر کو کہتے ھیں (تاج) راغب نے چمکدار کا اضافہ کیا ھے -

صفحہ ۳۲۴ - سطر ۱۱ - پہلا لفظ ''میں'' کاٹ دیجئے -

(۲)　عنوان کے آخر میں حسب ذیل اضافہ کیجئے -

اِسْتَبْصَرَ الشَّیْءَ - کسی چیز کو بغور دیکھا (تاج و محیط) راغب نے لکھا ھے کہ اِسْتَبْصَرَ کے معنے ھیں بصیرت طلب کرنا - نیز یہ بمعنی اَبْصَرَ بھی ھوتا ھے - یعنی دیکھنا - قرآن کریم میں ھے وَ کَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (۲۹/۳۸) یعنی وہ دانا و بینا اور معاملہ فہمی کی صلاحیت رکھتے تھے -

قرآن کریم نے کہا یہ ھے کہ عاد و ثمود کی قومیں باوجود عقل و بصیرت رکھنے کے، تباہ و برباد ھوگئیں - دوسری جگہ اس کی تشریح یہ کہہ کر کر دی گئی کہ وَ جَعَلْنَا لَھُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَۃً - ھم نے انھیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت دے رکھی تھی - فَمَا اَغْنٰی عَنْھُمْ سَمْعُھُمْ وَ لَا اَبْصَارُھُمْ وَ لَا اَفْئِدَتُھُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ کَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (۴۶/۲۶) - لیکن چونکہ انھوں نے قوانین خداوندی سے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی، اس لئے ان کی سماعت و بصارت اور عقل و بصیرت ان کے کسی کام نہ آ سکی اور وہ تباہ و برباد ھوگئے - قرآن کریم نے کہا یہ ھے کہ اگر عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے، تو وہ

افراد یا اقوام کو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ۔ ذرا دیکھئے کہ عقل کرتی کیا ھے ۔ انسان ، اپنے ساتھ حیوانی جذبات (Animal Instincts) لے کر پیدا ھوتا ھے ۔ یہی جذبات اس کے دل میں طرح طرح کی خواھشات (Desires) پیدا کرتے ھیں ۔ اگر اس کی عقل خام ، اور جذبات غالب ھیں ، تو عقل اس خواھش کے جواز کے لئے دلائل (Justificatory Reasons) تراشیگی اور اس کے حصول کے لئے طرح طرح کی تدابیر سوچیگی ۔ اس طرح وہ خواھش (Desire) ۔ تمنا (Wish) بن جائے گی ۔ اور جب انسان آخری فیصلہ کے بعد اس کے حصول پر تل جائیگا تو وہ ارادہ (Will) ھو جائے گی ۔ اس صورت میں انسانی عقل ، اس کی خواھشات یا جذبات کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ھوگی ۔

اگر عقل ذرا پختہ ھے ، تو وہ اس انسان کو سمجھائے گی کہ اس خواھش (جذبہ) کے پورا کرنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ھے ۔ یعنی عقل زیادہ سے زیادہ اس فرد کے مفاد کا تحفظ کرسکتی ھے ۔ اس سے آگے بڑھنا عقل کے بس کی بات نہیں ۔ عقل ، خیر و شر میں تمیز کر ھی نہیں سکتی ۔ یہ تمیز صرف وحی کے ذریعے ھوتی ھے جو نوع انسانی کے عالمگیر نفع نقصان ، اور انسانی ذات کے ضعف و قوت کے لئے حرف آخر کا حکم رکھتی ھے ۔ اس لئے ، انسان تباھی سے اسی صورت میں بچ سکتا ھے جب وہ عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام لے ۔

آج دنیا کی بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں جو تباھی اور بربادی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکی ھیں تو اس کی وجہ یہ ھے کہ وہ عقل و علم کو وحی کے تابع نہیں رکھتیں ۔

اور ھم اس لئے ذلیل و خوار ھو رہے ھیں کہ ھم نہ وحی سے مستفید ھوتے ھیں ، نہ عقل و بصیرت سے کام لیتے ھیں ۔

ب ط ل

صفحہ ۳۲٦ ۔

باطل کے معنوں میں لکھا گیا ھے کہ یہ ایسی کوشش کا نام ھے جس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں ایسے کام بھی ھیں جو بلا نتیجہ رہ جاتے ھیں ۔ خدا کے قانون مکافات کی رو سے نتیجہ تو ھر کام کا مرتب ھوتا ھے ۔ باطل ان کوششوں کا نام ھے جن کا نتیجہ وہ نہ نکلے جو

ان سے مقصود ہو۔ کوشش، بیہودہ۔ سعی ٔ ناکام۔ اور اس سے انسان میں ضعف پیدا ہو جائے۔ یہ ہے باطل کا وہ تخریبی اثر جس کا مداوا تمسک بالحق کے سوا ہو نہیں سکتا۔

صفحہ ۳۲۸۔ **ب ط ن**

پہلی سطر۔ بَطْنٌ کےمعنے پیٹ۔ اندرونی حصہ۔ اسکی جمع بُطُوْنٌ ہے۔

تیسرا پیرہ۔ پہلی سطر میں حوالہ ($\frac{۵۵}{۵۴}$) سے پہلے لکھئے ''اس کی جمع بَطَائِن ہے''۔

(آخر میں اضافہ) ظَاهِرِ الاِثْمِ وَ بَاطِنَہٗ ($\frac{۶}{۱۲۱}$) سے مراد ہے گناہ کی محسوس و غیر محسوس شکلیں۔ اس میں نگاہ کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں۔

صفحہ ۳۳۱۔ **ب ع د**

دوسری سطر میں بَعَدًا و بَعْدًا ہے۔ اس میں بَعْدًا کی بجائے بُعْدًا صحیح ہے۔

صفحہ ۳۳۴۔ **ب غ ل**

آخر میں لکھئے۔ چونکہ خچر، گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی بَغْلٌ کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو۔

صفحہ ۳۳۶۔ **ب غ ی**

حضرت مریمؑ کے واقعہ کے سلسلہ میں حسب ذیل اضافہ کرلیجئے۔

لیکن اگر بَغِیًّا کے معنے ''بدکار'' ہی لئے جائیں، تو آیت کےمعنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریمؑ نے کہا کہ میں ہیکل میں تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہوں اس لئے میرے متعلق خاوند سے اختلاط کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری صورت بدکاری کی ہوسکتی ہے۔ سو میں بدکار بھی نہیں۔ اس لئے میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مریمؑ ہیکل میں (Nun) کی زندگی گذار رہی تھیں۔ بعد میں، جب ان تک تعلیم خداوندی پہنچی تو انہوں نے ہیکل کی تجرد کی زندگی چھوڑ کر متاہل زندگی اختیار کرلی۔ چونکہ یہودیوں کے ہاں کسی (Nun) کے لئے متاہل زندگی

بسر کرنا جائز ہی نہیں تھا ، اس لئے وہ حضرت مریم[4] کی اس زندگی کو (معاذ اللہ) بدکاری کی زندگی قرار دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ[4] نے ان کی اسی خود ساختہ شریعت کی تردید کرکے اپنی والدہ کی مدافعت کی تھی۔

واضح رہے کہ بَغِیٌّ باوجود صیغہ مذکر ہونے کے ، صرف عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایسی عورت کو بَغِیَّۃٌ نہیں کہتے۔

ب ق ع

صفحہ ۳۳۷۔

ساتویں سطر۔ ''نیز'' کے بجائے اَلْبُقْعَۃُ ہونا چاہئے۔

ب ق ی

صفحہ ۳۳۹۔

دوسرا پیرہ۔ وَجْہِ رَبّ کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و - ج - ہ) دیکھئے۔

ب ک ر

صفحہ ۳۴۰۔

پہلی سطر۔ اَلْبِکْرُ کی جمع اَبْکَارٌ ہے۔

ب ل د

صفحہ ۳۴۳۔

نیا پیرہ۔ بَلَدَ الْفَرَسُ کی جگہ بَلَّدَ الْفَرَسُ ہونا چاہئے۔

ب ل س

صفحہ ۳۴۴۔

پہلے پیرے کے آخر میں لکھئے۔

لیکن اگر بَعْثٌ کے مفہوم کی گہرائی پر نگاہ ڈالئے تو یوم یُبْعَثُوْنَ کے معنے اور ہونگے۔ بَعْثٌ کے معنی ہیں ان موانع کو دور کر دینا جو کسی کی آزادی کے راستے میں حائل ہوں۔ کھلا چھوڑ دینا۔ ابلیس سے کہا یہ گیا کہ تمہارا کام انسانوں کی اخلاق بندھنوں کو توڑ کر انہیں ''مادر پدر آزاد'' کر دینا ہے۔ تمہاری ضرورت اس وقت تک رہے گی جب تک انسان ان اخلاقی حدود کو توڑ کر یکسر آزاد نہ ہو جائیں۔ جب وہ اس طرح آزاد ہو جائیں گے تو پھر ان کے لئے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے تمہیں اس وقت تک کی مہلت کی ضرورت ہے سو وہ مہلت تمہیں دی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی بندھنوں کو ابتداءً توڑنے میں کچھ دقت محسوس ہوتی ہے لیکن جب یہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائیں تو پھر انسان غیر شعوری طور پر خود بخود ، اس سیلاب میں بہے چلا جاتا ہے۔

عنوان کے اخیر پر لکھئے ۔ نیز دیکھئے عنوانات (ق ۔ ن ۔ ط اور ی ۔ أ ۔ س) ۔

(۳) صفحہ ۳۴۴ کے اوپر بائیں ہاتھ کی طرف عنوان (ب ۔ خ ۔ ع) کی جگہ (ب ۔ ل ۔ س) لکھئے ۔

صفحہ ۳۵۸ ۔ **ب ھ ل**

سطر ۱۲ میں انثی. کے بجائے اُنثٰیٌ ۔

صفحہ ۳۷۰ ۔ **ب ی ن**

عنوان کے آخر میں لکھئے ۔

اِسْتَبَانَ الاَمْرُ ۔ معاملہ کھل گیا ، ظاہر اور واضح ہوا ۔ قرآن کریم میں ہے وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ (۶/۵۵) ۔ تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے ۔فَتَبَیَّنَ الشَّیْءُ ۔ چیز واضح اور ظاہر ہوئی ۔ تَبَیَّنْتُہٗ ۔ میں نے اسے کھولا ، واضح کیا اور اسے سمجھا (لازم و متعدی) ۔ (۴۹/۶)

صفحہ ۳۸۰ ۔ **ت ف ث**

سطر چھٹی۔ التَّفَثُ کے معنے بالوں کی پراگندگی و پریشانی ہیں ، نہ محض پراگندگی و پریشانی ۔

اسی لائن کے آخر میں جو ابن عباسؓ کا قول ہے ، وہ یہ ہے کہ تفث سر کے بال مونڈنے یا تراشنے ، ڈاڑھی موچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبح ورمی کو کہتے ہیں ۔

صفحہ ۳۸۲ ۔ **ت ل و**

پہلی سطر کا پہلا لفظ ۔ تَلَوْتُہٗ کے بجائے تَلَوْتُہٗ ۔

دوسرا پیرا پہلی سطر ۔ تِلَاوَۃٌ کے بجائے تِلْوٌ وتُلُوٌّ صحیح ہے ۔ راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے ۔

تَلَا کے معنے ہیں کسی کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی غیر حائل نہ ہو ۔ یہ شکل کبھی تو جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کبھی حکم کا اقتداء کرنے میں ۔ اور ان معانی میں اس کا مصدر تُلُوٌّ وتِلْوٌ آتا ہے ۔ کبھی اسکے معنے پڑھنے اور غور و تدبر کرنے کے ہوتے ہیں تو اس کا مصدر تِلَاوَۃٌ آتا ہے ۔

ت م م

صفحہ ۳۸۵ -

دوسرے پیرے میں جہاں کہا گیا ہے کہ " اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا "، تو اس سے مراد ان مخالفین کا سرنگوں ہوجانا ہے جو نبی اکرمؐ سے مدت العمر برسر پیکار رہے تھے۔ ورنہ دین (نظامِ خداوندی) کا غلبہ و اقتدار حضورؐ کے بعد بھی آگے بڑھتا گیا تھا۔

اور اگر " دین " کے معنی دین اسلام ہی لیں تو اس سے مراد تکمیل دین ہوگی جو قرآن کریم کے اندر آکر اپنی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔

ث م د

صفحہ ۴۰۱ -

چوتھی سطر۔ الثَّامِدُ کے معنی ہیں چوپایہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دے۔ یہ اسکی ابتدائی عمر ہوتی ہے۔

ثُمَّ

صفحہ ۴۰۳ -

آیت ($\frac{۲}{۱۱۵}$) میں وجہ اللہ کے معنی ذات خداوندی بھی ہو سکتے ہیں لیکن ذات خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی رو سے ہی آتی ہے۔ آیات اللہ میں قانون خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے۔

ثُمَّ

صفحہ ۴۰۴ -

ثُمَّ کے ایک معنی "اس پر بھی، اس کے باوجود بھی" ہوتے ہیں، مثلاً يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا ($\frac{۱۶}{۸۳}$)۔

ث ن ی

صفحہ ۴۰۶ -

پانچویں سطر۔ ثَنْىُ الْحَيَّةِ کے بجائے ثِنْىُ الْحَيَّةِ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۴۰۷ - اوپر سے تیسری سطر کے بعد لکھئے۔ " یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لینگے۔ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑینگے "۔

صفحہ ۴۰۷ - نیچے سے تیسری سطر (اوپر کو)۔ انگریزی کا لفظ کاٹ دیجئے۔ اس پیرے کے اخیر پر لکھئے۔ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے متشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار۔

صفحہ ۴۱۲ - **ج ب ب**

الجُبّ کے معنے بتاتے ہوئے محیط نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایسے گہرے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جسکی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنویں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

صفحہ ۴۱۳ - **ج ب ر**

اس کا حوالہ رہ گیا ہے۔ "الجَبَایِرُ۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا" کا حوالہ تاج و محیط و راغب ہے۔

صفحہ ۴۱۴ - نیچے سے پانچویں سطر۔ "اس کی نوعیت" یہ الفاظ کاٹ دیں۔

صفحہ ۴۱۵ - **ج ب ل**

حضرت داؤدؑ کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں، اسی تتمہ میں عنوان (ا۔ و۔ ب) بھی دیکھئے۔

صفحہ ۴۱۶ - ساتویں سطر میں سرداران قوم کی بجائے سردار قوم ہونا چاہئے۔

صفحہ ۴۱۷ - **ج ب و (ی)**

(اضافہ) جَبَی الْمَآءَ فِی الْحَوْضِ، جس کے معنی ہیں حوض میں پانی جمع کیا، سے الجَابِیَۃُ کے معنے ہوتے ہیں پانی جمع کر لینے والا حوض۔ اسکی جمع جَوَابِ (الجَوَابِی) ہے۔ قرآن کریم میں ہے وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ (۳۴/۱۳)۔

(تاج و محیط و راغب)

صفحہ ۴۱۹ - **ج ح م**

دوسری سطر - جَحَمَ البَعِیْرُ کے بجائے البَعِیْرَ چاہئے۔

صفحہ ۴۲۲ - **ج د ر**

دوسری سطر۔ التَّجِدُرُ کے بجائے الجَدْرُ چاہئے۔

صفحہ ۴۲۵۔
ج ر ز

آخر میں یہ لکھئے۔

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک وہیں گیاہ کرتے رہتے ہیں۔ (بہار اور خزاں کے دور جاری رہتے ہیں)

صفحہ ۴۲۶۔
ج ر ف

آخری پیرا۔ دوسری سطری۔ بجائے انڈیل دینے کے "نکال لینے، چلو سے لے لینے، نیز کاٹ دینے" چاہئے۔

صفحہ ۴۲۷۔
ج ر ی

الجَارِيَةُ مؤنث ہے جَارٍ اور الجَارِیْ کا جسکے معنے ہیں چلنے والا، بہنے والا، تیزی سے دوڑنے والا۔ جَارِیَةٌ کی جمع جَارِیَاتٌ اور جَوَارٍ آتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے الجَارِیَاتِ یُسْرًا (۵۱/۳)۔ بہنے اور پانی میں تیرتی چلی جانے کی وجہ سے کشتی کو بھی جَارِیَةٌ کہدیتے ہیں۔ اسکی جمع جَوَارٍ اور جَارِیَاتٌ ہے۔

صفحہ ۴۳۴۔
ج ع ل

جعل کے لغت میں بہت سے معنی ہیں۔ صاحب محیط نے اسکے معنے بدل دینے کے بتائے ہیں۔ مثلاً جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا (۱۵/۷۴)۔ یعنی ہم نے اس کے بالائی حصے کو نچلے حصے سے بدل دیا۔

اور نام رکھنے کے۔ مثلاً۔ جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَّسَطاً (۲/۱۴۳)۔

اور اعتقاد رکھنے کے۔ مثلاً یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ (۱۵/۹۶)۔ گو یہ سب "کر دیتے اور بنا دینے" کے مفہوم ہی سے ہیں لیکن ان مثالوں سے اس مادہ کا مزید استعمال واضح ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۴۳۷۔
ج ل ل

دوسری سطر۔ معمر یا جلیل القدر میں معمر زائد ہے۔ اسکی بجائے بڑا عظیم المرتبت۔ ہونا چاہئے۔

راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے۔

صفحہ ۴۴۱ - ج م م

چھٹی سطر میں ''سیرابی'' کاٹ دیجئے -

صفحہ ۴۴۳ - ج ن ح

آخری پیرا ، پہلی سطر - ''گناہ کے معنوں میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے'' - اس عبارت میں ''یہ لفظ'' کی جگہ ''جُنَاح*'' لکھئے -

صفحہ ۴۴۴ - ج ن ن

دوسری سطر - راغب نے کہا ہے کہ جَنَّ کے معنے کسی چیز کو حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں -

صفحہ ۴۴۴ - آٹھویں سطر - جَنِیْن کے معنے کے بعد لکھئے ، اسکی جمع آجِنَّة* ہے ($\frac{53}{32}$) -

صفحہ ۴۵۰ - جھنّم

پہلا پیرا - حوالہ (*) سے مراد فٹ نوٹ میں تاج ہے -

صفحہ ۴۵۶ - ج و ب

پہلی سطر - قوسین کے اندر کی عبارت کی بجائے حسب ذیل عبارت لکھئے (اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے منہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے - ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے - لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہو گیا ہے - راغب)

(۲) اضافہ - سوال دو قسم کا ہوتا ہے - ایک تو کسی بات یا مسئلہ کا دریافت کرنا - اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا - لہذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہونگی اور اجابت و استجابت ، ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائیگا - یعنی کسی سوال کا جواب دینا ، یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کر دینا -

صفحہ ۴۵۹ - ج و و

پانچویں سطر کا آخر - ''آسمان کو الجَوّ'' میں ، ''آسمان'' کی بجائے ''بالائی فضا'' لکھئے -

صفحہ ۴۶۰ - پہلی سطر - راغب نے اتیان* اور مجیء* کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اتیان کسی کام کے کرنے کے ارادہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہوسکے) -



لغات القرآن جلد دوم، سوم اور چہارم سے متعلق تتمہ کے مندرجات ان جلدوں میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔


ضیاء القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن کی تدوین ، ترتیب اور طریق استفادہ کے متعلق ''پیش لفظ'' میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے ۔ لیکن چونکہ ''پیش لفظ'' بہت پیچھے رہ گیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس ضمن میں ضروری نکات آپ کے ذہن میں مستحضر نہ ہوں ۔ بناہریں مناسب سمجھا گیا ہے کہ ان میں سے اہم نکات کو دوبارہ پیش کر دیا جائے ۔ مثلاً :

۱ ۔ قرآن کریم کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں ، اُس لفظ کو ''فہرست الفاظ قرآنی'' میں دیکھئے جو صفحہ ۴۷ تا ۱۸۵ پر چھپی ہے۔ فہرست میں اُس لفظ کے سامنے جو ''مادہ'' دیا گیا ہے ، لغات میں وہ لفظ اُس ''مادہ'' کے تحت ملیگا ۔

۲ ۔ عربی زبان میں الفاظ مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ لغات میں ہر لفظ کی تمام شکلیں دی گئی ہوں۔ اگر کسی لفظ کی کوئی خاص شکل لغات میں نہ ملے تو ، باب اول ''مبادیات'' میں دیکھئے کہ اُس شکل میں پہنچکر لفظ کے معنی کیا ہو جاتے ہیں۔ اس کے مطابق معنی متعین کر لیجئے۔

۳ ۔ قرآنی حوالوں کی صورت یہ ہے کہ اوپر سورت کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً ($\frac{۳}{۷۸}$) سے مراد ہے سورۂ آلِ عمران (تیسری سورت) کی آیت ۷۸ ۔

۴ ۔ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے ۔ اگر آپ کے نسخے میں کوئی آیت اُس نمبر کے سامنے نہ ملے جو لغات میں دیا گیا ہے ، تو ایک دو نمبر اوپر یا نیچے دیکھ لیجئے ۔ وہاں آیت مل جائیگی ۔

۵ ۔ لغات میں جہاں آیت درج نہیں کی گئی بلکہ اسکا صرف حوالہ دیا گیا ہے ، اُس آیت کو قرآن سے نکال کر دیکھ لیجئے ۔ یہ ضروری ہے ۔ اس سے بات صاف ہو جائیگی ۔

۶ ۔ لغات میں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کا تعارف ''پیش لفظ'' میں کرایا جاچکا ہے ۔ اگر آپ ان میں سے کسی کتاب کو خود دیکھنا چاہیں تو ''پیش لفظ'' سے اس کی تفصیل معلوم کر لیں ۔

۷ ۔ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ لغات میں طباعت کی غلطی نہ رہے۔ لیکن اسکے باوجود غلطیاں رہ جانے کا امکان ہے ۔ اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو اُس سے مطلع فرمائیں ۔

خدا کرے یہ لغات ، قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے میں آپ کی ممدو معاون ثابت ہو۔ اس سے یہی مقصود ہے ۔ والسلام ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ء
ا

أَ (حرف)

أَ - یہ حرف استفہام بھی ہے اور حرف ندا بھی - یعنی کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور کسی کے پکارنے کے لئے بھی - ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے مختلف انداز واضح ہو جائیں گے -

۱ - کسی سے کوئی بات دریافت کرنے کے لئے - جیسے أَ زَیْدٌ قَائِمٌ؟ (کیا زید کھڑا ہے) - اسکا جواب ہاں (نَعَمْ) یا نہ (لَا) میں آئیگا - یا أَ زَیْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو (کیا زید کھڑا ہے یا عمرو) - قرآن میں حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے - أَ أَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِآلِهَتِنَا ($\frac{۲۱}{۶۲}$) - کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ تو نے کیا ہے ؟ دوسری قسم کی مثال أَ أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمِ السَّمَاءُ ($\frac{۷۹}{۲۷}$) - کیا تخلیق میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان ؟

۲ - ایسا استفہام جس کے بعد نفی آئے اور اس نفی سے اقرار میں تاکید اور زور مقصود ہو - أَلَیْسَ اللّٰهُ بِأَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ ($\frac{۹۵}{۸}$) - کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ؟ یعنی وہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے - یہاں أَ - استفہام کے بعد لَیْسَ (نفی) ہے ، لیکن اس نفی سے مراد اُس بات کا انکار نہیں جو آگے کہی جا رہی ہے بلکہ اس کا اقرار مقصود ہے - اور اقرار بھی تاکید اور شدت کے ساتھ -

۳ - ایسا استفہام جس میں توبیخ (ڈانٹنے) کا مفہوم پایا جائے - جیسے - أَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ ($\frac{۳}{۸۲}$)! کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ یعنی - ہیں! کیا یہ ایسا چاہتے ہیں -

۴ ۔ ایسا استفہام جس میں استحقار آمیز تعجب اور طنز کا پہلو ہو۔ مثلاً قوم شعیب کا حضرت شعیب (علیہ السلام) سے کہنا کہ : اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (۱۱/۸۷)۔ کیا تیری صلٰوۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ اس میں حقارت، طنز اور تعجب کی تمام کیفیات موجود ہیں ۔

۵ ۔ تعجب کے لئے ۔ مثلاً۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲۵/۴۵)۔ کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ تیرا رب کسطرح سایہ کو لمبا کرتا ہے ؟ *مزید براں دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵، جلد چہارم، عنوان ا۔*

۶ ۔ کسی بات میں تاخیر ہو جانے پر تنبیہ کرنے کے لئے۔ مثلاً ۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا . . . . . (۵۷/۱۶)۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ . . . . . . یعنی وہ وقت آ چکا ہے ۔

۷ ۔ ایسا استفہام جس میں در حقیقت حکم دیا جانا مقصود ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ بتاؤ ! تم ایسا کرتے ہو یا نہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تمہیں ایسا کرنا ہوگا ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو . . . . حضرت ابراھیم(۴) کے والد نے ان سے کہا اَ رَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِھَتِیْ (۱۹/۴۶)۔ کیا تو میرے معبودوں سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو لَاَرْجُمَنَّکَ ۔ میں تجھے ذلت آمیز سزا دونگا ۔

۸ ۔ دو باتوں کو برابر قرار دینا ۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ سَوَآءٌ کے بعد آئے ۔ مثلاً ۔ سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ (۲/۶)۔ تم اُنہیں (ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے) متنبہ کرو یا نہ کرو۔ اُن کے لئے یکساں ہے ۔

۹ ۔ ندا (پکارنے) کے لئے کہتے ہیں اَ زَیْدُ اَقْبِلْ (اے زید آگے بڑھو) قرآن کریم میں اس کا استعمال نہیں آیا ۔

۱۰ ۔ اَ ہمیشہ جملہ کے شروع میں آتا ہے ۔ حتی کہ واؤ عطف سے بھی پہلے۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا ۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا ۔ بعض اوقات اسے حذف بھی کردیا جاتا ہے ۔ خواہ اس سے پہلے ۔ اَمْ ۔ آ رہا ہو یا نہ آ رہا ہو* ۔ جیسے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے کہ جب رات کے وقت ستارہ نمودار ہوا تو حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے پوچھا ۔

*محیط ۔

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ (۶/۷۷)۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ یعنی تم کہتے ہو کہ میں اس کی پرستش کروں؟ یہاں حرف استفہام (أَ) محذوف ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (هٰذَا رَبِّیْ) حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قول نہیں بلکہ ان کے باپ (آزر) کا قول ہے اور اس کے بعد کا ٹکڑا (فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (۶/۷۷) حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کا جواب ہے۔ (یعنی یہ سب باھمی مکالمہ ہے) اس صورت میں قَالَ هٰذَا رَبِّیْ میں (أَ) کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔

نوٹ :۔ جب اس ھمزہ کے بعد کوئی ایسا لفظ آئے جس کے شروع میں بھی ھمزہ ہو تو یہ دونوں ھمزہ مل کر " آ " بن جاتے ہیں جیسے آلْاٰنَ (۱۰/۹۱) جو دراصل أَ اَلْاٰنَ (کیا اب؟) ہے۔

ا ب ب

اَلْاَبُّ۔ گھاس خواہ خشک ہو یا تر۔ چراگاہ۔ یہ لفظ ہر اس گھاس کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں*۔ قرآن میں ہے۔ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا (۸۰/۳۱) مجاھد نے کہا ہے کہ فَوَاكِهُ وہ میوے اور پھل ہیں جنہیں آدمی کھاتے ہیں اور اَبٌّ۔ جانوروں کے کھانے کی چیزیں ہیں۔ اس میں سبز گھاس۔ چارہ۔ بھوسہ سب شامل ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی (۱) چراگاہ اور (۲) قصد و ارادہ کے ہیں۔ غالباً اس لئے کہ جانور چراگاہ کی طرف قصد و ارادہ سے جاتا ہے۔

صاحب مفردات نے کہا ہے کہ مویشیوں کے لئے اَبٌّ کی وہی حیثیت ہے جو انسانوں کے لئے فَاكِهَةٌ کی ہے۔ فَاكِهَةٌ اس کھانے کی چیز کو کہتے ہیں جسے لذت کے لئے کھایا جائے۔ اس لئے اَبٌّ ان کھانے کی چیزوں کو کہینگے جنہیں مویشی خوشی سے کھائیں۔

ا ب د

اَلْاَبَدُ۔ غیر محدود زمانہ۔ ھمیشہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے طول مدت اور توحش کے ہوتے ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَبَدٌ سے مراد وہ طویل زمانہ ہے جسکا تجزیہ نہ کیا جاسکے۔ یعنی جسے حصوں میں تقسیم نہ کیا جاسکے۔ اس کے برعکس زَمَانٌ اس مدت کو کہتے ہیں جس کا تجزیہ کیا جاسکے۔ اس اعتبار سے اَبَدٌ کا تثنیہ یا جمع نہیں آنی چاھئے تھی

*تاج

لیکن اس کے باوجود اس کی جمع آبَادٌ آتی ھے ۔ بعض لوگوں نے کہا ھے کہ یہ لفظ (آبَادٌ) عرب عرباء کے کلام میں کہیں نہیں آیا* ۔

اَلْاَوَابِدُ ۔ وحشی جانوروں کو کہتے ھیں ۔ (کیونکہ عربوں کا خیال تھا کہ) وہ اپنی موت نہیں مرتے ، ھمیشہ کسی آفت سے مرتے ھیں ۔ غیرمانوس قوافی کو بھی اَوَابِدُ کہتے ھیں اور مصائب کو بھی* ۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں باء اور ھمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش ، نفرت ، بُعد اور جدائی کا مفہوم ھوتا ھے ۔ اَبَدَ الْوَحْشُ کے معنی ھیں جنگلی جانور بدک کر بھاگ اُٹھے ۔

قرآن میں اَبَدٌ کا لفظ یا تو اس معنی میں آیا ھے جس معنی میں ھم کہتے ھیں کہ وہ کبھی ایسا نہ کریگا ۔ مثلاً وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا (۲/۹۵) وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کرینگے ۔ اور یا جنت وغیرہ کے لئے خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (۴/۵۷) میں ۔ "وہ اس میں ابدی طور پر رھینگے" ۔ ابدی اور ازلی اصطلاحات قرآنی نہیں ۔ (اَزَلٌ کا تو لفظ ھی قرآن میں نہیں آیا) لہذا اَبَدٌ کے معنے زمانہ دراز کے ھونگے ۔ چنانہ اھل جہنم کے متعلق جہاں یہ آیا ھے کہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (۴/۱۶۹) ۔ وھاں ان کے متعلق لٰبِثِیْنَ فِیْھَآ اَحْقَابًا (۷۸/۲۳) بھی آیا ھے جس کے معنے زمانہ دراز کے ھیں (دیکھئے عنوان ح ۔ ق ۔ ب) اس کی تشریح مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (۱۱/۱۰۹) سے بھی کر دی گئی ھے ۔ یعنی جب تک آسمان اور زمین ھے ۔ اس سے ظاھر ھے کہ اَبَدٌ سے مراد غیر مختتم (نہ ختم ھونے والا) زمانہ نہیں ۔ مزید دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان اب د

زمان (TIME) کی فلسفیانہ بحث بڑی عمیق اور فنّی ھے اس لئے ھم اس میں نہیں الجھنا چاھتے ۔ اس مقام پر ھم صرف اتنا کہنا چاھتے ھیں کہ جن معنوں میں ھم خدا کے لئے ازلی اور ابدی بولتے ھیں وہ مفہوم صرف خدا کیلئے مخصوص ھے ۔ کسی اور کے لئے نہیں ۔

ابراھیم (علیہ السلام)

حضرت ابراھیم (علیہ السلام) ، ترتیب زمانی کے اعتبار سے حضرت نوح (علیہ السلام) ۔ حضرت ھود (علیہ السلام) اور حضرت صالح (علیہ السلام) کے بعد آتے ھیں (ان حضرات کے تذکار جلیلہ کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے) لیکن ملت ابراھیمی کے مؤسس اور معمار کعبہ کی حیثیت سے قرآن میں آپ کا ذکر بڑی شرح و بسط سے آیا ھے ۔ تورات کا بیان ھے کہ حضرت نوح (علیہ

*العلم الخفاق ۔

السلام) کی آٹھویں پشت میں نحور پیدا ہوئے ۔ ان کے بیٹے تارح (آزر) اور آزر کے بیٹے حضرت ابراھیم (عیلہ السلام) ۔ آزر کا خاندان کلدانیوں کے شہر اُور میں آباد تھا ۔ اس زمانے میں کلدانیوں (بابل) کا تمدن اپنے اوجِ کمال پر تھا ۔ اس تاریخی قیاس کے مطابق آپ کا زمانہ قریب ۲۲۰۰ ق ۔ م قرار دیا جا سکتا ھے ۔ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مشہور تھی ۔ خود آپ کے والد ایک بہت بڑے پجاری (آدار) تھے ۔ آپ نے اپنی دعوت توحید کا آغاز خود اپنے گھر (والد) سے شروع کیا (۶/۷۵) ۔ باپ نے اس کی سخت مخالفت کی (۱۹/۴۶) ۔ پھر آپ نے قوم کو مخاطب کیا اور واضح الفاظ میں انہیں بتایا کہ وہ کس ضلالت میں مبتلا ھیں (۲۱/۵۲) یہ کشمکش اس حد تک بڑھی کہ آپ نے ایک دن اُن کے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیا (۲۱/۵۸) اس دوران میں خود بادشاہ کے ساتھ بھی آپ مکالمہ ھوا جس میں آپ نے اُسے دلائل و براھین سے لا جواب کر دیا (۲/۲۵۸) ۔

ان پے درپے شکستوں سے قوم کے دل میں آتش انتقام بھڑک اُٹھی اور وہ آپ کی جان کے لاگو ھو گئے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدابیر کو ناکام کر دیا اور آپ (اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ساتھ) اس مقام سے شام کی طرف ھجرت کر گئے (۲۱/۶۸-۷۱) اور فلسطین میں اقامت پذیر ھو گئے ۔

آپ نے اپنے بیٹے (حضرت) اسحٰق (علیہ السلام) کو فلسطین میں بسایا اور دوسرے بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو ساتھ لیکر خدا کے حکم سے وادی غیرذی زرع (حجاز) میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا (۲/۱۲۵) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے سپرد اس کی تولیت کی ۔

حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی شاخ میں تمام انبیائے بنی اسرائیل مبعوث ھوئے اور شاخ اسماعیل (علیہ السلام) کے گلِ سرسبد نبی اکرمؐ وجہ شادابی عالم ھوئے ۔

یہ تھے حضرت ابراھیم (علیہ اسلام) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ھے کہ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا ۔ وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۶/۱۲۰) "بلاشبہ ۔ ابراھیم (اپنی شخصیت میں ایک فرد نہیں بلکہ) پوری امت تھا ۔ اللہ کے حضور جھکا ھوا ۔ اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا"، نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵/۱۸۰۶ جلد چہارم عنوان ابراہیمؑ ۔

ا ب ق

اَبَقَ الْعَبْدُ اَبْقًا وَ اِبَاقًا ۔ غلام کا (اپنے فرائض کو چھوڑ کر) بھاگ جانا ۔ یعنی نہ اس سے کوئی سخت کام لیا جا رھا ھو اور نہ ھی اسے کسی قسم

تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔

کا خوف ہو۔ اس کے باوجود اس کا چپکے سے بھاگ جانا*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بؔا اور ھمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَبَقَ میں بھی کیفیت ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلام کا بھاگ جانا نیز کسی معاملہ میں تشدد برتنا ہیں۔

اَلْاٰبِقُ۔ اپنے فرائض منصبی سے احتراز کر کے بھاگ جانے والا یا چھپ جانے والا۔ تَاَبَّقَ الشَّیْیَ۔ وہ کسی شے کو ناگوار سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہو گیا۔ عَبْدٌ اٰبِقٌ۔ بھاگ جانے والا غلام*۔

قرآن نے حضرت یونس کے متعلق اَبَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے (اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا (۳۷/۱۴۰) رسول کو خاص مشن دیکر اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اُسے اس مشن کی تکمیل میں ہزار مشقتیں اٹھانی پڑتیں ، وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تھا۔ لکین جب مشیت خود دیکھتی کہ اس کا اس جگہ زیادہ عرصہ کیلئے رھنا اس مشن کیلئے مفید نہیں تو اسے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا حکم مل جاتا۔ اسے ھجرت کہتے ھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کی قوم سرکشی سے باز نہیں آتی تو انھوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ یہ ماحول پیغام خداوندی کے لئے سازگار نہیں رہا۔ اسلئے وہ قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ ان کا یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام سے قبل از وقت تھا (اور انہوں نے خدا کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی) اسلئے ان کے اس عمل کیلئے اَبَقَ کہا گیا۔ یعنی اپنے فریضہ منصبی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ واضح رہے کہ یہ خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ اپنا اجتہادی فیصلہ تھا۔ لیکن چونکہ یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام کی رُو سے ذرا قبل از وقت تھا اس لئے خدا نے اسے پسند نہیں کیا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک رسول کی زندگی کسقدر احکام خداوندی کے تابع ہوتی تھی اور جن معاملات میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا تھا ان میں رسول اپنی طرف سے ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ دوسرے معاملات میں البتہ اسے آزادی ہوتی تھی کہ وہ وحی کے دئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں اپنا پروگرام آپ مرتب کرتا جائے۔

*تاج۔ راغب۔ محیط۔

ا ب ل

آلاِبِل و آلاِبْل ۔ اونٹ ۔ یہ کثیر تعداد میں اونٹوں کیلئے آتا ہے اور اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا (۶/۱۴۵) ۔ بادل کو بھی اونٹ سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن میں جو ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (۸۸/۱۷) ''کیا یہ لوگ ابل کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کسطرح پیدا کیا گیا ؟ ،، اس میں آلاِبِل کے معنے بادل بھی ہو سکتے ہیں* ۔

اِبِل آبَابِیْل ۔ گلہ در گلہ اونٹ ۔ طَیْرًا اَبَابِیْلَ (۱۰۵/۳) جھنڈ در جھنڈ پرندے** ۔ آلاِبَالَة ۔ آلاِبْیِل ۔ آلاِبُّوْل ۔ آلاِیْبَال ۔ پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹکڑی جو پے در پے یکے بعد دیگرے آتی ہے* ۔

اَبَلَ ۔ وہ متوحش ہو گیا ۔ جن الفاظ میں با اور همزه ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ''* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں ۔ اونٹ ۔ کافی ہو جانا ۔ اور بوجھ اور غلبہ ۔

ا ب و

اَبَاءٌ ۔ اَبٌ کی جمع ہے ۔ اَبٌ اصل میں اَبَوٌ تھا ۔ آلاَبُ ۔ باپ ۔ وہ شخص جس سے اس کی نوع کا کوئی دوسرا شخص پیدا ہو یا وہ شخص جو کسی شے کی ایجاد، اصلاح یا ظہور کا موجب ہو ۔ مربی ۔ وصی ۔ چچا وغیرہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ نیز عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کو بھی اَبٌ کہدیتے ہیں ۔ اَبَوْتُهٗ اَبْوًا ۔ میں نے اس کی تربیت کی ۔ تَاَبَّاہُ اس کو باپ بنا لیا ***

قرآن میں اَبَاءٌ کا لفظ آبا و اجداد (اسلاف) کے لئے آیا ہے ۔ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا (۲/۱۷۰) ''جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا،، ۔ اور باپ چچا اور دادا کیلئے بھی ۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے کہ جب حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبودیت اختیار کرو گے ، تو انہوں نے کہا کہ نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (۲/۱۳۳) '' ہم تیرے الٰہ ۔ اور تیرے آباء ابراھیم ۔ اسماعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی عبودیت اختیار کرینگے '' ۔ حضرت اسحاق ؑ حضرت یعقوب ؑ کے والد تھے ۔ حضرت اسماعیل ؑ ان کے چچا اور حضرت ابراھیم ؑ ان

* تاج ۔ راغب ** اس کے قرآنی مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ف ی ل ۔
''* العلم الخفاق *** محیط ۔

کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔ سورہ یوسف میں اَبَوَیْہِ آیا ہے جس کے معنی ماں باپ (والدین) ہیں (۱۲/۹۹)۔ باپ کو پکارتے وقت یا اَبِیْ کی بجائے یٰاَبَتِ بھی کہتے ہیں* (مثلاً ۱۲/۴ میں)۔ اَلْاَبَا ۔ اَلْاَبُ کی ایک لغت ہے۔ اس کے معنی ہیں باپ۔

ا ب ی

اَبَیَ الشَّیْءَ یَأْبَاہُ۔ کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ کسی چیز سے رکنا۔ باز رہنا۔ شدت سے انکار کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اَخَذَہٗ اُبَاءٌ مِّنَ الطَّعَامِ۔ اسے کھانے سے کراہت ہو گئی۔ رَجُلٌ آبِیَانٌ۔ وہ شخص جو کھانا کھانے سے باز رہے۔ اَلْاِبَاءُ۔ کراہت۔ نفرت۔ امتناع۔ تکبر۔ نخوت کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی بات کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دینا اور پھر اپنی اس روش پر بضد قائم رہنا۔ اَلْاَبِیُّ شیر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی کرتا ہے اور کسی کے کہنے پر نہیں چلتا**۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ آبیٰ میں یہی کیفیت ہے۔ قرآن میں سجدہ (اطاعت) کے مقابلہ میں اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (۲/۳۴) آیا ہے۔ یعنی ابلیس حکم خداوندی کی اطاعت سے رکا اور اس نے اس سے سرکشی برتی۔ دوسرے مقام پر ہے وَلَا یَأْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (۲/۲۸۲)۔ ''جب گواہ بلائے جائیں تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ رکیں نہیں'' قرآن میں اس کا استعمال ایک اور انداز سے بھی ہوا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ہم نے قرآنی حقائق کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے لیکن فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (۱۷/۸۹ نیز ۲۵/۵۰) ''اکثر لوگ ایسے ہیں جو کفر و انکار کے سوا ہر چیز سے اباء کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس پر غور و فکر کرنے اور اس طرح اس سے راہ نمائی حاصل کرنے سے رکے رہتے ہیں اور اس کے حقائق سے انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ میں ہے وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ (۹/۳۲) '' اللہ کسی بات کو قبول نہیں کرتا بجز اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے''۔ ان مثالوں سے واضح ہے کہ اِلَّا کے ساتھ اس لفظ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے سوا اور کچھ مقصود و مطلوب نہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت

* محیط ** تاج۔

موسیؑ اور ان کے رفیق سفر کے قصہ میں ہے فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْ هُمَا (۱۸/۷۷) " بستی والوں نے (انہیں حقیر سمجھتے ہوئے) ان کی مہمانداری کرنے سے انکار کر دیا"۔

ا ت ی

اَتیٰ - یَاْ تِیْ - کے معنے ہیں آنا* - راغب کے نزدیک اِتْیَانٌ - سہولت کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں* - صاحب محیط نے اَتَّی الْمَاءَ کی مثال دی ہے جس کے معنے ہیں پانی کا راستہ آسان کر دیا **۔ مَاْ تِیًّا - ضرور آنے والا (گویا آچکا ہے) (۱۹/۶۱) - مَاْ تِیًّا اصل میں مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی اس چیز کے ہیں جس کے پاس آیا جاتا ہے یا وہ چیز جو آئی ہوئی ہو۔ اس اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے جو قانون مقرر کر دیا ہے ہر شے اس تک پہنچ کر رہتی ہے -

اَتیٰ اِلَیْهِ الشَّیْءَ کے معنی ہیں اس کی طرف کوئی چیز بھیج دی۔ آتیٰ فُلَانًا شَیْئًا - اس نے اسے وہ چیز دیدی*۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اِیْتَاءٌ - اِعْطَاءٌ کے معنوں میں بکثرت آتا ہے مگر اِیْتَاءٌ کے معنے در حقیقت حاضر کرنے کے ہیں - راغب نے اسی لئے کہا ہے کہ قرآن میں صدقات وغیرہ کے لئے اِیْتَاءٌ ہی کا لفظ آیا ہے - اِعْطَاءٌ کا لفظ نہیں آیا - اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقات سہولت سے دیے جا سکیں اور اس کی ضرورت نہ پڑے کہ اس کی تفتیش کی جائے کہ فلاں آدمی نے کیا دیا ہے* - (اس کی وضاحت کے لئے دیکھئے صَدَقَاتٌ - عنوان ص - د - ق) - صاحب تاج العروس نے مختلف اقوال سے بتایا ہے کہ اِعْطَاءٌ اور اِیْتَاءٌ میں فرق یہ ہے کہ اِعْطَاءٌ میں دینے والے کی پوزیشن اس سے ذرا بلند ہوتی ہے جسے دیا جائے لیکن اِیْتَاءٌ میں یہ بات نہیں ہوتی - بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسے دیا جائے اس کی پوزیشن دینے والے سے ذرا بلند ہی ہو - یا کم از کم برابر ہو* (لیکن اسے ہم قاعدہ کلیہ نہیں کہ سکتے کیونکہ قرآن میں بعض جگہ اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ کے الفاظ مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے فَاِنْ اُعْطُوا مِنْهَا رَضُوْا .... وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ .... (۹/۵۸-۵۹) - " سو اگر انہیں ان (صدقات) میں سے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں - ...... اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا "۔

---

* تاج - ** محیط -

قرآن میں مالِ فیء کی تقسیم کے ضمن میں ہے کہ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹) ،، - جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس کے لینے سے روک دے اس سے رک جاؤ - اس کی تشریح (۹/۵۸) میں ہے جہاں فرمایا - وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ - اس کا مطلب یہ ہے کہ مال فیئ اور مال غنیمت کے متعلق اصول یہ نہیں کہ جس نے جو لوٹ لیا وہ اس کی ملکیت ہو گیا - یہ سارا مال نظام خداوندی کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کی تقسیم مرکز نظام کی طرف سے ہوتی ہے -

سورۃ آلِ عمران میں یہ لفظ نزع کے مقابلے میں آیا ہے جس کے معنی ہے لینے کے ہیں - تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۳/۲۵) - ،، تو جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے ،، (اس کی تفصیل ،، مشیت ،، کے ماتحت عنوان ش - ی - أ میں دیکھئیے)- اَتَى الرَّجُلُ - اس نے کوئی کام کیا - عمل کیا* - قرآن میں ہے لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (۲۰/۶۹) - اس کے معنی یہ ہیں کہ ساحر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا- یا مثلاً سورۃ الشعراء میں ہے اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ- (۲۶/۱۶۵) ** ،، تم دنیا جہان سے الگ مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو ،، -

صاحب تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اِیْتَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جسے کچھ دیا جائے وہ اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے قبول بھی کر لے - بر عکس اس کے اِعْطَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ کسی کو دیا جائے ضروری نہیں کہ وہ اس تک پہنچ بھی جائے یا وہ اسے حاصل بھی کرے - اس اعتبار سے قرآن میں جو کہا گیا ہے کہ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ- وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (۱۷/۲۰) - تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے وہ عام ہے - لیکن خدا اسے ہر ایک تک براہ راست نہیں پہنچاتا - اسے حاصل کر لینے کے لئے خود جد وجہد کرنی پڑتی ہے - نیز یہ کہ کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان بخشائشوں کو عام انسانوں تک نہ پہنچنے دے اور راستے میں روک بن کر کھڑا ہو جائے -

تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِتْيَانٌ کے معنی ہلاک کر دینے کے بھی ہیں - مثلاً قرآن میں ہے فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

* تاج -

(۵۹/۴) ۔ ” اللہ نے انہیں ایسے انداز سے ھلاک کر دیا جس کا انہیں وھم و گمان بھی نہ تھا “ ۔

ا ث ث

اَلْاَثَاثُ ۔ ہر چیز کا بڑا حصہ ۔ مال کثیر ۔ گھر کا سامان ۔ ہر قسم کا مال مثلاً ۔ اونٹ ۔ بکریاں ۔ غلام وغیرہ ۔ اَثَاثَةٌ اس کا واحد ہے ۔ اَثَاثٌ گھر کے نئے سامان کو کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہر اس سامان کیلئے استعمال ہوتا ہے جو گھر کی ضروریات کیلئے بنایا جائے ۔ نہ کہ تجارت کی غرض سے* ۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ اَثَاثُ الْبَیْتِ سے مراد ہوتی ہے اَلْمَتَاعُ الْجَیِّدُ ۔ گراں قدر سامان ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اجتماع اور نرمی کے ہوتے ہیں اور اَثَّ النَّبْتُ اَثًّا کے معنی ہوتے ہیں، پودے بہت کثیر ہو گئے ۔

قرآن میں اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا آیا ہے (۱۶/۸۰) ۔ یعنی ساز و سامان ۔

ا ث ر

اَلْاَثَرُ ۔ کسی کھنڈر وغیرہ کا باقی رہ جانے والا حصہ ۔ اَلْاَثَرُ ۔ زخم کا نشان جو اس کے اچھا ہو جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے ۔ اَلْاَثِیْرَةُ ۔ وہ جانور جس کے چلنے سے زمین پر بڑا سا نشان بن جائے ۔ اَلثُّؤْثُوْرُ وَالْمِئْثَرُ ۔ لوہے کا ایک آلہ جس سے اونٹ کے تلوے میں خاص نشان بنا دیتے ہیں کہ اگر وہ کہیں گم ہو جائے تو اس نشان قدم سے اسے تلاش کر لیا جائے ۔***

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَثَرٌ کے چار معنی ہوتے ہیں ۔ (۱) نتیجہ جو کسی چیز سے حاصل ہو ۔ (۲) علامت ۔ (۳) خبر ۔ (۴) حکم جو کسی چیز پر مرتب ہو ”* ۔

قرآن میں ہے فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ (۳۰/۵۰) ۔ یہاں آثار کے معنی نشانیاں یا علامات ہیں ۔ سورۃ فتح میں اَثَرِ السُّجُوْدِ (۴۸/۲۹) آیا ہے ۔ یعنی اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہیں ۔ سورۃ مومن میں ہے اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ (۴۰/۲۱) ۔ دوسری جگہ سورۃ یٰسین میں قَدَّمُوْا کے مقابلہ میں اٰثَارَهُمْ آیا ہے (۳۶/۱۲) یعنی جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو پیچھے چھوڑتے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے عَلٰی اٰثَارِهِمْ (۱۸/۶) ۔ ان کے

* تاج و محیط ۔ ** کتاب الاشتقاق ۔ *** تاج ”* محیط ۔

پیچھے ۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے ۔ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا
قَصَصًا (۱۸/۶۴) ۔ اپنے نقوش قدم پر پیچھے کی طرف لوٹے ۔ سورۃ حدید میں ہے۔
ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (۵۷/۲۷) ۔ پھر ہم نے ان کے نقش قدم
پر ان کے پیچھے اور رسول بھیجے ۔ اس سے اس کے معنے مسلک و مشرب کے
آتے ہیں (یعنے کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے) ابن فارس نے کہا ہے کہ
اَلْاَثْرُ کے معنے پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس میں اَثْرٌ اور
اِثْرٌ دونوں آتے ہیں۔ سورۃ طہ میں سامری کا قول ہے کہ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً
مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (۲۰/۹۶) میں نے رسول (حضرت موسیٰؑ) کے مسلک و
مشرب سے تھوڑا سا حاصل کیا تھا ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا قول ہے ۔
هُمْ اُولَاءِ عَلٰى اَثَرِیْ (۲۰/۸۴) ۔ وہ میرے نقش قدم (مسلک) پر ہیں ۔
سورۃ احقاف میں ہے اَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ (۴۶/۴) ۔ اس کے معنی علمی دلیل
کے ہیں ۔ (یعنی جو کچھ علم میں سے باقی رہ جائے)

آثَرَ ۔ نشان زدہ کرکے اپنے لئے مخصوص کر لینا یا کسی دوسرے کے
لئے مختص کر دینا ۔ اسی سے اِیْثَارٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر
ترجیح یا فوقیت دینا۔ ابن فارس نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے ۔ پہلے معنوں میں
سورۃ اعلیٰ میں ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۸۷/۱۶) ۔ یہ قریبی
مفاد ۔ صرف طبعی زندگی کے انفرادی مفاد ۔ کو اپنے لئے ترجیح دیتے ہیں ۔ نیز (۷۹/۳۸)۔
اور دوسرے معنوں میں سورۃ حشر میں ہے يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
(۵۹/۹) ۔ وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں ۔ سورۃ یوسف میں ہے
لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (۱۲/۹۱) ۔ خدا نے تمہیں ہم پر فضیلت دی ہے ۔
سورۃ طہ میں ہے لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا (۲۰/۷۲) ۔ جو ہمارے
پاس آ چکا ہے تجھے ہم اس پر ترجیح نہیں دینگے ۔

حَدِیْثٌ مَّاْثُوْرٌ ۔ ایسی بات جس کی لوگ ایک دوسرے کو خبر
دیتے چلے آرہے ہوں * ابن فارس نے لکھا ہے کہ اَلسَّمَاءُ الْمَاْثُوْرَةُ اس
کنویں کو کہتے ہیں جو پہلے بنا ہوا ہو پھر زمین کے نیچے دب گیا ہو لیکن
جب کوئی وہاں پہنچے تو ڈول اور رسی کے نشانات پائے ۔

ا ث ل

اَلْاَثْلُ ۔ جھاؤ کا درخت ۔ * وہ درخت جسکی جڑ خوب مضبوط ہو **
ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی اصل اور اس کے

* تاج ۔ ** راغب

مجتمع ہونے کے ہیں۔ یعنی پختہ بنیاد ہونا۔ قرآن میں آثْلٍ (۳۴/۱۶) جھاؤ کے معنوں میں آیا ہے۔

ا ث م

اَلْاٰثِمَةُ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تکان کی وجہ سے مضمحل ہو چکی ہو اور اسلئے بہت آہستہ آہستہ چلے۔ اَلْمُؤَاثِمُ۔ وہ اونٹ جو اضمحلال کی وجہ سے چلنے سے جواب دے جائے*۔ لہذا اِثْمٌ کے بنیادی معنوں میں اضمحلال۔ افسردگی۔ توانائی کا کم ہو جانا۔ سست روی اور شکستگی کا پہلو ہوتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دیر ہونا اور پیچھے رہ جانا ہیں۔ قرآن میں جرم کیلئے اِثْمٌ اور عُدْوَانٌ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے صحیح مفہوم کیلئے (ع-د-و) کا عنوان دیکھئے جہاں عُدْوَانٌ کے مقابلہ میں اِثْمٌ کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔ مقصد اس سے وہ تمام اعمال ہیں جن سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے۔ جن سے اسکی قوت عمل میں کمزوری واقع ہو جائے۔ جن سے وہ سفر حیات طے کرنے میں سست گام ہو جائے۔ جن سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے۔ اس کے لئے قرآن نے خَمْرٌ اور مَيْسِرٌ کی مثال دی ہے جہاں کہا ہے کہ ان میں فائدہ تو ضرور ہے لیکن ان سے انسان کے قوائے عملیہ میں جو اضمحلال پیدا ہوتا ہے اسکے نقصانات اس فائدہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا(۲/۲۱۹)۔ خَمْرٌ (نشہ آور اشیاء) کے ان اثرات سے کون نا واقف ہے جن سے انسان کی قوتیں آہستہ آہستہ مضمحل ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے ''جنت کی شراب'' کے متعلق کہا ہے کہ اس میں تَاْثِيمٌ نہیں ہوگی (لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَاْثِيمٌ ۵۲/۲۳)۔ یعنی اس سے قویٰ مضمحل نہیں ہونگے بلکہ ان کی کمی پوری ہو جائیگی۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيمًا ۔اِلَّا قِيلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (۵۶/۲۵-۲۶) باقی رہا مَيْسِرٌ۔ سو یہ لفظ يُسْرٌ سے ہے (دیکھئے عنوان ی-س-ر) یسر کے معنی ہیں آسانی (بائیں ہاتھ کا کھیل) لہذا مَيْسِرٌ ہر اس آمدنی اور دولت کو کہینگے جو بغیر محنت کئے حاصل ہو جائے۔ اس قسم کی دولت سے جسطرح انسان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور انسان محنت کر کے کمانے کے قابل نہیں رہتا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے سود خوار کو بھی اَثِيمٌ کہا گیا ہے۔(۲/۲۷۶)۔

(ع-د-و) کے عنوان میں عُدْوَانٌ کے معنے یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ان سے مراد ایسے جرائم ہیں جن کے اثرات متعدی ہوں۔ یعنی ان سے معاشرہ کے دوسرے افراد بھی اثر پذیر ہوتے ہوں۔ اس بنا پر اِثْمٌ کے معنی ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہو۔ مثلاً ایک

* تاج۔

شخص افیون کھا کر چپکے سے لیٹے رہتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اسکے اس عمل کا اثر اسکی اپنی ذات تک محدود ہے ۔ لیکن قرآن کی رو سے یہ بھی جرم ہے ۔ اسلئے کہ اسکے نزدیک زندگی کا مقصود انسانی ذات کا نشو و نما ہے لہذا ہر وہ کام جس سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جرم ہوگا خواہ وہ انسان کے اپنے ہاتھوں سے ہی پیدا کیوں نہ ہو ۔ قرآن کی رو سے انسان کا خود اپنے آپکو نقصان پہنچانا بھی جرم ہے ۔ خود کشی بھی قتل نفس میں شامل ہے اور اسلئے اِثْم میں داخل ۔ اور زنا کے وجہ اثم ہونے کے لئے تو کسی ثبوت اور شہادت کی بھی ضرورت نہیں ۔ اسلئے قتل نفس اور زنا کے لئے کہا گیا ہے کہ مَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ یَلْقَ اَثَاماً ۔ (۲۵/۶۸) ۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو بغیر محنت کئے مفت میں دولت حاصل ہو جائے (خواہ وہ کسی طریق سے ملے) اور وہ کسی کو نقصان بھی نہ پہنچائے ۔ تو وہ بھی اِثْم ہے ۔ اسلئے کہ محنت نہ کرنے سے اسکے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں گے اور یہ چیز قرآن کی رو سے جرم ہے ۔

یہ ہیں اِثْم کے بنیادی معنی ۔ اسکے بعد یہ لفظ عمومی حیثیت سے عام جرائم (گناہوں) کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ۔ قرآن کے متعدد مقامات میں یہ لفظ ان معنی میں آیا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بالخصوص ایسے افعال مراد ہوتے ہیں جو اپنے نتائج مرتب کرنے میں دیر لگائیں * (یہ چیز بھی اسکے بنیادی معنوں میں داخل ہے ۔ یعنی سست روی ۔ نتائج پیدا کرنے میں تاخیر ۔ آہستہ آہستہ نتائج مرتب کرنے والے ۔ جیسے خمر یعنی نشہ آور چیزوں کا استعمال) ۔ راغب کے نزدیک اثم اور ذَنْب میں فرق یہ ہے کہ ذَنْب، عَمْداً اور سہواً دونوں طریق پر ہو سکتا ہے لیکن اِثْم صرف ارادۃً ہوتا ہے ۔ لیکن اس لفظ کے مفہوم میں بُطْؤ (دیر لگانے) کے معنے ضرور شامل ہوتے ہیں **

اِثْم کیلئے (ب-ر-ر) کا عنوان بھی دیکھئے کیونکہ قرآن میں یہ لفظ بِرّ کے مقابلہ میں بھی آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵/۲) بر اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور اثم و عدوان میں تعاون مت کرو ۔

ا ج ج

اَلْاَجَّۃُ ۔ اَلْاَجِیْجُ ۔ آگ کا بھڑکنا ۔ مشتعل ہونا ۔ آگ کی آواز کو بھی کہتے ہیں ۔ اَجَّ ۔ یَؤُجُّ ۔ اَجّاً ۔ وہ تیز چلا ۔ سَمِعْتُ اَجَّتَہُمْ ۔ میں نے انکے چلنے کی آواز یا مخلوط سا شور سنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی

* تاج ۔ ** راغب ۔

معنی آھٹ اور شدت کے ھیں۔ اَلْاَجِیْجُ۔ اختلاط و اضطراب۔ گرمی کی شدت۔ مَآءٌ اُجَاجٌ۔ سخت کڑوا پانی۔ وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور یہ سخت کھاری پانی ھے۔ (۵۳/۲۵ و ۱۲/۳۵)۔ اَجَّجَ فُلَانٌ۔ اس نے دشمن پر حملہ کیا *۔ نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۹ جلد چہارم عنوان م ج ج

قرآن میں یَاْجُوْجُ۔ مَاْجُوْجُ کے الفاظ دو مقام پر آئے ھیں۔(۹۴/۱۸) اور (۹۶/۲۱) میں۔ اول الذکر ذوالقرنین کے قصہ کے ضمن میں ھے جہاں ایک قوم نے اس سے فریاد کی کہ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ آکر تباہ کاریاں مچا دیتے ھیں اسلئے آپ ھمارے لئے ایک ایسی دیوار بنا دیں جو انکے حملوں کے لئے روک ثابت ھو۔چنانچہ ذوالقرنین نے وہ دیوار تعمیر کردی جسکا ذکر سورۃ کہف میں (۹۸/۱۸) آتا ھے۔ دوسرا حوالہ سورۃ انبیاء کا ھے جس میں کہا گیا ھے کہ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (۹۵-۹۶/۲۱)۔

یاجوج وماجوج کا نام تورات میں ملتا ھے۔ چنانچہ حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ھے (واضح رھے کہ حزقیل نبی کو بخت نصر بیت المقدس کی تباھی کے بعد گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا جہاں وہ ایران کے بادشاہ سائرس۔ جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ھے۔کے زمانہ تک زندہ تھے)''اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کی طرف منہہ کرکے اسکے خلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف جوماجوج کی سرزمین کا ھے اور ارس۔ مسک۔ اور توبال۔کا سردار ھے''۔ اسکے بعد یہ الفاظ عہد نامہ جدید (یوحنا کے مکاشفات) میں ملتے ھیں جہاں لکھا ھے ''جب ھزار سال پورے ھو چکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ھونگی یعنی یاجوج وماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کیلئے جمع کرکے نکلیگا۔ انکا شمار سمندر کی ریت کے برابر ھوگا اور وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائینگی''۔ یاجوج وماجوج یورپ کی زبانوں میں گاگ (Gog) میگاگ (Magag) کے نام سے متعارف ھیں۔کہا جاتا ھے کہ یہ یونانی زبان کے نام ھیں اور وھیں سے یورپ کی دیگر زبانوں میں آئے۔ یاجوج وماجوج کونسی قومیں تھیں،اس کے متعلق محققین کی آراء مختلف ھیں۔ لیکن اکثریت کا رخ جس سمت کو گیا ھے وہ یہی ھے کہ یہ منگولیا کے علاقہ کے وحشی اور صحرا نورد قبائل تھے جن کا کام لوٹ مار تھا۔ یہ آندھی کے طوفان کی طرح اٹھتے اور اس سیلاب بلا کے سامنے جو کچھ آتا اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتے۔ چنگیز خاں

---

* تاج۔ محیط و راغب

اور ھلاکو خان کے ہلاخیز جھگڑوں سے کون واقف نہیں ۔ منگولیا کا قدیم نام '' موگ ،، تھا جو یونان میں میگاگ اور عبرانی میں ماجوج ہوگیا ۔ اس علاقہ میں دوسرا قبیلہ '' یواچی ،، کے نام سے مشہور تھا جس نے عبرانی میں یاجوج کی شکل اختیار کرلی*۔ انہی کے حملوں سے بچنے کیلئے قومیں اپنے ملکوں کے گرد دیواریں تعمیر کیا کرتی تھیں ۔ یہی وہ سطح مرتفع تھی جہاں سے یہ وحشی قبائل بپھرے ہوئے دریاؤں کی پر شور طغیانیوں اور تلاطم انگیزیوں کی طرح ملحقہ اقوام کو تباہ و برباد کر دیتے (مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ) ۔ اگر ان الفاظ کو اَجّ سے مشتق مانا جائے تو انکی خصوصیات میں آگ کی شعلہ انگیزیاں، طوفانی دریاؤں کی تلاطم خیزیاں اور تند و تیز ہواؤں کی تباہ کاریاں سب آ جاتی ہیں ۔ اشتقاق کی رو سے دیکھا جائے تو ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ سورۃ انبیاء میں اگرچہ نام یاجوج و ماجوج ہی کا لیا گیا ہے لیکن اس سے مفہوم '' یاجوجیت و ماجوجیت ،، ہے خواہ وہ کسی قوم میں پائی جائے۔ قرآن نے کہا یہ ہے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گر جائینگی ان کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی ۔ بجز ایک صورت کے ۔ اور وہ یہ ہے کہ جب دنیا کی ایسی قومیں جن میں اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ممالک پر چھا جانے کی صلاحیت ہوگی ان پسماندہ اقوام کے ملکوں میں پہنچینگی تاکہ وہاں اپنی استعماریت قائم کریں تو ان کے اس تصادم سے ان کمزور قوموں کی قوتیں بیدار ہو جائینگی اور انہیں دوبارہ زندگی حاصل ہو جائیگی ۔ ہمارا دور اس پر شاہد ہے کہ یورپ کی اقوام کس طرح کمزور اقوام (بالخصوص مسلمانوں کے ممالک) میں پہنچیں تاکہ ان کا خون پیا جائے ۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ کمزور اقوام انہی سے سبق سیکھکر ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس طرح دوبارہ زندگی سے متمتع ہو گئیں**۔ اس حقیقت کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ۔

** نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۶ جلد چہارم عنوان ز ج ج

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطمہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اسی طرح ان '' یاجوج و ماجوج ،، اقوام کی تلاطم انگیزیاں ان مردہ اقوام کیلئے حیات نو کا باعث بن گئیں اور یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (۲۱: ۹۵-۹۶)

لیکن اگر ہم یاجوج و ماجوج کو ان کے علاقہ کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو اس سے یہ بھی اشارہ نکل سکتا ہے کہ روس کا موجودہ سیلاب

* بحوالہ ترجمان القرآن ۔ ابوالکلام آزاد ۔ جلد دوم ۔ ۴۶۱

جس کی رو سے وہ ساری دنیا پر چھا جانا چاہتا ہے ۔مسلمانوں کے ممالک کی بیداری کا باعث بن سکتا ہے ۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب مسلمانوں کے ممالک قرآن کا معاشی نظام اپنے ہاں رائج کر لیں ۔

نوٹ :۔سورۃ انبیاء کی مندرجہ بالا آیات (۲۱/۹۵-۹۶) میں حتّیٰ کا ترجمہ '' یہاں تک ،، کیا گیا ہے ۔ لیکن بعض اوقات یہ حرف محض ابتدائے کلام کے لئے بھی آتا ہے اور اس کے کچھ معنی نہیں ہوتے ۔ دیکھئے حرف حتّیٰ ۔

ا ج ر

اَلْاَجْرُ ۔ کام کا بدلا ۔ اَلْاُجْرَۃُ ۔ جو کچھ کام کا معاوضہ دیا جائے ۔ کرایہ * ۔ اِسْتِئْجَارٌ ۔ کسی کو اجرت پر ملازم رکھنا ۔ جیسے سورۃ قصص میں ہے ۔یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ (۲۸/۲۶) '' اے میرے باپ ۔ اسے اجرت پر ملازم رکھ لے ،، ۔

اَجْرٌ ۔ کنایۃً اس تحفے کو بھی کہتے ہیں جو بیوی کو شادی کے وقت دیا جاتا ہے (جسے عرف عام میں مہر کہتے ہیں) قرآن میں ہے اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ (۳۳/۵۰)۔ یہ مفہوم لین نے قاموس کے حوالے سے دیا ہے (دیکھیں ص ۱۸۰۹ جلد چہارم)

قرآن کریم نے اس قانونِ محکم کو بیان کیا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے (اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں) وہ اس کے اعمال (کاموں) کا بدلہ ہوتا ہے ۔ جو کام نہیں کرتا اسے معاوضہ بھی کچھ نہیں ملتا ۔ یہ جہانِ سعی و عمل ہے جس میں مفت خوروں کا کوئی مقام نہیں۔ جس معاشرہ میں کسی شخص کو بغیر کام کئے کچھ مل جاتا ہے (بجز اس کے کہ وہ کام کرنے کے قابل ہی نہ رہا ہو) وہ معاشرہ خدائی قوانین کے مطابق متشکل نہیں ہوتا ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اُجرت (مزدوری) اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کے ہیں ۔ مزدور کی اجرت کو بھی اس لئے اَجْرٌ کہتے ہیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں ۔ اس کی چٹخ جانے والی ہڈیاں جڑ جاتی ہیں ۔

[آیت لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳) کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان (ا ۔ ل ۔ ل) اور (ق ۔ ر ۔ ب) بالخصوص (ق ۔ ر ۔ ب)] ۔

---

* تاج ۔

ا ج ل

اَلْاَجَلُ ۔ کسی بات کی مدت مقررہ ۔ اَلتَّاْجِیْلُ ۔ مدت کا تعین کرنا ۔ مدت مقرر کرنا ۔ مُؤَجَّلٌ ۔ وہ جس کے لئے مدت مقرر کی گئی ہو ۔ تَاَجَّلَ اس نے تاخیر کی ۔ اَجِلَ اَجْلاً ۔ وہ پیچھے ہوا ، موخر ہوا ۔ اَلْاٰجِلُ ۔ عاجل کی ضد ہے* ۔ اَجْلٌ ۔ باعث ۔ وجہ ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ (۴۲/۱۴) اسی وجہ سے ...... اَجَلٌ مدّتِ معینہ کو بھی کہتے ہیں اور اس آخری حد کو بھی جہاں وہ مدّت ختم ہو جاتی ہے ۔ (دیکھیں ۵۸۳ جلد چہارم)

قرآن میں ہے لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ (۷/۳۴) ۔ ہر ایک قوم کیلئے (عروج و ترقی کی) ایک مدت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ اَجَلٌ (مدت) ایک قانون کے مطابق مقرر ہوتی ہے ۔ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ (۱۳/۳۸) "ہر مدت کے لئے ایک قانون ہے" اور وہ قانون یہ ہے کہ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) یعنی جو قوم جسقدر نوع انسانی کے لئے منفعت بخش کام کریگی اسی قدر اسے بقا نصیب ہو گی ۔

قرآن نے اقوامِ عالم کے استخلاف و استبدال کے متعلق تفصیلی پروگرام دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں قوموں کا عروج و زوال محض اتفاقیہ نہیں ہو جاتا بلکہ ایک محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ہر ایک عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ایک مدتِ معینہ کے بعد سامنے آتا ہے ۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے اسطرح محسوس شکل میں سامنے آنے کے درمیانی وقفہ کو بھی اجل سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اسے مہلت کا وقفہ بھی کہاجائیگا ۔ یہ وقفہ بھی قانونِ خداوندی کے مطابق متعین ہوتا ہے جیسے بیج کے درخت بننے تک کی مدت ۔

موت کے متعلق سورۃ آل عمران میں ہے کہ یہ خدا کے قانون کے مطابق وارد ہوتی ہے اور یہی قانون اس کے لئے مدت مقرر کرتا ہے ۔ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَاباً مُّؤَجَّلاً (۳/۱۴۵) کوئی ذی حیات خدا کے قانون کے بغیر نہیں مرتا (موت اس کے قانون طبعی کے مطابق واقع ہوتی ہے) ۔ اور یہی قانون انسان کی عمر کی مدت کا تعین کرتا ہے ۔ یہ قانون، قانون طبعی ہے جس کے مطابق (مثلاً صحت خراب کر لینے سے) عمر کم ہو جاتی ہے اور (صحت کا خیال رکھنے اور ہلاکتوں سے بچنے سے) عمر بڑھ جاتی ہے ۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ (۳۵/۱۱) "کسی بڑی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ

---

* تاج ۔

ھی کسی کی عمر میں سے کمی کی جاتی ھے مگر (یہ سب کچھ) ایک قانون کے مطابق ھوتا ھے،، ۔ یعنی عمر کا بڑھنا اور گھٹنا سب خدا کے قانون طبعی کے مطابق ھوتا ھے ۔

عورت کی عدت کی میعاد کو بھی اَجَلٌ کہا گیا ھے (۲۳۱/۲)۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ . . (۲۳۱/۲) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت (عدت) کے قریب پہنچنے لگیں . . . .

ا ح د

اَلْاَحَدُ ۔ ایک ۔ پہلا عدد ۔ اَحَدٌ کوئی ایک ۔ اس کا مؤنث اِحْدٰی ھوتا ھے ۔ اَلْاَحَدُ اللہ کی صفت ھے اور اس معنی میں کسی اور کیلئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا *۔ (اَحَدٌ اور وَاحِدٌ میں فرق کیلئے دیکھئے عنوان و ح د)۔ اَحَدٌ میں دراصل یگانہ ھونے (Uniqueness) کا پہلو نمایاں ھوتا ھے ۔ چنانچہ کہتے ھیں فُلَانٌ اَحَدُ الْاَحَدِیْنِ ۔ اُسکی کوئی مثل و نظیر نہیں ۔ یہ کسی کی بلیغ ترین تعریف ھو سکتی ھے *۔ اِتَّحَدَ ۔ مجتمع ھؤا ۔ متفق ھؤا ۔ اِتِّحَادٌ اسی کا مصدر ھے ۔ اِسْتَاْحَدَ ۔ منفرد اور تنہا ھوا ۔ **

قرآن میں ھے ۔ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (۱۰۲/۲) اس کے معنی ھیں ''کسی کو بھی''۔ اور قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ (۱/۱۱۲) میں، اَحَدٌ کے معنی یگانہ ۔ بے مثل و بے نظیر (Unique) ھیں ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت اسکی انفرادیت (Uniqueness) ھوتی ھے اور چونکہ خدا کی ذات، مکمل ترین ھے اس لئے اس میں یہ صفت بھی اپنے انتہائی کمال تک پہنچی ھوئی ھے (نیز دیکھئے عنوان و ح د)

ا خ ذ

اَلْاَخْذُ ۔ یہ عطا (دینا) کی ضد ھے ۔ یعنی لینا ۔ کسی شے کا احاطہ کر لینا ۔ بعض علمائے لغت نے کہا کہ اَخْذٌ کے معنوں میں دراصل قہر اور غلبہ کا مفہوم ھوتا ھے اور ھلاک کر دینے اور استئصال (بیخکنی کر دینے) کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ھوتا ھے ۔ نیز سزا دینے (مُؤَاخَذَةٌ) کے معنوں میں بھی ۔ * ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا ۔ وصول کرنا اور جمع کرنا ھیں *۔ ابو عُبَیدہ نے کہا ھے (بحوالہ ابن فارس) کہ اَلْاِخَاذُ حوض جیسی جگہ کو کہتے ھیں جہاں پانی جمع ھو

* تاج ۔ ** محیط ۔

جائے - اَلْاَخِیْذُ - قیدی کو کہتے ہیں - اَلْاَخِیْذَۃُ - غصب کی ہوئی چیز کو-* مَاْخَذٌ - مسلک و منہاج کو - **

قرآن میں یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے - مثلاً سورۃ آل عمران میں ہے اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ (۳/۸۰) - یہاں اسکے معنی "قبول کرنا" ہیں - سورۃ یوسف میں یہ لفظ روک لینے یا گرفتار کرلینے کے معنوں میں آیا ہے - فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَہٗ (۱۲/۷۸) - "تو ہم میں سے ایک کو اسکی جگہ روک لے"، سورۃ ھود میں یہ لفظ اس گرفت کے معنوں میں آیا ہے جو اعمال کے نتیجہ میں خدا کے قانون مکافات کی رو سے ہوتی ہے - وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (۱۱/۱۰۲) "اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہؤا کرتی ہے جب وہ ان بستیوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوں - یقیناً اسکی گرفت الم انگیز اور شدید ہوتی ہے"، - سورۃ المؤمن میں ہے وَھَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍ بِرَسُوْلِھِمْ لِیَاْخُذُوْہُ (۴۰/۵) - یہاں اَخْذٌ کے معنی ہر قسم کی مخالفت کے ہیں جس سے اس رسول کا مشن آگے نہ بڑھنے پائے - سورہ انفال میں ہے فِیْمَا اَخَذْتُمْ (۸/۶۸) - اس کے معنی ہیں جو کچھ تم نے کیا تھا یا جو کچھ لیا تھا - *** سورہ کہف میں تَتَّخِذَ فِیْھِمْ حُسْنًا (۱۸/۸۶) میں اسکے معنی اچھے سلوک کرنے کے ہیں - یعنی حسن کا رانہ روش اختیار کرنا -

ا خ ر

آخِرٌ (اس کا مونث آخِرَۃٌ ہے) - آخِرٌ - اَوَّلٌ کا مقابل ہے - ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (۵۷/۳) - صاحب محیط کے الفاظ میں یہ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آ رہی ہو لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آ رہی ہو - اس سے معلوم ہؤا کہ آخِرٌ ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہوتا ہے - یعنی اس کے بعد پھر اس جیسی اور کڑیاں نہیں آتیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی (آخِرَۃٌ) کو خَلْقٌ جَدِیْدٌ سے تعبیر کیا ہے - (۱۷/۴۹ ، ۹۸ ؛ ۳۴/۷) یعنی وہ زندگی، اس موجودہ زندگی کے تسلسل میں (اس سے ملے ہوئے) آئیگی، اس لئے اس لحاظ سے وہ اس کی آخری کڑی ہوگی - لیکن اس سے موجودہ طبعی زندگی کی کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور ایک نئے انداز کی زندگی کا آغاز ہوگا - اس اعتبار سے وہ ایک نئی زندگی کی پہلی کڑی ہوگی -

---

* تاج - ** محیط - *** لسان العرب -

اسی طرح قرآنی انقلاب کے بعد انسانوں کی جو تمدنی زندگی شروع ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ سابقہ تمدن سے متصل ہی ہوتی ہے لیکن وہ اس تمدن کی آخری کڑی ہوتی ہے۔اس سے ایک نئے انداز کا انسانی تمدن شروع ہوتا ہے۔

لہذا آخِرَۃٌ کسی سلسلہ کی آخری کڑی کو کہتے ہیں جس کے بعد نئے سلسلہ کا آغاز ہو۔ آخِرَۃُ الرَّحْلِ کجاوہ کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو قَادِمَۃُ الرَّحْلِ کی ضد ہے۔ آخِرَۃُ الْعَیْنِ آنکھ کے اس کونے کو کہتے ہیں جو رخسار سے متصل ہوتا ہے اور قَادِمَۃُ الْعَیْنِ اس حصے کو جو ناک سے متصل ہوتا ہے۔

اُخُرٌ قُدُمٌ کی ضد ہے**۔ قُدُمٌ کے معنے ہیں آگے ہونا۔ لہذا اُخُرٌ کے معنے ہیں پیچھے ہونا۔ تَاَخَّرَ، تَقَدَّمَ کی ضد ہوتا ہے۔ مُتَقَدِّمٌ اور مُتَاَخِّرٌ کے معنے اس سے واضح ہیں۔ قرآن میں مَا تَسْبِقُ کے مقابلہ میں مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ (۵/۱۵) بھی آیا ہے۔ مُسْتَقْدِمِیْنَ کے مقابلہ میں مُسْتَاْخِرِیْنَ بھی (۲۴/۱۵)۔

آخَرٌ (خا کی زبر کے ساتھ) غیر کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنے جو دوسرے سے مختلف ہو۔ جیسے رَجُلٌ آخَرٌ۔دوسرا آدمی۔ [دوسرے کے معنے (Second) نہیں بلکہ (Another) یا (Other Than) ہیں] اسی طرح اگر ایک لائن میں کچھ آدمی کھڑے ہوں تو پہلے کے بعد دوسرا آدمی آخَرٌ ہوگا۔ اور دوسرے کے بعد تیسرا آخَرٌ ہوگا۔ اسی طرح یہ سلسلۂ اخیر تک چلا جائیگا۔*

اس کے بعد یہ لفظ آخَرٌ مغایرت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ***مغایرت کے معنے ہیں جو اپنی پہلی کڑیوں سے مختلف ہو۔ سورۃ المؤمنون میں اس لفظ کے یہ معانی بڑی عمدگی سے سامنے آتے ہیں۔اس میں انسانی پیدائش کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدامٹی کے خلاصے سے ہوئی۔ پھر نطفہ بنا اس سے حمل قرار پایا۔ پھر نطفہ سے لوتھڑا بنا۔ لوتھڑا گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل ہوا۔ پھر اس میں ہڈیاں بنیں۔ ہڈیوں پر گوشت چڑھا۔ یہاں تک پیدائش کے وہ مراحل ہیں جو قانون طبعی کے مطابق سلسلہ وار چلے آتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی کڑی نہیں آتی جو اس قانون کی رو سے سابقہ کڑی سے الگ ہو۔

---

* آخَرُ کی تانیث اُخْرٰی ہے جس کی جمع اُخَرُ ہے (۲/۳)۔

** ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔

*** تاج

(حتیٰ کہ اس منزل تک حیوان کے بچے اور انسانی جنین میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا)۔ اس کے بعد ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ (۲۳/۱۴) "پھر ہم نے انسان کو ایک بالکل نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کیا"۔ یہاں خَلْقًا آخَرَ کے معنی یہ ہیں کہ سلسلہ تخلیق کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں انسانی ذات کی طرف اشارہ ہے جو طبعی قوانین کی پیداوار نہیں ہوتی۔ اسے دور حاضر کی اصطلاح میں فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) کہتے ہیں۔ یعنے جس میں اچانک، غیر متوقع طور پر ایک ایسی تخلیق سامنے آجاتی ہے جو اپنی سابقہ کڑیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔

لہٰذا آخَرُ اور آخِرٌ کے معانی کے اعتبار سے انسانی زندگی کا یہ تصور سامنے آیا کہ انسانی پیکر میں آکر زندگی نے اپنی سابقہ کڑیوں سے ایک بالکل مختلف شکل اختیار کر لی۔ اب یہ سلسلہ اس کی طبعی موت تک جاری رہیگا۔ اس کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جو اگرچہ اس زندگی سے بالکل متصل ہوگی لیکن اس سے موجودہ کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور اس کے بعد زندگی ایک نیا اسلوب اختیار کریگی۔ جو لوگ اس زندگی کے متعلق موجودہ زندگی کے قوانین (Physical Laws) کے مطابق سوچتے ہیں انہیں اس پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو دل و دماغ، قدرت کے اچانک انقلابات کی تخلیقی کارفرمائیوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آخرت، اس مستقبل کا نام ہے جو انقلاب آفرینی کے ذریعے ظہور میں آتا ہے، نہ کہ گردش دولابی (کولہو کے بیل کی حرکت) کے ذریعے۔ یہ انقلاب اس زندگی میں (قرآن کے ذریعے) پیدا ہوتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی بھی ایک نئے انقلاب سے ظہور میں آتی ہے۔

قرآن، اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا کے مقابل قِیٰمَةٌ اور آخِرَةٌ کے الفاظ لاتا ہے۔ مثلاً خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ .... (۲/۸۵)۔ اور اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ (۲/۸۶)۔ دنیا کے معنی ہیں قریبی (دیکھئے عنوان د۔ ن۔ و) اسی طرح وہ عَاجِلَةٌ کے مقابلہ میں آخِرَةٌ بھی لاتا ہے۔ مثلاً (۱۷/۱۸، ۱۹)؛ (۷۵/۲۰، ۲۱) میں۔ یعنے پیش پا افتادہ بمقابلہ مستقبل۔ آخِرًا لاسر۔ اسی طرح تَعَجَّلَ اور تَاَخَّرَ بھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوئے ہیں (۲/۲۰۳)۔ نیز آخِرَةٌ بمقابلہ اُوْلٰی (۹۳/۴) بھی۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، سورة حجر میں مُسْتَقْدِمِیْنَ کے مقابل مُسْتَاْخِرِیْنَ کا لفظ آیا ہے (۱۵/۲۴)۔ یعنی پہلے چلے جانے والے اور بعد میں آنے والے۔ اسی

کی تشریح دوسری جگہ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (۱۵/۵) نے کر دی ہے ۔ سورۃ شعراء میں فِی الْاٰخِرِیْنَ (۲۶/۸۴) کے معنے آنے والی نسلیں ہیں ۔

لہٰذا ''آخرت،، کے مفہوم میں، پیش پا افتادہ مفاد کے بجائے مستقبل کی خوشگواریاں، موجودہ نسل کے بجائے آنے والی نسلیں (انسانیت عامہ)، انقلاب آفرینی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی نمود، اور اس طبعی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کے تصورات، سب شامل ہیں ۔

آخَّرَ ۔ یُؤَخِّرُ ۔ کسی کام کو بعد میں کرنا ۔ ملتوی کرنا ۔ موقوف کرنا (عن) ۔ مہلت دینا (ا۱۱۹/۱۱)۔ تَاَخَّرَ پیچھے رہ جانا ۔ دوسرے کے بعد آنا۔ وَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ .... وَمَنْ تَاَخَّرَ ...... (۲/۲۰۳) ۔ '' اور جو جلدی کر کے دو دن میں (چلا جائے) .... اور جو پیچھے رہ جائے،،

قرآن کریم نے جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل) پر یقین رکھتے ہیں ۔ یعنے وہ مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر گر نہیں پڑتے بلکہ ہمیشہ اپنے سامنے مستقبل کا مفاد رکھتے ہیں ۔ جو کسان بیج کے لئے رکھے ہوئے گیہوں کو چکی میں پسوا کر اس کی نرم نرم روٹیاں کھا لیتا ہے اس کی آج کی بھوک تو مٹ جاتی ہے ۔ لیکن مستقبل (آخرت) میں اس کے لئے مستقل بھوک ہوتی ہے ۔ لیکن جو کسان اس بیج کو زمین میں ڈال کر چھ سات ماہ تک برابر محنت کرتا ہے اور نہایت ثبات و تحمل سے فصل پکنے کا انتظار کرتا ہے اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے اور جب یہ سلسلہ ایک چکر باندھ لیتا ہے تو اس کا حال بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی ۔ یہ اس لئے کہ اسے مستقبل (آخرت) پر یقین تھا اس لئے وہ مفاد عاجلہ پر لپک نہیں پڑا ۔ غور کیجئے ۔ دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے جس کے سامنے مستقبل کی بہبودی ہو ۔ مومن کو مستقبل پر یقین رکھنے والا کہا گیا تھا ۔ لیکن آج اس آسمان کے نیچے جماعت مومنین (مسلمان) سب سے زیادہ عاقبت فراموش (مستقبل سے بے نیاز) ہے اور اس لئے سب سے پیچھے ۔ حالانکہ اس کا مستقبل اس قدر حدود فراموش تھا کہ اس کا احاطہ اس دنیا کی چار دیواریوں تک محدود نہیں تھا ۔ وہ موت کے بعد بھی برابر آگے چلتا تھا ۔

واضح رہے کہ ایک فرد کی زندگی میں ہر آنے والا سانس مستقبل ہے ۔ ایک قوم کی زندگی میں آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے ۔ نوعِ انسانی کے

لئے آنے والے زمانے کی انسانیت (Humanity) اس کا مستقبل ہے، اور ان سب کے لئے اس دنیا کی طبعی زندگی کے بعد، اگلی زندگی (حیات آخرت) مستقبل ہے۔ اس کے بعد سوچئے کہ جب قرآن کریم نے مفادِ عاجلہ کے مقابلے میں آخرت پر یقین رکھنے کی تاکید کی تھی تو اس کا مفہوم کیا تھا؟ یہی کہ فرد ہو یا قوم۔ وہ

(۱) صرف اپنے حال ہی کو نہ دیکھے۔ مستقبل پر بھی نگاہ رکھے۔
(۲) موجودہ نسل کی بہبود ہی پر قناعت نہ کرے۔ آنے والی نسلوں کی خوش حالی کو بھی پیش نظر رکھے۔ اور
(۳) زندگی اس دنیا کی طبیعی زندگی کو نہ سمجھ لے۔ موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین رکھے۔

(اس کے ساتھ (د۔ ن۔ و) کا عنوان بھی دیکھئے)۔

ا خ و

اَلْاَخُ۔ یہ لفظ آخِیَّۃٌ سے مشتق ہے۔ رسّی یا آہنی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا اسے آخِیَّۃٌ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا۔ لہذا آخ کے معنے ہوئے ایک حلقہ میں بندھے ہوئے یا ایک کھونٹے کے ساتھ بندھے ہوئے۔ یہ لفظ بھائی اور ہر اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا صفت یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو*۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ وَخِیٌ ہے جس کے معنے تصد کے ہیں۔ لہذا آخٌ کے معنے ہونگے ہم مقصد**۔ اس کا مؤنث اُخْتٌ ہے۔

قرآن کریم میں اِخْوَانٌ بمقابلہ اَعْدَاءٌ آیا ہے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً .... فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ "تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا"، (۳/۱۰۲)۔ اَعْدَاءٌ انہیں کہتے ہیں جن کے درمیان پچر (Wedge) لگ رہی ہو۔ لہذا اِخْوَانٌ وہ ہونگے جن کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو۔ قرآن کے الفاظ میں فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (۳/۱۰۲)۔ "اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی"۔ اس اعتبار سے مومن وہ ہیں جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل چکے ہوں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ گھل مل جاتا ہے***۔ قرآن نے تمام مومنین کو اِخْوَةٌ

---

* محیط ** تاج *** (دیکھئے عنوان ا۔ ل۔ ف)

قرار دیا ہے ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔ ”یقیناً سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں،، (۴۹/۱۰) جو قرآن کی رسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا (۳/۱۰۲) ”تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو،،۔ یہ ہے جماعت مومنین کے افراد کا باہمد گر صحیح رشتہ ۔

قرآن میں ہم قبیلہ افراد کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا (۲۷/۴۵)۔ ”ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا ،، اور ہم مشرب لوگوں کے لئے بھی۔ جیسے مُبَذِّرِیْنَ کو اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ کہا گیا ہے (۱۷/۲۷) ۔ اسی طرح اُخْتٌ ہم قبیلہ عورت کو کہا گیا ہے ۔ جیسے حضرت مریم کو یَا اُخْتَ ھَارُوْنَ کہا گیا ہے (۱۹/۲۸) ۔ اور مثیل اور ہم مشرب کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے ، جیسے (۷/۳۸) میں ہم مشرب اقوام کو ایک دوسرے کی اُخْتٌ کہہ کر پکارا گیا ہے ۔

ا د د

اَلْاِدُّ ۔ تعجب ۔ گھبرا دینے والا معاملہ ۔ اچنبھا * ۔ اَلْاَدِیْدُ چیخنے چلانے اور پانی گرنے کی آواز کو کہتے ہیں** ۔ ہر ناخوشگوار بات جس میں شور و غوغا ہو *** ۔ یعنی ایسی بات جو لوگوں کو اسقدر ناگوار گذرے کہ اس سے اختلاف خلفشار پیدا ہو جائے اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگ جائیں ۔ اَدَّ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ بڑ بڑایا ۔ اَدَّتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی کا آہیں بھرنا اور رونے کی آواز بلند کرنا ۔ اَدَّتْہُ الدَّاھِیَۃُ ۔ مصیبت نے اسے پریشانی میں ڈال دیا * ۔ تَاَدَّدَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ سنگین ہو گیا ** قرآن کریم نے عیسائیوں سے کہا ہے کہ تم نے یہ عقیدہ وضع کرکے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں ۔ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (۱۹/۸۹) ۔ ایک نہایت افسوس ناک اور کرب انگیز بات کردی ۔ تم نے ایک بڑا ہی خطرناک اور حقیقت سوز عقیدہ ایجاد کر لیا ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بڑا ہونا (امرِ عظیم) شدید ہونا اور بار بار ہونا ۔ نیز بدک کر بھاگ جانا ہیں ۔

اِدْرِیْس علیہ السلام

قرآن کریم نے حضرت ادریسؑ کا ذکر انبیاء کرامؑ کے زمرہ میں کیا ہے ۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (۱۹/۵۶)۔ ”اور تو کتاب میں ادریس کا ذکر کر۔ یقیناً وہ سچا نبی تھا،، ۔ نیز (۲۱/۸۵)

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

لیکن آپ کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں آیا ۔ قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے ۔ اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ ہے ۔ اگر آپ حنوک ہی ہیں تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں چوتھی پشت پر آتے ہیں ۔ کیونکہ تورات نے حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے ۔ نوح ۔ بن لمک ۔ بن متوسلح ۔ بن حنوک ۔ (پیدائش - ۲۱-۲۹/۵) ۔

ا د م

اُدْمَۃٌ کے معنے ہیں قرابت ۔ موافقت ۔ مل جل کر رہنے کی صلاحیت ۔ یا خود میل جول ۔ اَدَمَۃٌ اور اُدْمَۃٌ کے معنے ہیں مخلوط ہونا ۔ موافق ہونا ۔ ایک دوسرے میں میل محبت ہونا ۔ اَدَمَ اللّٰہُ بَیْنَہُمْ یَاْدِمُ کے معنی ہیں خدا نے ان کے درمیان موافقت سازگاری اور ہم آہنگی پیدا کر دی ۔ اَلْاِدَامُ ہر موافق چیز کو کہتے ہیں* ۔ یعنے جو مل جل کر رہ سکے ۔ اصل میں یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے (مثلاً سالن ۔ ترکاری وغیرہ) ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔ یعنی موافقت ۔ محبت ۔ مودت ۔

اَلْاُدْمَۃُ گندم گون رنگ کو کہتے ہیں** ۔ اَدَمَۃٌ ۔ اندرونِ جلد کو بھی کہتے ہیں (ابن فارس) ۔ اِدَامٌ ۔ کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے اس کے قبیلہ کو پہچانا جائے* ۔ آدَمِیٌّ ۔ جس کی نسبت آدَمُ کی طرف ہو ۔ انسان* ۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ " آدم " جن کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ***) نبی تھے ۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی ۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا ۔ بالفاظِ دیگر، قصہ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود " آدمی " کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے ۔ اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم (Primitive) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی ۔ اُدْمَۃٌ کا لفظ خود اس تمدنی زندگی (Social Life) کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔ لہذا " آدمیت " انسانی زندگی کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس نے مل جل کر رہنا شروع کیا ۔ اس طرح مل جل کر رہنے سے باہمی مفادات

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** مزید براں دیکھئے تفسیر صفحہ ۱۸۰ جلد چہارم عنوان آدم

کا تصادم ہؤا۔ اس تصادم کا حل تنہا عقل انسانی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کا حل وحی کے ذریعے دیا گیا۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب "ابلیس و آدم" میں ملیگی)۔

قرآن کریم میں البتہ ایک مقام ایسا ہے جس میں آدم کا لفظ اس انداز سے آیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی فرد کا نام ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی آدَمَ وَنُوْحًا وَّآلَ اِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ...... (۳/۳۳) "یقیناً اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو (ان کی ہم عصر اقوام پر) فضیلت دی تھی ......"۔ یہاں آدم کا ذکر حضرت نوح کے ساتھ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس سے مفہوم کوئی خاص فرد ہے اور وہ (حضرت نوح کی طرح) نبی تھے (اگرچہ اصْطَفٰی کا لفظ قرآن میں غیر نبی کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلاً حضرت مریم کے متعلق۔ دیکھئے (۳/۴۱)۔ اور خود امتِ محمدیہ کے متعلق۔ دیکھئے (۳۵/۳۲)۔ بہرحال جس آدم کا ذکر سورۃ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت (۳/۳۳) میں آیا ہے وہ "جنت سے نکلنے والے آدم" سے مختلف تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نبی ہوں (اور ان کا نام آدم ہو) قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔ اس نے سلسلہ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوح کے ذکر ہی سے کیا ہے۔ مثلاً سورۃ نساء میں ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ (۴/۱۶۳) بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد کے انبیاء پر وحی کی ....."۔ اگرچہ قرآن کریم سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم نوح میں حضرت نوح سے پہلے اور انبیاء بھی آ چکے تھے (دیکھئے ۲۳/۳۴۔ و عنوان نوح)۔

ا د ی (ا د و)

آدَوْتُ تَفْعَلُ كَذَا۔ تو ایسا کرنے کی تدبیر کرتا رہا *
اسکی اصل آدَاةٌ ہے جس کے معنی ایسی تدبیر یا ذریعہ کے ہیں جس سے کسی تک پہنچا جاسکے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی چیز تک پہنچانے یا کسی چیز کے دوسری چیز تک خود بخود پہنچ جانے کے ہیں۔

اَدَّاهُ۔ تَاَدِيَةً۔ اسکو پہنچا دیا۔ اَدَّى دَيْنَهٗ اس نے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اَلاَدَاءُ اسم ہے**۔ قرآن میں ہے وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ (۲/۱۷۸)۔ "اور احسان کے ساتھ اسکی ادائیگی کی جائے"۔

---

* راغب ** تاج

نیز اس کے معنی ہیں کسی کے سپرد کر دینا - (جیسے امانت واپس کر دی جاتی ہے - حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ (۴۴/۱۸) ''اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دے - ادائے امانت کے لئے یہ لفظ (۲/۲۸۳) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ - ''جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئیے کہ اپنی امانت ادا کر دے''۔

إِذْ

اِذْ - جب - جسوقت - جس جگہ - کے معنوں میں آتا ہے - یہ عموماً زمانہ ماضی (گذرے ہوئے زمانے) کے لئے آتا ہے - إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ (۲/۳۰)- ''جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا'' - یا إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ (۲/۱۲۷) - '' جب ابراهیم (اس گھر کی) بنیادیں اٹھا رہا تھا'' - بعض اوقات یہ ''کیونکہ'' یا ''اس لئے کہ'' کے معنوں میں بھی آتا ہے - مثلاً لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ (۴۳/۳۹) '' آج یہ تمھیں کچھ فائدہ نہیں دیگا کیونکہ تم زیادتیاں کیا کرتے تھے''۔

لین نے صحاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض اوقات (إِذْ) زائد بھی ہوتا ہے - مثلاً وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (۲/۵۱) - اس کے معنی ہیں، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کا حکم دیا - ایسے مقامات پر إِذْ سابقہ واقعہ میں فصل پیدا کر دیتا ہے - یعنی اس سے ایک نئی بات شروع ہو جاتی ہے -

يَوْمَئِذٍ - اس دن - يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (۹۹/۴) - ''اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کردیگی -''

حِينَئِذٍ - اس وقت - وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ - (۵۶/۸۴) اورتم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو-

إِذَا

إِذَا - یہ کئی معنوں میں آتا ہے - مثلاً :

(۱) کبھی یہ ''اچانک'' کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے - یعنی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ دفعتاً ظہور میں آ جائے - خَرَجْتُ فَإِذَا الْأَسَدُ بِالْبَابِ - میں باہر نکلا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے کے سامنے شیر کھڑا ہے - قرآن میں ہے فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (۲۰/۲۰)- ''تو اس نے یکایک کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے'' -

(۲) کبھی إِذَا کے معنی ''پس'' کے بھی آتے ھیں۔ یعنی کسی بات کے نتیجہ میں کچھ واقعہ ھونا۔ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (۳۰/۳۶) اور جب ان پر خود انکے اپنے ھاتوں کی لائی ھوئی مصیبت پڑتی ھے تو وہ مایوس ھو جاتے ھیں۔

(۳) کبھی یہ شرط کے مفہوم کے ساتھ 'جب' کے معنوں میں زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل دونوں کے لئے آتا ھے۔ مثلاً إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰/۱) ۔ جب خدا کی مدد اور فتح آگئی (یعنی زمانہ ماضی) ۔ اور زمانہ مستقبل کی مثال فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ (۳/۱۵۸) جب تو پختہ ارادہ کرلے تو اللہ (کے قانون) پر پورا پورا بھروسہ رکھ

إِذًا ۔ یہ ان معنوں میں استعمال ھوتا ھے جن معنوں میں ھم اپنے ھاں کہتے ھیں کہ اگر یوں ھؤا تو اس صورت میں بات یوں ھوگی ۔ سورہ مومنون میں ھے وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُوْنَ (۲۳/۳۴) اگر تم اپنے ھی جیسے ایک انسان کی اطاعت کروگے تو (یاد رکھو) اس صورت میں تم یقیناً سخت نقصان اٹھاؤ گے ۔

إِذَا مَا ۔ جب ۔ جس وقت ۔ سورہ شوریٰ میں ھے ۔ وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (۴۲/۳۷) وہ جب کبھی غصہ میں آئیں تو دوسروں کو اپنے غصہ کے نقصان رساں اثرات سے محفوظ رکھتے ھیں ۔

اذن

اُذْنٌ ۔ اُذُنٌ ۔ کے معنے ھیں کان (جسکی جمع اٰذانٌ ھے) ۔ اُذُنٌ ۔ اس شخص کو کہتے ھیں جسکے کان بڑے بڑے ھوں اور اُذُنٌ اسے کہتے ھیں جو ھر شخص کی بات سن لے اور اسے قبول کرلے*۔ قرآن کریم میں ھے وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۔ (۹/۶۱) مخالفین، رسول کے متعلق کہتے ھیں کہ یہ تو کانوں کا کچا ھے ۔ اَذَانٌ کے معنے اعلان کے ھیں ۔ وَ اَذَانٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ اِلَى النَّاسِ (۹/۳) میں اس کے معنے اعلان ھی کے ھیں ۔ اَذِنَ اِلَيْهِ وَلَهُ کے معنے ھیں کان لگا کر سننا ۔ پسندیدگی کے ساتھ ۔ لیکن بعض کے نزدیک اسمیں پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کی کوئی شرط نہیں ۔ خالی سننے کے لئے بھی ایسا کہا جاتا ھے ۔* لیکن بعض علمائے لغت کے نزدیک اس میں سننے کے ساتھ اطاعت کرنے کا مفہوم بھی

---

* تاج ۔

پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا (۸۴/۲) ۔ میں صرف سننا ہی مراد نہیں بلکہ اطاعت کرنا بھی ہے*۔ تَاَذَّنَ کے معنی اعلان کرنے (یا کسی کو خبر دینے) کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک اسکے معنے قسم کھانے کے بھی ہوتے ہیں۔** در اصل اس میں قسم اور یقین کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یعنی کہنے والا کہتا ہے کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں جہاں ہے وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ (۷/۱۶۶)۔ تو اسکے معنی یا تو یہ ہیں کہ جب تیرے رب نے اعلان کیا، یا یہ کہ جب تیرے رب نے کہا کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ (خدا کے اعلان کرنے یا یقینی طور پر کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس بات کے لئے ایسا قاعدہ یا قانون بنا رکھا ہے۔)اَذِنَ بِالشَّیْئِ کے معنے ہیں کسی بات کا علم حاصل کرلینا۔ اس سے آگاہ ہو جانا۔ چنانچہ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ (۲/۲۷۹) کے معنے ہیں تم آگاہ اور خبردار ہو جاؤ کہ تمہارے خلاف خدا نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔**

اَذِنَ لَهٗ فِی الشَّیْئِ۔ کے معنی ہیں اجازت دیدینا اور اِسْتِئْذَانٌ کے معنے ہیں اجازت طلب کرنا۔**

اِذْنٌ کے معنے ہیں اجازت۔ اعلان اور علم (اجازت و اعلان کا ذکر اوپر آگیا ہے۔ علم کے ضمن میں) فَعَلَهٗ بِاِذْنِیْ کے معنے ہیں اس نے اس کام کو میرے علم سے کیا ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے کان اور علم دونوں ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ اِذْنٌ اور عِلْمٌ میں فرق یہ ہے کہ اِذْنٌ وہیں بولا جاتا ہے جہاں صاحب علم کا ارادہ اور مشیت بھی اسکے ساتھ شامل ہو لیکن عِلْمٌ میں اسکی شرط نہیں۔ لہذا اِذْنُ اللّٰهِ کے معنی ہوئے اللہ کا علم اور مشیت***۔ اس چیز کو عام اصطلاح میں ''خدا کا قانون'' کہتے ہیں۔ (اسکی تفصیل ''مشیت'' عنوان ش ی۔أ کے تحت ملیگی)۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں اِذْنُ اللّٰهِ آئیگا اسکے معنے سیاق و سباق کے اعتبار سے خدا کے قانون کے ہونگے جسمیں اسکا علم اور مشیت دونوں آجاتے ہیں۔ مثلاً سورۂ اعراف میں ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (۷/۵۸)۔ ''اور اچھی زمین سے اسکی پیداوار خدا کے اذن (قانون) کے مطابق نکلتی ہے''۔ ظاہر ہے کہ زراعت کے متعلق خدا نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور فصلیں اس قانون کے مطابق پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح سورہ الحج میں ہے۔ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲۲/۶۵)

* لین ** تاج *** راغب

''وہ بادلوں (بارش) کو تھامے رکھتا ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر نہ گرے''۔ یہاں بھی اذن سے مراد قانون خداوندی ہے جس کے مطابق مینہ برستا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ (۳/۱۴۴) اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ ہر ذی حیات کی موت خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ (۲/۱۰۲) پر بحث کرتے ہوئے صاحب مفردات نے لکھا ہے کہ اللہ نے انسان کے اندر یہ خصوصیت رکھدی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے وارد کردہ نقصان سے اثر پذیر ہوسکے۔ پتھر میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ یہی خدا کا اِذْنٌ ہے*۔ اسی کو قانون خداوندی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف اشیاء میں مختلف قسم کی خصوصیات جن کی رو سے ان کی روش زندگی متعین ہوتی ہے۔ خارجی کائنات میں اللہ کا یہ اِذْنٌ قانون کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ اور جہانتک انسانوں کی تمدنی دنیا کا تعلق ہے، یہ اِذْنٌ کتاب اللہ (قرآن) کے اندر ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فَهَدَى اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ (۲/۲۱۳) کے معنے ہیں اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ان امور کے بارے میں جن میں انسان اختلاف کرتے ہیں اپنی کتاب (ضابطہ قانون) کے مطابق حق کے ساتھ صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کردیتا ہے۔ یہاں بِاِذْنِهٖ کے معنے ہیں کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق یا قرآن کے ذریعے۔ اور اگر اسکے معنی عام قانون لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنے قانون ہدایت کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کر رہا ہے اور قانون ہدایت یہ ہے کہ ہدایت اسکو ملتی ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے۔ جو ہدایت حاصل کرنا نہ چاہے وہ گمراہ رہتا ہے (تفصیل اسکی ش-ی-أ کے عنوان میں ''مشیت'' کے تحت ملیگی) بہرکیف ''اِذْنُ اللهِ'' کے معنی ہیں خدا کا قانون خواہ وہ قانون کائنات ہو یا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر ہے۔

أ ذ ی

اَلْاَذِیَّةُ۔ کسی چیز کا طبیعت پر ناگوار گزرنا۔ ناخوشگوار سی بات۔ خفیف سی تکلیف۔ یہ جب ذرا آگے بڑھ جائے تو ضَرَرٌ کہلاتی ہے۔ جس کے معنے سخت تکلیف، نقصان یا مصیبت کے ہیں**۔

اَذٰی۔ یُؤْذِیْ۔ ایذا پہنچانا۔ یعنے ایسی باتیں کرنا جو دوسرے کو ناگوار گزریں**۔ صاحب تاج نے لکھا ہے کہ اگرچہ قیاسی طور پر اس کا مصدر اِیْذَاءٌ آسکتا ہے لیکن کلام عرب میں یہ لفظ دیکھا نہیں گیا۔

---

* راغب **تاج

نَاقَۃٌ آذِیَۃٌ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو طبعاً ایسی ہو کہ کسی ایک مقام پر چین سے نہ بیٹھے*۔

قرآن کریم نے عورت کے حیض آنے کے متعلق کہا ہے کہ قُلْ هُوَ أَذًى (۲/۲۲۲)۔ اس میں گھناؤنا پن۔ ناگواری۔ ناخوشگواری اور ذرا سی بے چینی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس حالت میں عورتوں سے الگ رہنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲/۲۶۴)۔ دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے جو کچھ تم دو اس کے بعد ایسی صورت نہ پیدا کردو کہ تم ان کے سر پر سنگِ گراں بنکر بیٹھ جاؤ یا کوئی ایسی بات کرو جو انہیں ناگوار گزرے۔ ایسا کروگے تو تمہاری یہ امداد تعمیری نتائج پیدا کرنے کے بجائے تخریبی نتائج پیدا کریگی۔ یہ عمل، باطل ہوجائیگا۔

سزا دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۴/۱۶) میں آیا ہے۔ جہاں کہا گیا ہے وَالَّذَانِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا۔ "اور تم میں سے جو دو اس کا ارتکاب کریں تو انہیں سزا دو"۔

بیماری کی تکلیف کے لئے سورۃ بقرہ میں ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ (۲/۱۹۶)۔ "پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو"۔

ا ر ب

اَلْاِرْبُ۔ اَلْاِرْبَۃُ۔ اَلْاُرْبَۃُ۔ چالاکی۔ معاملات کی بصیرت۔ تیز ذہانت۔ پورا مکمل عضو جس میں سے کچھ کم نہ ہو۔ عقل۔ کشادگی۔ اَرِبَ بِالشَّیْءِ۔ کسی چیز کا ماہر ہونا۔ اَرِبَ اِلَیْهِ۔ اس نے شدت سے کسی چیز کی ضرورت محسوس کی یا اس کا محتاج ہوا۔ اَلْاَرْبُ۔ وہ فاصلہ (یا کشادگی) جو انسان کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے مابین ہوتا ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں (۱) ضرورت۔ (۲) عقل۔ (۳) حصہ اور۔ (۴) گرہ باندھنا اور سخت کرنا۔

اَرَّبَ الشَّیْءَ۔ چیز کو مضبوط کردیا۔ مکمل کردیا**۔ اَلْاَرَبُ۔ شدتِ احتیاج، ضرورت۔ اَلْاِرْبَۃُ۔ اَلْمَاْرَبَۃُ۔ حاجت۔ ضرورت۔ غرض۔ آرَابٌ۔ وہ اعضاء جن کی شدید ضرورت ہوتی ہے***۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (۲۰/۱۸)۔ اس سے میری دیگر بہت سی ضرورتیں پوری ہونگی۔ یا میں اس سے دیگر بہت سے معاملات کو

*تاج۔ نیز ابن فارس۔ ** محیط *** راغب

سلجھاؤنگا۔ میں اس سے ایسی بصیرت حاصل کرونگا جس سے مشکل معاملات میں میری عقدہ کشائی ہوتی جائیگی۔ میں مختلف اہم اور ضروری امور میں اس سے مدد لونگا۔

سورۃ نور میں ہے غَيْرُ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (۲۴/۳۱)۔ مردوں میں سے ایسے (نوکر) جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو۔ نیز دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۲، ۱۸۰۸ جلد چہارم

ا ر ض

اَرْضٌ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو نیچے ہو، اَرْضٌ کہلاتی ہے۔ (برعکس سَمَاءٌ کے)۔ چنانچہ اَرْضُ النَّعْلِ جوتے کے تلے کو کہتے ہیں۔ نیز ٹانگوں کا وہ حصہ جو گھٹنے سے نیچے ہو اَرْضٌ کہلاتا ہے۔ زمین کو بھی اَرْضٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پاؤں کے نیچے رہتی ہے*۔

چونکہ انسانی معاش کا بنیادی ذریعہ اَرْضٌ (زمین) ہے اس لئے اَلْاَرَاضَةُ خوش حالی اور شادابی کو کہتے ہیں*۔ اَرُضَتِ الْاَرْضُ کے معنے ہیں زمین عمدہ ہو گئی۔ اس میں بہت پیداوار ہونے لگی اور اس لئے آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی*۔ جَدْیٌ اَرِیْضٌ کے معنے ہیں بکری کا موٹا اور فربہ بچہ*۔ اَلْاَرَضُ دیمک کو کہتے ہیں*۔

چونکہ اَرْضٌ نچلی چیز کو کہتے ہیں اس لئے اَرَاضَةٌ کے معنے ہیں کسی کا منکسرالمزاج یا مطیع و فرمانبردار ہو جانا**۔ اَرِیْضٌ کے معنی ہیں خلیق آدمی۔ یا نرم اور عمدہ زمین۔ اس میں خیر کا پہلو غالب ہوتا ہے (ابن فارس)۔ قرآن میں جِبَالٌ کے ساتھ اَرْضٌ کا لفظ آیا ہے۔ (مثلاً یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً (۱۸/۴۷) "جس دور میں ہم جبل کو (اپنے غلبہ اور قوت سے) ان کی جگہ سے ہلا کر الگ کر دینگے اور ارض ابھر کر سامنے آ جائیگی"۔ ان مقامات میں جِبَالٌ کے مجازی معنے ہونگے بڑے بڑے لوگ (قوم کے اکابر) اور اَرْضٌ کے مجازی معنے چھوٹے طبقے کے لوگ۔

اَرْضٌ وَسَمٰوٰتٌ کے معنی کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہونگے۔ اور جہاں ان الفاظ کا تعلق زندگی کے کسی پہلو سے ہوگا تو سَمَاءٌ کے معنی خدا کا کائناتی قانون اور اَرْضٌ کے معنے انسان کی معاشی زندگی ہونگے۔ قرآن نے اَرْضٌ کے متعلق کہا ہے کہ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (۷/۱۰)

---

* تاج۔ ** لین۔ *** راغب۔

”ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامانِ معیشت رکھے ہیں“۔ اگر آپ غور کرینگے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ سامانِ زیست کا اصلی سر چشمہ ارض ہی ہے ۔ اس لئے یہ لفظ وسائل و ذرائع رزق کے لئے استعمال ہوا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان س ۔ م ۔ و) ۔ اگر معاشی زندگی کو خدا کے کائناتی قانون (یا قرآن کے ضابطہ حیات) سے الگ کر لیا جائے تو وہ نہایت پست سطح کی (حیوانی) زندگی ہو جاتی ہے جس میں طبعی زندگی سے متعلق مفاد عاجلہ تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انسانی زندگی کا بلند نصب العین حاصل نہیں ہوتا ۔ اس قسم کی معاش کو قرآن نے عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی (۷/۱۶۹) ۔ ”اس قریبی زندگی کی متاع“ کہکر پکارا ہے ۔ اور اسے رفعت (بلندی) کے مقابلہ میں پستی قرار دیا ہے ۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (۷/۱۷۶) ”ہم چاہتے تھے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اسے (انسان کو) بلندی عطا کر دیں لیکن وہ پستی کے ساتھ چمٹ گیا“ ۔ اسی کو جذبات پرستی ۔ خود غرضی یا نفسانیت اور مفاد پرستی کہا گیا ہے ۔ یعنی صرف طبعی زندگی کے مفاد کو مقصدِ حیات قرار دے لینا ۔ قرآن کے الفاظ میں وَاتَّبَعَ هَوٰهُ (۷/۱۷۶) ”اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا“ ۔ توحید یہ ہے کہ خدا کا جو قانون خارجی کائناتی زندگی میں کارفرما ہے اسی قانون کو انسان کی معاشی زندگی کا مدار بنایا جائے ۔ (یہ قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے) ۔ اس توحید کے معنے یہ ہیں کہ اَرْضٌ اور سَمَآءٌ میں ایک ہی قانون کو تسلیم کیا جائے ۔ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۴۳/۸۴) ”ارض و سماء میں وہی صاحب اقتدار ہے“ ۔ اگر انسان اپنی معاشی زندگی کو (قانونِ خداوندی کے بجائے) اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع رکھے تو معاشرہ میں ناہمواریوں کا جہنم پیدا ہو جاتا ہے ۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱/۲۱-۲۲) ”کیا انہوں نے اپنی معاشی زندگی کے لئے اور قوتوں کو صاحب اقتدار تسلیم کر رکھا ہے جن کے متعلق انکا خیال یہ ہے کہ وہ ان کی معاشی زندگی کو حیات نو عطا کردینگے ۔ اگر ارض و سماء میں اللہ کے سوا اور صاحب اقتدار ہستیاں ہوں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے ۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اَرْضٌ (زمین) نوعِ انسانی کے لئے رزق کا سر چشمہ ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کسی فرد کی ملکیت میں نہیں جا سکتی۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) کے یہی معنی ہیں (یعنی ارض کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا ہے) ۔ دوسری جگہ ہے مَتَاعاً لَّکُمْ وَ لِاَنْعَامِکُمْ (۷۹/۳۳) ''تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ۔ متاع حیات،، ۔ نہ صرف زمین بلکہ دیگر عناصر طبعی جن کے امتزاج و تعاون سے زمین سے رزق پیدا ہوتا ہے، ان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ مَتَاعاً لِّلْمُقْوِیْنَ ہیں (۵۶/۷۳) یعنی بھوکوں کے لئے سامان زیست ۔ لہذا کوئی نظام جس میں ارض تمام نوع انسانی کے مشترکہ فائدہ کی بجائے کسی خاص گروہ یا افراد کے فائدے کا موجب بن کر رہ جائے، قرآنی تعلیم (یعنی منشائے خداوندی) کے خلاف ہے ۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ اس رزق کے سر چشمے (یعنی زمین کی پیداوار) کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئیے ۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (۴۱/۱۰) ۔ وسائل پیداوار اور سامان زیست (مثلاً روشنی ۔ ہوا ۔ پانی ۔ زمین، قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں ۔ یہ وہ انقلاب ہے جسے قرآن چھٹی صدی عیسوی میں اس وقت لایا جب دنیا جاگیر داری اور زمینداری کو عین ''مطابق فطرت،، سمجھے ہوئے تھی ۔ دنیا نے اسوقت اس انقلاب کی اہمیت کو نہ سمجھا (اور بعد میں خود مسلمانوں نے بھی اسے پس پشت ڈال دیا) لیکن اب وہی دنیا، زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس کی طرف کشاں کشاں چلی آ رہی ہے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا .... (۱۳/۴۱) ۔ ''کیا یہ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کسطرح زمین کو بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر کم کرتے چلے جا رہے ہیں،، ۔ اس طرح بتدریج وہ وقت آ جائیگا جب زمین کسی فرد کے ہاتھ میں نہیں رہیگی بلکہ تمام افراد انسانیہ کی پرورش کا ذریعہ بن جائیگی ۔ یہ وہ دور ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹/۶۹) ۔ ''زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھیگی،، ۔

ا ر ک

اَلْاَرِیْکَةُ ۔ (جمع اَرَائِکُ) ۔ تخت یا مسہری جس پر پردے پڑے ہوئے ہوں ۔ یا ہر وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے ۔ راغب نے کہا ہے کہ چھپر کھٹ کو اَرِیْکَةٌ کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ بالعموم اَرَاکٌ

(پیلو) کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا ۔ اَلْاَرَاکُ ایک قسم کے ترش چارہ کو بھی کہتے ہیں* ۔ قرآن میں ہے مُتَّکِئِیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَائِکِ (۱۸/۳۱) ''وہ گدے دار تختوں یا مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قیام کرنے کے ہیں ۔ نیز آرَاکٌ (درخت) کے ۔ علاوہ ازیں، جب زخم مندمل ہوکر باقی جسم کی سطح کے برابر ہو جائے تو اسے بھی اَرَکَ ۔ یا اَرِکَ کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو جاتا ہے ۔ مزید برآں دیکھئے تمتہ صفحہ ۱۸۰۸ جلد چہارم۔

ا ر م

اَلْاَرَامُ ۔ (واحد اِرَمٌ) نشانات راہ ۔ یا کسی چیز پر کوئی نشان بنا دینا تاکہ وہ پہچانی جا سکے* ۔ پتھروں کو اُرَّمٌ کہتے ہیں** ۔

قرآن میں قوم عاد کے متعلق ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹/۷) ۔ اِرَمٌ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ (ذَاتِ الْعِمَادِ کے لئے دیکھئے عنوان (ع ۔ م ۔ د) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے تھے** ۔ بعض محققین کا یہ خیال بھی ہے کہ قوم عاد کے مورث اعلیٰ کا نام اِرَم تھا جو سام کا بیٹا تھا ۔ اس اعتبار سے عاد اور اِرَم ایک ہی قوم کا نام ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عاد) ۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاَرُوْمَۃُ درخت کی جڑ یا انسان کے حسب نسب کو کہتے ہیں*** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا ۔ اس میں ترتیب اور بلندی (دونوں) کا مفہوم آ جاتا ہے ۔

ا ز ر

اَلْاَزْرُ ۔ پشت ۔ قوت* ۔ قرآن میں ہے ۔ اشْدُدْ بِهِ اَزْرِیْ (۲۰/۳۱) ۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے ۔ میری قوت کو مستحکم کردے ۔ اَلْاِزْرُ ۔ اصل و بنیاد ۔ اَلْاِزَارُ ہر وہ چیز جو تمہارے بدن کیلئے ستر کا کام دے ۔ اَلْمُؤَازَرَۃُ ۔ آمنے سامنے ہونا ۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا ۔ کھیتی کا ایک دوسرے کے ساتھ گتھ جانا اور اس طرح بڑے پودوں کا چھوٹے پودوں کو تقویت دینا* ۔ آزَرَ کے معنی ہیں جڑ اور بنیاد کو مضبوط کرنا ۔ سورۃ فتح

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

میں (شجرِ اسلام کے متعلق) ہے فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ (۴۸/۲۹) ۔ (اس کھیتی کی طرح جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے) پھر اپنی جڑ کو مضبوط کرتی ہے ۔ اسطرح وہ موٹی ہوتی چلی جاتی ہے ۔

آزَرٌ ۔ ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تارخ تھے ۔ اس بت کی نسبت سے انکا لقب آزَرٌ تھا ۔ بعض نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام تھا، یا کسی اور بزرگ کا ۔ لیکن قرآن میں لِاَبِیْهِ آزَرَ (۶/۷۵) آیا ہے ۔ چونکہ اس مقام پر کوئی اور معنی لینے کا قرینہ نہیں اس لئے یہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ ہی تھے ۔ بعض کہتے ہیں کہ تارخ ہی کو معرب کرکے آزر بنا لیا گیا* ۔ لیکن یہ بڑی ضعیف سی بات ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آزَرٌ کے معنے ضَالٌّ (گمراہ) کے ہوتے ہیں** ۔ لیکن قرآن نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا ۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراہیم) ۔

ا ز ز

اَلْاَزِیْزُ ۔ تیزی اور حدت ۔ گرج ۔ اَزَّ النَّارَ یَؤُزُّهَا ۔ اس نے آگ کو روشن کر دیا اور بھڑکا دیا ۔ اَزَّتِ الْقِدْرُ ۔ ہانڈی میں سخت اُبال آ گیا ۔ اَزَّتِ السَّحَابَةُ ۔ بادل زور سے گرجا ۔ اَلْاَزُّ ۔ رگ کا پھڑکنا ۔ برانگیختہ کرنا ۔ بھڑکانا* ۔ سورۃ مریم میں ہے تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (۱۹/۸۳) ۔ وہ (شیاطین) کفار کو اکساتے اور بھڑکاتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تحرک ۔ تحریک ۔ اور کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا ہیں ۔ نیز اس کے معنی کسی کو کسی دوسرے کے خلاف اسطرح اکسانا ہیں کہ جسے اکسایا جائے اسے محسوس تک نہ ہو کہ اس سے کیا کام لیا جا رہا ہے ۔

ا ز ف

اَزِفَ التَّرَحُّلُ ۔ روانگی کا وقت قریب آ گیا ۔ اَزِفَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے جلدی کی ۔ اَلتَّاَزُّفُ ۔ قریب قریب اور یکساں قدم رکھنا ۔ اَلْاَزِفُ ۔ جلد ہونے والی چیز* ۔

قرآن میں ہے اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (۵۳/۵۷) آنے والی ساعت قریب آ پہنچی ۔ یعنے اعمال کے ظہور نتائج کا وقت ۔ اسی کو دوسری جگہ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ

* تاج ۔ ** راغب

(۵۳/۱۸) کہا گیا ہے - یعنی وہ ''آنے والی ساعت،، - انقلاب کی گھڑی - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں زا کے ساتھ ھمزہ آئے ان میں سختی اور تنگی کا مفہوم مضمرہوتا ہے- ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی قریب اور نزدیک ہونے کے لکھے ھیں -

استبرق

اِسْتَبْرَقٌ - موٹے ریشمی کپڑے کو کہتے ھیں - بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا دبیز ریشمی کپڑا ھوتا ہے جس پر سونے کا کام کیا گیا ہو* - قرآن میں سُنْدُسٌ اوراِسْتَبْرَقٌ (۱۸/۳۱) - اہل جنت کے عمدہ لباس کے لئے آئے ہیں -

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جوھری نے اس لفظ کا مادہ برق بتایا ہے- اگر یہ برق سے ہے تو ممکن ہے اس میں بجلی کی چمک کا استعارہ ھو-

اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراھیم ؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے - فرزند اکبر حضرت اسمعیل ؑ حضرت ھاجر کے بطن سے تھے - اور چھوٹے بیٹے (حضرت اسحٰق ؑ) حضرت سارہ کے بطن سے - حضرت اسمعیل ؑ حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں بسے اور حضرت اسحٰق ؑ کے حصہ میں فلسطین کی سرداری آئی - اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام ؑ کے زمرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے .... مَآ اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ...... (۲/۱۳۶) - ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراھیم - اسماعیل اور اسحٰق کیطرف،، - انبیائے بنی اسرائیل آپ ھی کی اولاد میں سے تھے - (نیز دیکھئے عنوان ابراھیم)

ا س ر

اَلْاِسَارُ - وہ تسمہ یا رسّی وغیرہ جس سے کسی چیز کو باندھ لیا جائے - اَلْاَسْرُ کسی چیز کو رسی وغیرہ سے باندھ لینا - نیز بندش - ساخت اور خلقت - اَلْاَسِیْرُ - قیدی - باندھا ہوا (آدمی) - اسکی جمع اَسَارٰی اور اَسْرٰی آتی ہے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روک دینے اور قید کر دینے کے ھیں -

---

* تاج و محیط -

باندھنے کے مفہوم سے اس کے معنے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بھی آتے ہیں* ۔ قرآن میں اَسَارٰی کا لفظ قیدیوں کے لئے آیا ہے ۔ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی ''اور اگر وہ قید ہوکر تمہارے پاس آئیں'' ۔ (۲/۸۵)۔سورۃ الدھر میں ہے نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَا اَسْرَهُمْ (۷۶/۲۸)۔''ہم نے انہیں (انسانوں کو) پیدا کیا اور ان کے اَسْر کو مضبوطی سے جکڑ دیا'' ۔ اَسْر کے معنے انسانی جسم یا ہیئت (Form) کے ہیں ۔ دور حاضرہ کی علمی تحقیقات کی روشنی میں نظر آتا ہے کہ یہ لفظ حقیقت کے ایک بہت بڑے گوشے کو بے نقاب کرتا ہے ۔ ہم کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے جب تک اسکی کوئی (Form) نہ ہو ۔ سائنس کی تحقیق نے بتایا ہے کہ مادہ (Matter) در حقیقت کسی ٹھوس چیز کا نام نہیں ۔ یہ (Atoms) کا مجموعہ ہے جو ایک خاص نظام کے ماتحت ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوتے ہیں ۔ اگر ان میں یہ باہمی جکڑ بندی نہ رہے تو کسی شے کی (Form) باقی نہیں رہ سکتی ۔ لہذا یہ اَسْر (باہمی جکڑ بندی) ہی ہے جس سے اشیاء کا وجود قائم ہے ۔ سرجیمز جینس نے اسے ''مقیّد لہروں'' (Bottled-up Waves) سے تعبیر کیا ہے ۔ اسی کو قرآن نے شَدَدْنَا اَسْرَهُمْ کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے اس مادہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔

اسرائیل علیہ السلام

حضرت یعقوب کا لقب تھا ۔ (۳/۹۲)۔تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''یعقوب''۔ بنی اسرائیل کیلئے عنوان ''بنی اسرائیل'' دیکھئے ۔

ا س س

اَلْاُسُّ ۔ اَلْاَسَاسُ ۔ عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے۔جمع آسَاس ۔ اَلْاَسِيْسُ ۔ ہر چیز کی اصل ۔ اَلتَّاْسِيْسُ ۔ عمارت کی بنیادیں ڈال دینا ۔** نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر ثابت اور قائم ہونا ۔ سورۃ توبہ میں ہے اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (۹/۱۰۸) (وہ مسجد) جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی ۔

---

* تاج ۔ **تاج و محیط

اَلْاُسُّ۔ انسان کے دل کو بھی کہتے ہیں۔* اور اس راکھ کو بھی جو کاروان کے منزل سے کوچ کر جانے کے بعد پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس سے اسکے معنے کسی چیز کےاثر یا نشان کےلئے جاتے ہیں۔ خُذْ اُسَّ الطَّرِیْقِ کسی سے اس وقت کہتے ہیں جب اس سے صحیح راستہ تک پہنچنے کے لئے دیگر نشانات و قرائن سے رہنمائی حاصل کرنے کےلئے کہا جائے۔

ا س ف

اَلْاَسَفُ۔ کسی چیز کے کھو جانے پر شدید ترین حزن کو کہتے ہیں*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ھمزہ ساتھ آئیں ان میں شدت اور قوت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف آئے غَضْبَانَ اَسِفًا (۱۵۰/۷)۔ "غصہ میں بھرے ہوئے۔ افسوس کرتے ہوئے"۔ راغب نے کہا ہے کہ اَسَفٌ سے مطلب انتقام کے جذبہ کے ماتحت خونِ دل کا جوش کھانا ہے۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمتر کے لئے پیش آئے تو غَضَبٌ کہلاتی ہے اور اگر اپنے سے برتر کے لئے پیش آئے تو حُزْنٌ کہلاتی ہے*۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۵۵/۴۳)۔ جب انہوں نے ہمیں "ناراض کیا، تو ہم نے انہیں ان کے جرموں کی سزا دی۔ (اللہ کے "ناراض ہونے" کے لئے عنوان (غ-ض-ب) دیکھئے)۔

سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کا قول ہے یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (۸۴/۱۲)۔ وائے افسوس! یوسف!!۔ لہذا عام حالات میں اس کے معنے حزن و تاسف کے ہونگے۔ اَرْضٌ اَسِیْفَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیدا نہ ہو۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی فوت (یعنی ہاتھ سے نکل جانا) اور حسرت و تاسف بتائے ہیں۔ اَلْجَمَلُ الْاَسِیْفُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو فربہ نہ ہوتا ہو (ابن فارس)۔ اَسِیْفٌ غلام کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آزادی پر ہمیشہ محزون رہتا ہے۔ نیز جلد غمگین ہو جانے والے رقیق القلب آدمی کو بھی*۔

اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت ابراھیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ حضرت ھاجر کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ۔ اور حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ بڑے بیٹے تھے۔ انہی کو حضرت ابراھیمؑ، اپنے خواب کو

* تاج۔

حکم خداوندی سمجھ کرخدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے (۳۷/۱۰۲) لیکن خدا نے انہیں وقتی قربانی کے بجائے، عمر بھر کی قربانی کے لئے زندہ رکھا (۳۷/۱۰۷) ۔یہ بڑی قربانی (ذبح عظیم)تھی ، بیت اللہ کی تولیت۔خانہ خدا کی پاسبانی۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹوں (حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ) نے ملکر کعبہ کوتعمیر کیا (۲/۱۲۷) اور اس کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ اسکی پاسبانی کے لئے وھیں بس گئے ۔ خدا نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا (۴/۱۶۳)۔ اور صَادِقَ الْوَعْدِ (۱۹/۵۴) کہکر پکارا ۔ ''اسمٰعیل'' عبرانی لفظ شماع (سماع سننا) اور ایل (خدا) سے مرکب ہے۔چونکہ آپ کی پیدائش حضرت ابراھیمؑ کی دعاؤں کا نتیجہ تھی اس لئے آپ کا نام اسمٰعیل (اللہ کا سننا) رکھا گیا ۔ آپ کی اولاد میں حضور خاتم النبیینؐ پیدا ہوئے۔

ا س ن

آسَنَ الْمَآءُ یَاْسُنُ ۔ پانی کی بو،رنگ یا مزے کا بگڑ جانا ۔آلْاَسِنُ وہ پانی جو دیر تک ٹھہرا رہنے کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو*۔قرآن میں جنت کی انہار کے متعلق ھے ۔ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ (۴۷/۱۵) ''ایسے پانی کی نہریں جو بگڑتا نہیں'' ۔ اسلئے کہ جنتی معاشرہ میں کسی چیز کو روک کر نہیں رکھا جاتا ۔ استعمال کی ہر شے گھومتی پھرتی اور رواں دواں جاری رہتی ھے۔ یہ تو جہنمی معاشرہ ھے جس میں یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷) کی کیفیت پیدا ہوتی ھے۔ یعنی رزق کےجن چشموں کو بہتے رھنا چاھئیے انہیں ارباب قوت و اقتدار اپنے ذاتی مفاد کے لئے روک رکھتے ھیں اور اسطرح رکنے سے ان میں تغیر واقع ھوجاتا ھے ۔

[آخرت کی جنت کی کیفیات کو ھم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن قرآن صرف آخرت کی جنت و جہنم ھی کے متعلق گفتگو نہیں کرتا ۔ وہ اس دنیا کی جنت اور جہنم کا بھی ذکر کرتا ھے۔ تفصیل جنت (ج۔ن۔ن) اور جہنم کے عنوانوں میں ملیگی]۔ اس دنیا کے جنتی اور جہنمی معاشرہ کو ھم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ھیں ۔ آخرت کی جنت اور جہنم پر ھمارا ایمان ھے ۔ قرآن کریم میں ان کا بیان تمثیلی ھے۔ (۱۳/۳۵ ; ۴۷/۱۵)

ا س ی**

آسِیْتُ عَلَیْہِ ۔ میں اس پر غمگین ھوا ۔ رَجُلٌ اٰسٍ وَآسْیَانٌ وآسْوَانٌ۔ غم کرنے والا آدمی ۔ اٰسٍ (الاٰسِیُّ) طبیب و معالج کو کہتے

* تاج و راغب و محیط ** اس میں مادہ (ا۔س۔و) بھی شامل ہے۔

هیں)۔ اِمْرَاَۃٌ اٰسِیَۃٌ۔ غم کرنے والی عورت*۔ قرآن میں ہے فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۲۶/۵) ۔ ''تو قوم فسقین (کی تباہی) پر غمگین نہ ہو''۔

آسَاہُ بِمُصِیْبَتِہٖ تَاْسِیَۃً ۔ اس کی مصیبت میں اس کو تسلی دی۔ فَتَاَسّٰی ۔ پس اسے تسلی ہو گئی*۔ لہذا آسَیَ کے معنے (راغب کے الفاظ میں) غم کے ہونے اور تَاْسِیَۃٌ کے معنی غم کو دور کرنے کے ۔ چنانچہ اَلْاَسْوُ زخم کی دوا کرنے کو کہتے ہیں ۔ اَلْاٰسِیَۃُ۔ دوائیں۔ یہ الاَسْوُ کی جمع ہے ۔

اَلْاَسِیُّ ۔ جس کی دوا کی جائے **۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اسو کے بنیادی معنی دوا دارو کرنا ہیں اور اسی کے معنی رنج و غم ہیں ۔

راغب نے کہا ہے کہ اِسْوَۃٌ و اُسْوَۃٌ کے معنے وہ حالت ہیں جس پر کوئی شخص کسی کا اتباع کرتے وقت ہوتا ہے، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، مسرت بخش ہو یا تکلیف دہ۔ نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے۔ جس سے اس کا غم زائل ہو جائے ۔ جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے**۔ اَسَوْتُہٗ بِہٖ ۔ میں نے اسے اس کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار دیا ۔ جنگ احزاب میں جن لوگوں نے دون ہمتی اور عدم استقلال کا ثبوت دیا تھا ان سے کہا گیا کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۳۳/۲۱) تمہیں وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو رسول اللہ نے کیا ۔ جس طرح وہ ہمت و استقلال سے قانون خداوندی سے کامل ہم آہنگی کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے تھا ۔ ان کی مثال تمہارے لئے نہایت عمدہ نمونہ تھی ۔ اس سے تمہیں اپنی مشکلات میں تسلی حاصل کرنا چاہئے تھی ۔ اسی طرح دوسری جگہ حضرت ابراہیم کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح نظام خداوندی کے مخالفین سے علانیہ کہدیا کہ ہمارا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ۔ اس ضمن میں کہا گیا کہ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرٰھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (۶۰/۴) ۔ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی یہ روش تمہارے لئے قابل تقلید نمونہ ہے ۔ اس سے تمہارے دکھوں کا مداوا ہوگا ۔ چنانچہ قرآن میں کئی مقامات پر مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم اس نظام کے مخالفین سے کبھی دوستی کا رشتہ نہ رکھو۔ انہیں راز دار نہ بناؤ۔ مثلاً (لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ (۳/۱۱۷) ۔ ''تم اپنوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بناؤ''

---

* تاج ۔ ** تاج و راغب *** محیط ۔

اَلْمُوَاسَاةُ ۔ کا مفہوم یہ ہے کہ تم دوسرے کو اپنی جگہ پرسمجھو اور جس قدر اپنے لئے نفع حاصل کرنے اور مضرات کو دفع کرنے کی کوشش کرواتنی ہی اس کے لئے کرو ۔ اور اِیْثَارٌ یہ ہے کہ تم اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دو***۔ قرآن کریم اِیْثَارٌ کی تعلیم دیتا ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۔ ''وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔،، (۵۹/۹) ۔ اسی اصول پر قرآن کریم کے نظام ربوبیت کی بنیاد ہے *۔

ا ش ر

اَشِرَ ۔ یَاْشَرُ ۔ اَشْرًا ۔ بہت زیادہ اترانا اور اکڑنا ۔ خود پسندی کے ساتھ خوش ہونا ۔ در اصل اُشَرُ الْمِنْجَلِ درانتی کے دندانوں کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْمِئْشَارُ ۔ آرے کو ۔ اس لئے اَشَرٌ ایسی خود پسندی اور اکڑفوں ہے جو دوسروں کو کاٹتی چلی جائے ۔ یعنے شدت کی خود پسندی اور تکبر جس میں انسان عقل کی حدود سے نکل جائے ** ۔

قرآن کریم میں ہے بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (۵۴/۲۵) ۔ یہ اَشِرَ ۔ یَاْشَرُ سے ہے اور اس کے معنے انتہائی متکبر اور خود پسند کے ہیں ۔ ''وہ سخت جھوٹا اور بڑا خود پسند ہے،، ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی حدت اور تیزی کے لکھے ہیں ۔

اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد

قوم تبّع کے حاکم ذونواس کا وہ لشکر جس نے بڑی بڑی خندقوں میں آگ جلا کر عیسائیوں کو اس میں جھونک دیا تھا ۔ (۸۵/۴-۹) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ت ۔ ب ۔ ع) اور (خ ۔ د ۔ د) ۔

اصحابُ الْاَیْکہ

وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ کے نام سے پکاری گئی ہے ۔ (۱۵/۷۸) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''شعیبؑ،، ۔

---

* تفصیل کے لئے دیکھئے میری ''کتاب نظام ربوبیت،، ** تاج و راغب *** محیط

اَصْحَابُ الْحِجْرِ

حضرت اسمٰعیلؑ کے بڑے بیٹے کا نام نبایط تھا ۔ ان کے خاندان کو نبط (جمع انباط) کہا جاتا ہے ۔ شام و عرب کی حدود پر ان کی حکومت کے آثار ملتے ہیں ۔ تورات میں (حزقیل نبی کے صحیفہ میں) نبط کا ذکر آیا ہے ۔ پہلے ان کا دارالسلطنت رَقِیم تھا ۔ لیکن جب اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تو یہ وادی قریٰ میں شہر حَجَر کیطرف منتقل ہو کر آ گئے ۔ اسی نسبت سے انہیں اَصْحَابُ الْحِجْرِ کہا گیا ہے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب میں ماخوذ ہو گئے (۱۵/۸۰-۸۴) ۔

چونکہ ان سے پہلے قوم ثمود کا مرکز بھی حجر کا شہر رہ چکا تھا اس لئے بعض مورخین کا خیال اسطرف بھی گیا ہے کہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیات میں اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہی ہے ۔ لیکن قیاس غالب یہی ہے کہ ان سے مراد قوم نبط ہے جس کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی حجر کے کھنڈرات کی اینٹوں پر منقوش ملتی ہیں ۔

اَصْحَابُ الرَّسِّ

حضرت اسمٰعیلؑ حجاز میں سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے خاندانوں کے رئیس تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام قیدماہ تھا ۔ اصحاب الرسّ انہی کی اولاد میں سے قیاس کئے جاتے ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قوم ثمود کا ایک قبیلہ تھا ۔ قرآن کریم نے تکذیب رسل کے سلسلہ میں دو مقامات پر ان کا نام لیا ہے ۔ یعنی (۲۵/۳۸) اور (۵۰/۱۲) میں ۔

اَصْحَابُ الْکَهْفِ وَ الرَّقِیْمِ

وہ نوجوان جنہوں نے آسمانی انقلاب کے سلسلہ میں ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اس انقلاب کی تیاریاں کرتے رہے ۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ہے (۱۸/۹-۲۶) ۔ تفصیل ان امور کی میری کتاب ''شعلہ مستور'' میں ملیگی ۔

زمانۂ قدیم میں نبطی حکومت کا دارالسلطنت رقیم کا شہر تھا ۔ جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا علاقہ فتح کیا تو اس شہر کو شہرت حاصل

ہوئی ۔ لیکن رقیم کے نام سے نہیں بلکہ پیٹرا کے نام سے ، جسے عربوں نے اپنے ہاں بطرا کہکر پکارا ۔ دور حاضر کی اثری تحقیقات نے اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ لگا لیا ہے جہاں سے پرانے غاروں کے اندر خانقاہوں کے آثار ملے ہیں ۔ یہ شہر اس شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا تھا۔ اسلئے نزول قرآن کے وقت عرب، اصحاب کہف (غاروالوں) یا اصحاب الرقیم (بطرہ والوں) کے قصہ سے آشنا تھے،لیکن انہی تفاصیل کے ساتھ جو لوگوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں ۔ قرآن کریم نے (جزئیات میں گئے بغیر) اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ ان نوجوانوں کے پیش نظر مقصد کیا تھا اور بعد میں لوگوں نے کیا سمجھ لیا اورانہیں کیا سے کیا بتا دیا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ر ۔ ق ۔ م)

ا ص د

اُصَدَ ۔ اس نے بند کیا (دروازہ وغیرہ)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے اندر شامل ہو جانا ہیں ۔ اس سے اَلْاَصِیْدُ باڑے کو کہتے ہیں جس میں جانور بند کئے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم میں مُؤْصَدَۃٌ آیا ہے (۱۰۴/۸) ۔ جس کے معنی ہیں بند کی ہوئی یا مشتمل ۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ وصد کا ایک لغت ہے * ۔ اس لئے ہم نے احتیاطاً اسے وہاں (و ۔ ص ۔ د میں) بھی لکھ دیا ہے ۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ بھی ایک مستقل مادہ ہے ۔

ا ص ر

اَلْاَصْرُ ۔ کسی چیز کو باندہ دینا ۔ زبردستی روک دینا ** ۔

اَلْاُصِیرَۃُ ۔ چھوٹی سی رسی جس سے خیمے کا نچلا حصہ باندہ دیا جائے *** ۔

اَلْاِصْرُ ۔ محکم عہد جس سے انسان بندھا ہوا ہو ۔ نیز اس کے معنے بوجھہ کے ہیں *** ۔ سورۃ اعراف میں نبی اکرم ؐ کے متعلق ہے وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (۷/۱۵۷) ۔ وہ اس بوجھہ کو اتار دیگا جس کے نیچے نوع

*تاج و اقرب الموارد ۔ ** راغب *** محیط ۔

انسانی دبی چلی آ رہی ہے - اور ان گراں بار پابندیوں کو اٹھا دیگا جو انسانوں کے لئے نا قابل برداشت ہوں - اور اس طرح انسانیت کو صحیح حریت فکر و عمل عطا کر دیگا - یہی وہ اِصْرٌ ہے جس سے آزاد رہنے کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا (۲/۲۸۶)- ''اورہم پر وہ بوجھ نہ ڈال،، یہی وہ حقیقی آزادی ہے جسے قرآن عطا کرتا ہے - یعنے اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہوگی ، اس کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے حکم کی اطاعت نہیں ہوگی، خواہ وہ مذہبی پیشوا ہوں یا دنیاوی ارباب اقتدار (۷/۱۵۸) - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی روکنے اور جھکانے کے لکھے ہیں - یعنی کسی کو محکوم بنا لینا - راغب نے کہا ہے کہ اَلْاِصْرُ سے مراد وہ امور ہیں جو بھلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے۔

ا ص ل

اَلْاَصْلُ - کسی چیز کا سب سے نچلا حصہ - اَصْلٌ - کسی چیز کی بنیاد یا جڑ * - قرآن کریم میں یہ لفظ فَرْعٌ کے مقابلہ میں آیا ہے - اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴) - جس کے معنی شاخ کے ہیں-

اِسْتَاْصَلَهُ - اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا* - یا کاٹ دیا** -

اَلْاَصِيْلُ (جمع آصَالٌ) عصر سے مغرب تک کا وقت* - قرآن کریم میں ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۷/۲۰۵) - صبح اور شام - ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی شام کے بعد کا وقت ہیں - غالباً رات کے نچلے حصے کی جہت سے اسے ایسا کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اَصْلٌ کسی چیز کے اس بنیادی حصے کو کہتے ہیں کہ اگر اسے مٹا دیا جائے تو وہ ساری چیز ختم ہو جائے - اس اعتبار سے عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو اَلْاَصِيْلُ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے چلے جانے سے دن ہی ختم ہو جاتا ہے -

ا ف ف

اَلْاُفُّ - ہر گندی مکروہ اور حقیر چیز کو کہتے ہیں - میل کچیل- ناخن کی کترن - ناخن یا کان کا میل - نیز کپڑے پر پڑی ہوئی مٹی یا راکھ وغیرہ کو پھونک مار کر صاف کرنے کے لئے اُفِّ بولا جاتا ہے - غالباً پھونک مارنے کی آواز کی جہت سے، اَلْاُفَّةُ بزدل کو کہتے ہیں - یا اُسے جس کے پاس کچھ نہ ہو - جس کے پاس کم مال ہو - گندا آدمی - اَلْاَفَفُ - اُکتا جانا - اَلْاَفُّ - بد بو - آفت - یَتَاَفَّفُ - بے چینی ، اُکتاہٹ یا تکلیف

* تاج - ** محیط -

کی وجه سے "اُفّ" کہنا۔ کسی سے نفرت و بیزاری یا "اکتاهٹ کے اظہار کے لئے، نیز تحقیر کے موقع پر "اُفٌّ لَہٗ" کہا کرتے هیں*۔

قرآن کریم میں والدین کے متعلق هے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۱۷/۲۳) "ان کی تحقیر نه کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں بلکه نرمی سے بات کرو"۔

ابن فارس نے کہا هے که اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ناپسندیدہ هونے کے هیں۔ (نیز موجودہ وقت کو بھی کہتے هیں۔ لیکن قرآن میں اس معنی میں یه لفظ نہیں آیا)۔

ا ف ق

اَلْاُفْقُ۔ اَلْاُفُقُ۔ کنارہ۔ جمع اٰفَاقٌ۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا هے۔ "اُفُقُ الْبَيْتِ خیمے کا اگلا چھجا یا سائبان۔ ابن فارس نے کہا هے که اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اطراف و جوانب کے درمیان وسعت اور انتہائی بُعد کے هوتے هیں۔ قرآن کریم میں هے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (۴۱/۵۳)۔ "هم انہیں اپنی نشانیاں دنیا کے اطراف و جوانب میں اور خود ان کے اپنے اندر دکھائینگے"۔ یعنی قومی اور بین الاقوامی حوادث۔ نیز اس کے معنی خارجی کائنات اور انسانی دنیا کے هو سکتے هیں۔

فَرَسٌ اُفُقٌ۔ خوشنما اور حیرت انگیز رفتار والا گھوڑا۔ اَفِقَ الرَّجُلُ۔ وہ علم وفضل اور کرم و شرافت اور دیگر فضائل میں انتہا تک پہنچ گیا۔ فَهُوَ اَفِقٌ و اٰفِيْقٌ**۔

انتہائی وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرم[ص] کے متعلق هے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (۸۱/۲۳)۔ "اور اس (رسول) نے اپنے آپ کو نہایت بلند مرتبه پر دیکھا"۔ (یا خدا نے رسول کو سیرت و کردار کے بلند مقام پر دیکھا)۔ سورۃ نجم میں هے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (۵۳/۷)۔ "وہ رسول (شرف انسانیت اور علم و حقائق کے) بلند ترین مقام پر هے"۔

ا ف ک

اَفَكَ۔ يَاْفِكُ۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا**۔ ابن فارس نے کہا هے که اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو الٹ دینا اور اسکی جہت سے

---

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج

پھیر دینا ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں عصائے کلیمی کے متعلق ہے فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ (۷/۱۱۷)۔ ''اس نے ان سب چیزوں کو نیست و نابود کر دیا (نگل لیا) جنہیں وہ جھوٹ موٹ بناتے تھے،، ۔ سورۃ صٰفّٰت میں جھوٹے کفار کے متعلق ہے اَئِفْکًا (۳۷/۸۶) ۔ ''کیا تم صحیح راستہ سے ہٹ کر،، سورۃ شعراء میں ہے اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ (۲۶/۲۲۲) ۔ قرآن کریم نے اس کی تشریح سورۃ جاثیہ میں ان الفاظ سے بھی کی ہے یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا (۴۵/۸) ۔ '' وہ قوانین خداوندی کو جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں سنتا ہے ۔ پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنی ہی بات پر) اڑے رہتا ہے، گویا اس نے قوانین خداوندی کو سنا ہی نہیں ،، ۔

اِفْکٌ ۔ کسی چیز کو پلٹ دینا ۔ الٹ دینا ۔ جس طریق پر کسی چیز کو ہونا چاہئیے اسے اس سے پھیر دینا ۔ راغب کے نزدیک بھی اِفْکٌ کا یہی مطلب ہے ** ۔

پھیر دینے کے معنوں میں سورۃ ذٰریٰت میں ہے ۔ یُؤْفَکُ عَنْہُ مَنْ اُفِکَ (۵۱/۹) ۔ '' اس سے اس کو پھیرا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے ،، ۔ یہ آیت ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے ۔ یعنی خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا ۔ انسان خود ہی گمراہ ہوتا ہے ۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہ ہونا چاہے اسے صحیح راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا ۔ یہاں ابتداء کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے ۔ جو کچھ یہ کرتا ہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے ۔ اگر یہ اپنے اندر پتھر جیسی سختی پیدا کر لے تو ہر شیشہ اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگا اور اگر یہ شیشے جیسا نازک بن جائے تو پتھر کی چھوٹی سی کنکری بھی اسے پاش پاش کر دیگی ۔ غرضیکہ وہ جدھر اپنا رخ کر لے اسی سمت کی منزل اس کے سامنے آجائیگی ۔ خدا زبردستی کسی انسان کا رخ نہیں پھیرتا ۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (۶۱/۵) ''جب وہ ٹیڑھے چلے تو خدا (کے قانون مکافات) نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے ...،،

اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (۵/۷۵) '' کس طرح یا کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں ،، ۔ اَلْمُؤْتَفِکٰتُ (۹/۷۰) ۔ وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا [1]

اَلْاَفِیْکَۃُ ۔ قحط والے سال کو کہتے ہیں *** ۔ اَلْمَاْفُوْکُ ۔ جہاں بارش نہ ہوتی ہو اور اس لئے وہاں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو *** ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و محیط ۔ [1] مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۹/۱۸۱۰ جلد چہارم

ا ف ل

اَفَلَ الْقَمَرُ اُفُوْلاً ۔ چاند (نیز اجرام فلکی) کا غائب ھو جانا اور غروب ھو جانا ۔ اَلْمَأْفُوْلُ ۔ ناقص ۔ ضعیف ۔ رَجُلٌ مَاْفُوْلُ الرَّاْیِ ۔ ضعیف العقل آدمی ۔* راغب نے کہا ھے کہ اَلْاُفُوْلُ روشن ستاروں کے غروب ھو جانے کو کہتے ھیں ۔** ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی غروب ھو جانا بھی ھیں اور چھوٹا اور دھندلا ھو جانا بھی ۔

حضرت ابراھیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ھے کہ انہوں نے کائناتی نظام پر بڑی دقت نظر سے غور و فکر کیا ۔ اسکی قوتوں کا اچھی طرح سے مشاھدہ کیا ۔ وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ "اور اسطرح ھم نے ابراھیم کو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اپنی قدرت دکھائی" ۔ (۶/۷۵) اور ان سے ذات باری تعالیٰ پر ایمان کے دلائل کو علی وجہ البصیرت محکم کیا ۔ چنانچہ انہوں نے ستاروں کو دیکھا ۔ چاند پر غور کیا ۔ سورج کا اچھی طرح مشاھدہ کیا ۔ ان کی قوم ان اجرام سماوی کی پرستش کیا کرتی تھی ۔ لیکن انہوں نے ان پر غور و فکر کے بعد کہا کہ ان کی حالت یہ ھے کہ ایک وقت میں نہایت آب و تاب سے نمودار ھوتے ھیں اور دوسرے وقت میں تاریکی کے پردے میں جا چھپتے ھیں ۔ لہذا اس قسم کی تغیر پذیر چیزیں کبھی معبود نہیں بن سکتیں ۔ صاحب اقتدار خدا وھی ھو سکتا ھے جو تغیرات سے ماوراء ھو ۔ اسلئے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (۶/۷۷) "میں تغیر آشنا چیزوں کو معبود ماننے کیلئے تیار نہیں ھوں" ۔*** میں اس ھستی کو خدا مانتا ھوں جو ان سب کی خالق ھے ۔ (الَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۶/۸۰) ۔

یہ اعلان کہ ایک تغیر پذیر شے معبود نہیں ھوسکتی ، بہت بڑی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ھے ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ھے کہ وہ خارجی حوادث سے تغیر پذیر نہیں ھوتی ۔ اس کی تعریف ، برگسان کے مفہوم کے مطابق ، یہ ھے کہ (Changelessness in Change) "تغیرات کی دنیا میں عدم تغیر" ۔ اسلئے خدا جو مکمل ترین ذات (The most complete and Perfect Personality) ھے تغیرات سے یکسر ماوراء ھوگا ۔ لہذا ، جو اٰفِل

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** بعض لوگوں کا خیال ھے کہ آیات (۶/۷۷-۷۹) میں حضرت ابراھیمؑ کے والد (آزر) اور حضرت ابراھیمؑ کا مکالمہ ھے ۔ یعنی قال ھذا ربی ۔ آزر کا قول ھے اور قال لآ اُحب الاٰفلین ۔ حضرت ابراھیمؑ کا قول ۔ اسی طرح دوسری آیات میں بھی ۔

ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا ۔ ''آفلیت'' ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت کے منافی ہے ۔ جس انسان کی ذات کی نشو و نما ہو جائے اس میں بھی یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ وہ اپنے اصولوں کا پکا ہوتا ہے اور خارجی احوال وظروف کے ساتھ (مرغ باد نما کی طرح) ہر آن بدلتا نہیں رہتا ۔ اسی کو ایمان کی پختگی اور عمل کی استقامت کہتے ہیں ۔ ایسے ہی انسان ہیں جن کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ۔ جن کا خدا ''آفل'' نہیں وہ خود بھی ''آفل'' نہیں ہوتے ۔ جیسا کسی انسان یا قوم کا ''خدا'' ویسا ہی وہ انسان یا قوم ۔ خدا کے تصور کا انسان کی ذات یا قومی خصوصیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے ۔ قرآن کریم نے خدائے حقیقی کا جو تصور پیش کیا ہے ، اس پر ایمان رکھنے والی قوم کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا — نہ قوت و ثبات میں ۔ نہ شرف و سعادت میں ۔

ا ک ل

اَكَلَ ۔ کے معنے ہیں کسی چبانے کی چیز کو چبا کر کھا لینا ۔ پینے والی چیز یا جس چیز کو چبائے بغیر نگل لیا جائے اسے مَاْكُوْلٌ نہیں کہا جاتا ۔ اَلْمَاْكُوْلُ ۔ وہ جانور جسے کوئی درندہ کہا جائے (سورۃ فیل میں عَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (۱۰۵/۵) کے معنے ہیں کھایا ہوا بھس یا وہ چارہ اور پتے وغیرہ جنہیں کیڑوں نے کھا لیا ہو ۔ کرم خوردہ) اس اعتبار سے اَلْاٰكِلُ بادشاہ کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْمَاْكُوْلُ رعیت کو ۔ اَلْاُكُلُ ۔ کا استعمال عام طور پر پھلوں کے لئے ہوتا ہے لیکن درحقیقت درختوں اور پودوں سے جو کچھ بھی کھایا جائے اَلْاُكُلُ کہلاتا ہے ۔ قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے ۔ اُكُلُهَا دَائِمٌ (۱۳/۳۵) ۔ ''اس کے پھل ہمیشہ رہینگے'' ۔ نیز وسیع رزق ۔ عقل اور رائے اور وزنی عقل کو بھی اَلْاُكُلُ کہتے ہیں* ۔

اَكَلَ کے حقیقی معنی تو کھانے کے ہیں لیکن اسکے مجازی معنے کسی چیز کے لینے کے بھی آتے ہیں ۔ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا (۳/۱۲۹) کے معنے ہیں ۔ سود مت لو ۔ اگرچہ ہمارے ہاں بھی ''سود کھانا'' ہی کہتے ہیں اور سود لینے والے کو سود خوار ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اکل مال سے مراد انفاق مال ہے، اس لئے کہ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے ۔

سورۃ مائدہ میں حرام چیزوں کی فہرست میں وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ (۵/۳) آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں وہ جانور جسے درندوں نے پکڑ کر تھوڑا بہت

* تاج ۔

کھا لیا ہو اور اس میں جان باقی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ہے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۔ ہاں اگر تم اسے ذبح کر لو تو پھر ٹھیک ہے ۔ اگر درندوں نے سارے کا سارا کھا لیا ہو تو پھر اس کی حلت و حرمت کے متعلق کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ مر چکا ہو تو پھر ''مردار،، ہو جائیگا جو حرام ہے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ''بتدریج کم ہونا،، ہیں ۔ جس چیز کو کھایا جائے وہ کم ہوتی جاتی ہے ۔

اَلْ (حرف)

اَلْ ۔ یہ اسم کو معرفہ بنانے یعنی متعین کرنے کے لئیے آتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں (The) آتا ہے ۔ رَجُلٌ ۔ کوئی آدمی ۔ اور اَلرَّجُلُ ۔ وہ خاص آدمی ۔ (The Man) ۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے اسالیب واضح ہو جائینگے ۔

(۱) پہلے کسی کا عمومی ذکر کرنا ۔ اور اس کے بعد جب پھر اس کا ذکر آئے تو اَلْ بڑھا دینا ۔ مثلاً كَمَا اَرْسَلْنَا اِلىٰ فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (۷۳/۱۵-۱۶) ۔ '' جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا ۔ سو فرعون نے اس رسول کی نا فرمانی کی،، ۔ یہاں اَلرَّسُوْلَ کے معنی ہیں وہ رسول جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔

(۲) کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جس سے سننے والا پہلے ہی متعارف ہو۔ یعنی وہ جانتا ہو کہ یہ کس چیز کا ذکر ہو رہا ہے ۔ مثلاً اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (۹/۴۰) ۔''جب وہ دونوں غار میں تھے،،۔ یہاں پہلے کسی غار کا ذکر نہیں آیا ۔ پہلی مرتبہ ہی اسے الغار کہا گیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننے والوں کو معلوم تھا کہ اس سے کونسا غار مراد ہے ۔

(۳) جب وقت یا زمانہ متعین کیا جائے ۔ مثلاً اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۵/۳) ''آج کے دن ۔ یا اس دور میں ۔ ہم نے تمہارا غلبہ (یا دین) مکمل کر دیا ہے،، ۔

(۴) استغراق ۔ جب کسی پوری کی پوری نوع کا ذکر ہو ۔ یعنی كُلٌّ کے معنوں میں ۔ مثلاً خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (۴/۲۸) ۔ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے ۔ یہاں یہ خصوصیت تمام نوع انسانی کی بتائی گئی ہے ۔

(۵) جب کسی چیز میں اس نوع کی تمام خوبیاں جمع ہو جائیں تو اسے بھی اَلْ سے مخصوص کر دیتے ہیں ۔ (محیط المحیط) ۔ جیسے ذَالِکَ الْکِتَابُ (۲/۲) ۔ یہاں اَلْکِتَابُ سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کی خصوصیات یک جا جمع ہو گئی ہیں ۔ لیکن ہمارے خیال میں الکتاب مشار الیہ ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے ۔ البتہ ھُوَ الْحَقُّ کے اَلْ میں یہ خصوصیت ہے کہ اس نوع کی تمام خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں ۔

(۶) مضاف الیہ کی بجائے جب کسی چیز کی نسبت کسی معین شخص کی طرف کرنی ہو تو اَلْ لگا دیتے ہیں ۔ مثلاً اَلْمَدِیْنَةُ سے مراد ہے مَدِیْنَةُ الرَّسُوْلِ ۔ رسول اللہ کا شہر ۔ (اس نسبت سے اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگ گئے) ۔

(۷) بعض وقت یہ اَلَّذِیْ کے معنی دیتا ہے ۔ مثلاً اَلضَّارِبُ کے معنی ہیں اَلَّذِیْ یَضْرِبُ ۔ وہ شخص جو مارتا ہے ۔

اَلَا ۔ (حرف)

اَلَا ۔ یہ دو حرفوں (یعنی ہمزہ استفہام اور لام نفی) کا مجموعہ ہے (ءَ+لَا) ۔ اس کا ترجمہ ہوگا ۔ "کیا نہیں ؟" ۔ ان معنوں میں قرآن کریم میں ہے اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ (۲۴/۲۲) "کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری حفاظت کا سامان کر دے؟" یا مثلاً اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ (۹/۱۳) ۔ "کیا تم ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہے؟" ۔

(۲) یہ حرف تنبیہ بھی ہے ۔ یعنی اس کا استعمال کسی کو متنبہ (آگاہ) کرنے یا کسی بات کے متعلق یقین دلانے کے لئے بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۲) ۔ "تم آگاہ رہو کہ یہی لوگ مفسد ہیں" (یا) "یہ واقعہ ہے کہ یہی لوگ مفسد ہیں" ۔ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے ۔ یعنی اِعْلَمُوْا ...... یاد رکھو کہ ......

ا ل ف

اَلْفٌ ۔ ایک ہزار (جمع آلَافٌ و اُلُوْفٌ) ۔

چونکہ چار ہندسوں کے اکٹھا ہونے سے ایک ہزار کا عدد بنتا ہے اس لئے اَلْاِلْفُ کے معنی ہیں ہم آہنگی اور پیوستگی ۔ یا گھل مل جانے

والا ساتھی ۔ (یا اَلْفٌ کا لفظ اِلْفٌ سے ہے)۔ اَلَّفَ بَیْنَہُمْ ۔ ان میں ہم آہنگی پیدا کر دی ۔ ایسی ہم آہنگی جیسے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں (..... سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ۲۴/۴۳) ۔ اَلْمُؤَلَّفُ ۔ وہ چیز جسکے اجزاء کو مرتب کرکے ایک دوسرے کے ساتھ جمع کردیا گیا ہو ۔ اَلْاِئْتِلَافُ ۔ باہمدگر پیوست ہو جانا۔ اَلْمُؤَلَّفَۃُ قُلُوْبُہُمْ ۔ جن کے دلوں میں محبت اورالفت پیدا کرنا مقصود ہو ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا اور منضم ہوجانا ہیں ۔ اَلْاِیْلَافُ ۔ مانوس کرنا اور الفت دلانا، ۔ (لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۱۰۶/۱) عہد و پیمان ۔ وہ اقرار نامہ جس سے دو فریق ایک دوسرے سے پیوست رہیں ۔ یہ وہ عہد نامے تھے جو قریش نے ہمسایہ ممالک کی حکومتوں سے لے رکھے تھے کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہ لوٹے کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے* ۔

قرآن کریم میں جماعت مومنین کے متعلق ہے اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا (۳/۱۰۲) ۔ ''تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں ہم آہنگی پیدا کر دی اور اس طرح تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے ،، ۔ یہاں سے اِئْتِلَافٌ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ اِئْتِلَافٌ درحقیقت تعاون اور اجتماع سے اگلا درجہ ہے ۔ اس میں جماعت کے افراد بالکل ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں اور دلوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں افراد کے باہمی تعلقات ایسے نہیں تو وہ مومنین کا معاشرہ نہیں ۔ ایمان کا فطری تقاضا یا لازمی نتیجہ ہم آہنگی، فکر و عمل ہے ۔ جب مختلف افراد کے سامنے نصب العین حیات ایک ہو۔ منزل ایک ہو۔ راستہ ایک ہو۔ ضابطہ، زندگی ایک ہو تو پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے پیوستگی کیوں نہیں ہوگی ؟

أ ل ک

مَلٰئِکَۃٌ ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس لفظ کا مادہ اَلْکٌ ہے جسکے معنے پیغام رسانی کے ہیں۔ اَلِکْنِیْ اِلٰی فُلَانٍ (اصل میں اَلْئِکْنِیْ تھا) اسکو میری طرف سے پیغام پہنچا دو۔ اَلْمَلْاَکَۃُ ۔ پیغام رسان ۔

* تاج ۔

فرشته - جو اَلْمَاْلَکُ سے مقلوب ہے - اَلْاَلُوْکَۃُ وَاَلْمَاْلَکَۃُ وَالْاَلُوْکُ وَالْمَاْلُکُ - پیغام - (اَلَکَ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو منہ میں چبانا - پیغام کو اسلئے اَلْاَلُوْکَۃُ کہتے ہیں کہ اسے منہ میں چبا کر باہر نکالا جاتا ہے)-* ابن فارس نے اسکے یہی بنیادی معنے لکھے ہیں - یعنی پیغام رسانی -

لیکن دوسرے محققین کا قول ہے کہ اسکا (مَلٰٓئِکَۃٌ کا مادہ مَلَکَ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں (دیکھئے عنوان م-ل-ک) راغب نے کہا ہے کہ مَلَائِکَۃٌ در اصل مَاْلَکٌ ہے- فرشتوں میں سے جن کے سپرد انتظامات کئے جاتے ہیں ان کو مَلَکٌ کہتے ہیں اور انسانوں میں سے جو تدبیر امور کرتے ہیں انہیں مَلِکٌ کہا جاتا ہے -**

مفتی محمد عبدہ نے اپنی تفسیر المنار میں لکھا ہے کہ ''یہ امر ثابت ہے کہ کائنات کی ہر شے کے اندر ایک قوت ایسی ہے جس پر اس چیز کا دار و مدار ہے اور جس کے ساتھ اس شے کا قوام و نظام قائم ہے - جو لوگ وحی پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان قوتوں کو طبیعی قوتیں (Physical Forces) کہتے ہیں، اور شریعت کی زبان میں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہا جاتا ہے - لیکن انہیں مَلَائِکَۃٌ کہئے یا کائناتی قوتیں - حقیقت ایک ہی ہے اور عقلمند آدمی وہ ہے جسکے لئے ''رکھے ہوئے نام،، اصل مسمیات سے حجاب نہ بن جائیں،، -

قرآن کریم میں مَلَائِکَۃٌ کو پیغام رساں کہا گیا ہے - اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ .... (۲۲/۷۵) ''اللہ ملائکہ میں سے پیغام رساں چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی،، لیکن یہ چیز (پیغام رسانی) ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے - جامع طور پر انہیں مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (۷۹/۵) اور مُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (۵۱/۴) کہا گیا ہے - یعنی ''تدبیر امور اور تقسیم امور کرنے والی قوتیں یا جماعتیں،، - کائنات میں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ مختلف اسکیمیں کارفرما ہیں - جو ملکوتی قوتیں خدا کے قانون کے مطابق ان تدبیرات کو بروئے کار لاتی ہیں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہکر پکارا گیا ہے - اس اعتبار سے مَلَائِکَۃٌ کا مادہ اَلَکَ کی بہ نسبت مَلَکَ زیادہ صحیح ہوگا - یعنے قوتیں - ان قوتوں کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں (اختیار و ارادہ خدا کے بعد صرف انسان کو حاصل ہے) اسلئے یہ قوتیں بلا چون وچرا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرم عمل رہتی ہیں - وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱۶/۵۰)- ''جو کچھ ان سے کہا

---

* تاج و محیط - ** تاج - تاج میں یہ مادہ (م ل ک) کے تحت آیا ہے-

جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتی ہیں'' ۔ جس قانون کے مطابق یہ قوتیں مادی کائنات میں کارفرما رہتی ہیں اسکا علم انسان کو دیدیا گیا ہے۔* (یعنی انسان میں اس امر کی امکانی صلاحیت موجود ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کی کارفرمائی کے قانون کا علم حاصل کرلے) اسلئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ (ملائکہ کے سجدہ' آدم سے یہی مفہوم ہے۔**) اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔

لیکن مَلَائِكَةٌ صرف انہیں قوتوں کو نہیں کہا گیا جو خارجی کائنات میں تدبیر امور کرتی ہیں بلکہ ان قوتوں کو بھی کہا گیا ہے جو انسان کی داخلی دنیا (نفسیاتی زندگی) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا .... (۴۱/۳۰) ''یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کی ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا غم اور اندیشہ مت کرو''۔ اس میں ''نزول ملائکہ'' سے مراد وہ نفسیاتی تغیر ہے جو خدا کی ربوبیت پر یقین محکم سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ (اسکے برعکس جو قوتیں انسان کے دل میں خوف و ہراس اور یاس و نا امیدی پیدا کرتی ہیں (خواہ وہ خارجی قوتیں ہوں یا خود انسان کی داخلی قوتیں) انہیں ابلیس اور شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ب۔ل۔س اور ش۔ط۔ن) یہی وہ ''ملائکہ'' تھے جو بدر و حنین کے میدان میں مجاہدین کیلئے تسکین خاطر اور تثبیت قلب کا موجب بنے تھے (۸/۱۲؛ ۹/۲۶) اسی قسم کی قوتیں ان تغیرات کا بھی موجب بنتی ہیں جو انسان کے طبعی جسم میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور آخرالامر موت تک منتج ہوتے ہیں۔ (۶/۶۱؛ ۱۶/۲۸) نیز ملائکہ اعمال انسانی کے ''رجسٹرار'' (لکھنے والے۔ محفوظ رکھنے والے) ہوتے ہیں یعنی قانون مکافات کو بروئے کار لانے کا موجب بنتے ہیں۔ (۱۰/۲۱) ۸۰/۳۳۔ ان آیات ''کتابت اعمال'' کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری جگہ ہے کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ خود لکھ لیتا ہے (۴/۸۱) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعمال نامہ خود انسان کے اپنے گلے میں لٹکا رہتا ہے (۱۷/۱۳-۱۴)۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ملائکہ وہ ملکوتی قوتیں ہیں جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب کرتی رہتی ہیں اور وہ نتیجہ انسان کی ذات پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

---

* وعلم آدم الاسماء کلها (۲/۳۱)۔ ** (۲/۳۴)

چونکہ ملائکہ کائنات کی غیر مرئی قوتیں ہیں اس لئے ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم ان کے لشکروں کو دیکھ نہیں سکتے (٩/٤٠ ، ٩/٢٦)۔ باقی رہا وہ نظام جس کے مطابق ملائکہ، انبیاء کرام کیطرف وحی لاتے تھے تو اسکے متعلق ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وحی کی حقیقت و ماہیت ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر کی چیز ہے۔ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں اور اسکے مطابق عمل کرنے پر مامور۔ البتہ وحی کی رو سے دئے ہوئے حقائق کی صداقت اور عظمت کو علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے (مزید تفصیل وحی کے عنوان میں ملیگی۔ نیز میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں جہاں ملائکہ اور وحی کے متعلق شرح و بسط سے گفتگو کی گئی ہے)۔ وحی ہی نہیں، بلکہ پورے کے پورے عالمِ امر میں یہ قوتیں کسطرح کام کرتی ہیں ہم اسے نہیں سمجھ سکتے ۔ ہماری عقل کا دائرہ محسوسات تک محدود ہے۔ یعنی جو قوتیں محسوس کائنات میں کام کرتی ہیں ہم صرف ان کے متعلق تحقیق کرسکتے ہیں۔

قرآن کریم نے ملائکہ پر ایمان کو ''اجزائے ایمان'' میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ٢/٢٨٥)۔ یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ۔ کتب۔ رسل۔ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انہیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے۔ ملائکہ کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ (٢/٣٤) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے۔ جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے آدم سے مراد خود آدمی (یا نوعِ انسان) ہے۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ ہیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے۔ انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں، انہیں چھوڑئیے۔ جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے جماعت مومنین کہا جائے۔ (کیونکہ مومن کا مقام، عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے)۔

اب آپ سوچئے کہ جس قوم کے ایمان میں یہ چیز داخل تھی کہ کائناتی قوتوں کو آدمی کے سامنے جھکنا چاہئے، وہ قوم اگر ان قوتوں کے سامنے جھکی

ہوئی ہو (ان قوتوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ ان قوموں کے سامنے جنہوں نے ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکایا ہوا ہے) تو اس قوم کی پستی کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے؟ یاد رکھئے۔ ''مقام آدم،، یہ ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اور مقام مومن یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو مسخر کر کے ان کے ماحصل کو قوانین خداوندی کے مطابق نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے صرف کیا جائے۔ بادنٰی تدبر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آسکتی ہے کہ ہمیں مقام مومن تو کجا، مقام آدم بھی نصیب نہیں۔

ا ل ل

اَلْاِلُّ۔ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کا کچھ احترام ہو اور اسکا کچھ حق ہوتا ہو۔ یعنی وہ چیز واجب الاحترام ہو اور اس کا حق ادا کیا جانا ضروری ہو۔ جیسے قرابت داری۔ رحم۔ پڑوس۔ عہد۔* ہر وہ کھلی ہوئی بات جسکا انکار نہ کیا جا سکتا ہو۔** اس لفظ کے اصلی معنے چمکنے کے ہیں۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت کے ساتھ چمک کے ہیں۔ اور آواز کے۔ نیز اُس ذریعہ یا سبب کے جس کی حفاظت کی جائے۔ اَلْاِلُّ معاشرہ کی ایسی باتوں کو کہا جائے گا جو بالکل واضح۔ صاف۔ نکھری اور کھلی ہوئی ہوں۔ جن کے ثابت کرنے کیلئے کسی دلیل یا سند کی ضرورت نہ ہو۔ جو سب کے نزدیک مسلم اور قابل احترام ہوں۔ پڑوسی یا قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک، یہہ ہر معاشرہ کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں مخالفین (قریش) کے متعلق ہے لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (۹/۸) ''یہ اپنی مخالفت میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ معاشرہ کے وہ مسلم اصول جن کا ہر شخص خیال رکھتا ہے، تمہارے معاملہ میں یہ ان تک کا بھی خیال نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی حق اور حرمت کا پاس کرتے ہیں،،۔ اُن لوگوں کی یہی روش تھی جس کیطرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم ؐ نے ان سے کہا تھا کہ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (۴۲/۲۳)۔ میں تم سے اپنے پیغام رسانی کا کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن تم میری مخالفت میں اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ جو عام رشتہ داروں کے حقوق ہوتے ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دو! واضح رہے کہ نبی اکرم ؐ اس چیز کو بھی بطور اجر رسالت نہیں مانگتے۔ (اجر مانگنے سے تو تمام انبیاء انکار کرتے رہے ہیں) بلکہ ان کی توجہ عام معاشرتی حقوق و واجبات کیطرف دلاتے ہیں۔

---

* تاج ** راغب

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر تم باہم (ایک دوسرے سے) صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کا لحاظ رکھو گے تو یہی چیز میری رسالت کا اجر ہو جائے گی۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ہے۔ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ (۳۴/۴۷)۔ ''میں جو اجر تم سے مانگتا ہوں وہ خود تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہے''۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ق۔ ر۔ ب اور حرف إِلَّا)

أَلَّا ۔ [حرف]

أَلَّا۔ (أَنْ ۔ لَا)۔ قرآن کریم میں ہے۔ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ (۳۱/۲۷) (بات یہ ہے) کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو۔ کبھی اسکے پہلے ۔ لِ ۔ آ جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تاکہ۔ مثلاً۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ (۲/۱۵۰)۔ تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل و حجت نہ رہے۔

إِلَّا [حرف]

إِلَّا ۔ اس کے معنی عام طور پر بجز۔ علاوہ۔ سوا۔ مگر۔ لیکن۔ کے آتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے مفہوم واضح ہو جائیگا۔

(۱) قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا ۔ زید کے علاوہ اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بھی قوم (لوگوں) کے اندر شامل تھا لیکن وہ کھڑا نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ (۲/۲۴۹) ان میں سے چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ ایسے استثناء کو اصطلاح میں استثناء متصل کہتے ہیں۔

(۲) قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا ۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے لیکن گدھا نہیں کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گدھا لوگوں میں شامل نہیں ہے۔ یعنی قَوْمٌ ۔ ایک الگ شے ہے۔ اور حِمَارٌ ۔ ایک الگ۔ یہ پہلی مثال (نمبر۱) کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (۲/۳۴) ۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر دیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ یعنی ابلیس ملائکہ

سے الگ جنس تھا ۔ وہ ملائکہ میں شامل نہیں تھا ۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ باقی ملائکہ نے تو سجدہ کر دیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا ۔ (ابلیس کو سجدہ کا حکم دینا قرآن کے دوسرے مقام سے ثابت ہے ۔ دیکھئے $\frac{۷}{۱۲}$) ۔ اس قسم کے استثناء کو اصطلاح میں استثنائے منقطع کہتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے ۔ قُلْ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ($\frac{۴۲}{۲۳}$)۔ ان سے کہو کہ میں اس تبلیغ کے بدلے تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں مانگتا ۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ (یا باہمدگر، ایک دوسرے کے ساتھ) رشتہ داری کے تعلقات کا لحاظ کرو ۔ یعنی یہ چیز بھی بطور اجر کے نہیں مانگتا ۔ (اردو میں اس کا ترجمہ ...... ہاں البتہ ...... کیا جائے تو مفہوم واضح ہو جائیگا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ا ۔ ل ۔ ل) اور (ق ۔ ر ۔ ب)۔

اسی طرح سورۃ یونس میں ہے ۔ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ($\frac{۱۰}{۹۸}$) ۔ ”تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی (یعنی کوئی بستی ایسی نہ تھی) کہ وہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ۔ ہاں البتہ یونس کی قوم ایسی تھی“ ۔

(۳) کبھی یہ واؤ (عاطفہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۔ ($\frac{۲۷}{۱۱}$) ہمارے حضور ہمارے رسول ڈرا نہیں کرتے ۔ اور نہ ہی (وَلَا) وہ لوگ ڈرا کرتے ہیں جو کبھی زیادتی کر بیٹھیں لیکن بعد میں اس برائی کو نیکی سے بدل لیں ۔

(۴) قرآن کریم میں ہے اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ($\frac{۳۸}{۱۴}$) ان تمام نے رسولوں کی تکذیب کی ۔ ان میں سے کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جس نے تکذیب نہ کی ہو ۔ سب کے سب نے ایسا کیا ۔ یعنی اِنْ كُلٌّ اِلَّا کے معنے ہیں ”سب کے سب“ ۔

(۵) کبھی یہ ”اگر نہیں“ (اِنْ ۔ لَا) کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ...... ($\frac{۹}{۴۰}$) اگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی (تو بھی کیا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اس کی مدد کی ۔

(۲) مفتی عبدہ، (اور ان کے شاگرد سید رشید رضا مرحوم) نے تفسیر المنار (جلد نمبر ۱ صہ ۹ ۴ - ۱۰ ۴) میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جب اِلاّ مشیت خداوندی کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہمیشہ بالکل نفی کے ہوتے ہیں۔ سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی۔ اِلاَّ مَاشَاءَاللّٰہُ (۸۷/۶) ہم تجھے (قرآن) پڑھائیں گے تو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولیگا۔ الا ما شاء اللہ۔ یعنی بالکل کچھ نہیں۔ یعنی خدا نے ایسا چاہا ہی نہیں۔ اس کی تائید (۱۷/۸۶) سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا کہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ......
"اگر ہم چاہتے تو جو کچھ ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اسے لے جاتے،، اس سے ظاہر ہے کہ یہ مشیت خداوندی میں تھا ہی نہیں کہ قرآن میں سے کچھ غیر محفوظ رہ جاتا۔

المنار میں اس قسم کی اور مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ مثلاً خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَاءَ رَبُّکَ۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۸)۔ اہل جہنم اس میں رہینگے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ اور اہل جنت اسی میں رہینگے۔ ان میں سے کوئی نکل کر دوسری طرف نہیں جا سکیگا۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے عنوان (ن - س - ی)۔

اَلَّذِی (اَلَّتِی) (اسم موصول)

اَلَّذِیْ۔ جو، جس۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۵۹/۲۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اَللَّذَانِ۔ (مذکر۔ تثنیہ) یعنی دو (مذکر) کے لئے۔ اَلَّذِیْنَ (جمع۔ مذکر) اَلَّتِیْ۔ (واحد مونث) اَللَّاتِیْ و اَللَّائِیْ۔ (جمع مونث)۔

یعنی :—
اَلَّذِیْ۔ وہ ایک (مذکر) جو
اَللَّذَانِ۔ وہ دو (مذکر) جو
اَلَّذِیْنَ۔ وہ (دو سے زیادہ مذکر) جو
اَلَّتِیْ۔ وہ ایک (مؤنث) جو
اَللَّتَانِ۔ وہ دو (مؤنث) جو
اَللَّاتِیْ۔ اَللَّائِیْ وہ (دو سے زیادہ مونث) جو

ا ل م

اَلَمٌ اور اَیْلَامَۃٌ ۔ درد کو کہتے ہیں ۔ اَلِیمٌ کے معنے درد پہنچانے والا ۔ یا دردناک ۔ الیمُ العذاب اس تکلیف کو کہتے ہیں جو اپنی درد انگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو* صاحب محیط کے نزدیک زندگی کی ناخوشگواریوں کو اَلَمٌ کہتے ہیں ۔ اس کے مقابل لَذَّۃٌ ہے** ۔

اَلْمُوْمَۃُ کے معنے خسّت اور کمینگی کے بھی آتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ اس کے معنے غلط اعمال انسانی کے درد انگیز عواقب ہیں ۔ اس دنیا میں ذلت آمیز زندگی اور تباہی ۔ اور آخرت میں رسوا کن عذاب ۔ حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی تو اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (۱۱/۲) " تو میں تم پر ایک درد انگیز دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں " ۔ ان پر یہ عذاب سیلاب عظیم کی شکل میں آیا تھا جس سے وہ تباہ ہو گئے تھے ۔ سورۃ بقرہ میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۰) " ان کے لئے دردناک عذاب ہے " ۔

ا ل ہ

اَلِہَ اِلَیْہِ یَاْلَہُ کے معنے ہیں گھبرا کر اس کی پناہ ڈھونڈنا ۔ نیز اَلِہَ کے معنے ہیں متحیر ہونا ۔ اور اَلَہَ ۔ یَاْلَہُ ۔ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا ۔ امان میں لینا ۔ چنانچہ اَلِہَ بِالْمَکَانِ کے معنے ہیں امن و سکون سے کسی مکان میں سکونت اختیار کر لینا* ۔ ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ہونگے ایسی ہستی جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے ۔ جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے ۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یَلِیْہُ سے مشتق ہے جسکے معنے بلند مرتبہ ہونا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا ہیں* ۔

بعض کہتے ہیں کہ اَلَہَ کے معنے ہیں وہ شخص غلام بن گیا اور اَلَّھَہٗ کے معنی ہیں اس نے اسے غلام بنا لیا ۔ اس سے تَاْلِیْہٌ کے معنے تَعْبِیْدٌ (غلام بنانا) آتے ہیں ۔ اور اِلٰہٌ اسی سے ہے جو در اصل بمعنی مفعول

* تاج ۔ ** محیط ۔

مَالُوْہٌ ھے** - (جیسے کِتَابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ ھے) - اس اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ایسی ھستی ھونگے جس کا غلبہ و اقتدار قبول کیا جائے - جس کے قانون کی اطاعت کی جائے - جس کے حکم کا اتباع کیا جائے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی تَعَبُّدٌ کے لکھے ھیں - یعنی کسی کی محکومیت اختیار کرنا - چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِي لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (۲۶/۲۹) (اگر تو نے میرے سوا کسی کو الٰہ تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دونگا) تو وھاں اِلٰہٌ کے معنے صاحب اقتدار ھی کے ھیں - اسی طرح جہاں کہا گیا ھے اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (۲۵/۴۳) ''کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ھی کو اپنا الٰہ بنا لیا'' - تو اس کے معنی بھی یہی ھیں کہ وہ اپنے جذبات ھی کے پیچھے پیچھے چلتا ھے - انہی کا اقتدار تسلیم کرتا ھے - وہ اپنے جذبات کا بندہ بن چکا ھے - اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ھے - وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۴۳/۸۴) - ''وھی ھے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی اِلٰہ ھے اور پستیوں میں بھی'' - (یا جو کائناتی اور معاشی دنیا میں اِلٰہ ھے) - تو اس کے معنے بھی صاحب اقتدار کے ھیں - یعنی کائنات میں بھی اقتدار و اختیار اسی کا ھے اور انسان کی معاشی اور معاشرتی دنیا میں بھی اسی کا -

چونکہ تو ھم پرستی کے زمانہ میں لوگ چاند سورج وغیرہ کو بھی بڑی بڑی قوتوں کا مالک مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اس لئے اِلَاھَةٌ کے معنی چاند ھیں اور اَلْاِلٰھَةُ کے معنی سورج - اسی نہج سے ھر معبود کو اِلٰہٌ کہتے ھیں - حتیٰ کہ بتوں کو بھی جن کی پرستش کی جاتی ھے - (۷/۱۳۸)

ایک خیال یہ ھے کہ اَللّٰہُ جامد لفظ ھے (کسی دوسرے لفظ سے نکلا نہیں) لیکن دوسرا خیال یہ ھے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْاِلٰہُ تھا (اَلْ + اِلٰہٌ) - کثرت استعمال سے اِلٰہٌ کا ھمزہ گر گیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ھو گیا - اس طرح یہ لفظ ''اَللّٰہُ'' بن گیا * -

قرآن کریم میں ''اَللّٰہُ'' خدا کی ذات کیلئے استعمال ھوا ھے - باقی تمام اَسْمَاء (نام) اسکی صفات ھیں -

---

* تاج - ** لین -

لہذا، اَللّٰہُ، (قرآنی اِلٰہ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جسکی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متحیر رہ جاتے ہیں۔ جسکا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جسکی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہم اسکی اطاعت اسکے اس قانون کی رو سے کر سکتے ہیں جو اسنے اپنی طرف سے (بذریعہ وحی) ہمیں دیا ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے)۔ لہذا اَطِیْعُوا اللّٰہَ کے معنے ہونگے خدا کے قانون کی اطاعت کرو۔ اسی طرح کائنات میں بھی جو کچھ ہوتا ہے سب اسی کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں یہ آئیگا کہ'' اللہ یوں کرتا ہے،، تو اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے قانون کے مطابق اسطرح ہوتا ہے۔ عالم امر میں بھی اسی کا قانون کارفرما ہے اور عالم خلق میں بھی یہ قوانین اسنے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول۔ قبضہ۔اختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کارفرما ہیں۔ یہی وہ سُنَّۃُ اللہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ (اسکی تفصیل ش ی ء کے عنوان میں دیکھئے)

تمام قرآن، اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے قوانین، احکام، حکمت بالغہ، ھدایات کا مجموعہ ہے۔ اسکی ساری تعلیم کا نقطۂ ماسکہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

جہانتک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے، ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ محدود (Finite) کسی لا محدود (Infinite) کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات (الاسماء الحسنٰی) کا ذکر کیا ہے ہم ان سے خدا کے متعلق (اپنی محدود ذہنی کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پر وہی ایمان قرآن کریم کی رو سے صحیح ایمان ہے جو قرآن میں بیان کردہ صفات کے مطابق ہو۔ اس لئے دنیا میں جو لوگ اپنے اپنے طور پر خدا کو مانتے ہیں انہیں قرآن کی رو سے ''اللہ پر ایمان رکھنے والے،، نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اہم حقیقت ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ ''خدا پرستی اور نیک عملی،، وہی درست ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو مختلف افراد۔ قوم یا مذہب کے اپنے اپنے تصور کے مطابق ہو۔

ا ل و (ا ل ی)

اَلَا۔ یَاْلُوْ۔ اُلُوًّا و اُلِیًّا۔ کوتاہی کرنا۔ تاخیر کرنا۔ سستی کرنا۔ باز رہنا۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا (۳/۱۱۷)۔ ''یہ لوگ تمہاری تخریب میں بالکل کوتاہی نہیں کرینگے،،۔ آلَی اِیْلَاءً۔ تَسَمَّ۔ اِیْلَاءٌ۔ باز رہنے کی

قسم ۔ عورت کے پاس نہ جانے کی قسم * ۔ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَاءِ ھِمْ (۲۲۶/۲) ۔ '' جو لوگ اپنی بیویوں سے باز رھنے کی قسم کھا لیتے ھیں ''۔ سورۂ نور میں ھے وَلَا یَأْتَلِ ...... (۲۲/۲۴) ۔ دوسروں کی مدد کرنے سے باز رھنے کی قسم نہ کھائیں ۔ اِن مقامات سے ظاھر ھے کہ یہ قسم اس قسم کی ھے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے ۔ راغب نے اسکی بھی خصوصیت بتائی ھے ۔

مَا اَلَوْتُہٗ ۔ میں اس کی وسعت اور طاقت نہیں رکھتا ۔ ابن الاعرابی نے کہا ھے کہ اَلْوٌ اضداد میں سے ھے ۔ یعنی اس کے معنے کوتاھی کرنے کے بھی ھیں اور قدرت اور طاقت رکھنے کے بھی ۔ روکنے کے بھی اور عطا کرنے کے بھی ** ۔ اس لئے آلَاءٌ (جو اَلْوٌ کی جمع ھے) کے معنی قدرت اور طاقت کے بھی ھیں * اور عطیہ اور نعمت کے بھی ۔ قرآن کریم میں جہاں آتا ھے فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۱۳/۵۵) تو وھاں اس کے معنے یہ بھی ھیں کہ تم اپنے نشو نما دینے والے کی کس کس قدرت اور طاقت کو جھٹلاؤ گے ۔ اور یہ بھی کہ تم اس کی کس کس نعمت اور عطیہ کو جھٹلاؤ گے۔ ھر مقام پر معنی سیاق و سباق کی رو سے کئے جائینگے ۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱ جلد چہارم۔

نوٹ ۔ آلَاءٌ کا واحد اَلْوٌ تاج العروس کے علاوہ اور کہیں نہیں ملا ۔ دیگر کتب لغت و تفاسیر میں اس کا واحد اِلًی ۔ اَلًی اور اِلْیٌ آیا ھے ۔ البتہ اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں آتے ھیں ۔

الیٰ (حرف)

اِلیٰ ۔ تک ۔ کی طرف ۔ یہ زمان (وقت) کے لئے بھی آتا ھے ۔ اور مکان (جگہ) کے لئے بھی ۔ جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ (۱۸۷/۲) پھر تم رات تک روزہ پورا کرو ۔ اور مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (۱/۱۷) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ۔

اس مقام پر ایک بات قابل غور ھے ۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ میں اِلَی الَّیْلِ کے معنی ھیں آغاز شب تک ۔ یعنی جب دن ختم ھو کر رات شروع ھو جائے ۔ اس میں لَیْل (رات) شامل نہیں ۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ ختم شب تک روزہ رکھو ۔ لیکن وضو کے احکام میں ھے فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ (۶/۵) ۔ اپنے چہروں اور کہنیوں تک ھاتھ دھو لیا کرو ۔ اس میں (اِلَی الْمَرَافِقِ) سے مراد ھے کہنیوں سمیت ۔ یعنی اَلْمَرَافِق اس کے اندر داخل ھیں ۔ لہٰذا اِلیٰ (بمعنی تک) کے استعمال کا یہ فرق ملحوظ رکھنا چاھئے ۔

* تاج و محیط ۔ ** محیط ۔

(۲) مَعَ ۔ (ساتھ) کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ جیسے وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ (۴/۲) ۔ اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ ۔

(۳) ان معنوں میں بھی جن میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں ۔ " میرے نزدیک "، یا " میرے لئے " ۔ جیسے رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ (۱۲/۳۳) ۔ اے میرے پروردگار ! میرے نزدیک قید خانہ اس سے کہیں بہتر ہے (جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں) ۔

(۴) ان معنوں میں جن میں ہم کہتے ہیں " اس کے لئے "، جیسے وَالْاَمْرُ اِلَیْكِ (۲۷/۳۳) اور معاملہ کا آخری فیصلہ تیرے لئے ہے ۔ یعنی تجھے ہی آخری فیصلہ کرنا ہے ۔

(۵) بعض اوقات یہ عَلٰى کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (جس کا مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف کوئی بات کرنا ۔ جیسے وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۷/۴) ۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کے خلاف یہ فیصلہ کر دیا تھا ۔ لیکن اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دے دی تھی ۔ اس صورت میں اس جگہ اِلٰى بمعنی عَلٰى نہیں ہوگا ۔ بلکہ اس کے معنی " کی طرف "، ہونگے ۔ ان معنوں میں یہ حرف عام طور پر استعمال ہوتا ہے ۔

(۶) بعض اوقات یہ فی (میں) کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ جیسے لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۴/۸۷ ؛ ۶/۱۲) وہ تمہیں یوم القیامۃ میں اکٹھا کریگا ۔

(۷) بعض اوقات یہ مِنْ (سے) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ (لیکن قرآن کریم سے اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں) ۔

الیاس علیه السلام

قرآن کریم نے آپ کا تذکرہ بہ سلسلہ انبیائے کرام کیا ہے (۶/۸۶) ۔ اور خصوصیت سے کہا ہے کہ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۳۷/۱۲۳) " یقیناً الیاس رسولوں میں سے تھا " ۔ اسی سورت میں آپ کو اِلْ يَاسِيْنَ بھی کہا گیا ہے (۳۷/۱۳۰) ۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس قوم کیطرف آپ مبعوث ہوئے تھے وہ بَعْلٌ کی پرستش کرتی تھی (۳۷/۱۲۵) ۔ قیاس یہ ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام تورات میں ایلیا نبی آیا ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت ادریس کا

دوسرا نام الیاس ہے ۔ لیکن (جیسا کہ عنوان ادریس میں کہا گیا ہے) اگر حضرت ادریس[ؑ] ، حضرت نوح[ؑ] کے اجداد میں سے تھے تو آپ حضرت الیاس[ؑ] نہیں ہوسکتے ۔ اسلئے کہ آیت (۶/۸۵) میں حضرت الیاس[ؑ] کو حضرت نوح[ؑ] (یا حضرت ابراھیم[ؑ]) کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے ۔ آپ غالباً انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے ۔

اِلْ یَاسِیْنَ

حضرت الیاس[ؑ] کا دوسرا نام ہے ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''الیاس'' ۔ قرآن کریم میں آپ کا یہ نام (۳۷/۱۳۰) میں آیا ہے ۔

اَلْیَسَعُ

یہ وھی نبی ھیں جنہیں تورات میں (Elisha) کہا گیا ہے ۔ قرآن کریم نے زمرہ انبیائے کرام میں ان کا ذکر کرنے کے بعد (۶/۸۷) کہا ہے کہ ان سب کو کتاب دی گئی تھی (۶/۹۰) ۔ نیز ان کا نام (۳۸/۴۹) میں آیا ہے ۔ تفصیلی تعارف قرآن کریم نے نہیں کرایا ۔

أَمْ ۔ (حرف) ۔

أَمْ ۔ یا ۔ حسب ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ھو جائے گا ۔

(۱) ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (۷۹/۲۷) کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ھو یا آسمانی کُرّے ؟

(۲) سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲/۶) ان کے لئے برابر ہے خواہ تم انہیں آگاہ کرو یا نہ کرو ۔

(۳) قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (۱۳/۱۶) ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ھوسکتے ھیں یا (بلکہ یہ کہ) کیا اندھیرا اور روشنی برابر ھوسکتے ھیں ؟

(۴) بعض اوقات یہ زائد بھی ھوتا ہے ۔ مثلاً اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ .... (۴۳/۵۲) میں اس سے بہتر ھوں ۔ لیکن اسکے معنی یہ بھی ھوسکتے ھیں ۔ ''یا (کیا) میں اس سے بہتر نہیں ھوں'' ۔ اس صورت میں اَمْ زائد نہیں ھوگا ۔

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور' عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے* قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ' جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے' ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ یہ اسکا قانون ہے۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اَمْرٌ (یعنی قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ (۷/۵۴) سورج۔ چاند۔ ستارے۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ (۲۲/۶۵) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے۔ آیت (۴۳/۱۲) میں اِذْنٌ اور اَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (اذن کے معنے بھی قانون خداوندی ہیں۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جسطرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے' اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور ہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ یہ مکافات عمل کا قانون ہے اور اسے بھی اَمْرٌ ہی کہا گیا ہے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (۸/۴۲)۔ ''(یہ سب اسلئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برھان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے'' وہ بھی دلیل و برھان کے مطابق زندہ رہے'' یہ اَمْرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

* خطبات اقبال . Reconstruction of Religious Thoughts in Islam. p. 97.

ا م ر

اَلْاَمَرَۃُ والتَّامُوْر ۔ چھوٹے پتھروں سے بنایا ہوا نشان جو صحراء میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے علاقہ کے حدود یا راستہ کا پتہ لگ سکے، ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معانی میں ''نشان،، کو شامل کیا ہے ۔ لہذا اس کے بنیادی معنے ہیں علامت ۔ نشان ۔ راہ نمائی ۔ یہیں سے اس کے معنے مشورہ کرنے کے آتے ہیں ۔ اَلْاِئْتِمَارُ کے معنے ہیں مشورہ کرنا* ۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون نے اپنے سرداروں سے حضرت موسیٰؑ کے معاملہ کے متعلق گفتگو کی اور ان سے کہا کہ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (۷/۱۱۰ ؛ ۲۶/۳۵) ''سو تم کیا مشورہ دیتے ہو (نیز دیکھئے ۲۹/۶) ۔ اسی طرح سورۃ قصص میں ہے کہ شہر کے دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ (۲۸/۲۰) ''سرداران قوم تیرے بارے میں باہمی مشورے کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے،، لیکن تاج العروس میں ہے کہ یہاں اس کے معنی عزم اور ارادہ کر لینے کے ہیں ۔ مُؤْتَمَرٌ اسی سے اسم ظرف بصیغہ اسم مفعول ہے ۔ مشورہ گاہ ۔ آجکل یہ لفظ کانفرنس کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ۔ اَمِیْرٌ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے مشورہ لیا جائے ۔ نیز اندھے کی راہ نمائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں* ۔

اَمَرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا بہت زیادہ ہو جانا* ۔ اَمِرَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس شخص کے جانور بکثرت ہو گئے ۔ اَلْاَمِرُ ۔ برکتہ والا آدمی ۔ ان معانی کے اعتبار سے، فراء نے کہا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں آیا ہے اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (۱۷/۱۶) تو اس کے معنے ہیں ''ہم مترفین کو کثرت سے مال و دولت دے دیتے ہیں*،، ۔ مزید برآں دیکھئے ص۱۸۱ جلد چہارم۔

اَمْرٌ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور حالت ۔ معاملہ ۔ کام یا بات کے بھی ۔ (ابن فارس) ۔ جب اس کے معنے حکم کے ہوں تو اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے (اوامر و نواهی ۔ جہاں امر، نہی کی ضد ہے) اور جب اس کے معنے معاملہ ۔ حادثہ ۔ یا واقعہ یا حالت کے ہوں تو اس کی جمع اُمُوْر آتی ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں اَوَامِر کا لفظ نہیں آیا ۔

---

* تاج ۔

ان معنوں کی رو سے اَلْاَمِیْرُ حاکم کو کہتے ہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ (۲/۶۷) کے معنی ہیں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے ۔ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ (۲۴/۶۲) کے معنی ہیں اجتماعی معاملہ ۔ اَلْاِمْرَۃُ کے معنے ہیں حکومت* ۔ اِمَارَۃٌ کے بھی یہی معنی ہیں* ۔ اَمْرٌ عَظِیْمٌ کے معنے ہیں حادثۂ عظیم* ۔ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ (۱۶/۳۳) کے معنے ہیں فیصلہ کن مرحلہ ۔ اِمْرًا ۔ سخت نا پسندیدہ بات (۱۸/۷۱) ۔ اَلْاَمَّارَۃُ کے معنی ہیں بہت حکم دینے والا ۔ برانگیختہ کرنیوالا (۱۲/۵۳) ۔ رائے ، مرضی اور خواہش کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے ۔ وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ (۱۸/۸۲) ۔ ''میں نے اسے اپنی مرضی سے نہیں کیا'' ۔

قرآن کریم میں خَلْقٌ کے مقابلہ میں اَمْرٌ کا لفظ آیا ہے (۷/۵۴) ۔ اور اس کا ایک خاص مفہوم ہے جس کے سمجھنے کے لئے اس لفظ کے بنیادی معانی کو سامنے رکھنا ضروری ہے ۔ یعنی علامت ۔ اشارہ ۔ راہ نمائی ۔ نیز ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشو و نما کے بھی ہیں ۔ اور (جیسا کہ عنوان ۔ خ ۔ ل ۔ ق ۔ میں لکھا گیا ہے) خَلْقٌ کے معنی ہیں مختلف عناصر میں نئی نئی تراکیب سے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرنا ۔ خَلْقٌ پیدائش کا یہ وہ مرحلہ ہے جب اشیاء بالعموم اپنی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں ۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے اس طرح وجود میں آنے سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب یہ ہنوز تدبیری حالت (In the Process of Becoming) میں ہوتی ہیں ۔ '' یہ تدبیری مرحلہ '' عَالَمِ امر سے متعلق ہے ۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی قابل غور ہے ۔ کائنات میں ایک تو اشیائے کائنات ہیں (مثلاً سورج ۔ چاند ۔ ستارے ۔ زمین ۔ درخت وغیرہ) اور دوسرے وہ قانون ہے جس کے مطابق یہ تمام اشیائے کائنات ایک نظم و ضبط کے ساتھ سر گرم عمل ہیں ۔ اس قانون کو بھی اَمْرٌ کہتے ہیں (اس کا تفصیلی تعارف مشیت کے ضمن میں عنوان ۔ ش ۔ ی ۔ ء ۔ کے ماتحت ملیگا) ۔

اشیا کی ''تدبیری حالت'' کے متعلق قرآن کریم میں ہے اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۲/۱۱۷) ''جب وہ ایک تدبیر (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔ یہ امر کیا ہوتا ہے اور وہ کسطرح متشکل ہوتا ہے اسکے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے ۔ ہمارا

* تاج و محیط ۔ ** محیط ۔

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور' عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے* قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ ' جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے ' ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں ۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے ۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے ؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے ۔ یہ اسکا قانون ہے ۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے ؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ اَمْرٌ (یعنے قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے ۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ (۷/۵۴) سورج ۔ چاند ۔ ستارے ۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں ۔ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ (۲۲/۶۵) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے ۔ آیت (۴۳/۱۲) میں اِذْنٌ اور اَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں ۔ (اذن کے معنے بھی قانون خداوندی ہیں ۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جسطرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے ' اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور ہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں ۔ یہ مکافات عمل کا قانون ہے اور اسے بھی اَمْرٌ ہی کہا گیا ہے ۔ لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۔ لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ (۸/۴۲) ۔ "(یہ سب اسلئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے ۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے" وہ بھی دلیل و برہان کے مطابق زندہ رہے" یہ اَمْرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

* خطبات اقبال . Reconstruction of Religious Thoughts in Islam. p. 97.

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کوئی انسان اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کر سکتا۔ حتی کہ رسول بھی نہیں۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (۳/۱۲۷) " اے رسول تجھے اس قانون میں کوئی دخل نہیں"۔ یہ امر (قانون) جس کا تعلق انسانی اعمال سے ہے وحی کے ذریعے (رسولوں) کو ملتا ہے اور انکی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ (۴۵/۱۶) اور "ہم نے انہیں امر کی واضح باتیں دیں"۔ یا، ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ (۶۵/۵)۔ "یہ خدا کا امر (قانون) ہے جسے اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے"۔

لہذا خدا کے امر کے تین گوشے ہیں۔ ایک وہ جہاں ہر قانون متعین ہوتا ہے اور ہر تدبیر بنائی جاتی ہے۔ اس گوشے کی حقیقت و کیفیت کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا امر، قانونِ کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ یہ قانون ہر شے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا علم تجربہ، عقل، بصیرت اور مشاہدات کی رو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور تیسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا قانون انسانوں کی دنیا سے متعلق ہے۔ یہ قانون وحی کی رو سے رسولوں کو ملتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ یہ قانون قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جس کے مطابق قوموں کی موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر انسان، زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ گوشہء اول میں خدا اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق جسطرح کا قانون چاہتا ہے مرتب کرتا ہے۔ گوشہء دوم میں خدا اپنی اسکیم کو اپنے مرتب فرمودہ قوانین کے مطابق چلاتا ہے اور اشیائے کائنات اس قانون کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ گوشہء سوم میں خدا کا قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے لیکن انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو اس کی اطاعت کریں اور جی چاہے تو اس سے سرکشی اختیار کرلیں۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کرے گا اسی کے مطابق نتائج اس کے سامنے آ جائیں گے۔ خدا کا امر (قانون) خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی زندگی سے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ یہ بھی خدا کا فیصلہ ہے۔

ا م س

اَمْسِ۔ اور اَلْاَمْسِ (عام طور پر سین کی زیر سے آتا ہے لیکن کبھی پیش سے بھی آ جاتا ہے)۔ گذشتہ کل کا دن*۔ سورہ قصص کی آیات فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ (۲۸/۱۸) میں یہ لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ "یعنی

* تاج۔

جس شخص نے کل اس سے مدد مانگی تھی،،۔ لیکن جسطرح ہم کہتے ہیں کہ ''جولوگ کل تک یہ دعائیں مانگتے تھے کہ ....'' تو اس سے مراد گذشتہ کل کا دن نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن پہلے تک ۔ یا کچھ دنوں پہلے سے **اَلْاَمْسِ** کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَہٗ بِالْاَمْسِ (۲۸/۸۲) جو لوگ ابھی کل تک اسکی آرزو کرتے تھے کہ ہمیں وہ پوزیشن حاصل ہو جائے جو (قارون) کو حاصل ہے ۔

ا م ل

اَلْاَمَلُ ۔ امید یا توقع ۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال ایسی چیزوں کی توقع کے لئے آتا ہے جن کا حاصل کرنا مستبعد ہو ۔ چنانچہ جو شخص دور درازسفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اَمَلْتُ کہتا ہے ۔ لیکن اگر وہ شہر قریب ہو اور وہاں جانا آسان ہو تو وہ طَمِعْتُ کہیگا ۔ اس سے اَمَلٌ اور طَمَعٌ کا فرق ظاہر ہے ۔ رَجَاءٌ کا لفظ ان دونوں کے بین بین بولا جاتا ہے** ۔ اَلْاَمِیْلُ ۔ ریت کا پہاڑ جو ایک دن کی مسافت کا ہو ۔ یا لمبائی میں کئی دن کی مسافت کا ہو ۔ تَاَمَّلَ الرَّجُلُ ۔ کسی معاملہ میں ٹھہرنا ۔ سوچنا اور انتظار کرنا ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انتظار کے ہوتے ہیں ۔ نیز جم کر غور کرنا ۔ اور ٹھہرنا ۔ امید رکھنا لیکن اس میں دیر تک کا پہلو ضرور شامل ہوتا ہے ۔ سورۃ حجر میں ہے کہ وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ (۱۵/۳) ۔ ان کی لمبی چوڑی آرزو انہیں زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل کئے رکھتی ہے ۔

ا م م

اُمٌّ ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ یہ لفظ جامد ہے اور بچہ کی اس آواز سے ماخوذ ہے جب وہ بولنا سیکھنے سے پہلے اُم ۔ اُم ۔ وغیرہ شروع کرتا ہے* ۔ اس سے اس کے اولین معنے والدہ (ماں) کے ہو گئے ۔ بعض لوگ اُمٌّ کو اُمَّةٌ بھی کہدیتے ہیں اور بعض اس لفظ کو اُمْهَةٌ بھی کہدیتے ہیں جس کی جمع اُمَّهَاتٌ آتی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُمَّهَاتٌ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور اُمَّاتٌ غیر ذوی العقول کیلئے ۔

ماں کی آغوش کے اعتبار سے انسان کے مسکن کو اُمٌّ کہتے ہیں ۔ قوم اور جماعت کو بھی اُمَّةٌ کہتے ہیں ۔ بالخصوص ہم مسلک اور ہم

* محیط ۔ ** تاج

مشرب گروہ کو۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں مختلف انبیائے کرامؑ کے تذکرہ کے بعد ہے تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۴) ۔ '' یہ ایک اُمت تھی جو گذر چکی '' دوسری جگہ انہی کے متعلق ہے اِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً (۲۱/۹۲) '' یقیناً یہ تمہاری اُمت ' امتِ واحدہ ہے '' ۔ نیز اس کے معنے ہر شے کی اصل اور بنیاد کے ہیں ۔ اُمُّ الْقَوْمِ ۔ قوم کا رئیس ۔ اُمُّ النُّجُوْمِ ۔ کہکشاں ۔ اُمُّ الرَّاْسِ ۔ دماغ ۔ نیز ہر وہ مرکز جہاں بہت سی چیزیں آ کر مل جاتی ہوں اُمٌّ کہلاتا ہے ۔ جیسے اُمُّ الْقُرٰی مکہ معظمہ کو کہتے ہیں ۔ اُمُّ الْکِتَابِ ۔ قانون کی اصل و بنیاد** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں ۔ (۱) بنیاد اور اصل (۲) مرجع (۳) جماعت (۴) دین ۔

اَلْاُمَّةُ ۔ حالت ۔ نعمت ۔ شان ۔ طریقہ ۔ سنت ۔ وقت ۔ زمانہ ۔ مدت ۔ شریعت اور دین (مدت کے معنوں میں یہ لفظ ۱۲/۴۵ میں آیا ہے) ۔ نیز اس کے معنے اِمام اور ہادی کے بھی ہیں ۔ جیسے (ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ) اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا (۱۶/۱۲۰) میں اس کے معنے امام کے ہیں ۔ اگرچہ اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ گو ایک فرد تھے لیکن اپنی شخصیت کی جامعیت کے اعتبار سے ایسے تھے کہ ایک پوری کی پوری امت ان کے اندر سموئی ہوئی تھی ۔ ابن قتیبہ نے بھی اُمَّةٌ کے معنی دین ۔ امام اور جماعت کے لکھے ہیں*** ۔ لطائف اللغۃ میں اس کے معنی دئے گئے ہیں ۔ '' ایسا آدمی جس میں تمام خوبیاں جمع ہوں ۔ نیز امام '' ۔ مزید براں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱۲ جلد چہارم۔

(۴) اَلْاِمَامَةُ ۔ آگے ہونا ۔ اِمَامٌ وہ شخص جو آگے ہو۔ یہ در اصل اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدہ میں آ رہی ہیں یا نہیں ۔ (عربی میں اس آلے کو فَادِن اور ہمارے ہاں ساھل کہتے ہیں ۔ اس سے اِمَامٌ کا صحیح تصور سامنے آ سکتا ہے) نیز وسیع راستہ کو بھی اِمَامٌ کہتے ہیں (۱۵/۷۹) ۔

(۵) اَمَامٌ ۔ آگے سامنے ۔ مستقبل ۔ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ (۷۵/۵) ۔

اَمَّهٗ ۔ یَؤُمُّهٗ ۔ اَمًّا ۔ قصد و ارادہ کرنا ۔ آمِّیْنَ (۵/۲) قصد و ارادہ کرنے والے ۔ قرآن کریم میں أ م مّ (اور اسکے مشتقات) ان تمام معانی میں آئے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ انکی مثالوں کی ضرورت نہیں ۔

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** القرطین ۔ ج ۲ ' صفحہ ۳۳ ۔

اَلْاُمِّیُّ ایک ایسا لفظ ہے جس کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کی ضرورت ہے ۔ اسکے بنیادی معنے ہیں ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو (جیسا ماں نے جنا تھا ویسا ہی رہے ۔ اسے مادرزاد بھی کہتے ہیں ۔) اور لکھنا پڑھنا نہ سیکھے** ۔ نبی اکرم کو اسی اعتبار سے اُمِّیٌّ کہا جاتا ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے ۔ لیکن یہ چیز زمانہ قبل از نبوت کی بات ہے ۔ نبوت کے بعد آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا ۔ اسکی واضح شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے ۔ سورۃ عنکبوت میں ہے وَ مَاكُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (۲۹/۴۸) ”تو اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا“ ۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن نزول قرآن کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی ۔ اسی لئے قرآن نے مِنْ قَبْلِهٖ کی تخصیص کر دی ۔

لیکن قرآن کریم میں خود عربوں کو بھی اُمِّیّٖنَ کہا گیا ہے ۔ اسکا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی ۔ اس لئے کہ یہ لفظ اَهْلُ كِتَابٍ کے مقابلہ میں آیا ہے (دیکھئے ۳/۱۹ و ۳/۲۰) ۔ عرب میں یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے تھے، اور وہ لوگ جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے ان کے مقابلہ میں ”غیر اہل کتاب“، یعنی اُمِّیّٖنَ کہلاتے تھے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ان پڑھ تھے ۔ یہ وہاں کی اصطلاح تھی جس سے ”اہل کتاب“، ان لوگوں کو اپنے سے الگ کرکے پکارتے تھے ۔* لہذا قرآن میں بعض مقامات پر اُمِّیّٖنَ کے معنے ان پڑھ ہیں اور بعض مقامات پر اس سے مراد وہ اہل عرب ہیں جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے ۔

نیز اُمِّیٌّ کے معنی اُمُّ الْقُرٰی (مکہ) کا باشندہ بھی ہیں جیسے حضرمی ۔ حضرموت کے رہنے والے کو کہتے ہیں ۔

(نوٹ ۔ اَمَّا حرف ہے جسے الگ لکھا گیا ہے ۔)

* واضح رہے کہ قرآن نے خود مسلمانوں کو (جنہیں قرآن کی کتاب دی گئی ہے) الذین اوتوا الکتاب کہہ کر پکارا ہے (۴/۱۳۶) لیکن صرف انہی کو جو اس کتاب کا صحیح علم رکھتے ہیں ۔

** (لطائف اللغۃ)

أَمَّا (حرف) -

اَمَّا - یہ عام طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں ''باقی رہا یہ کہ........'' - یا ''جہانتک اس بات کا تعلق ہے'' - مثلاً -

(۱) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ .... (۲/۲٦) - جہانتک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ایمان لائے سو وہ جانتے ہیں کہ .... (یا) اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (۸۰/۵) باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے تو........ (یا) جہانتک اسکا تعلق ہے........ (یا) اَمَّا السَّفِيْنَةُ .... (۱۸/۷۹) جہانتک کشتی کا تعلق ہے .... وَاَمَّا الْغُلَامُ .... (۱۸/۸۰) باقی رہا وہ لڑکا........

(۲) بعض اوقات اَمَّا مرکب ہوتا ہے اَمْ + مَا، کا - اوراس کے معنی ہوتے ہیں ''یا وہ چیز جو'' - یہ وہی اَمْ ہے جو استفہامی ہمزہ (ءَ) کے بعد آتا ہے - مثلاً سورة انعام میں ہے - قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ (٦/۱۴۴) ان سے کہو کہ کیا دونوں نر حرام کئیے ہیں یا دونوں مادہ - یا وہ جو دونوں کے رحم میں ہے -

ا م ن

اَمْنٌ - بے خوفی - اطمینان - خوف سے محفوظ ہونے کی حالت - * سورۂ بقرہ میں ہے فَاِذَآ اَمِنْتُمْ (۲/۲۳۹) ''جب تم امن میں ہو جاؤ'' - سورة انعام میں ہے - فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ (٦/۸۲) - ''سو دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ امن کا زیادہ حقدار ہے -'' ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) خیانت کی ضد - (۲) اطمینانِ قلب اور (۳) تصدیق کرنے کے ہیں -

اَمِنَ - کسی کو بے فکر اور مطمئن کردینا - دوسرے کو امن دیدینا - اسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لینا - *

---

* تاج -

اِئْتِمَانٌ - کسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا - کسی کو امانت دار اور محافظ سمجھنا - *

نَاقَةٌ اَمُوْنٌ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو قویٰ اور عادات کے اعتبار سے قابلِ اعتماد ہو - جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ پیہم سفر سے کمزور نہیں ہو جائیگی اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گر نہیں پڑیگی - *

مُؤْمِنٌ - امن کی ضمانت دینے والا - جس پر بھروسہ کر کے انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے - امنِ عالم کا ضامن - *

اَمَانَةٌ - وہ چیز جو کسی کے بھروسہ پر دے دی جائے - ** (حمل امانت کے معنی امانت میں خیانت کرنا ہیں - اس کے لئے عنوان ح-م-ل دیکھئے) -

اَمِیْنٌ - بے خوف - مطمئن - جسے قابل اعتماد سمجھا جائے - جو کسی کو قابل اعتماد سمجھے - جس پر بھروسہ کیا جا سکے - * بَلَدٌ اَمِیْنٌ ($\frac{95}{3}$) - جس شہر میں امن و حفاظت ہو - مُقَامٌ اَمِیْنٌ - ($\frac{44}{51}$) جس مقام میں پورا پورا اطمینان اور سامانِ حفاظت ہو - *** اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ($\frac{26}{162}$) "میں تمہارے لئے رسول امین ہوں -"

سورۃ نحل میں امن و اطمینان کے معنی حفاظت اور سامانِ زندگی کی فراوانی کے آئے ہیں - ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا .... فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ ($\frac{16}{112}$) "اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے - وہ امن و اطمینان کی حالت میں تھی - اس میں سامانِ زیست ہر جگہ سے با فراغت آتا تھا - پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی نا قدری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا مزہ چکھایا " - سورۃ حجر میں ہے - وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ($\frac{15}{82}$) - "وہ حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کو تراش کر مکان بنایا کرتے تھے" - سورۃ آلِ عمران میں امن بمقابلہ غم آیا ہے - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً ($\frac{3}{153}$) - " پھر اس نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا " -

قرآن میں یہ سادہ اعتماد اور بھروسہ کے معنوں میں متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے - مثلاً سورۃ بقرہ میں لین دین کے معاملات کے ضمن میں ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ($\frac{2}{283}$) - "اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے" - سورۃ یوسف میں ہے - لَا تَاْمَنَّا ($\frac{12}{11}$) -

* تاج - ** محیط - *** لین -

'' تو ہمارا اعتبار نہیں کرتا '' ۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (۱۲/۱۷) ۔ '' اور تو ہماری بات کا اعتبار نہیں کریگا ''۔ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ (۱۲/۶۴) ۔ '' میں اس کے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا بجز اس کے جس طرح میں نے (پہلے) تمہارا اعتبار کیا تھا '' ۔ ان تمام مقامات میں اٰمَنَ کا لفظ اعتبار ۔ بھروسہ اور یقین آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

جب آمَنَ کا صلہ لام ہو تو اس کے معنی بات ماننے کے ہوتے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں ہے ۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ (۲/۵۵) ۔ '' ہم تیری بات نہیں مانینگے '' ۔ اس میں اعتبار ۔ اعتماد ۔ یقین اور اطاعت، سب کا مفہوم آ جاتا ہے ۔ جب اس کا صلہ ب ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (۲/۲۸۵) '' سب ایمان لائے ہیں اللہ پر '' ۔ اٰمَنَ کے جو معانی اوپر دئے گئے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ '' ایمان لانے '' میں ان سب کا مفہوم آ جاتا ہے ۔ یعنی ۔

(۱) یقین کرنا ۔ ماننا ۔ تسلیم کرنا ۔ یعنی انکار نہ کرنا ۔
(۲) تصدیق کرنا ۔ اس کے سچے ہونے کا اقرار کرنا ۔ یعنی تکذیب نہ کرنا ۔
(۳) اعتماد اور بھروسہ کرنا ۔
(۴) بات ماننا ۔ اطاعت کرنا ۔ سر تسلیم خم کرنا ۔

قرآن کی رو سے پانچ بنیادی حقیقتیں ہیں جن پر ایمان لانے سے انسان مؤمن ہو جاتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷) ۔ '' کشاد کی راہ اس کی ہے جو اللہ پر ۔ یوم آخرت پر ۔ ملائکہ پر ۔ کتب پر اور انبیاء پر ایمان لائے '' ۔ ان کا (یا ان میں سے کسی ایک کا) انکار کفر ہے ۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (۴/۱۳۶) ۔ '' جو اللہ سے ۔ اور اس کے ملائکہ کتب ۔ رسل اور یوم آخرت سے انکار کرتا ہے تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل جاتا ہے '' ۔ اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اسکی ہستی پر یقین ۔ اسکی ہر بات پر اعتماد ۔ اسکے قوانین پر پورا پورا اعتماد ۔ اور ان کی اطاعت کا اقرار ۔ یوم آخرت پر ایمان کے معنی ہیں خدا کے قانون مکافات عمل کی محکمیت پر یقین اور اعتماد ۔ اور موت کے بعد تسلسل حیات پر یقین ۔ ملائکہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملکوتی قوتیں نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ

کے پروگرام کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہیں اور خدا نے انہیں انسان کے سامنے جھکا دیا ہے ۔ مسخر کر دیا ہے ۔ اس لئے ان میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے انسان جھکے ۔ انبیاء پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان ، تنہا عقل کی رو سے شاہراہِ زندگی پر چلنے کی راہ نمائی حاصل نہیں کر سکتا ۔ یہ راہ نمائی وحی کی رو سے ملتی ہے ۔ اوروحی ہر فرد کو براہ راست نہیں ملتی بلکہ خدا کے منتخب کردہ افراد کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں انبیاء کہا جاتا ہے ۔ وحی کا یہ سلسلہ نبی اکرم[ؐ] کی ذات پر ختم ہو گیا ۔ کتابوں پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ضابطۂ حیات، وحی کی رو سے ملا ہے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ منزل تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ۔ نبوت پر ایمان لانے کی عملی شہادت اس نبی کی کتاب کو ضابطہ زندگی بنانا ہے ۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب ضابطۂ حیات نہیں بن سکتی ۔

لہذا مومن (ایمان لانے والا) وہ ہے جسے خدا کے [؟]اس قانون کی محکمیت پر بھی پورا پورا بھروسہ ہو جو کائنات میں کار فرما ہے اور اس قانون پر بھی جو حضرات انبیائے کرام[ؑ] کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانی راہ نمائی کے لئے ملا (اور جواب قرآن کے اندر ہے) ۔ اور انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی پر بھی پورا پورا یقین ہو (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی) ۔ ایسے افراد پر مشتمل جماعت کو قرآن '' یٰۤاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا '' کہہکر پکارتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہہکر تنبیہ بھی کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جماعت کا یہ نام تو باقی رہ جائے اور وہ خصوصیات باقی نہ رہیں جن کی بناء پر انہیں اس خطاب کا حامل قرار دیا گیا تھا ۔ اس لئے اس جماعت سے بھی کہہدیا گیا کہ جس طرح دیگر افراد انسانیہ (یہود ۔ نصاریٰ وغیرہ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوانین خداوندی اور مکافاتِ عمل پر پورا پورا یقین رکھیں اسی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے ۔ انہیں اطمینان اور بےخوفی کی زندگی اسی طرح مل سکیگی، نہ کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ ۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ($\frac{2}{62}$) ۔ '' یقیناً جو لوگ اپنے آپ کو مومن کہہکر پکارتے ہیں اور جو یہود اور نصاریٰ اور صابئین ہیں ۔ کسے باشد ۔ جو بھی اللہ اور آ[illegible]ت

پر ایمان لائیگا اور اس کے اعمال صالح ہونگے ۔ تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے ہاں ہوگا۔ اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن ۔ (نیز دیکھئے ۳/۱۳٦) ۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ تو پہلے ہی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے انہیں " مومن " ہونے کے لئے نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ جب تک ان تمام امور پر اسطرح ایمان نہ لایا جائے جسطرح قرآن نے بتایا ہے (یعنی ان کی جو تشریحات قرآن نے بیان کی ہیں انہیں اسی طرح نہ مانا جائے) کسی کے (بزعم خویش) ایمان کو ایمان نہیں کہا جائیگا ۔ فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (۲/۱۳۷) ۔ " اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر سمجھا جائیگا کہ یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں " ۔ ایمان وہی ایمان ہے جو قرآن کے مطابق ہے اور عمل وہی صالح ہے جسے قرآن صالح قرار دے۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ تو مانتے ہیں کہ کائنات کو خدا نے بنایا ہے اور اس کا قانون اس میں کار فرما ہے ، لیکن اپنی زندگی (یا انسانی معاملات) میں خدا کی راہ نمائی (وحی) کو ضروری نہیں سمجھتے ۔ ایسے لوگوں کو وہ مومن قرار نہیں دیتا اس لئے کہ مومن کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ خدا کی ہستی پر ایمان رکھتا ہو۔ مومن وہ ہے جو وحی پر بھی ایمان رکھے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے (۲۳/۸۴-۹۰) ۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر ، یا جماعت مومنین کے غلبہ و اقتدار کے پیش نظر، ایمان لے آنا بھی ایمان نہیں کہلاتا ۔ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں قانونِ خداوندی کی صداقتوں کا یقین اور اس کی محکمیت پر بھروسہ رکھے ۔ سورۃ الحجرات میں ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا ۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۴۹/۱۴) ۔ " اعراب (دیہاتی بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ۔ ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ یہ کہو کہ ہم نے تمہاری فرماں برداری اختیار کر لی ہے ۔ اس لئے کہ (ابھی تک) تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا " ۔

دوسری طرف اسے بھی سمجھ لینا چاھئے کہ ایمان صرف ان حقائق کو مان لینے کا نام نہیں - ان کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دینا بھی ضروری ھے - سورۃ روم میں ھے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳۰/۵۳) - '' تو صرف انھی کو سنا سکتا ھے جو ھمارے احکام پر ایمان لاتے ھیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے والے ھیں '' - یہی وجہ ھے کہ جہاں ایمان کو کفر کے مقابل رکھا گیا ھے (مثلاً ۲/۲۵۳ میں) وھاں اسے '' گریز کی راھیں نکالنے اور پھر جانے '' کے مقابل بھی لایا گیا ھے - (دیکھئے ۴/۱۳۷) حتی کہ مومن اور فاسق کو بھی ایک دوسرے کی ضد بتایا گیا ھے (مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳/۱۰۹) - اور منافقین کی ضد بھی- وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ - وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (۳/۱٦٦-۱٦۵) '' تاکہ وہ مومنوں کو بھی جان لے اور ان لوگوں کو بھی جو منافقت برتتے ھیں '' -

قرآن نے خدا کو اَلْمُؤْمِنُ (۵۹/۲۳) کہا ھے - اس لئے کہ وہ تمام کائنات کی حفاظت کا ذمہ دار ھے اور جو اس کے قانون پر بھروسہ کرتا ھے وہ اسے تخریبی قوتوں کی تباھیوں سے محفوظ رکھتا ھے - اس اعتبار سے بندۂ مومن وہ ھوگا جس پر تمام انسان اعتماد اور بھروسہ کر سکیں اور جو تمام دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ھو-

تصریحات بالا سے اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ مومن کسے کہتے ھیں - اس کا مقام کیا ھے اور فرائض اور ذمہ داریاں کیا ؟

اِمَّا (حرف)

اِمَّا (یا تو - یا خواہ) حسب ذیل مثالوں سے مفہوم واضح ھوجائیگا :-

(۱) اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ (۹/۱۰٦) - خواہ وہ انہیں عذاب دے اور خواہ ان کی طرف متوجہ ھو-

(۲) قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (۲۰/٦۵) انہوں نے کہا - اے موسیٰ یا تو تو پہلے ڈال یا ھم پہلے ڈالیں -

(۳) بعض اوقات یہ حرف شرط (اِنْ) کے معنی دیتا ھے - اس صورت میں (مَا) اس میں زائد ھوتا ھے - جیسے فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۱۹/۲٦) - پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو . . . . اس میں صرف اِنْ کے معنی (اگر) آئے ھیں - (مَا) زائد ھے -

ا م و (ا م ۃ)

اَمَۃٌ - باندی (حُرَّۃٌ کی ضد ہے) یہ لفظ در اصل اَمَوَۃٌ یا اَمْوَۃٌ تھا * - قرآن کریم میں مذکر کے لئے عَبْدٌ اور مونث کے لئے اَمَۃٌ آیا ہے (۲/۲۲۱) - اَمَۃٌ کی جمع اِمَاءٌ ہے (۲۴/۳۲) -

اَنْ - (حرف) -

اَنْ - عام طور پر (کہ) کے معنوں میں آتا ہے - یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَ اللهِ (۹/۳۲) - وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نورکو بجھا دیں -

(۲) وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ .... (۲/۱۸۴) اور یہ کہ تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا- یعنی صِیَامُکُمْ - تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے -

(۳) بعض اوقات یہ زائد ہوتا ہے - مثلاً - وَلَمَّا اَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطاً (۲۹/۳۳) - جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کی طرف آئے - یہاں اَنْ زائد ہے - چنانچہ (۱۱/۷۷) میں ہے وَ لَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطاً - یعنی اس میں اَنْ نہیں ہے - نیز دیکھئے (۱۲/۹۶) جہاں اَنْ زائد ہے -

(۴) بعض اوقات اَنْ سبب کو ظاہر کرنے کے لئے بھی آتا ہے - مثلاً وَ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (۳۸/۴) - اور انہیں اس بات پر تعجب آ رہا ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آ گیا! یعنی اسکیے تعجب کا سبب یہ ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے رسول آ گیا - وہ اسپر متعجب ہیں کہ ایسا کس طرح ہوگیا - (لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ در اصل لِاَنْ ہے - یعنی اس میں لا مِ سبب ، مقدر ہے - یعنی وہ لا م جس کے معنی ''تا کہ،، یا ''اس وجہ سے،، ہوتے ہیں لکھا نہیں گیا - محذوف ہے -)

(۵) ''تا کہ،، کے معنوں میں - وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (۱۶/۱۵) - ''اور اس نے زمین پر پہاڑ بنا رکھے ہیں تاکہ تمہیں سامان رزق عطا کرے،، - ''یا تم اسی پر آرام سے بیٹھے رہو اور یہ تمہیں لیکر گھومتی رہے -،، (بعض کے نزدیک یہاں بھی لا م سبب مقدر ہے) -

---

* تاج -

(۶) بعض اوقات اس کا مطلب ہوتا ہے "یہ کہکر کہ"۔ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (۱۶/۳۶)۔ اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ یہ پیغام دیکر کہ لوگ صرف اللہ کی محکومی اختیار کریں۔

(۷) "ایسا نہ ہوکہ"۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (۴/۱۷۶)۔ اللہ یہ باتیں تمہیں کھول کر بتاتا ہے تاکہ ایسا نہ ہوکہ تم غلطی میں پڑ جاؤ۔

(۸) "تاکہ اگر ایسا ہو تو......" کے معنوں میں۔ مثلاً اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا (۲/۲۸۲)۔ تاکہ اگر ایسا ہوکہ ان میں سے کوئی ایک غلطی کر جائے تو.........

اِنْ (حرف)

اِنْ۔ حرف شرط ہے۔ "اگر" کے معنوں میں آتا ہے۔ اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ (۸/۳۸)۔ اگر وہ رک جائیں تو اللہ ان کی حفاظت کا سامان کردے۔

(۲) کبھی یہ۔ "ما (نہیں)" کے معنوں میں آتا ہے۔ وَ قَالُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۳۴/۴۳) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ کھلا ہوا جھوٹ* ہے۔ یا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا...... (۳۵/۴۱)۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔

(۳) کبھی یہ اِنَّ کا مخفف ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔ یقیناً۔ بالتحقیق۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (۸۷/۹)۔ سو تو انہیں قانونِ خداوندی کی یاد دلاتا جا۔ یقیناً یہ یاد دھانی نفع دیتی ہے۔ (بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں اِنْ شرطیہ ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تذکیر صرف اسوقت کروجب تک یہ نفع بخش ہو۔ ورنہ صحیح موقع کا انتظار کرو۔)**

(۴) کبھی یہ زائد ہوتا ہے۔ یعنی کوئی معنی نہیں دیتا۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ آیت وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَا اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ (۴۶/۲۶) میں اِنْ زائد ہے۔ اس اعتبار سے اسکے معنی ہونگے "اور یقیناً ہم

---

* دیکھئے عنوان (س-ح-ر)۔ ** جب اِنْ مخفف ہو اِنَّ کا تو اسکی خبر پر اکثر لام تاکید آیا کرتا ہے۔ جیسے وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۶۲/۲) "اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے"۔

نے انہیں ایسا تمکن عطا کیا تھا جیسا تمہیں کیا ہے،، ۔ لیکن اگر یہاں ' اِنْ ' کے معنی مَا (نہیں) کے لئے جائیں تو معنی ہونگے ''ہم نے انہیں ایسا تمکن دیا تھا جیسا تمکن تمہیں بھی نہیں دیا،، ۔

(۵) بعض اوقات اس کے معنی اِذْ کے آتے ہیں ۔ اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ''چونکہ تم ایسے ہو اسلئے .... ۔ مثلاً اِتَّقُوْا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (۵/۱۱۲) ۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ اس لئے کہ تم مومن ہو ۔ (نیز ۸/۱) ۔ سورۂ بقرہ میں ہے ۔ وَ اشْكُرُوْا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ (۲/۱۷۲) ۔ اور نعمائے خداوندی کی قدردانی کرو در آنحالیکہ (جب کہ) تم اسکی محکومی اختیار کئے ہوئے ہو ۔

(۶) اِلاَّ ۔ (اِنْ + لاَ) ۔ دیکھئے ۔ اِلاَّ

اَنَا (ضمیر)

اَنَا ۔ واحد متکلم کی مرفوع ضمیر ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ اَنَا رَجُلٌ ۔ میں ایک مرد ہوں ۔ اَنَا اِمْرَأَةٌ ۔ میں ایک عورت ہوں ۔ قرآن کریم میں ہے قَالَ اَنَا اُحْيِي وَ اُمِيْتُ (۲/۲۵۸) '' اس نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں'' ۔ اَنَا کا تثنیہ اور جمع نَحْنُ آتا ہے ۔

اَنْتَ (ضمیر)

اَنْتَ ۔ واحد مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتَ رَجُلٌ ۔ تو ایک مرد ہے ۔ سورۂ بقرہ میں ہے ۔ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (۲/۳۵) '' تو اور تیری بیوی باغ میں رہو'' ۔

اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُمْ آتی ہے ۔

اَنْتِ (ضمیر)

اَنْتِ ۔ واحد مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتِ اِمْرَأَةٌ ۔ تو ایک عورت ہے ۔ اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُنَّ آتی ہے ۔

اَنْتُمْ (ضمیر)

اَنْتُمْ - جمع مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اَنْتُمْ رِجَالٌ - تم سب مرد ہو۔ قرآن کریم میں ہے وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (۲/۱۳۲) "تم مسلم ہو"۔ اس کا واحد اَنْتَ ہے۔

اَنْتُمَا (ضمیر)

اَنْتُمَا - تثنیہ حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتی ہے - اَنْتُمَا رَجُلَانِ - تم دونوں مرد ہو - اَنْتُمَا امْرَأَتَانِ - تم دونوں عورتیں ہو۔ سورۃ قصص میں ہے اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ (۲۸/۳۵) - "تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے، غالب رہو گے"۔

اس کا واحد اَنْتَ (مذکر کے لئے) اور اَنْتِ (مؤنث کے لئے) ہیں۔

اَنْتُنَّ (ضمیر)

اَنْتُنَّ - جمع مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اَنْتُنَّ نِسْوَةٌ - تم سب عورتیں ہو - اس کا واحد اَنْتِ ہے۔

ا ن ث

اَنْثٌ - اس کے بنیادی معنے نرم کے ہیں - حَدِيْدٌ اَنِيْثٌ - نرم لوہا - اَرْضٌ اَنِيْثَةٌ - نرم زمین - سَيْفٌ اَنِيْثٌ - نرم تلوار جو قاطع نہ ہو - اَنِثَ لَهٗ - وہ اس کے لئے نرم ہو گیا*۔

راغب نے لکھا ہے کہ چونکہ تمام حیوانات میں مؤنث بمقابلہ مذکر نرم اور ضعیف ہوتی ہے اس لئے اسے اُنْثٰى کہتے ہیں - لہذا ہر وہ چیز جس میں فاعلیت کی بجائے انفعال کا پہلو غالب ہو اَنِيْثٌ کہلائیگی - چنانچہ اسی اعتبار سے جمادات کو بھی اَلْاِنَاثُ کہتے ہیں - اور خدا کے مقابلہ میں جن چیزوں کو بھی معبود بنا لیا جاتا ہے وہ (خدا کی قوت اور فاعلیت کے اعتبار سے) اِنَاثٌ کہلاتی ہیں - سورۃ النساء میں جو کہا گیا ہے کہ اِنْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اِنٰثًا (۴/۱۱۷) تو اس میں اِنَاثٌ سے مراد ضعیف و کمزور ہی ہیں خواہ وہ پتھر کی مورتیاں ہوں یا دیگر معبود**۔

---

* تاج - ** راغب -

قرآن کریم میں ذَکَرٌ (نر۔ مذکر) کے مقابلہ میں اُنْثٰی (مادہ۔ مؤنث) آیا ہے (۳/۱۱) اور بَنِیْنَ (بیٹے) کے مقابلہ میں بھی اِنَاثٌ (بیٹیاں) آیا ہے (۱/۴)۔

انجیل

اَلنَّجْلُ کے بہت سے معنی ہیں۔ منجملہ ان کے ' بہنے والے پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور نَجَلَتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین سر سبز ہو گئی۔ نَجَلَ الشَّیْئَ۔ اس نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ اسی سے مشتق ہے*۔ لیکن صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ، یونانی لفظ اَونْجِیلْیُوْنْ کا معرب ہے جس کے معنی مسرت انگیز خبر یا بشارت ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ۔ نَجَلْتُ الشَّیْئَ سے ہے جس کے معنی ہیں، میں نے اسے نکال لیا۔ اس کا مفہوم ہے' واضح کر دیا۔ کھول کر بیان کر دیا۔ اس لئے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں وسعت کے ہیں۔ قرآن نے یہ لفظ اس کتاب کے لئے استعمال کیا ہے جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی (۵/۴۷)۔

جو انجیل اسوقت عیسائیوں کے پاس ہے اسکی تاریخ کے لئے میری کتاب "معراج انسانیت" کا پہلا باب "ظہرالفساد" دیکھئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں بالکل نہیں۔ حضرت عیسیٰ ؑ جو صحیفہ ' ربانی (انجیل) اپنے حواریوں کو دیکر گئے تھے، اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ بعد میں جب عیسائی کلیسا، یہودی اور غیر یہودی عناصر کی کشمکش کی رزمگاہ بن گیا تو مختلف الخیال فرقوں نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کی تحقیق کی رو سے اس زمانے میں قریب چونتیس اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسیٰ ؑ کے سوانح حیات تھے جنہیں عام روایات سے اخذ کرکے ترتیب دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ ؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان ارامی تھی لیکن حیرت ہے کہ ان چونتیس اناجیل میں سے (سوائے ایک کے جو اب مفقود ہے) کوئی انجیل بھی ارامی زبان میں نہیں تھی۔ سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ نیقیہ کی مشہور کونسل (منعقدہ ۳۲۵ ء) میں یہ تمام لٹریچر سامنے رکھا گیا اور ان میں سے چار اناجیل (متی۔

* تاج۔ ** محیط۔

مرقس ۔ لوقا ۔ یوحنا) کو منتخب کرکے بقایا کو جعلی قرار دے دیا گیا ۔ ان منتخب کردہ اناجیل (اوران خطوط کو جنہیں سینٹ پال اور حواریوں کیطرف منسوب کیا جاتا ہے) عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے ۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں صفحہ ارض پر موجود نہیں ۔ اسوقت دنیا میں اناجیل کے صرف تین قدیم نسخے ھیں ۔ ایک ویٹکن میں ۔ دوسرا برٹش میوزیم میں اور تیسرا وہ جسے روس نے انگلستان کے پاس فروخت کیا ہے ۔ پہلے دونوں نسخے پانچویں صدی کے اور تیسرا نسخہ چوتھی صدی کا ہے ۔ چوتھی صدی میں جیروم نے یونانی زبان سے ان کا ترجمہ لاطینی میں کیا ۔ یہی ترجمہ اس ترجمہ کا ماخذ ہے جو شاہ جیمس کے عہد میں (۱۶۱۱ ء میں) شائع کیا گیا اور جو مستند ترجمہ کہلاتا ہے ۔ ۱۸۷۰ ء میں کنٹربری میں ستائیس علمائے عیسائیت کی ایک مجلس بدیں غرض منعقد ہوئی کہ چونکہ ۱۶۱۱ ء والا ترجمہ ناقص ہے اس لئے ایک اور مستند ترجمہ شائع کیا جائے۔ اس ترجمہ کو (Revised Edition) کہا جاتا ہے ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اناجیل کے جو تراجم اب مروج ھیں وہ ان دو تراجم کے عین مطابق ھیں ۔ بالکل نہیں ۔ بائیبل سوسائٹیز کیطرف سے شائع ہونے والا ہر نسخہ ، پہلے نسخوں سے مختلف ہوتا ہے ۔ ایسا مختلف کہ جب جرمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کرکے موازنہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کئے۔ اور جان جیمس نے جب ذرا زیادہ تحقیق سے کام لیا تو دس لاکھ اختلافات سامنے آ گئے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون (Gospel) اور انسائکلوپیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ اتھکس کا مضمون (Bible) ۔

یہ ہے مختصراً انجیل کی کیفیت جسے عیسائی دنیا آسمانی کتاب مانتی ہے ۔ واضح رہے کہ اناجیل میں یہ تحریفات سہواً نہیں کی گئیں ۔ دانستہ اور ''کارثواب ،، سمجھ کر کی گئی ھیں ۔ چنانچہ (اور تو اور خود)سینٹ پال کا بیان ہے کہ

> اگر میرے جھوٹ کے سبب سے ، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے ظاہر ہوئی تو پھر مجھ پر ایک گنہگار کیطرح کیوں حکم دیا جاتا ہے ؟

(رومیوں کے نام خط ۔ $\frac{۳}{۷}$)۔

اس '' جھوٹ ،، سے '' خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے '' کسطرح ظاہر ہوئی، اس کے متعلق (زیادہ نہیں) صرف ایک شہادت کافی ہوگی ۔ ڈاکٹر جوڈ اپنی کتاب (God And Evil) میں لکھتا ہے کہ

جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسٰیؑ کا وہ
کیریکٹر ہے جسے اناجیل پیش کرتی ہیں ۔ (صفحہ ۳۱۹)۔

اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آجائیگی کہ جب قرآن نے یہ کہکر کہ انجیل محرف ہے ، حضرت مریم اور حضرت عیسٰیؑ کے صحیح سوانح حیات پیش کئے تو یہ خود دنیائے عیسائیت پر کتنا بڑا احسان تھا۔

ا ن س

اُنْسٌ ۔ مانوس ہونا ۔ (وحشت کی ضد ہے) ۔ چنانچہ اَلْحُمُرُ الْاِنْسِیَّۃُ پالتو گدھوں کو کہتے ہیں ۔ اور حِمَارٌ وَحْشِیٌّ جنگلی گدھے (گورخر) کو ۔ اِسْتَاْنَسَ الْوَحْشِیُّ کے معنی ہیں جانور مانوس ہو گیا*۔

اِنْسُ فُلَانٍ ۔ فلاں شخص کا خاص دوست یا اس کا خالص رفیق ۔
اِنْسٌ ۔ بشر ۔ اس کا واحد اِنْسِیٌّ ہے ۔ الْاَنَسُ : وہ قبیلہ جو کسی جگہ مقیم ہو* ۔ اِنْسٌ کے برعکس ، وہ خانہ بدوش قبائل جو جگہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح عام نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے ، جِنٌّ کہلاتے تھے ۔ (دیکھئے عنوان ۔ ج ۔ ن ۔ ن) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اِنْسٌ کے بنیادی معنی ظاہر ہونے کے ہیں ۔ برعکس اَلْجِنُّ کے ، جس کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں ۔ اس کی جمع اُنَاسٌ اور اَنَاسِیٌّ آتی ہے ۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ بھی اس کی جمع ہے ۔ قبیلے کے معنوں میں اُنَاسٌ سورۃ بقرہ میں آیا ہے ۔ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ۔ (۲/۶۰) ۔ ''سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا''۔ نوع انسانی کے معنوں میں اَنَاسِیَّ اور اَلنَّاسُ سورۃ فرقان میں آئے ہیں ۔ (دیکھئے ۲۵/۴۹ ؛ ۲۵/۵۰) ۔

لفظ اِنْسَانٌ کے متعلق بہت سی توجیہات پیش کی جاتی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ یہ بھی اِنْسٌ سے ہی ہے ۔ قرآن میں اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے ۱۵/۲۸ : ۲۶) ۔ نیز اِنْسِیًّا بھی بَشَرٌ کے ساتھ آیا ہے (۱۹/۲۶) ۔ انسان اور بشر کے فرق کیلئے دیکھئے عنوان ب ش ر

اَلنَّاسُ ۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے بعض کے نزدیک یہ اِنْسٌ کی جمع ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قَوْمٌ کی طرح اسم جمع ہے ۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ در اصل اُنَاسٌ تھا جو اِنْسٌ کی جمع ہے ۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ در اصل اَلْاُنَاسِیُّ تھا ۔ کثرت استعمال سے آخر کی یاء گر گئی ۔ اس کے بعد اَلْاُنَاسُ کا درمیانی ہمزہ بھی تخفیفاً حذف کر دیا اور اس طرح اَلنَّاسُ باقی رہ گیا** ۔

---

* تاج و لین و اقرب الموارد ۔ ** تاج

آنَسَ کے معنی دیکھنے اور محسوس کرنے کے ھیں ۔ تذکرہ حضرت موسیٰؑ میں جہاں انہوں نے کہا ھے اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا (۲۷ : ۷ ; ۲۰ : ۹) تو اس میں آنَسَ کے معنی دیکھنے کے ھیں ۔ اِیْنَاسٌ ۔ کسی شے کی معرفت اور ادراک حاصل کر لینے اور یقین کو کہتے ھیں**۔ مُسْتَانِسٌ ۔ جو مانوس اور بے تکلف ھو ۔ سورۃ احزاب میں ھے مُسْتَانِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ (۳۳ : ۵۳) ۔ اس کے معنی ھیں بے تکلف باتوں میں لگ جانا ۔

اِسْتَانَسَ ۔ اجازت طلب کرنا ۔ سورۃ نور میں ھے حَتّٰی تَسْتَانِسُوْا (۲۴ : ۲۷) اس کے معنی اگلی آیت (۲۴ : ۲۸) سے واضح ھوجاتے ھیں ۔ اِسْتَانَسَ کے معنی در اصل معلومات حاصل کرنے کے ھوتے ھیں ۔ جو شخص کسی مکان کے باھر کھڑا ھو کر دستک یا آواز دیتا ھے وہ دریافت کرتا ھے کہ گھر میں کوئی ھے ۔ اور اگر ھے تو وہ اندر آسکتا ھے؟ اس بنا پر یہ لفظ اِسْتِئْذَانٌ (اجازت طلبی) کے معنوں میں استعمال ھونے لگا ۔ اس قسم کی اجازت طلبی سے مقصود یہ ھوتا ھے کہ آنے والا گھر کے اندر داخل ھونے سے پہلے ایسا انداز اختیار کرے جس سے وہ اھل خانہ کے نزدیک اجنبی نہ رھے ۔ مانوس ھو جائے ۔

قرآن کا خدا رَبُّ النَّاسِ ۔ مَلِکِ النَّاسِ ۔ اِلٰـہِ النَّاسِ (۱۱۴ : ۱-۳) ھے اور خود قرآن بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ (۴۵ : ۲۰) ۔ اس لئے یہ دعوت بلا حدودِ زمان ومکان، تمام نوع انسانی کے لئے ھے اور خدا کی ربوبیت، ربوبیت عالمینی ھے ۔

نوٹ :۔ قرآن میں جِنٌّ و اِنْسٌ کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ھیں اور انسان سے پہلے جانٌّ کی تخلیق کا بھی ذکر آیا ھے (۱۵ : ۲۷) ۔ اس کے لئے (ج ۔ ن ۔ ن) کا عنوان دیکھئے) ۔

ا ن ف

اَلْاَنْفُ ۔ ناک *۔ ھر چیز کی ابتدا اور اس کا مضبوط اور سخت ترین حصہ* ۔ اَلْاَنْفُ بِالْاَنْفِ (۵ : ۴۵) ۔ " ناک کے بدلے ناک "۔ اَلْاِسْتِئْنَافُ کسی کام کو از سر نو شروع کرنا * ۔ عرب ' عزت اور ذلت دونوں کی نسبت اَنْفٌ کی طرف کرتے ھیں ۔ مثلاً حَمِیَ اَنْفُہٗ ۔ وہ معزز ھو گیا، اور رَغِمَ اَنْفُہٗ ۔ وہ ذلیل ھو گیا ** ۔ ھماری زبان میں بھی " اونچی ناک والا " اور " ناک کٹ گئی " عزت اور ذلت کے معنوں میں بولتے ھیں ۔

* تاج و راغب ۔ **محیط ۔

اٰنِفاً - ابھی ابھی - قرآن کریم میں ہے مَاذَا قَالَ اٰنِفاً (۴۷/۱۶) اس نے ابھی ابھی کیا کہا تھا ؟ -

ا ن م

اَلْاَنَامُ مخلوق کو کہتے ہیں - یا صرف جن و انس کو کہتے ہیں - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کو اَنَامٌ کہتے ہیں جو روئے زمین پر ہیں - غالباً یہ نَوْمٌ سے ماخوذ ہے اور ہر اس چیز کو اَنَامٌ کہہ سکتے ہیں جس پر نیند طاری ہوتی ہو*- بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلْاَنَامُ ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں - **

قرآن کریم میں ہے وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) "زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا "- اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام جس میں زمین (سر چشمہ رزق) تمام مخلوق کے فائدے کے بجائے چند افراد کے مفاد کا ذریعہ بن جائے (یا بے فائدہ پڑی رہے) منشائے خداوندی کے خلاف ہوگا- اس کی تشریح میں قرآن نے دوسرے مقام پر کہدیا ہے کہ ارض کو سَوَاءً لِلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰) رہنا چاہئے - یعنی ایسے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے - (مزید تفصیل ا - ر - ض کے عنوان میں ملیگی) -

اِنَّ (حرف)

اِنَّ - تاکید اور تحقیق کے لئے آتا ہے - اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲/۶) یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ (اس نظام حیات سے) انکار کرتے ہیں -

اِنَّمَا (اِنَّ + مَا) - صرف (Only) کے معنوں میں بھی آتا ہے - (اسے حصر کہتے ہیں) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ (۹/۶۰) صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں - اور محض تاکید کے لئے بھی (نیز دیکھئے عنوان - مَا) -

اِنِّيْ در اصل اِنَّ اور یِ (متکلم کی ضمیر) سے مل کر بنا ہے - اسے اِنِّيْ اور اِنَّنِيْ دونوں طرح بولا جاتا ہے -

اِنَّا - در اصل اِنَّ اور نَا (جمع متکلم کی ضمیر) کا مرکب ہے - اسے اِنَّا - اور اِنَّنَا دونوں طرح بولا جاتا ہے -

---

* تاج - ** محیط -

اَنَّ - (حرف)

اَنَّ درحقیقت اِنَّ کی طرح ہے - تاکید کے لئے آتا ہے - جب اس پر کاف تشبیہ کا آجائے تو کَاَنَّ ہو جاتا ہے - (دیکھئے ''کَاَنَّ'' کے ماتحت)

اَنَّمَا کے معنی بھی اَنَّ ہی کے ہوتے ہیں - مطلب تحقیق اور تاکید ہوتا ہے - اَنَّمَا اِلٰـهُکُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (۲۱/۱۰۸) - یقیناً تمہارا الٰـہ الٰـہِ واحد ہے - اس پر کاف تشبیہ آجائے تو کَاَنَّمَا ہو جاتا ہے -

اِنَّ اور اَنَّ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں اِنَّ استعمال کرتے ہیں اور درمیان کلام میں اَنَّ استعمال کرتے ہیں - البتہ قَالَ اور اس کے مشتقات کے بعد اِنَّ استعمال کیا جاتا ہے - اَنَّ استعمال نہیں کیا جاتا -

اَنّٰی (حرف)

(۱) اَنّٰی - کَیْفَ (کسطرح - کیونکر) کے معنوں میں - وَاَنّٰی لَـهُ الذِّکْرٰی (۸۹/۲۳) - اور (اُس دن) اُسکےلئے قانون کی یاد دہانی کسطرح ہوسکے گی ؟

(۲) مَتٰی (کب اور جب) کے معنوں میں - قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ (۱۹/۸) - زکریا نے کہا - اے میرے نشوونما دینے والے ! میرے ہاں کب بیٹا پیدا ہوگا - (لیکن یہاں اس کے معنی ''کسطرح'' یا ''کیونکر'' بھی ہو سکتے ہیں) -

(۳) مِنْ اَیْنَ (کہاں سے) کے معنوں میں - اَنّٰی لَکِ هٰذَا (۳/۳۶) - تجھے یہ (رزق) کہاں سے ملا ؟ (یہاں اسکے معنی ''کسطرح - کیسے یا کیونکر'' بھی ہوسکتے ہیں) -

(۴) ''کدھر'' کے معنوں میں - فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (۶/۹۵) - تم کدھر الٹے پھر رہے ہو -

(۵) سورۂ بقرہ میں ہے - نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ - فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ (۲/۲۲۳) - تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں - تم اپنی کھیتیوں میں (ممنوع اوقاتِ حیض کے علاوہ) جب جی چاہے آؤ - یہاں اَنّٰی کے معنی حِیْنَ ہیں (ضحاک) - ابن عباس کا قول ہے کہ اسکے معنی ہیں - اَنّٰی شِئْتُمْ مِنَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ -

رات اور دن میں جب تم چاھو۔ صاحب تاج العروس نے بھی اسکے معانی میں ''جب،، شامل کیا ھے۔ مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) ابو حیان کے حوالے سے لکھا ھے کہ اسکے معنی ''اگر،، کے ھیں۔ یعنی اگر تم چاھو۔

ا ن ی

اَنَی الشَّیْءُ اَنْیاً۔ کسی بات کا وقت ھو جانا۔ اسکا اپنی غایت اور تکمیل تک پہنچ جانا۔ پختہ ھو جانا۔ بَلَغَ ھٰذَا اَنَاہُ وَ اِنَاہُ۔ یہ چیز اپنی پختگی اور تکمیل کو پہنچ گئی * سورۃ احزاب میں ھے۔ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ (۳۳/۵۳) ۔ کھانے کے وقت کا انتظار کرنے والے۔ یعنی جب تمہیں کھانے پر بلایا جائے اس وقت آؤ۔ یہ نہ کرو کہ یونہی آجاؤ اور پھر باتیں کرتے رھو تاآنکہ کھانے کا وقت آجائے اور تم اس میں (خواہ مخواہ) شامل ھو جاؤ۔ سورۃ الحدید میں ھے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۵۷/۱۶) راغب نے لکھا ھے کہ اسکے معنی یہ ھیں کہ کیا مومنین کے لئے اس بات کی تکمیل اور پختگی کا وقت نہیں آیا؟ سورۃ غاشیہ میں عَیْنٍ اٰنِیَةٍ آیا ھے (۸۸/۵)۔ اسکے معنی ھیں چشمے کا وہ پانی جو اپنی حرارت میں شدت تک پہنچ گیا ھو۔ کھولتا ھوا۔

اَلْاِنَاءُ۔ برتن *۔ جمع اٰنِیَةٌ۔ (۷۶/۱۵)

اَلْاٰنَاءُ جمع ھے اَنًی۔ اِنْیٌ کی، جس کے معنی وقت کا کچھ حصہ۔ ساعت ھیں۔ اٰنَاءُ اللَّیْلِ۔ رات کی گھڑیاں * (۳/۱۱۲ ذ ۲۰/۱۳۰) ابن فارس نے کہا ھے کہ اِنْیٌ رات کے کسی وقت کے لئے ھی بولا جاتا ھے۔ اٰنَیْتُ الشَّیْءَ۔ میں نے اس چیز کو اسکے وقت سے مؤخر کر دیا **

ا ھ ل

اَھْلٌ۔ صاحب محیط نے لکھا ھے کہ اس مادہ کے معنے عبرانی زبان میں خیمہ کے ھوتے ھیں۔ اس اعتبار سے اسکا مفہوم ھؤا وہ لوگ جو ایک خیمہ میں رھتے ھوں*** اسکے بعد (راغب کے الفاظ میں) یہ لفظ ان لوگوں کیلئے بولا جانے لگا جو آپس میں نسب۔ دین یا پیشہ۔ مکان اور شہر میں مشترک ھوں۔** عام طور پر اَھْلُ الرَّجُلِ آدمی کے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ھیں اَھْلُ الْبَیْتِ۔ گھر میں رھنے والے۔ اَھْلُ الرَّجُلِ۔ بیوی اور

* تاج۔ ** راغب *** محیط۔

اولاد کے لئے بھی آتا ہے۔** صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنے درج کئے ہیں۔ پھر ابو حنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے با مخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔* آھْلِیَّۃٌ اس چوپایہ کو کہتے ھیں جو مکانات سے مانوس ھو جائے* یعنی پالتو۔

بیشک قرآن کریم قرابت اور رشتہ داری کو اھمیت دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک انسانوں کی بنیادی تقسیم کا ایک ھی معیار ہے۔ یعنی کفر اور ایمان (Ideology)۔ جو لوگ ایک دین کے رشتہ میں پروئے جائیں، وہ ایک گروہ، جماعت اور قوم کے افراد۔ لہذا اپنے۔ جو اس رشتہ سے باھر ھوں، وہ دوسری جماعت اور قوم سے متعلق۔ لہذا بیگانے۔ ان اپنوں میں سے جو قرابت دار ھوں وہ اس قرابت داری کی بنا پر قریبی ھو جاتے ھیں لیکن اگر قرابت دار دین میں مشترک نہوں تو وہ اپنوں میں سے نہیں رھتے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے حضرت نوح ؑ پر یہ کہکر منکشف کیا گیا کہ تمہارا بیٹا اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ (۱۱/۴۶) وہ تمہارے اھل میں سے نہیں ہے*** اس لئے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (۱۱/۴۶) اسکے اعمال غیر صالح ھیں۔ اس سے پہلے بتا دیا گیا کہ وہ بیٹا جماعت مومنین میں شریک نہیں ھوا تھا۔ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ (۱۱/۴۲) لہذا حضرت ابراھیم ؑ کا باپ ھو یا حضرت نوح ؑ کا بیٹا۔ حضرت لوط ؑ کی بیوی ھو یا نبی اکرم ؐ کے قریب ترین رشتہ دار (مثلاً چچا) اگر وہ دین کے رشتہ میں منسلک نہیں ھوتے تو وہ اَھل میں سے نہیں ھوسکتے۔ اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جو لوگ اسطرح اپنے اھل میں سے نہ ھوں ان سے نفرت اور عداوات کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ عدل و انصاف اور انسانیت کا سلوک کیا جائےگا۔ اھل کی امتیازی خصوصیت یہ ھوگی کہ یہ اس جماعت کے افرد ھونگے جو قرآن کے نظام ربوبیت کی حامل ھوگی، یعنے جن کے ذمہ نوع انسانی کی پرورش کا اھم فریضہ ھوگا۔

ھُوَ اَھْلٌ لِكَذَا۔ وہ اسکا مستحق ہے*۔ سورۃ نساء میں ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (۴/۵۸) ”اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اھل کی طرف لوٹا دو“۔ یہاں امانات سے اگر وہ چیزیں مراد ھیں جو کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس بطور امانت رکھ دے تو آیت کا مطلب یہ ھوگا کہ کسی کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اسے اس کے مالک کو واپس دیدو۔ اور اگر امانات سے مراد امت کی وہ چیزیں ھیں

* محیط۔ ** تاج و راغب۔ *** (بعض نے کہا ہے کہ یہاں اھل کے معنے سزاوار۔ شایان شان ھیں۔ غریب القرآن از مرزا ابوالفضل)

جو ارباب بست وکشاد کے پاس بطور (Trust) ہوتی ہیں۔ مثلاً اختیارات وغیرہ، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کے سپرد مت کرو۔

قرآن کریم میں أَهْلُ الْكِتَابِ کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔ اس زمانے کے عربوں میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ یہ أَهْلُ الْكِتَابِ کہلاتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ انہیں بالعموم مُشْرِكِيْنَ کہکر پکارا گیا ہے۔ (اگرچہ جہانتک شرک کا تعلق ہے ان اہل کتاب میں بھی شرک کے عقائد پائے جاتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ر۔ک) عرب کے غیر اہل کتاب کو أُمِّيِّيْنَ بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ا م م) ان تمام گروہوں میں سے جو لوگ رسول اللہؐ پر ایمان لے آتے مومنین کہلاتے تھے، اور جو اس جماعت سے باہر رہ جاتے تھے کافرین کہلاتے تھے۔

لہذا رسول کا اہل وہ ہے جو اسکی پیروی کرے ($\frac{۲}{۸۴}$)۔ نیز (جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے) اسکے معنے حقدار، مالک اور ان کے بھی ہیں جو کسی کام کی اہلیت رکھیں ($\frac{۴}{۵۸}$)۔

او (حرف)

أَوْ۔ "یا" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) شک کے لئے۔ مثلاً لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ($\frac{۱۸}{۱۹}$)۔ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یعنی کہنے والے کو یقینی طور پر علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسی ایک بات ہوئی ہے۔

(۲) جب دو چیزوں میں اختیار دیا جائے کہ چاہے یہ کر لو اور چاہے وہ کر لو۔ تَزَوَّجْ هِنْدًا أَوْ أُخْتَهَا۔ چاہے ہندہ سے شادی کر لو اور چاہے اس کی بہن سے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

(۳) جب اس کے پہلے نفی آ جائے تو أَوْ سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں۔ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُوْرًا ($\frac{۷۶}{۲۴}$)۔ تم نہ کسی آثم کی اطاعت کرو اور نہ کفور کی۔

(۴) "بلکہ" کے معنوں میں۔ وَأَرْسَلْنٰهُ إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيْدُوْنَ ($\frac{۳۷}{۱۴۷}$) اور ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔

(۵) حَتّٰی (یہاں تک کہ) کے معنوں میں۔ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (۴۸/۱۶) تم ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

(۶) "کبھی یوں ہوا اور کبھی یوں ہوا" کے معنوں میں۔ فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ (۷/۴) ۔ سو ہمارا عذاب کبھی ان پر رات کے وقت آیا اور کبھی اس وقت جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ یعنی کسی قوم پر رات کے وقت اور کسی قوم پر دوپہر کے وقت۔

ا و ب

اَلْاَوْبُ۔ تیز دوڑتے وقت ٹانگوں کو لوٹا کر پیچھے لانا اور تیزی سے گھمانا۔ اَلْاَوْبَاتُ۔ ٹانگوں کو کہتے ہیں۔ اَلتَّاوِيْبُ کے معنی ہیں دن بھر سفر کرکے رات میں ٹھہرنا۔ رِيْحٌ مُؤَوِّبَةٌ۔ اس ہوا کو کہتے ہیں جو دن بھر چلتی رہے*۔ اَوْبٌ کے معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے بھی ہیں۔ رُجُوْعٌ اور اَوْبٌ کے معنوں میں فرق یہ ہے کہ رُجُوْعٌ ارادہ و اختیار کے ساتھ یا بلا ارادہ لوٹنے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن اَوْبٌ صرف صاحب ارادہ کیلئے ہوتا ہے۔ یعنی کسی کی طرف بالارادہ رجوع کرنا**۔ اَلْمَاٰبُ۔ پلٹنا اور رجوع کرنا۔ نیز مستقر۔ جہاں ٹھہرا جائے، جہاں کوئی چیز چھپ جائے۔ یا وہ جگہ جہاں کوئی چیز پلٹ کر جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں بَيْنَهُمَا ثَلَاثُ مَاٰوِبَ۔ ان دونوں (مقامات) کے درمیان تین ٹھہرنے کے مقامات (منازل یا پڑاؤ) ہیں*۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (۸۸/۲۵)۔ "ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ غلط راستے پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ راستہ ہمیں زندگی کی خوشگواریوں کی طرف لے جائیگا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ ان کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جو ہم نے ان کے اعمال کے نتائج کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ ان کا کوئی قدم ہمارے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کشاں کشاں اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (۸۸/۲۶)۔ ان کے ہر عمل کا حساب ہمارے قانونِ مکافات کے ذمے ہے۔

* تاج۔ ** راغب۔

اس اعتبار سے حُسْنُ عمل کے نتائج کو حُسْنُ الْمَآبِ (۱۳/۳) کہا گیا ہے ۔ یعنی خوشگواریوں کی توازن بدوش منزل ۔ لیکن آخری مقام نہیں بلکہ راستہ میں ٹھہرنے کی منزل ۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے جنت انسانی زندگی کے ارتقائی منازل میں سے ایک منزل ہے (تفصیل جنت کے عنوان میں ملیگی ۔ دیکھئے ۔ ج ۔ ن ۔ ن) ۔

حضرت ایوبؑ کے متعلق ہے، اِنَّهٗ اَوَّابٌ (۴۴/۳۸) ۔ یعنی بڑی تیزی سے قانونِ خداوندی کی طرف دوڑنے والا ۔ اطاعت گزار ۔ انہی معانی میں حضرت داؤدؑ کی قوم کے سرداروں سے کہا گیا کہ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (۱۱/۳۴) ۔ "داؤد کے ساتھ تم بھی نہایت سرگرمی سے قانونِ خداوندی کی اطاعت کرو" ۔ (لفظی اعتبار سے یٰجِبَالُ کے معنی ہیں "اے پہاڑو" ۔ لیکن اس کے مجازی معنی سردارانِ قوم ہیں ۔ دیکھئے عنوان ۔ ج ۔ ب ۔ ل) ۔مزید براں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱۳ جلد چہارم ۔

ا و د

اَلْاَوْدُ ۔ ٹیڑھا ہو جانا ۔ الاَوْدُ : جھکانا اور ٹیڑھا کر دینا ، گران گذرنا ۔ شاق گذرنا ۔ بوجھل اور گرانبار کرنا ۔ چنانچہ اَلْاَوْدَةُ بوجھ کو کہتے ہیں ۔ کسی چیز کا بار بن جانا ۔ اٰدَهٗ الْاَمْرُ ۔ کسی معاملہ کی گران باری نے اسکی کمر ٹیڑھی کردی ۔ تَاَوَّدَهٗ الْاَمْرُ ۔ اس معاملہ نے اسے جھکا دیا اور گرانبار کردیا ۔*

لَا یَـؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا (۲۵۵/۲) ۔ کائنات کا کنٹرول خدا پر قطعاً گراں نہیں گذرتا ۔ اسپر بوجھ نہیں بن رہا ۔ اصل میں اسکے بنیادی معنی کسی چیز کا مڑ کر جھک جانا یا ٹیڑھا ہو جانا ہیں (ابن فارس) ۔ یعنی بوجھ سے جھک جانا اور ٹیڑھا ہو جانا ۔

ا و ل

آلَ اِلَیْهِ اَوْلاً ۔ اس کی طرف رجوع کیا ۔ لوٹا ۔ آلَ عَنْهُ ۔ اسکی طرف سے پھر گیا ۔ اسکے بنیادی معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں آوَّلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ ضَالَّتَکَ ۔ خدا تیری کھوئی ہوئی چیز کو تیری طرف لوٹا دے ۔ مَآل کہتے ہیں اس نقطہ یا مقام کو جس کی طرف کوئی بات آخر الامر لوٹ کر آئے ۔ انجام کار ۔ کسی بات کا آخری نتیجہ ۔ تَاْوِیْلٌ

* تاج و محیط ۔

کسی بات کو اسکے صحیح رخ کیطرف پھیرنے کو کہتے ھیں ۔ اَوَّلَ الْکَلاَمَ تَاْوِیْلاً ۔ اسنے بات کا نتیجہ اور اندازہ واضح کیا ۔ اسنے کلام (بات) کی ترجمانی کی ۔ *

آلَ عَلَی الْقَوْمِ کے معنے ھیں وہ قوم کا والی اور حاکم بن گیا ۔ آلَ الْمَالَ وَ اِئْتَالَہٗ ۔ اس نے مال کی خبر گیری کی ۔ اسکا انتظام کیا ۔ اسے درست کیا ۔ اَلْاِیَالَۃُ ۔ سیاست ۔ حدود مملکت ۔**

آلَ کے معنی کم ھو جانا اور نجات پانا بھی ھوتے ھیں ۔*

اَوَّلُ ۔ آخِرٌ کی ضد ھے (۵۷/۳)۔ سب سے پہلا ۔ راغب نے کہا ھے کہ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کے معنی یہ ھیں کہ میں سب سے پہلے قوانین خداوندی کے سامنے جھک کر دوسروں کے لئے نمونہ یا مقتدا بنتا ھوں ۔

قرآن میں خدا کے لئے اَلْاَوَّلُ آیا ھے ۔(۵۷/۳) اس سے اسکی وہ لامحدودیت (Infinity) مراد ھے جس کا احاطہ انسانی ذھن نہیں کرسکتا ۔

آوِلَ الرَّجُلُ یَاْوَلُ اَوَلاً ۔ وہ سابق ھو گیا ۔ سب سے پہلے نمبر پر ھو گیا ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ابتدائے امر اور انتہائے امر دونوں کے آتے ھیں ۔ اُوْلٰی اس کی تانیث ھے ۔ * اَلْاٰخِرَۃُ وَالْاُوْلٰی (۹۳/۴)۔ آلٌ ۔ آدمی کے اھل و عیال نہ رفقا ۔ متبعین ۔ آلٌ کا استعمال شرفاء ھی میں ھوتا ھے ، اراذل میں نہیں ھوتا ۔ * قرآن میں آلِ یَعْقُوْبَ (۱۹/۶ میں) اولاد کے معنوں میں آیا ھے ۔ اور رفقا اور متبعین کے معنے میں آلَ فِرْعَوْنَ (۲/۴۹ میں) ۔ اَلْاٰلَۃُ ۔ حالت ۔ اوزار ۔ اسکی جمع آلاتٌ ھے ۔*

قرآن میں تَاْوِیْلٌ کا لفظ بات کے آخری نتیجہ کیلئے استعمال ھوا ھے ۔ انجام کار ۔ مآل کار ۔ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً (۴/۵۹) ۔ ''یہ روش سب سے بہتر ھے اور اسکا نتیجہ نہایت عمدہ نکلیگا،، ۔ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلاَّ تَاْوِیْلَہٗ (۷/۵۳) ''اب انہیں صرف اسکا انتظار ھے کہ اس کتاب کے دعاوی کی صداقت ان کے سامنے آجائے '' ۔ یعنی اس کتاب نے ان کے اعمال کے جو نتائج بتائے تھے وہ انکے سامنے آجائیں ۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ھم سفر بزرگ کے قصے کے آخر میں ھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْہِ صَبْرًا (۱۸/۷۸) ۔ ''میں اب تجھے ان باتوں کی حقیقت کی خبر دیتا ھوں جسے معلوم کرنے کیلئے تو

---

* تاج ۔ ** تاج و محیط ۔

اسقدر مضطرب و بیقرار تھا،،۔ حضرت یوسف[ؑ] کے متعلق حضرت یعقوب[ؑ] نے کہا تھا کہ وَ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (۱۲/۶)۔ خدا تجھے ایسی بصیرت و فراست عطا کریگا کہ تو بات سنکر فوراً اسکی تہ تک پہنچ جایا کریگا۔ معاملات کے آغاز پر نگاہ ڈالکر ان کے انجام تک پہنچ جایا کریگا۔ تمھاری فراست کی یہ کیفیت ہوگی۔ کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت۔ خواب کی تعبیر کو بھی اسی لئے تَاْوِیْل* کہتے ھیں (۱۲/۴۴) کہ اس سے انسان خواب کے مبہم اشارات سے اس کی حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ھے۔

قرآن کریم میں اٰیَاتِ متشابھات کے متعلق کہا گیا ھے کہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳/۶)۔ یعنی یہ بات کہ فلاں تشبیہ اور مثال سے اصلی مقصود کیا ھے اس کا علم خدا کو ھوتا ھے یا ان لوگوں کو جو علم میں پختگی حاصل کرتے رھتے ھیں۔(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ب۔ہ اور ح۔ک۔م)۔

اُولٰٓاءِ (اسم)

اُولَاءِ۔ یہ سب (جمع)۔ اس کا واحد ذَا آتا ھے (دیکھئے ذا۔)

اُولٰٓئِکَ۔ وہ سب (جمع)۔ اس کا واحد ذَاکَ اور ذَالِکَ آتا ھے۔ (دیکھئے ذَا۔)

اُولٰٓئِکُمْ۔ وہ سب۔ مثلاً (۴/۹۱) میں۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتا ھے۔ اس پر ھائے تنبیہ بھی آتی ھے، جیسے ھٰٓؤُلَاءِ بَنَاتِیْ (۱۱/۷۸)۔ یہ میری بیٹیاں ھیں۔

اُولُوْا (اسم)

اُوْلُوْا۔ بمعنی ’’ والے،،۔ (جمع مذکر)۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۹/۳۸)۔ عقل و بصیرت والے (نصب اور جرمیں) اُولِی الْاَلْبَابِ (۳۸/۴۳)۔ ان کا واحد ذُوْ آتا ھے (دیکھئے۔ ذُوْ)

اُولَاتُ۔ جمع مؤنث۔ (واحد ذَاتُ)۔ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ (۶۵/۴) حمل والیاں۔

ا۔و۔ن

اَلْاٰنَ۔ وہ وقت جسمیں تم موجود ھو*۔ اب۔ اسوقت۔ اَلْاٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ (۲/۷۱) ’’اب تم سچی بات لائے،،۔

* تاج۔

ا و ہ

آہ ۔ آوّہٌ ۔ آوہِ ۔ یہ تمام کلمات شکایت اور درد کے وقت بولے جاتے ہیں ۔ اَلاَوّاہُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ تَاَوّہٌ کرتا ہو۔ تَاَوّہٌ کے معنی ہیں آوّہ کہنا ۔ یعنے حزن اور غم کا اظہار کرنا ۔ آہیں بھرنا ۔ لہذا اس سے مراد ہوتا ہے ایسا شخص جو بہت رقیق القلب ہو اور لوگوں کی حالت پر بہت زیادہ متأسف اور ان کا غمخوار ہو* ۔ ویسے سمجھدار اور فقیہ کو بھی کہتے ہیں اور بہت دعائیں کرنے والے کو بھی* ۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ وہ اَوّاہٌ حَلِیْمٌ (۹/۱۱۴) تھے۔ رحمدل ۔ غمخوار۔ دوسروں کی مصیبت پر متأسف ہونے والے ۔

ا و ی

اَوَیْتُ مَنْزِلِیْ ۔ میں اپنے گھر میں اترا ۔ یا اس کی طرف لوٹا ۔ یا اس میں رہا ۔ یہ سب معنے آتے ہیں ۔ یہیں سے اَوٰی اِلَیْہِ کے معنی ہیں اس کی طرف جھکا اور مائل ہو گیا * ۔ اَوَیْتُ لَہٗ ۔ مجھے اس پر رحم آ گیا ۔ یعنے رَجَعْتُ اِلَیْہِ بِقَلْبِیْ ۔ میں اس کی طرف اپنے دل سے مائل ہوا ** ۔ اَلْمَاْوٰی ۔ وہ جگہ جہاں کوئی چیز رات کو یا دن کو لوٹے ۔ وہ جگہ جہاں اونٹ رات کو آرام کرنے کے لئے ہوتیں * ۔ الاُوِیُّ ۔ ایک جھنڈ میں اکٹھے رہنے والے پرندوں کو کہا جاتا ہے ۔ اَلْمَاْوٰی ۔ اس باغیچہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں رات گذاری جائے ۔ اَوَیْتُہٗ ۔ میں نے اسے گھر میں اتارا * ۔ (نیز دیکھئے عنوان ث ۔ و ۔ ی) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہو جانا ۔ اور (۲) رحم اور ڈر کے ہیں ۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے کہا سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ (۱۱/۴۳) ۔ '' میں پہاڑ کی طرف پناہ لینے کے لئے مراجعت کرونگا '' ۔ سورۃ مومنون میں ہے اٰوَیْنٰھُمَا (۲۳/۵۰) ۔ '' ہم نے (عیسی اور مریمؑ کو) پناہ دی '' ۔ سورۃ احزاب میں تُئْوِیْ بمقابلہ تُرْجِیْ آیا ہے (۳۳/۵۱) ۔ یعنی اپنے پاس جگہ دینا ۔ سورۃ انفال میں ہے ۔ فَاٰوٰکُمْ (۸/۲۶) ۔ '' اللہ نے تمہیں پناہ دی '' ۔ قرآن نے جنت کو اَلْمَاْوٰی کہا ہے (۵۳/۱۵) ۔ یعنی وہ مقام جہاں اس اطمینان سے رہا جائے کہ یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ۔ جہاں یہ خوف نہ ہو کہ کوئی اچک

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

کر لے جائیگا (۹۸/۴) ۔ لیکن جہنم کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے ۔ وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ (۳/۱۵۰) ۔ جہاں اس کے معنی مطلق رہنے کی جگہ کے ہیں ۔ اس لئے نہ مادہ کے اعتبار سے مَاْوٰی، ہر منزل ، مرجع یا مسکن کو کہینگے ۔

إِیْ (حرف)

اِیْ ۔ ہاں ۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (۱۰/۵۳) ۔ ان سے کہو کہ ہاں ۔ بیشک یہی بات ہے ۔ میرا رب اس پر شاہد ہے کہ یہ یقیناً حق ہے ۔ اِیْ کے بعد قسم کا آنا ضروری ہے ۔

ا ی د

اٰدَ ۔ یَئِیْدُ ۔ اَیْدًا ۔ مضبوط اور قوی ہونا ۔ سخت ہونا ۔ اَلْاٰدُ سختی اور قوت ۔ یہی معنی اَلْاَیْدُ کے ہیں ۔ ذَا الْاَیْدِ ۔ صاحبِ قوت ۔ اَیَّدْتُهٗ، تَاْیِیْدًا ۔ کسی چیز کو بہت زیادہ تقویت دینا ۔ اَلْاِیَادُ ۔ جس چیز سے کسی کو تقویت دی جائے ۔ مٹی جو خیمہ کے کنارے لگائی جائے تا کہ بارش کا پانی اس کے اندر نہ جائے ۔ بلند ٹیلہ ۔ محکم پہاڑ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور حفاظت کے ہوتے ہیں ۔

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۲/۸۷) ۔ " اور ہم نے عیسیٰ کو روح القدس کے ذریعہ تقویت دی " ۔ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ (۵۱/۴۸) ۔ " ہم نے اجرام فلکی کو بڑی قوت کے ساتھ بنایا ہے " ۔

(اَیْدٍ ۔ یَدٌ (ہاتھ) کی جمع ہے ۔ دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ی)

ا ی ک

اَلْاَیْکُ ۔ بہت سے گھنے درخت ۔ درختوں کا جھنڈ ۔ وہ بن جس میں بیری وغیرہ کے درخت اُگتے ہوں ۔ درختوں کی کثرت، خواہ وہ کسی قسم کے درخت ہوں ۔ اَیْکَۃٌ واحد ہے * ۔ قرآن کریم میں اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ (۱۵/۷۸) اہل مدین کیلئے آیا ہے جو گھنے جنگلوں میں رہتے تھے ۔ (نیز دیکھئے عنوان اصحاب الایکۃ)

ا ی م

اَلْاِیَامُ ۔ دھوئیں کو کہتے ہیں اور اٰمَ یَئِیْمُ ۔ وَیَئُوْمُ اِیَامًا کے معنی ہوتے ہیں اس نے شہد کا چھتہ اتارنے کےلئے شہد کی مکھیوں کو

* تاج ۔ محیط و راغب

دھونی دی تاکہ مکھیاں اڑ جائیں اور چھتہ خالی رہ جائے۔ اس سے اَلْاَیِّمُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو۔ اسکی جمع الاَیَامٰی ہے۔ عربوں میں محاورہ تھا کہ اَلْحَرْبُ مَاْیَمَۃٌ لِلنِّسَاءِ ۔ جنگ عورتوں کو بیوہ کر دیتی ہے*۔ قرآن کریم میں ہے وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (۲۴/۳۲) جو تم میں مجرد ہوں (خواہ عورتیں خواہ مرد ۔ غیر شادی شدہ ہوں یا رنڈوے مرد اور بیوہ عورتیں ، اس میں سب داخل ہیں **) انکی شادی کر دیا کرو۔ اس سے واضح ہے کہ اسلامی معاشرہ کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایسے حالات اور سہولتیں پیدا کرے جن میں افراد معاشرہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اَیْنَ

اَیْنَ ۔ کہاں ، کدھر ، کس طرف ، کس جگہ ۔ اَیْنَمَا کے معنی ہیں، جدھر ، جہاں کہیں۔ اَیْنَ الْمَفَرُّ ؟ مفر کہاں ہے (۷۵/۱۰) اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعاً .... (۲/۱۴۸)۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کریگا۔

اَیٌّ

اَیٌّ۔ بمعنی کون۔ کیا۔ کونسا (استفہام کے لئے)۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷/۱۸۵)۔ اس کے بعد یہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائینگے۔ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۱۷/۱۱۰)۔ تم اسے جس نام سے بھی پکارو۔ اسماء حسنیٰ سب اس کے لئے ہیں۔

(۲) ندا (پکارنے) کے لئے ۔ اَیُّھَا النَّاسُ ۔ اے لوگو!

اِیَّا ۔ (حرف)

اِیَّا ۔ اسمیں تخصیص کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ یہ تنہا نہیں آتا بلکہ ضمیر کے ساتھ آتا ہے ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (۱/۴)۔ ''ہم تیری ہی محکومی اختیار کرتے ہیں۔'' فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۱۶/۵۱)۔ ''سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو''۔ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ (۶/۱۵۲)۔ ''ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی''۔

---

* تاج و محیط و راغب ۔ ** ابن فارس۔

اَیَّانَ

اَیَّانَ (اَیٌّ + آنٌ) کب۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا (۷/۱۸۷)۔ یہ تجھ سے پوچھتے ھیں کہ انقلاب کی گھڑی کب آئیگی؟

ایوب علیہ السلام

حضرت اسحٰق[ؑ] کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب[ؑ] اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمٰعیل[ؑ] کے ھاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ ان کی متعدد اولادیں ھوئیں جن میں سے عمالق اور عوض مشہور ھیں۔ عیسو کا عرف، ادوم (سرخ گوں) تھا اس لئے یہ خاندان ادوسی کہلایا۔ بحرمیت اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ ان کا مسکن تھا۔ تورات میں اس کا نام کوہ سعیر آیا ھے۔ اس کا دارالحکومت رقیم (پٹرا) تھا۔ حضرت ایوب[ؑ]، عوض کے قبیلہ سے متعلق تھے۔ تورات میں سفر ایوب ان کی طرف منسوب ھے۔ یوباب، اوب اور آیوب ایک ھی نام ھے۔ ان کا زمانہ ۱۰۰۰ اور ۷۰۰ ق۔م کے درمیان سمجھئے (اگرچہ بعض ارباب تحقیق کا خیال ھے کہ آپ کا زمانہ حضرت موسٰے[ؑ] سے پہلے کا ھے)۔ سفر ایوب میں ان کا تفصیلی قصہ مذکور ھے اور (تورات کے عام انداز کے مطابق) اس میں زیب داستان کے لئے بھی بہت کچھ بڑھایا چڑھایا گیا ھے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ھے جس میں بتایا گیا ھے کہ آپ پر ایک زمانہ سخت مصیبت اور پریشانی کا گزرا۔ لیکن آپ نے ان مصائب کو بڑی ھمت اور استقامت سے برداشت کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۲۱/۸۳-۸۴ ، ۳۸/۴۱-۴۴)۔

قرآن کریم نے (دیگر مقامات میں) آپ کا نام زمرہ انبیاء کرام[ؑ] میں شمار کیا ھے۔ مثلاً (۶/۸۵) میں جہاں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ آپ حضرت ابراھیم[ؑ] کی نسل میں سے تھے۔

ا ی ی

آیۃٌ۔ ظاھری علامت یا نشانی کو کہتے ھیں۔ چنانچہ راستہ کے نشانات کو آیاتٌ کہتے ھیں۔ درحقیقت آیۃٌ ھر اس ظاھر شے کو کہتے ھیں جو کسی چھپی ھوئی شے کا لازمی خاصہ ھو اور جب کوئی شخص اس ظاھری شے کا ادراک کر لے تو وہ جان لے کہ اس نے اس پوشیدہ شے کا ادراک یا اندازہ کر

لیا ہے* - خدا کی ذات، انسانی ادراک کے احاطہ کے اندر نہیں آسکتی - لہذا اسکے متعلق ان ظاہری علامات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کائنات میں بکھری پڑی ہیں - اسلئے یہ کائنات اور اسکی تمام اشیاء آیاتُ اللہ ہیں - یہ وہ نشانات راہ ہیں جس سے ہم اُس '' منزل '' کا اندازہ لگا سکتے ہیں - انسانوں کی دنیا میں وحی ، خدا کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے اسلئے یہ بھی آیاتُ اللہ ہے - قرآن کریم کے ہر ٹکڑے کو آیَۃٌ کہتے ہیں - اس اعتبار سے پیغام (رِسَالَۃٌ) کو بھی آیَۃٌ کہتے ہیں**- حتٰی کہ جب حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ دیکھنے کیلئے کہ تم قانون خداوندی کا احترام کرتے ہو یا نہیں میں نے یہ طے کیا ہے کہ اس اونٹنی کو کھلا چھوڑتا ہوں - اگر تم نے اسکی باری پر اسے پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم قانون خداوندی کا پاس رکھتے ہو اور اگر تم نے اسے روکا تو یہ اسکی علامت ہوگی کہ تم اس قانون کا کوئی پاس نہیں کرتے - اس اعتبار سے اس اونٹنی کو آیَۃ کہا گیا - ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللہِ لَکُمْ آیَۃً (۷/۷۳) '' یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے '' - اسی طرح حضرت نوحؑ کی کشتی کو بھی آیَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ (۲۹/۱۵) کہا گیا ہے - کیونکہ وہ اس غیر مرئی حقیقت کی نشانی تھی کہ جو قوم قانون خداوندی کا اتباع کریگی وہ خطرات سے محفوظ رہیگی - مختصراً یہ کہ ہر وہ محسوس شے جو انسان کی توجہ کو خدا اور اس کے قانون کی طرف منعطف کر دے آیَۃُ اللہِ ہے - نیز فکری دلائل بھی آیَۃُ اللہ ہو سکتے ہیں - کیونکہ صاحب محیط کے نزدیک معقولات پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے - وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ اٰیَتَیْنِ (۱۷/۱۲) میں انہی فکری دلائل کی طرف اشارہ ہے - یعنی ان سے انسان فکری طور پر اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ کائنات جامد (Static) نہیں بلکہ متحرک (Dynamic) ہے - سورۃ شعراء میں آیَۃٌ کا لفظ اس عمارت وغیرہ کیلئے استعمال ہوا ہے جیسے کسی کی یادگار (Memorial) کے طور پر بنایا جاتا ہے - (۲۶/۱۲۸) -

اِیَا النَّبَاتِ - پودوں کے پھول اور خوبصورتی کو کہتے ہیں** -
اِیَا الشَّمْسِ - سورج کی کرنوں کو کہتے ہیں*** -

تَاَیَّا کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنا - تَاَیَّا بِالْمَکَانِ وہ اس جگہ ٹھہرا اور دیر لگا دی - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ٹھہر کر غور و فکر کرنا - اور (۲) قصد و ارادہ کرنا ہیں -

* راغب و تاج و محیط - ** لین - *** تاج و محیط -

''ٹھہر کر غور و فکر کرنے'' کی خصوصیت سے آیۃٌ کے مفہوم پر بڑی بلیغ روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں ہر ایک آیۃٌ اللہ ہے لیکن یہ اسی کے لئے آیت ثابت ہو سکتی ہیں جو ان پر ٹھہر کر، رک کر، غور و فکر کریگا ۔ اس غور و فکر سے اس کی توجہ ان اشیاء کے خالق کی طرف منعطف ہو جائیگی ۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات پر بھی رک کر، غور و فکر سے انسان اصل مقصود کو پا سکتا ہے ۔ اگر کسی آیت پر رک کر، غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ انسان کو اصل و غایت کا پتہ نشان نہیں دے سکتی ۔ یعنی وہ حقیقی معنوں میں ''آیت'' نہیں بنتی ۔

———:o:———

ب

ب (حرف)

ب - حرف جر ہے - ذیل کی مثالوں سے اس کا استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا -

(۱) اردو میں کہتے ہیں "میں نے زید کو پکڑا" - عربی میں کہینگے - اَمْسَكْتُ بِزَيْدٍ - قرآن کریم میں ہے - فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ (۴۳/۴) "اپنے چہروں کو (پر) مسح کر لو" -

(۲) اردو میں کہتے ہیں "میں زید کے پاس سے گذرا" - عربی میں کہینگے - مَرَرْتُ بِزَيْدٍ - قرآن کریم میں ہے اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ (۲۵/۷۲) "جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں" -

(۳) فعل لازم کو متعدی بنانے کے لئے - مثلاً - ذَهَبَ زَيْدٌ کے معنی ہیں زید گیا - یہ فعل لازم ہے - ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ کے معنی ہونگے - میں زید کے ساتھ گیا یعنی زید کو لے گیا - اس طرح یہ فعل لازم سے متعدی بن گیا - قرآن کریم میں ہے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (۲/۱۷) "اللہ ان کی روشنی کو لے گیا" -

(۴) بسبب کو ظاہر کرتا ہے - مثلاً اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (۲/۵۴) - "تم نے بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے" -

(۵) "کے ساتھ" کے معنوں میں - يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (۱۱/۴۸) "اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا" - یا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴) - "اس نے قلم کے ذریعے سکھایا" -

(۶) وقت یا جگه بتانے کے لئے بمعنی فِیْ (میں)۔ مثلاً نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ (۵۴/۳۴) ۔"ھم نے انہیں صبح کے وقت بچا لیا"۔ اور وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللہُ بِبَدْرٍ ۔ (۳/۱۲۲) "یقیناً اللہ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی ہے"۔

(۷) "کسی چیز کے عوض" ۔ اِشْتَرَیْتُہٗ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ ۔ میں نے اسے ایک ھزار درھم کے عوض خریدا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰) ۔ "اور انہوں نے اسے (حضرت یوسف کو) تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالا"۔

(۸) عَلیٰ (اوپر) کے معنوں میں ۔ لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ (۴/۴۲) ۔ "اگر (یا اے کاش) ان پر (ان کے اوپر) زمین ھموار کر دی جاتی"*۔

(۹) عَنْ (سے) کے معنوں میں ۔ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ۔ (۲۵/۵۹) "اس کے متعلق اس سے پوچھو جو خبر رکھتا ہے"۔

(۱۰) مِنْ (سے) کے معنوں میں۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللہِ (۷۶/۶) ۔ "چشمه جس سے اللہ کے بندے پیتے ھیں"۔

بعض کا خیال ہے که جس طرح مِنْ تبعیض کے لئے آتا ہے ۔ اسی طرح ب بھی تبعیض کے لئے آتا ہے ۔ تبعیض کے معنی ھیں ، کسی چیز کا بعض۔ یعنی کچھ حصه ۔ پورا نہیں ، بلکه اس کا بعض حصه ۔ چنانچه ان کا کہنا ہے که قرآن کریم میں جو آیا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ (۵/۶) تو اسکے معنی ھیں "سر کے کچھ حصه کا مسح کر لیا کرو" ۔ لیکن یه صرف بعض کا خیال ہے (مغنی اللبیب)۔

(۱۱) بعض مقامات پر یه حرف زائد ھوتا ہے ۔ یعنی اسکے معنی کچھ نہیں ھوتے۔ جیسے کَفٰی بِاللہِ شَھِیْدًا (۴/۱۳۳) ۔ "اللہ کافی شاھد ہے"۔ اگر کَفٰی اللہُ شَھِیْدًا کہیں تو بھی وھی معنی ھونگے ۔

(۱۲) میرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) لکھا ہے که بِسْمِ اللہِ میں بِ کے معنی استعانت کے ھیں ۔ یعنی مدد طلب کرنے کے ۔

(۱۳) بِاللہِ کے معنی ھیں اللہ کی قسم۔ یعنی بِ قسم کے معنوں میں بھی آتی ہے ۔

ب أ ر

اَلْبِئْرُ ۔ کنواں۔ اَلْمِئْبَرُ در اصل اس گڑھے کو کہتے ھیں جسکا منھه اسطرح ڈھانپ دیا جائے که جو شخص اسکے اوپر سے گذرے اسمیں گر

* اس کا مجازی مفہوم کچھ اور بھی ھو سکتا ہے ۔ دیکھئے عنوان (س ۔ و ۔ ی)

جائے* - قرآن کریم میں بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ آیا ہے (۲۲/۴۵) - "اندھے (بیکار) کنویں" -

ب أ س

بِئْسَ - (بُرا) ویسے تو فعل ماضی ہے لیکن اسکی گردان مستعمل نہیں - یہ بَئِسَ سے اسی طرح بنا لیا گیا ہے جسطرح نَعِمَ سے نِعْمَ - یہ دونوں فعل (بِئْسَ اور نِعْمَ) ذم اور مدح کیطرف منتقل کر لئے گئے ہیں اسلئے حروف کے مشابہ ہوگئے ہیں - بِئْسَ کے ساتھ بعض اوقات مَا بھی آتا ہے - بِئْسَمَا (۲/۹۰) -*

اَلْبَأْسُ کے معنے ہیں سخت مصیبت - جنگ میں شدت - سختی - قوت -

لَا بَأْسَ عَلَيْكَ - یعنی لَاخَوْفَ - بَؤُسَ الرَّجُلُ - آدمی بہادر ہوگیا - بَئِسَ الرَّجُلُ بُؤْسًا - آدمی سخت ضرورت مند ہو گیا - اَلْبَأْسَاءُ شدت - عَذَابٌ بَئِيْسٌ - سخت عذاب - وہ عذاب جس میں معیشت کی تنگی شامل ہو - اَلْبَأْسَاءُ کے معنے بھوک کے بھی ہوتے ہیں - * صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْبَأْسَاءُ مال و دولت کے نقصان کو کہتے ہیں اور اَلضَّرَّاءُ جسمانی نقصان کو - مثلاً بیماری - **

اَلْمُبْتَئِسُ - غمگین و حزین کو کہتے ہیں *

قرآن کریم میں بَأْسًا شَدِيْدًا بمقابلہ اَجْرًا حَسَنًا آیا ہے (۱۸/۲) - یہاں اسکے معنی غلط اعمال کے ناخوشگوار نتائج ہیں - سورۃ اعراف میں ہے فَجَآءَهَا بَأْسُنَا (۷/۴) - "جب اس بستی پر ہمارا عذاب آیا" - یعنی قانون مکافات کی رو سے سخت مصیبت آ گئی جو ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھی - سورۃ بنی اسرائیل میں ان طاقتور جنگجو قسم کے لوگوں کے لئے اُولِىْ بَأْسٍ (۱۷/۵) آیا ہے جو سخت مصیبتیں لاتے تھے - سورۃ حدید میں فولاد کے متعلق ہے فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ (۵۷/۲۵) - "اسمیں بڑی سختی ہے" -

اِبْتِئَاسٌ کے معنی ہیں برا ماننا - غمگین ہونا - سورۃ ہود میں حضرت نوحؑ سے کہا گیا ہے کہ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۱۱/۳۶) - "یہ مخالفین جو کچھ کرتے ہیں اسکی وجہ سے تو غمناک نہ ہو" - یا ان کے متعلق دل گرفتہ نہ ہو (کہ یہ ہلاک ہو جائینگے - ان کے اعمال ہی ایسے ہیں) -

---

* تاج - ** محیط -

بَابِلْ

قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز، شہر بابل - قرآن کریم نے اس کا ذکر سحر و کہانت کے ان افسانوں کے ضمن میں کیا ہے جنہیں یہودی لٹریچر میں حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جن کی تردید قرآن نے کی ہے - وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (۲/۱۰۲) - ''اور بابل میں ھاروت و ماروت (مزعومہ) فرشتوں پر بھی کوئی ایسی بات نازل نہیں کی گئی تھی'' - یہ سب ان شیاطین (شریر لوگوں) کے خود ساختہ افسانے تھے -

ب ت ر

اَلْبَتْرُ - کسی چیز کو اسکی تکمیل سے پہلے ھی کاٹ ڈالنا - (ابن فارس) دم کو جڑ سے کاٹ دینا - سَيْفٌ بَاتِرٌ - کاٹ ڈالنے والی تلوار - اَلْاَبْتَرُ - نامراد - فقیر جسکے پاس کچھ نہ ہو - بے اولاد - جسکی نسل کی جڑ کٹ جائے - وہ جس کی موت کے بعد اس کا نام و نشان اور ذکر خیر تک باقی نہ رہے *-

قرآن کریم میں ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸/۳) - '' تیرے مخالف کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا - اس کا کہیں ذکر خیر نہیں ہوگا'' - ''نام و نشان باقی نہ رہنے'' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی وہ قوت و شوکت جس کی بنا پر وہ اسقدر مخالفت کرتے ہیں سب ختم ہو جائیگی اور انہیں زندگی کے خیر و برکت سے کوئی حصہ نہیں ملیگا -

ب ت ک

بَتْكٌ کے بنیادی معنے کاٹنے کے ھیں، نیز کسی کے بال یا پر وغیرہ پکڑ کر اپنی طرف اس طرح کھینچنا کہ وہ جڑ سے اکھڑ جائیں - چنانچہ اَلْبِتْكَةُ ان اکھڑے ہوئے پروں یا بالوں کو کہتے ھیں - اس اعتبار سے بَتَكَ کے معنے ہونگے جڑ سے اکھیڑ دینا، لیکن اسکے عرفی معنے ھیں جانوروں کے کان کاٹ کر یا چیر کر (انہیں بتوں کے نام پر) چھوڑ دینا - یہ جاھلیت عرب کا رواج تھا * - سورہ نساء میں ہے فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ (۴/۱۱۹) '' سو وہ جانوروں کے کان چیریں گے'' -

اَلسَّيْفُ الْبَاتِكُ - کاٹنے والی تلوار کو کہتے ھیں * ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کاٹنے کے لکھے ھیں -

---

* تاج - محیط - راغب

ب ت ل

بَتَلَہٗ ۔ یَبْتُلُہٗ ۔ اس نے اسے قطع کر دیا ۔ فَانْبَتَلَ ۔ چنانچہ وہ جدا ہوگیا ۔ تَبَتَّلَ ۔ کے بھی یہی معنے ہیں ۔ اَلْبَتُوْلُ ۔ مردوں سے، یا از دواجی زندگی سے دور رہنے والی عورت ۔ اَلْمُبَتَّلَۃُ ۔ حسین عورت ۔ وہ عورت جس کے تمام اعضاء سُتے ہوئے ہوں ۔ تَبَتَّلَتِ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت نے اپنا بناؤ سنگھار کر لیا ۔ اَلْمُبْتَیِلُ ۔ منفرد ۔ اَلْبَتْلُ ۔ حق* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اس کے ماسوا سے الگ کر لینے کے ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (۷۳/۸) ۔ ''سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہوجا'' ۔ صرف اس کے نظام کے قیام کی کوششوں میں لگ جا ۔ کیونکہ اِنْبَتَلَ فِیْ سَیْرِہٖ '' کے معنے ہیں وہ کوشش کرکے تیز چلا* ۔

رسول اللہ ؐ کو جب نظام خداوندی کے اصول عطا کر دئے گئے تو آپ کو حکم ہوا کہ اب اپنے مخلص رفقاء کو ایک جماعت کی شکل دے کر (دیکھئے عنوان ۔ ز ۔ م ۔ ل) اس نظام کی تشکیل میں مصروفِ عمل ہو جائیں ۔ ایسا کرنے میں ان مخالفین کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دھریں۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْ ھُمْ (۶/۹۲) ۔ ''کہو ۔ اللہ ۔ اور ان مخالفین کو چھوڑ کر (..... اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگ جاؤ)'' ۔

جب انسان اپنا نصب العین متعین کر لے تو اس کے بعد این و آن کے خیال کو چھوڑ کر' اس نصب العین کو سامنے رکھکر، ہر قدم اس کی طرف اٹھانا چاہئے ۔ اور یہ سب کچھ حسن کارانہ انداز سے کرنا چاہئے کیونکہ تَبَتَّلٌ میں زیبائش و آرائش کا مفہوم بھی ہے* ۔

ب ث ث

بَثٌّ کے معنے ہیں کسی چیز کو منتشر اور پراگندہ کر دینا ۔ اس سے پھیلا دینے کے بھی معنے آ گئے ۔ اور بڑھا دینے (بکثرت پیدا کر دینے) کے بھی* ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنے ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہیں ۔ راغب نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے

---

* تاج ۔

اور لکھا ھے کہ بَثٌّ کے معنے کسی چھپی ہوئی چیز کے ظاہر کر دینے کے بھی ہوتے ھیں ۔ اس لئے اس سے مراد ایسی چیزوں کو نمودار کر دینا ھے جو پہلے موجود نہ تھیں*** ۔ ابن فارس نے بھی کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ظاھر کر دینا اور منتشر کر دینا ھیں ۔

بَثٌّ الْغُبَارَ ۔ غبار اڑانا ۔ بَثَثْتُكَ السِّرَّ ۔ میں نے تجھ پر راز ظاھر کر دیا ۔ أَبْثَثْتُكَ ۔ میں نے تجھ پر اپنا غم ظاھر کر دیا * ۔ اسی سے اَلْبَثُّ سخت ترین غم کو کہتے ھیں جو چھپا نہ رہ سکے * ۔ سورۃ بقرۃ میں ھے ۔ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (۲/۱۶۴) ۔ ''خدا نے زمین میں ھر قسم کے حرکت کرنے والے جانداروں کو پھیلا دیا ۔ بکثرت پیدا کردیا'' سورۃ القارعۃ میں ھے كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱/۴) ۔ '' بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح'' ۔ سورۃ واقعہ میں هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (۵۶/۶) آیا ھے ۔ یعنی فضا میں منتشر ذرات ۔ سورۃ یوسف میں بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اکٹھا آیا ھے (۱۲/۸۶) ۔ اس سے ظاھر ھے کہ بَثٌّ، حزن سے الگ اور شدید غم کا نام ھے ۔ ایسا غم جو چھپائے چھپ نہ سکے ۔

ب ج س

بَجَسَ الْمَآءُ ۔ پانی کا کسی چیز کو شق کر دینا اور اس میں سے پھوٹ کر بہہ نکلنا ۔ مَآءٌ بَجِسٌ ۔ اس طرح پھوٹ کر بہہ نکلنے والا پانی * ۔ قرآن کریم میں ھے فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ ..... (۷/۱۶۰) '' اس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ بہے '' ۔ سورۃ بقرۃ میں اسے فَانْفَجَرَتْ کہا گیا ھے (۲/۶۰) ۔ راغب نے کہا ھے کہ اِنْبِجَاسٌ وھاں بولا جاتا ھے جہاں پانی کسی تنگ چیز میں سے نکل رھا ھو اور اِنْفِجَارٌ عام ھے*** ۔ لیکن ، جیسا کہ اوپر کہا گیا ھے ، قرآن کریم نے دونوں الفاظ ھم معنے استعمال کئے ھیں ۔

ب ح ث

اَلْبَحْثُ ۔ مٹی میں کسی چیز کو تلاش کرنا ۔ یا مٹی کریدنا ۔ ابن فارس کے نزدیک یہی اس کے بنیادی معنی ھیں ۔ اَلْبُحَاثَةُ ۔ کرید کر نکالی ہوئی مٹی ۔ اَلْبَحُوْثُ ۔ وہ اونٹ جو دوڑتا ہوا اپنے پاؤں سے مٹی پیچھے کی طرف

---

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

اڑاتا جائے * - اَلْبَحْثُ - کان جس میں سونا چاندی تلاش کیا جائے ** - سورۃ مائدۃ میں ہے غُرَاباً یَبْحَثُ فِی الْاَرْضِ (۵/۳۱) - "ایک کوا زمین کو کرید رہا تھا" - اَلْبَحِیْثُ راز کو کہتے ھیں * -

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور حاء ساتھ آئیں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا -

ب ح ر

اَلْبَحْرُ - وسیع پیمانے پرشق کرنے - پھاڑنے یا چیرنے کو کہتے ھیں - چنانچه دریا یا سمندر کو بھی اسی لئے بَحْرٌ کہتے ھیں که وہ زمین میں کھدا ہوا ہوتا ہے - کان کے چیرنے کو بھی بَحْرٌ کہتے ھیں - چنانچه وہ اونٹنی یا بکری جو دس بچے جن چکتی تھی اسکا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے - اسے بَحِیْرَۃٌ کہتے تھے * - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے که جن الفاظ میں باء اور حاء ایک ساتھ ہوں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا - ابن فارس نے (خلیل کے حوالے سے) کہا ہے که بَحْرٌ کو بحر اس کی وسعت کی بناء پر کہتے ھیں - دریا ، جسکا پانی مسلسل بہتا رہے ، بَحْرٌ کہلاتا ہے - (جیسے دجلہ یا نیل) - اور سمندر کو بَحْرٌ کَبِیْرٌ کہتے ھیں - کتاب الاشتقاق میں ہے که کثیر پانی (خواہ میٹھا ہو خواہ کڑوا) بَحْرٌ کہلاتا ہے - بَحْرٌ دراصل اس جگه کو کہتے ھیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو - نیز بَحْرٌ اس زمین کو کہتے ھیں جہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو - نیز شہروں کو بالخصوص ان شہروں کو جو پانی کے کنارے آباد ہوں *** - ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰/۴۱) کے یه معنے بھی ھیں که شہری آبادیوں اور بادیہ نشینوں ، سب کے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہوچکی تھیں - اور یه بھی که دنیا کے خشک و تر میں خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں - خشکی اور تری (سمندر اور خشک زمین) کے معنوں میں یه الفاظ (۶/۹۷) میں آئے ھیں - (نیز دیکھئے عنوان ی - م - م) ، کیونکه حضرت موسیٰؑ کے دریا پار کرنے اور فرعون کے غرق ہونے کے لئے بَحْرٌ اور یَمٌّ دونوں الفاظ آئے ھیں (۲/۵۰ ; ۷/۱۳۶ ; ۲۰/۷۸)

قرآن کریم نے صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ (۵/۹۶) "سمندر کے شکار" کو حلال قرار دیا ہے - یعنی اسے بھی جسے تم خود پکڑو - اور وہ بھی جسے پانی

---

* تاج - ** محیط - *** تاج و لین

خود بخود باعر اچھال دے۔ یا جو پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے خشکی پر رہ جائے (دیکھئے عنوان ط۔ع۔م)۔

ب خ س

اَلْبَخْسُ ۔ کم کرنا ۔ ظلم کرنا * ۔ (حقوق میں کمی کرنے کا نام ظُلْمٌ ہے) اسی لئے ابن السکیت نے کہا ہے کہ بَخْسٌ کے معنے حق سے کم دینا یا حق میں کمی کرنا ہیں * ۔ اَلْبَاخِسُ ۔ تھوڑی سی ناقص چیز ** ۔ اَلْبَخْسُ ۔ چونگی یا محصول جو والی ملک وصول کرتا ہے * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کمی کے ہوتے ہیں ۔

سورۂ بقرہ میں ہے وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا (۲/۲۸۲) ۔ '' اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے'' ۔ سورۂ جن میں ہے فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (۷۲/۱۳) ۔ '' ایسے نہ اس کا خوف ہوگا کہ اس کے حقوق میں کمی ہوگی اور نہ ظلم و زیادتی کا ڈر'' ۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰) ۔ اس کے لفظی معنی تو ہیں '' اسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ دیا،، ۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ظلم و زیادتی سے ایسے فروخت کر دیا ، کیونکہ انسان کا بیچنا ممنوع ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَاء اور خَاء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم آنکھ کو پھوڑ دینا یا اسی قسم کی کوئی اور بات کرنا ہوتا ہے ۔ اس سے ظلم اور زیادتی کا تصور سامنے آ جاتا ہے ۔

ب خ ع

اَلْبِخَاعُ ۔ گردن کی ایک رگ کا نام ہے جو گدی کے اندر ہوتی ہے ۔ بَخَعَ بِالشَّاةِ کے معنے ہیں اس نے بکری کو اس زور سے ذبح کیا کہ اس کی بِخَاع تک کاٹ ڈالی ۔ یہ اس کے اصلی معنے ہیں ۔ اس کے بعد یہ لفظ عر مبالغہ کیلئے استعمال ہونے لگا ۔

بَخَعَ نَفْسَهُ يَبْخَعُ ۔ خود کو غم یا غصہ سے مار ڈالنا ۔ بَخَعَ الْأَرْضَ بِالزِّرَاعَةِ ۔ وہ زمین میں مسلسل کھیتی کرتا رہا جس سے زمین کی ساری قوت ختم ہو گئی * ۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ (۱۸/۶) ۔ '' تو اس غم میں (کہ یہ لوگ ایمان

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

کیوں نہیں لاتے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیگا'' ۔ غور کیجئے کہ ایک داعی الی الحق' طبیبِ مشفق کی طرح کسقدر غمگسار اور بہی خواہ ہوتا ہے ۔

ب خ ل

اَلْبُخْلُ ۔ اپنی حاصل کردہ چیزوں کو ان مواقع سے روکنا جہاں سے انہیں روکنا نہیں چاہیئے*۔ راغب نے لکھا ہے کہ بُخل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہوتے نہ دیکھ سکے۔ اور یہ زیادہ قابلِ مذمت ہے۔ موخرالذکر کیلئے دیکھیں آیت ۴:۳۷**۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بُخْلٌ اشیاء کے روک لینے کو کہتے ہیں اور شُحٌّ اس جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان ایسا کرتا ہے***۔ (یعنی شُحٌّ میں حرص اور بخل دونوں جذبے ہوتے ہیں) ۔

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ .... (۴/۳۷) ۔ '' وہ لوگ جو (رزق کو) روک رکھتے ہیں ۔ اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں کہ وہ (سامانِ زیست کو) روک کر رکھ لیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہوتا ہے اسے چھپاتے ہیں '' ۔ قرآن کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان پوری محنت سے کمائی کرے۔ پھر اس میں سے صرف اپنی ضروریات کیلئے لے اور باقی سب کچھ نوعِ انسانی کی ربوبیت کیلئے کھلا رکھدے۔ (دیکھئے عنوان ۔ ن ۔ ف ۔ ق) بُخْلٌ اس تعلیم کی عین ضد ہے جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے روک رکھتا ہے اور دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا نہیں ۔ اس طرح وہ معاشرہ کی ہمواریوں اور خوشگواریوں کی عملاً تکذیب کرتا ہے (۹۲/۶-۹) ۔ قرآن کریم اِنْفَاقٌ کی تاکید اور بُخْلٌ کی مذمت کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے ۔ اپنی محنت کی کمائی کو، خدا کے قانون کے مطابق، نوعِ انسانی کی ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے ۔ یہی تَقْوٰی ہے (۹۲/۱۸) ۔ اسی سے دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں اور اسی سے انسان کی مستقبل کی زندگی (آخرت) سنورتی ہے ۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ جو قوم بُخْلٌ کی روش اختیار کر لیتی ہے اُسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے جو اس قوم جیسی نہیں ہوتی (۴۷/۳۸) ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

اس لئے کہ خدا کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) - ''دنیا میں بقاء اسی کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے منفعت بخش ہے'' جو (نظام یا طریق زندگی) محض ایک فرد، ایک گروہ، یا ایک قوم کے مفاد کے لئے ہے (پوری انسانیت کے مفاد کے لئے نہیں) اسے بقاء اور دوام نصیب نہیں ہو سکتی - جب کسی شے کی منفعت بخشی کو عالمگیر انسانیت کے لئے عام ہونے کی بجائے اس طرح روک دیا جائے تو یہ بُخْلٌ ہو جائیگا جس کا نتیجہ تباہی ہے، افراد کی صورت میں بھی اور اقوام کے لئے بھی -

ب د أ

بَدَأَ بِہٖ - بَدْاً وَابْتَدَأَ - کسی چیز کے ساتھ شروع کرنا - بَدَأَ الشَّیْءَ - اس چیز کو شروع کر دیا - اس نے پہل کی، فُلَانٌ مَا یُبْدِیْ وَمَا یُعِیْدُ - فلاں آدمی نہ از خود کوئی بات کرتا ہے - (Initiate) کرتا ہے) اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیتا ہے - اَلْبَدِیُّ** - سردار اول - بَدَأَ مِنْ اَرْضِہٖ اِلٰی اُخْرٰی - اپنی زمین سے دوسری زمین کی طرف نکل کھڑا ہوا - اپنا ملک چھوڑ گیا * - اَلْبَدْءُ - اَلْاِبْدَاءُ - کسی چیز کو اس کے غیر (ماسوا) پر مقدم کرنا * - بَادِیَ الرَّأْیِ وہ رائے جو ابتداءً قائم کر لی جائے - یا بَادِیَ الرَّأْیِ - وہ رائے جو بالکل ظاہر ہو ** - (نیز دیکھئے عنوان - ب - د - و)

قرآن کریم میں ہے وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (۹/۱۳) - ''انہوں نے ہی پہلی مرتبہ تمہارے ساتھ ابتداء کی ہے'' - پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے - تخلیق کائنات کے سلسلہ میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اِنَّہٗ یَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (۱۰/۴) - ''وہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے گردش دیتا ہے'' - یہ ظاہر ہے کہ ہر شے کی تخلیقی ابتداء اس کے نقطہ آغاز سے ہوتی ہے - پھر وہ مختلف مراحل طے کرتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچتی ہے - اس کا نقطہ آغاز بھی خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اور پھر اس کی مختلف گردشیں اور گردشوں کے بعد تکمیل بھی اسی کی رو سے ہوتی ہے (نیز دیکھئے عنوانات (ف - ط - ر) ; (ب - د - ع) اور (ع - و - د)) -

---

* تاج - ** راغب -

سورۃ سبا میں ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ (۳۴/۴۹) - " ان سے کہدو کہ خدا کا اٹل تعمیری قانون آ گیا ہے - اس کے مقابلہ میں تخریبی پروگرام ٹھہر نہیں سکیگا- اس لئے کہ تخریبی قانون میں یہ قوت ہی نہیں کہ کسی اسکیم کی ابتدا کر سکے اور پھر اسے پلٹ کر اور لوٹا کر تکمیل تک لے جائے"- باطل کوئی نتیجہ خیز بات کر ہی نہیں سکتا -

سورۃ ھود میں بَادِیَ الرَّاْیِ آیا ہے - (۱۱/۲۷) اس کے لئے دیکھئے عنوان (ب - د - و)) -

ب د ر

بَادَرَهُ - مُبَادَرَةً - بِدَارًا - اس کام کے لئے جلدی کرنا جو خود کو اچھا لگے -* سورۃ نساء میں ہے اِسْرَافًا وَّبِدَارًا (۴/۶) - "فضول خرچی اور عجلت کرتے ہوئے - جلدی جلدی" - زجاج نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بھر جانے اور بھرپور ہو جانے کے ہیں - عجلت میں بھی چونکہ انسان اپنی پوری پوری قوت صرف کر دیتا ہے اسلئے اسے مُبَادَرَةً کہتے ہیں -* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں - (۱) کسی چیز کا کامل اور بھرا ہوا ہونا - اور (۲) کسی چیز کی طرف جلدی سے جانا -

اَلْبَدْرُ- بھرا ہوا (پورا چاند) بھر پور جوان - نیز بَدْرٌ - مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے -* اس مقام پر مخالفین سے جنگ ہوئی تھی (۳/۱۲۲)

راغب کے نزدیک اس مادہ کی اصل ہی اَلْبَدْرُ (پورا چاند ہے) -**
نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور دال ساتھ آئیں ان میں کسی کام کی ابتداء یا ظہور (ظاہر ہونے) کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - بَدَرَ اِلَیْهِ بِکَذَا کے معنی ہیں اس نے اس کے لئے فلاں بات کو ظاہر کر دیا -*** اس سے اَلْبَدْرُ کے معانی واضح ہو جاتے ہیں - یعنی ظہور کامل -

ب د ع

اَلْبِدْعُ - وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اسکی مثال موجود نہ ہو (ابن فارس) - اَلْبَدِیْعُ وہ نئی رسی جسے پہلی بار نئے ریشہ سے بٹا گیا ہو - رَکِیَّةٌ بَدِیْعَةٌ نیا کھودا ہوا کنواں -* نواب صدیق

* تاج - ** راغب - *** العلم الخفاق -

حسن حان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ دال آئے ان میں ابتداء اور ظہور کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلْاِبْدَاعُ کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر کسی کی تقلید کے از خود پیدا کرنا ۔ اور جب یہ لفظ خدا کیلئے بولا جائے تو اسکے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے ایجاد کرنا ۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۱۱۷/۲) کا یہی مفہوم ہے۔** اسکے معنے (Originator) کے ہیں ۔

کائنات کو عدم سے وجود میں لانا تو صرف خدا کیلئے ہے ، لیکن اس کائنات میں نئی نئی چیزیں دریافت کرنا اور ایجاد کرنا انسان میں صفت خداوندی کا منعکس ہونا ہے اور وجہ شرفِ انسانیت ۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان ایجادات کو قانون خداوندی کے مطابق نوع انسانی کی تعمیر میں صرف کیا جائے، نہ کہ تخریب کے لئے ۔ لیکن یہ ایجادات طبیعی دنیا کے اندر ہونگی ۔ خدا کے قوانین جو نوع انسانی کی راهنمائی کیلئے (قرآن کے اندر) ہیں ان میں کسی نئے قانون کو شامل نہیں کیا جائیگا ۔ اس لئے کہ یہ قوانین عقل کی رو سے وضع نہیں کئے جاسکتے ، صرف وحی کی رو سے مل سکتے ہیں ۔ اور وحی ، قرآن کریم کے اندر پہنچکر مکمل ہوچکی ہے ۔ دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ جائز نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے رهبانیت کو بدعت کہکر اسکی مذمت کی ہے (۲۷/۵۷) ۔ البتہ دین کے غیر متبدل اصولوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، جزئی قوانین مرتب کئے جا سکتے ہیں ۔

رسول اللہؐ کے متعلق ہے قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعاً مِنَ الرُّسُلِ (۹/۴۶) "آپ کہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں" ۔ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں ۔ مجھ سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں ۔

ب د ل

بَدَلٌ ۔ بِدْلٌ ۔ بَدِیْلٌ ۔ جو چیز کسی دوسری چیز کی قائمقام بن جائے ۔ جو کسی کا عوض یا بدل بن جائے ۔ ثعلب نے کہا ہے کہ اَبْدَلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ہیں میں نے انگھوٹھی کو اتار کر اسکی جگہ چھلا پہن لیا ۔ اور بَدَّلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ہیں میں نے انگھوٹھی کو پگھلا کر اسکا چھلا بنوالیا ۔ یعنی تَبْدِیْلٌ تو یہ ہے

* تاج ۔ ** محیط ۔

کہ ایک صورت سے دوسری صورت بدل دی جائے۔ جوہر (Substance) وہی باقی رہے ۔ اور اِبْدَال کے معنے ہیں ایک جوہر کو چھوڑ کر دوسرا جوہر اختیار کر لینا۔ مُبَادَلَةٌ کے معنے ہیں جیسی چیز اس سے لی اسکی مثل اسے دی ۔ تَبَدَّلَ کے معنے ہیں متغیر ہوگیا ۔ بدل گیا ۔ نیز تَبَدَّلَہٗ و تَبَدَّلَ بِہٖ کے معنے ہیں اسے کسی چیز کی جگہ لے لیا، بدل لیا ، تَبْدِیْلٌ تحریف کو بھی کہتے ہیں*۔

قرآن کریم میں بَدَلًا (۱۸/۵۰) بدل (معاوضہ) کے معنے میں آیا ہے۔ اور بَدَّلَ (۲/۵۹) ایک چیز کی جگہ دوسری چیز تبدیل کرلینے کے لئے۔ سورۃ روم میں ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ (۳۰/۳۰) ۔ "خدا کا عمل تخلیق کبھی نہیں بدلتا" ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (۶/۳۴) "قوانین خداوندی کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں"۔ یعنی نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جگہ کوئی اور قوانین لے سکتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں ہے اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ (۶۶/۵) "........اگر وہ تمہیں طلاق دیدے تو خدا اسے تم سے بہتر بیویاں بدل کر دیدے"۔ سورۂ احزاب میں ہے وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ (۳۳/۵۲)۔ "نہ یہ کہ تو ان کی جگہ دوسری بیویاں لے لے" ۔ سورۃ نساء میں ہے اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ (۴/۲۰) ۔ "ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کی تبدیلی چاہنا" ۔ استبدالِ قومی کے لئے دیکھئے (۴۷/۳۸)۔

ب د ن

اَلْبَدَنُ ۔ جسم ۔ سوائے سر اور ہاتھ پاؤں کے ۔ لیکن ازہری نے کہا ہے کہ یہ لفظ تمام جسم کیلئے بولا جاتا ہے*۔ راغب نے کہا ہے کہ بَدَنٌ جسم کو جثہ کے اعتبار سے کہتے ہیں اور جَسَدٌ رنگ کے اعتبار سے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی خود کسی چیز کے ہیں۔ اسکی اطراف کے نہیں ۔ قرآن کریم میں فرعون کے متعلق ہے کہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ (۱۰/۹۲) ۔ "آج ہم تیرے بدن (لاش) کو محفوظ کر دینگے"۔ مصر میں رواج تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی لاشوں کو ممی بنا کر محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ فراعنہ مصر کے قدیم مقبروں سے اس قسم کی ممی شدہ لاشیں بہت سی برآمد ہوئی ہیں ۔ جس فرعون نے حضرت موسیٰؑ کا پیچھا کیا تھا وہ پانی میں غرق ہو گیا تھا ۔ اسلئے اسطرف خیال جاتا تھا کہ

* تاج ۔ ** راغب ۔

اسکی لاش ضائع ہو گئی ہوگی - لیکن قرآن نے آج سے قریب چودہ سو برس پہلے بتا دیا کہ اسکی لاش بھی (پانی سے نکال کر) محفوظ کرکے رکھدی گئی تھی - چنانچہ جو ممی شدہ لاشیں برآمد ہوئی ہیں انمیں اسکی لاش بھی موجود ہے - (دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا - نیز میری کتاب برق طور) ویسے بَدَنٌ زرہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم پر رہتی ہے** -

اَلْبَادِنُ - اَلْمُبَدَّنُ - فربہ اور جسیم شخص - بَدُنَ و بَدَنَ - وہ فربہ اور جسیم ہوا - اَلْبَدَنَةُ وہ گائے یا اونٹ جو ذبح کرنے کیلئے لے جایا جائے - یہ اسلئے تھا کہ جن جانوروں کو ذبح کرنے کیلئے مکہ لے جاتے تھے انہیں خوب موٹا کیا جاتا تھا - اسکی جمع بُدْنٌ ہے - سورۃ حج میں اَلْبُدْنَ ($\frac{۲۲}{۳۶}$) - انہی اونٹوں کے لئے آیا ہے** -

ب د و

بَدْوٌ - وَ - بُدُوٌّ کے معنے ہیں ظاہر ہونا - اَبْدَيْتُهُ - میں نے اسے ظاہر کر دیا - بَدَاوَةُ الشَّیْءِ - کس شے کا وہ حصہ جو سب سے پہلے ظاہر ہو* - قرآن کریم میں تُبْدُوْنَ (تم ظاہر کرتے ہو) کے مقابلہ میں تَكْتُمُوْنَ (تم چھپاتے ہو) بھی آیا ہے ($\frac{۲}{۳۳}$) اور تُبْدُوْا بمقابلہ تُخْفُوْ بھی ($\frac{۴}{۱۴۹}$) - سورۃ النور میں ہے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ($\frac{۲۴}{۳۱}$) "وہ اپنی آرائش کو نمایاں نہ کریں" -

اَلْبَدْوُ - اَلْبَادِيَةُ - اَلْبَدَاوَةُ - صحراء، دیہات، البَدَاوَةُ - شہری زندگی کے مقابلہ میں دیہاتی یا صحرائی زندگی - صحراء کو اسلئے بَادِيَةٌ کہتے ہیں کہ وہ ظاہر اور کھلا ہوا ہوتا ہے* ($\frac{۱۲}{۱۰۰}$) - قرآن کریم میں اَلْبَادِ بمقابلہ اَلْعَاكِفُ آیا ہے ($\frac{۲۲}{۲۵}$) جسکے معنی ہیں باہر سے آنے والا - سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے مخالفین نے آپ سے کہا کہ مَانَرَاكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ($\frac{۱۱}{۲۷}$) - اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تیرا اتباع کرتے ہیں ان کی شکل و صورت دیکھکر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے معاشرہ کے پست درجے کے (رذیل) لوگ ہیں - یعنی ان کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کسی دقتِ نظر کی ضرورت نہیں پڑتی - ان کی صورت سے ان کی حالت عیاں ہو جاتی ہے - (ہمارے ہاں اسے بادی النظر کہتے ہیں) - بَادِیَ الرَّاْیِ ($\frac{۱۱}{۲۷}$) کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے وہ کسی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر نہیں پہنچے بلکہ کوئی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے۔

*تاج - نیز ابن فارس - ** راغب

ب ذ ر

بَذَرْتُهٗ بَذْراً : میں نے اسے بکھیرا ، متفرق کیا ، خراب کیا ۔ اَلْبَذْرُ ۔ اس غلہ کو کہتے ہیں جو بیج ڈالنے کیلئے الگ رکھ لیا گیا ہو۔ اس سے اسکے معنے کھیتی کرنے کے آتے ہیں ۔ نیز کھیتی یا سبزی کا وہ پودا جو شروع شروع میں زمین سے نکلتا ہے ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ذال اکھٹے آئیں ان کا مفہوم کسی چیز کو نکال دینا ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بکھیرنے اور متفرق کر دینے کے ہیں ۔

اپنی اصل کے اعتبار سے تَبْذِیْرٌ کے معنی ہونگے اس غلہ کو بھی خرچ کر لینا جو بیج کے لئے رکھا ہو۔ مجازاً مال ضائع کر دینے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ اسلئے کہ تَبْذِیْرٌ متفرق کر دینے یا بکھیر دینے کو بھی کہتے ہیں *

قرآن کریم میں ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (۱۷ : ۲۶-۲۷) '' تم مال کو بے جا صرف مت کرو۔ اسطرح مال کو ضائع کرنے والے لوگ شیاطین کے بھائی ہیں '' ۔

ب ر أ

بَرْءٌ ۔ اسکے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کا ان چیزوں سے الگ ہو جانا جو اسکی غیر ہوں ۔ بَارَاَهٗ ۔ وہ اس سے الگ اور جدا ہو گیا ۔ تَبَرَّاْنَا ۔ ہم سب جدا ہو گئے ۔ بَرِیَٔ اَلْمَرِیْضُ مِنْ مَرَضِہٖ ۔ مریض شفا یاب ہو گیا ۔ یعنے اسکا مرض اس سے الگ ہو گیا ۔ اَنَا بَرَآءٌ مِنْہُ ۔ میں اس سے بری ہوں ۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا (۲ : ۱۶۶) ۔ ''جب لیڈر اپنے پیچھے چلنے والوں سے بیزار اور الگ ہو جائیں گے،، ۔

سورۃ توبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے ۔ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۹ : ۱) ۔ ''یہ اللہ اور اسکے رسول (قرآنی نظام کے مرکز) کی طرف سے اس امر کا اعلان ہے کہ ہم ان مشرکین مکہ سے بالکل الگ ہیں جن کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا،، ۔ ان کے ساتھ اب ہمارا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ۔ یہی معنی (۳ : ۶۰) میں ہیں ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

خدا کو اَلْبَارِیُ کہا گیا ہے (۵۹/۲۴)۔ اس میں درحقیقت تخلیق اشیاء کے تین مراحل میں سے ایک مرحلہ کا ذکر ہے۔ یعنی اَلْخَالِقُ الْبَارِیُ الْمُصَوِّرُ (۵۹/۲۴)۔ کائنات میں تمام عناصر باھمی ملے جلے رہتے ہیں۔ اللہ کے سامنے جب کسی نئی چیز کی پیدائش کی تدبیر (اسکیم) ہوتی ہے تو وہ مختلف عناصر کو ایک نئی ترتیب دیتا ہے۔ یہ خَلْقٌ ہے (دیکھئے عنوان خ۔ل۔ق)۔ پھر انہیں باقی عناصر سے الگ کرتا ہے۔ یہ بَرْاَۃٌ ہے۔ اور اسکے بعد انہیں ایک متعین شکل (Form) عطا کر دیتا ہے۔ یہ مُصَوِّرِیَّت ہے۔ (دیکھئے عنوان ص۔و۔ر)۔ اس اعتبار سے وہ خالق اور باری اور مصور کہلاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اسی نہج سے مخلوق کو اَلْبَرِیَّۃُ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ (۹۸/۶)۔ (بَرِیَّۃٌ کی اصل بَرْیٌ ہے۔ اور یہ الْبَرٰی سے ہے جس کے معنے مٹی کے ہیں)۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم "ظاھر ہونا" ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کسی حادثہ کے واقع کرنے (رونما کرنے) کیلئے بھی بَرْءٌ آتا ہے (۵۷/۲۲)۔ مُبَرَّءٌ کے معنے ہیں بَرِیٌ الذِّمَّۃِ (پاک) (۲۴/۲۶)۔ اَبْرَاَ کے معنے ہیں کسی سے مرض دور کر دینا (۳/۴۸)۔

ب ر ج

بُرْجٌ۔ جمع بُرُوْجٌ۔ کسی محل کے چاروں طرف جو محفوظ کوٹھڑیاں بنا دی جاتی ہیں انہیں بُرُوْجٌ کہا جاتا ہے۔ جو کوٹھڑیاں شہر پناہ یا قلعہ کی دیوار پر بنائی جاتی ہیں انہیں بھی بُرُوْجٌ کہتے ہیں۔ نیز اسکے معنے قلعہ کے بھی ہوتے ہیں*۔ چنانچہ (۴/۷۸) میں اسکے یہی معنے ہیں۔ دراصل، ج۔ب۔ر اپنی تمام تراکیب میں شدت اور قوت پر دلالت کرتے ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ظاھر ہونا اور جائے پناہ کے ہیں۔

سورۃ احزاب میں ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی (۳۳/۳۳)۔ "اپنے گھروں میں سنجیدگی سے رہو اور سابقہ جاھلیت کے طریق پر اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو"۔ اور سورۃ نور میں ہے غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ (۲۴/۶۰) "اپنی زینت کو نمایاں نہ کرنے والیاں"

*تاج۔ **العلم الخفاق۔

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ تَبَرَّج کے معنے ہیں عورت نے اپنی زینت اور محاسن کومردوں کے سامنے ظاہر کیا، اسطرح کہ اسکی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی تھی۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء ساتھ آئیں ان میں اظہار کا مفہوم مضمر ہوتا ہے، جیسے بَرَجَ ظاہر ہو گیا۔ اسی سے تَبَرَّجَ ہے۔** ابواسحق نے کہا کہ* تَبَرَّجَ اس اظہار زینت کو کہتے ہیں جو مردانہ شہوت کی انگیخت کا ذریعہ بن جائے۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلتَّبَرُّجُ مٹک مٹک کرچلنے کو کہتے ہیں اور اَلْبَرِجُ خوبصورت اور حسین چہرے والے کو کہتے ہیں۔ اور اَلْاَبْرَجُ حسین آنکھوں والے کو ****۔ اَلْبَرَجُ آنکھ کا کشادہ اور حسین ہونا ***۔ لسان میں دونوں ابرؤوں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو بَرَج بتایا ہے۔
راغب نے کہا ہے کہ عورت کے تَبَرَّج کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے محل سے باہر نکل آئی۔ چنانچہ اس سے پہلے جو آیا ہے وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ اس نے بھی ان معانی کی تائید کر دی ہے***۔

لیکن ہمارے نزدیک صحیح معنے وہی ہیں جو ابواسحق نے کہے ہیں یعنے اس انداز کی نمائش جو مردوں کے جذبات کے مشتعل ہونے کا سبب بن جائے۔ دراصل اِبْرِیْجٌ بلونی یا اس مشک کو کہتے ہیں جس میں دودھ بلو کر اس سے مکھن نکالا جاتا ہے****۔ لہذا تَبَرَّجَ کے معنے ہیں حسن اور زینت کی اس انداز کی نمائش کہ عورت کی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی ہو اور اس سے مردوں کے جذبات متحرک اور مشتعل ہو جائیں۔ ایسی نمود و نمائش جو مردوں کے سینوں میں (بلونی کی طرح) تلاطم برپا کر دے۔ اسکی ممانعت ہے۔ جنسی جذبات ازخود بیدار نہیں ہوتے۔ انسانی خیالات انہیں بیدار اور مشتعل کرتے ہیں۔ لہذا، قرآن کریم ان تمام محرکات کو روکتا ہے جن سے ان جذبات میں انگیخت پیدا ہو۔ اس نے مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط (میل جول) کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان سے یہی مقصود ہے۔
قدیم علم الافلاک کی رو سے، آسمان میں بارہ برج تسلیم کئے جاتے تھے۔ ابن درید نے (جمہرة اللغة میں) لکھا ہے کہ عرب، اِن بروج السماء (آسمانی برجوں) کو نہیں جانتے تھے۔ ان کے کلام میں ''منازلِ قمر'' کا تو ذکر ملتا ہے لیکن ''بروج السمآء'' کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا، قرآن کریم میں جہاں ''بروج السمآء'' کا ذکر آیا ہے تو اس سے وہاں مراد ستارے یا بڑے بڑے ستارے ہیں۔ مثلاً سورۃ

*تاج۔ **العلم الخفاق۔ ***راغب۔ ****محیط۔

حجر میں ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (۱۵/۱۶)، "اور یقیناً ہم نے آسمان میں بروج بنائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے خوشنما بنایا ہے" - یہاں "بروج" سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جو ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ (۳۷/۶)"اور ہم نے قریبی آسمان کو (عجیب) زینت یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے" - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے "بُرُوْج" کو ستاروں کے معنی میں استعمال کیا ہے -

ب ر ح

اَلْبَرَاحُ - کھلی وسیع زمین جہاں درخت، کھیتی، عمارت وغیرہ کچھ نہ ہو۔اس سے یہ لفظ اس معاملہ کے لئے بولتے ہیں جو بالکل واضح، ظاہر اور کھلا ہوا ہو۔ لَا بَرَاحَ۔اس میں کوئی شک وشبہ یا ابہام نہیں۔بَرِحَ الْخَفَاءُ۔ راز فاش ہو گیا*۔نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ راء آئے ان کے مفہوم میں "ظاہر ہونا" پایا جاتا ہے - جیسے بَرِحَ الْخَفَاءُ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ظاہر ہو جانا - زائل ہو جانا اور کھل جانا - اور (۲) سخت ہونا اور بڑا ہونا ہیں - راغب نے کہا ہے کہ لَا اَبْرَحُ اثبات یعنی مستقل جم کر رہنے یا کام کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے** - صاحب محیط نے کہا ہے کہ بَرْحیٰ ایک کلمہ ہے جو نشانہ خطا ہو جانے پر بولتے ہیں - چنانچہ اَلْبَارِحُ مِنَ الظِّبَاءِ وَالطَّيْرِ اس ہرن یا پرندے کو کہتے ہیں جو شکاری کے سامنے ایسے رخ سے آئے کہ اس کا نشانہ کرنا دقت طلب ہو*** -

قرآن کریم میں یہ لفظ اثبات اور تاکید کے لئے آیا ہے - جیسے سورۃ یوسف میں ہے فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ (۱۲/۸۰) "میں اس سر زمین کو کبھی نہیں چھوڑونگا" - سورۃ کہف میں ہے لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۱۸/۶۰) - "میں چلنا نہیں چھوڑونگا (یعنی مسلسل چلتا رہونگا) حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگھم پر پہنچ جاؤں" -

ب ر د

اَلْبَرْدُ - ٹھنڈا ہونا، یہ حَرٌّ (گرم ہونے) کی ضد ہے - مَاءٌ بَرْدٌ وَبَارِدٌ - ٹھنڈا پانی - اَلْبَرْدُ - نیند - اَلْبَرَدُ - اولے - عَيْشٌ بَارِدٌ - خوشگوار زندگی - بَرَدَ السَّيْفُ - تلوار اچٹ گئی* -

---

* تاج - ** راغب - *** محیط -

راغب نے لکھا ہے کہ جس طرح حَرٌّ کے ساتھ حرکت مختص ہوتی ہے اسی طرح بَرْدٌ* کے ساتھ کسی چیز کا جمود و ثبات مختص ہوتا ہے۔ مثلاً بَرَدَ عَلَیْہِ دَیْنٌ* کے معنی ہیں اس پر قرضہ ٹھہر گیا، یعنی ادا نہ ہو سکا**۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معانی میں سکون اور ثبات کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ابراھیمؑ کے قصہ میں ہے یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (۲۱/۶۹)۔ "اے آگ تو ابراھیم پر ٹھنڈ اور سلامتی ہو جا"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مخالفین نے ابراھیمؑ کے خلاف تدبیریں اور سازشیں شروع کیں اور آمادہ بہ فسادِ ہو گئے لیکن ہم نے اسے ان کی شعلہ سامانیوں سے محفوظ رکھا اور خیریت سے نکال کر دوسرے ملک میں لے گئے۔ (فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۲۹/۲۴)۔ "انہوں نے اسے زندہ جلا دینے تک کی بھی ٹھان لی لیکن ہم نے ان کی تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور ابراھیمؑ کو صحیح و سلامت بچا کر لے گئے" (۳۷/۹۷-۹۹)۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (۲۱/۷۰)۔ "انہوں نے اس کے خلاف سازش کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا"۔ یعنی ان کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت ابراھیمؑ بحفاظت وہاں سے نکل کر دوسرے ملک میں چلے گئے (۳۷/۹۹)؛ (۲۱/۷۱)؛ (۲۹/۲۶)۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہاں آگ سے مراد ان لوگوں کی آتشِ انتقام تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی سازش میں ناکام رہ گئے تھے۔

اولوں (ژالہ باری) کے معنوں میں یہ لفظ (۲۴/۴۳) میں آیا ہے۔ سورۃ واقعہ میں عذابِ جہنم کے ضمن میں ہے لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (۵۶/۴۴)۔ "نہ ٹھنڈ پہنچانے والا۔ نہ خوشگوار اور نفع بخش"۔

سورۃ النبا میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۷۸/۲۴) "وہ اس میں ٹھنڈ اور پینے کی چیز نہیں پائیں گے"۔

صاحب تاج العروس نے یہاں بَرْدٌ* کے معنی نیند کے کئے ہیں۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ویسے اس سے مفہوم راحت و آرام بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہی معنی زیادہ موزوں ہیں۔ عذاب میں راحت کہاں؟ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں اضطراب اور حرکت کو بھی شامل کیا ہے۔

---

* تاج۔ ** راغب۔

ب ر ر

بـر ر ۔ اس مـادہ کے اصـلی معنـے وسعـت ۔ فراخی اور کشـادگی کے ہیں کیـونکـہ بَحْرٌ کے مقابلـہ میں بَرٌّ کا لفـظ خشکی کیلئـے استعمـال ہـوتا ہے (۲۵/۱۹)۔ اَلْبَرُّ بے آب و گیـاہ چٹیـل میـدان کـو کہتـے ہیـں اور بَحْرٌ ان مقامات اور شہروں کو جہاں پانی بھی ہو ۔ بَرٌّ بـکـریوں کو (جنگل کی طرف) ہانک دینے کو کہتے ہیں ۔ وسعـت کے اعتبـار سے اسکے معنے کثـرت کے بھی ہو گئے ۔ چنانچـہ اَبَرَّ الرَّجُلُ کے معنے ہیں وہ آدمی کثیـرالاولاد ہو گیـا ۔ اَبَرَّ الْقَوْمُ ۔ قوم بہت زیادہ ہـو گئـی ہے ۔ اس سے غلبـہ و تسلط کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمـال ہونے لـگا ۔ اَبَرَّ عَلَيْهِمْ ۔ وہ ان پر فوقیت لے گیا اور غالب آیا ۔ اَلْمُبِرُّ ۔ غالب آنے والے کـو کہتـے ہیـں* ۔ نـواب صـدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہـوم "ظاہر ہونا"، ہوتا ہے ۔ چنانچـہ بَرَّ کے معنی ہیـں وہ ظاہـر ہـو گیـا ۔ اس سے کشادگی اور غلبہ دونوں مفہوم واضح ہو جاتے ہیں ۔

نـگاہ کی کشـادگی اور دل کی وسعـت کے اعتبـار سے بِرٌّ کے معنـی وسیـع پیمانـہ پر نیـک سـلوک ، صلـہ رحمی اور احسان کے آتے ہیں ۔ نیز صداقـت (بات پر پورا اترنا) اور اطاعـت کے بھی ۔ بَرٌّ اور بِرٌّ ۔ قسم میں سچـا ہونے کو کہتے ہیں ۔ اَلْبَرُّ ۔ خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے (۵۲/۲۸) ۔ نیـز سچـے اور احسان کرنے والے آدمی کو بھی کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں بِرٌّ بمقابلہ اِثْمٌ آیا ہے (۵/۲)۔ اِثْمٌ کے معنے ہیں کمزوری۔ اضمحلال۔ تکان۔ لہذا بِرٌّ کے معنے ہونگے قوت۔ وسعت۔ کثرت۔ کشادگی۔ فـراخی۔ چونکـہ اِثْمٌ جرم (گنـاہ) ہے اس لئـے بِرٌّ نیـکی (Virtue) ہے ۔ لہـذا قـرآن کی رو سے "نیک کام"، (بِرٌّ) وہ ہونگے جن سے کشاد کی راہیں کھـل جائیں۔ جن سے انفـرادی طـور پر نـگاہ میـں فراخی، قلـب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعـت پیـدا ہو جائے اور اجتماعی طـور پر سامان زیست میـں کثـرت اور وسعت آ جائے ۔ اور معـامـلات میں فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا جائے ۔ بِرٌّ اور تَقْوٰی کے الفاظ اسی لئے اکٹھے آتے ہیں (مثلاً ۲/۲۲۴ ; ۵/۲) کیـونکـہ تَقْوٰی (قوانین خـداوندی کی نگہداشت کرنے) سے انسان سے تنـگ نظری دور ہـو جاتی ہے اور کشادہ ظرفی پیدا ہـو جاتی ہے ۔ اس کا بنیـادی طریقـہ یـہ ہے کہ

* تاج ۔

انسان اپنی عزیز ترین متاع (مال و دولت حتیٰ کہ جان تک کو) قوانین خداوندی کے مطابق، نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳/۹۱)۔ ''جب تک تم ان چیزوں کو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں (نوع انسان کی ربوبیت کے لئے) کھلا نہیں رکھو گے تمہیں کشادگی اور وسعت نصیب نہیں ہو سکیگی''۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ''مذہبی شعائر'' کو رسمی طور پر ادا کر لینے کا نام بِرٌّ (نیکی) ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ..... (۲/۱۷۷)۔ کشاد کی راہ یہ نہیں (تم معیار خداوندی پر اس طرح پورے نہیں اتر سکتے) کہ تم اپنا منہہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ کشاد کی راہ یہ ہے کہ تم ایمان کے بعد اپنے مال کو اس کی کشش و جاذبیت کے باوجود ضرورت مندوں کے لئے دیدو۔ ایسا کرنے والوں کو اَبْرَارٌ بمقابلہ فُجَّارٌ کہا گیا ہے (۸۲/۱۳-۱۴)۔ اور بَرَرَةٌ بھی (۸۰/۱۶)۔

حضرت یَحْییٰ کے متعلق ہے۔ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ (۱۹/۱۴)۔ ''وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک (کشادہ نگہی) سے پیش آتا تھا''۔ خدا کو اَلْبَرُّ الرَّحِيْمُ کہا گیا ہے (۵۲/۲۸)۔ ''وسعتیں عطا کرنے والا۔ سامان نشو و نما دینے والا''۔ جس خدا نے تمام نوع انسانی کیلئے سامان ربوبیت اس وسعت و کثرت سے عطا کر رکھا ہے اس کی کشادگی اور فراخی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟''۔ لہذا جو معاشرہ اپنے اندر خدا کی صفات کو منعکس کریگا وہ بھی علی حد بشریت بَرٌّ وَرَحِيْمٌ ہوگا۔ یعنی نوع انسانی کی ربوبیت کیلئے وسعت ظرف اور کشادگی نگاہ کا مالک۔ اسی کا نام بِرٌّ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے لفظ ''نیکی'' کا عمومی تصور بِرٌّ (وسعت و کشادگی) کا مفہوم نہیں پیدا کر سکتا۔ نیک آدمی عام طور پر اسے کہا جاتا ہے جو برائیوں سے بچے۔ لیکن برائیوں سے بچنا سلبی پہلو (Negative Aspect) ہے۔ قرآن کریم اس کے ساتھ مثبت جوہروں (Positive Virtues) کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ بنا بریں جس فرد میں کشادہ نگہی اور فراخ حوصلگی نہیں اور جس قوم کو ربوبیت کا سامان وسعت و کثرت کے ساتھ نصیب نہیں اور وہ اسے اسی وسعت و کشادگی کے ساتھ نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے صرف نہیں کرتی۔ وہ قرآن کی رو سے حامل بِرٌّ (نیک) نہیں ہو سکتی۔

ب ر ز

اَلْبَرَازُ - اَلْبِرَازُ - وسیع اور کھلی جگہ جہاں درخت وغیرہ کچھ نہ ہوں (چونکہ لوگ قضائے حاجت کے لئے باہر کھلی جگہ کی طرف جایا کرتے تھے اسلئے اَلْبِرَازُ والبَرَازُ کے معنی پاخانہ کے ہو گئے)۔

بَرَزَ - نمایاں ہو جانا - ظاہر ہو جانا - نکھر کر سامنے آ جانا - اَلْبَارِزُ وہ چیز جو پوری طرح ظاہر ہو جائے - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے ہوں ان میں ظاہر ہوجانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معانی ظاہر ہو جانا - اور کسی چیز کا اپنے جیسی اور چیزوں سے الگ ہو جانا ہیں - بَارَزَ مُبَارَزَةً - میدان جنگ میں جوانوں کا صفوں سے باہر نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آنا - بَرَزَ - دوسروں پر فضیلت و شجاعت میں سبقت لیجانا - اور آگے بڑھ جانا*۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ (۲/۲۵۰) - "جب وہ جالوت کے مقابلہ میں جنگ کیلئے سامنے آئے" - سورۃ کہف میں ہے وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸/۴۷) - "تو زمین کو دیکھیگا کہ وہ بالکل کھلی ہوئی ہے" (یا وہ لوگ جنہیں استبداد زمانہ نے دبائے رکھا ہے تو دیکھیگا کہ وہ ابھر کر اوپر آ جائینگے) سورۃ ابراھیم میں ہے وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۱۴/۲۱) "چھوٹے بڑے سب خدا (کے قانون مکافات کے) سامنے آجائینگے - ان کے اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آ جائینگے - یعنی لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ (۴۰/۱۶) - "ان کی کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہوتی" - اسی کو دوسری جگہ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ (۷۹/۳۶) سے تعبیر کیا گیا ہے - یعنی ظہور نتائج کے وقت جہنم ابھر کر سامنے آ جائیگی - لیکن اسی کے لئے جو آنکھیں رکھتا ہے - لِمَنْ يَّرٰى (۷۹/۳۶) - یوں تو مجرم اور جہنم اب بھی ایک دوسرے سے اوجھل نہیں - (۱۶/۸۲) - جہنم ہر مجرم کو گھیرے ہوئے ہے - (۲۹/۵۴)- لیکن اسے دیکھ وہی سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہے - وہ اسی کے سامنے ابھر کر آتی ہے جسے اسکا احساس ہو - (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملیگی)۔

برزخ

بَرْزَخٌ - دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ یہ دراصل بَرْزَةٌ (پردہ) ہے جسے معرب بنا لیا گیا ہے* - لیکن ابن فارس کا کہنا ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے جس کا مادہ برز ہے اور

* تاج - ** محیط -

خاء اس میں مبالغہ کے لئے بڑھائی گئی ہے ۔ معنی اسکے ہیں اتنی بڑی وسعت جو اسکے باہر کی چیزوں کے لئے اوٹ بن جائے ۔ مطلب اس سے بھی روک یا حائل ہونے کا ہوگا ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے ۔ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا یَبْغِیٰنِ (۵۵/۲۰) ''ان دونوں دریاؤں کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے'' ۔ (نیز ۲۵/۵۳) ۔

سورۂ مومنون میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے تو میں ضرور اعمالِ صالحہ کروں ۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں ۔ مرنے کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا ۔ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۲۳/۹۹،۱۰۰) ''ان کے پیچھے ایک روک ہے یوم بعث تک'' ۔ (نیز دیکھئے و ر اء ۔ عنوان '' و ۔ ر ۔ ی '' میں اور عنوان '' ب ۔ ع ۔ ث '')

ب ر ص

اَلْبَرَصُ ۔ سفید داغ جو بیماری کی وجہ سے بدن میں ظاہر ہوجاتے ہیں ۔ پھلبھری ۔ اَلْبِرَاصُ ۔ ریگستانی خطے جہاں کچھ پیدا نہ ہو ۔ بنجر زمین ** ۔ تَبَرَّصَ الْبَعِیْرُ الْاَرْضَ ۔ اونٹ نے تمام گھاس چرلی ۔ زمین پر کچھ بھی نہ چھوڑا * ۔

سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ وَ اُبْرِیءُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ (۳/۴۸) ۔ ''میں پیدائشی اندھے کو نگاہ عطا کرونگا اور اَبْرَص کو اسکی بیماری سے نجات دلا دونگا'' ۔ بنی اسرائیل کی اسوقت کی حالت کو اَبْرَص سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یا تو اسکے یہ معنے ہیں کہ انکی ارضی حیات کے کسی حصہ میں بھی سرسبزی اور تروتازگی باقی نہیں رہی تھی ۔ اور یا یہ کہ وہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے اور کوئی انہیں اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتا تھا ۔ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْا (۳/۱۱۱) ''وہ جہاں کہیں بھی جائیں ذلت و رسوائیاں انکے ساتھ لگی ہوئی ہیں'' ۔ دونوں معانی میں مفہوم ایک ہی ہے ۔ رسول آتا ہی اسلئے ہے کہ قوم کو ذلت و رسوائیوں سے نجات دلانے اور اسکی بنجر زمینوں میں سرسبزی و شادابی کے سامان پیدا کرے ۔

---

* تاج ** ابن فارس ۔

قرآن کریم نے اخلاق ذمائم کو بیماریوں سے تشبیہ دی ہے ۔ کہیں ایسے لوگوں کو بہرے ۔ گونگے۔ اندھے ۔ (صُمٌّ ۔ بُكْمٌ ۔ عُمْىٌ ۲/۱۸) ۔ کہکر پکارا ہے۔ کہیں کہا ہے کہ "ان کے دلوں میں روگ ہے" (فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ ۲/۱۰) ۔ حتی کہ انہیں مردہ (مَوْتٰی ۔ (۲۷/۸۰) بھی کہا گیا ہے ۔ اسی اعتبار سے آسمانی تعلیم کو ھُدًی وَّ شِفَآءٌ (۴۱/۴۴) "ھدایت اور شفاء"۔ اور شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) "جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لئے شفاء" کہا گیا ہے ۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اور زندگی کا مشن جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا ۔ ان کا مقصد "انسانیت کی بیماریوں" کا علاج ہوتا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے اَكْمَهَ (اندھے) کو بینائی عطا کرنے اور اَبْرَصَ (کوڑھی) کو اچھا کرنے سے بھی یہی مراد ہے ۔ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں ۔ (تفصیل میری کتاب "شعلہٗ مستور" میں ملیگی)

ب ر ق

بَرْقٌ ۔ بجلی جو بادلوں میں چمکتی ہے ۔ اس کے بنیادی معنے چمک کے ہیں ۔ بَرِقَ بَصَرُہٗ کے معنی ہیں اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہو گئی ۔ اور وہ حیرت و دہشت کی وجہ سے کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا ۔ (فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۷۵/۷) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی متحیر رہ جانے کے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں ہے یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (۲/۲۰) قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاھوں کو اچک کر لے جائے"۔

اِسْتَبْرَقٌ ۔ دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں (۱۸/۳۱ : ۵۵/۵۴)*۔ اور اِبْرِیْقٌ (۵۶/۱۸) لوٹے یا صراحی کو کہتے ہیں ۔ یہ لفظ فارسی لفظ "آب ریز،، کا معرب سمجھا جاتا ہے** ۔ لیکن ابن فارس کا قول ہے کہ یہ برق ہی سے ہے اور ہر چمک دار اور خوبصورت چیز کے لئے بولا جاتا ہے ۔

ب ر ک

بَرَكَةٌ ۔ کے اصلی معنی اس ثبات کے ہیں جس کے ساتھ نمو بھی شامل ہو ۔ یعنے ایک چیز اپنے مقام پر مستحکم بھی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ بڑھ بھی رہی ہو ۔ لہذا اس میں استحکام اور کثرت ۔ ثبات اور نشو نما دونوں شامل ہوتے ہیں ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں

---

* تاج و محیط ۔ ** لین ۔

باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاہر ہونے،، کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ نشو و نما کے معنی ہی یہ ہیں، کہ مضمر صلاحیتیں نمودار ہو کر سامنے آ جائیں ۔ لہذا بَرَکَةٌ میں ثبات ۔ استحکام ۔ کثرت ۔ نشو و نما اور ظہور و نمود کے تمام پہلو آ جاتے ہیں ۔ ابن فارس نے بھی اس کے معنی ثبات اور نشو و نما لکھے ہیں ۔ مُبَارَکٌ یا فِیْہِ بَرَکَةٌ ۔ اسوقت کہتے ہیں جب کسی شے میں کثرت اور زیادتی محسوس ہو اور اسمیں ثبات و استحکام بھی ہو ۔ یہ لفظ بَرَکَ اَلْبَعِیْرُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اونٹ جم کر بیٹھ گیا اور وہاں سے اٹھا نہیں ۔ اَلْبِرْکَةُ ۔ اونٹ کے سینے کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر وہ جم کر بیٹھتا ہے ۔ اور بہت دودھ دینے والی بکری کو بھی ۔ نیز حوض وغیرہ جس میں پانی ٹھہرا رہے * ۔

بَرَکَةٌ کی جمع بَرَکَاتٌ ہے ۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، بَرَکَةٌ کے معنی ثبات ۔ استحکام ۔ نشو و نما ۔ ہر قسم کا خیر اور فلاح ہیں ۔ لیکن یہ چیزیں متعلقہ اسباب کے ذریعے ملتی ہیں اس لئے مجازاً خود ان اسبابِ خیر کو بھی بَرَکَاتٌ کہا جائیگا ۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ ایمان و تقوی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم کو بَرَکٰتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ملتی ہیں (۷/۹۶) ۔ یعنے تمام استحکام بخش اسبابِ حیات کی کثرت و فراوانی ۔ آسمانی راہ نمائی بھی اور معاشی سہولتیں بھی ۔ زمین کے متعلق فرمایا وَبَارَکَ فِیْهَا (۴۱/۱۰) ۔ (خدا نے) اس میں اس سامان کی فراوانی رکھدی ہے جس سے نوعِ انسانی کو استحکام اور نشو و نما حاصل ہوتا ہے ۔ سورۃ قٓ میں کہا کہ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَکًا (۵۰/۹) ۔ ''ہم نے آسمان سے بارش برسائی جو نوعِ انسانی کی نشو و نما اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے،، ۔ اور قرآن کریم کو بھی کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ کہا ہے (۳۸/۲۹) ۔ یعنے وہ ضابطۂ حیات جس میں ایسے اصول و قوانین ہیں جو دائمی خیر و فلاح کا موجب ہیں ۔ جن سے انسان کا ثبات و استحکام اور نشو و نما وابستہ ہے ۔ اور اس لیل کو بھی مُبَارَکٌ کہا جسمیں یہ نازل ہوا (۴۴/۳) ۔ مکہ کو (جو قرآن کے نظام ربوبیت کا مرکز ہے) مُبَارَکٌ کہا (۳/۹۵) ۔ خود خدا بھی اپنی ربوبیت عالمینی کی وجہ سے مُتَبَارَکٌ ہے ۔ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۷/۵۴) ۔ تَبَارَکَ ۔ بابرکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا ۔
تَبَارَکَ الَّذِیْ... سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیر و برکت اپنی پوری کثرت کے ساتھ انتہا تک پہنچ چکی ہو ۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمۂ خیر و برکت جہاں تمام خوبیاں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی، ذات خداوندی ہے ۔ اور ربوبیت عالمینی اسی سرچشمۂ خیر و برکت سے ہوتی ہے ۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرے، اسے بھی (علیٰ حدِ بشریت خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامانِ نشوونما مہیا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہیئے ۔

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

ب ر م

اَبْرَمَ الْحَبْلَ - اسنے رسی کو مضبوطی سے بٹ لیا (دو رنگوں میں یا دو بٹوں میں) - اَلْمِبْرَمُ - چرخیاں وغیرہ جن سے رسیاں مضبوط بٹی جائیں - اَلْبَرِیْمُ - دو مختلف بٹوں والا (مثلاً سرخ و سفید) دھاگا جسے عورتیں اپنے بازو یا کمر پر بھی باندھ لیتی ھیں - ھر وہ چیز جس میں دو مختلف رنگ ھوں - رَسی یا ڈورا جس میں دو رنگ ھوں - اَبْرَمَ الْاَمْرَ - اسنے معاملہ کو محکم اور مضبوط کر دیا* - اسی سے قَضَاءٌ مُبْرَمٌ - محکم اور اٹل فیصلے کو کہتے ھیں - قرآن کریم میں ھے اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (۴۳/۷۹) - ''کیا انہوں نے (حق کی مخالفت کیلئے اپنے) معاملہ کو مضبوط کر لیا ھے ؟ اگر ایسا ھے تو ھم بھی معاملہ کو محکم کر لینے والے ھیں'' -

چونکہ رسی کو مضبوط بٹنے میں بار بار بل دینا اور کئی بار بٹنا پڑتا ھے اس لئے اصرار کرنے اور بضد رھنے کے لئے بھی اِبْرَامٌ بولا جاتا ھے** - ممکن ھے اسی جہت سے چیچڑی کو البُرَامُ کہا جاتا ھو -

ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں (۱) کسی چیز کا محکم ھو جانا - (۲) دو مختلف رنگ - اور (۳) تھک جانا اور دل برداشتہ ھو جانا لکھے ھیں -

آخری معانی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا -

ب ر ه

اَلْبَرَهْرَهَةُ - گورے پن کے ساتھ گدازئ بدن - اَلْبَرَهْرَهَةُ - سفید نوجوان حسینہ ، جو حسن و نزاکت کی وجہ سے لچکتی ھو، رنگ کی صفائی کے باعث جسکی جلد چمک رھی ھو ، تنعم و آسودگی کی وجہ سے جو ترو تازہ ھو**** - اَلْبَرْهَةُ والبُرْهَةُ - زمانہ طویل* -

اَلْبُرْهَانُ - خلیل نے کہا ھے کہ یہ لفظ بَرَهْرَهَةٌ سے ماخوذ ھے (جسکے معنے اوپر لکھے گئے ھیں) یعنے روشن اور لطیف دلیل - یا بُرْهَةٌ سے ماخوذ ھے ، اپنے ثابت اور قائم ھونے کی وجہ سے - ایک اور قول ھے کہ یہ لفظ فعلان کے وزن پر ھے اور بَرَهٌ سے ماخوذ ھے جسکے معنے قطع کرنے کے ھوتے ھیں - یعنے دلیل قاطع*** - بعض نے نون کو اصلی مانکر اسے رباعی تسلیم کر لیا ھے - لیکن ایسا کثرت استعمال کی وجہ سے مانا گیا ھے ورنہ ھے یہ برہ ھی سے -

---

*تاج و راغب - **راغب - ***محیط - ****تاج -

راغب نے کہا ہے کہ یہ فَعْلَان* کے وزن پر ہے اور بَرِہَ ۔ یَبْرَہُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے سفید ہونے کے آتے ہیں***۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاہر ہونے'' کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے معنے ایسی دلیل کے ہیں جو ہر حال میں، ہمیشہ، سچی ہو۔ روشن واضح اور سچی دلیل ۔ ایسی دلیل جو بالکل ظاہر ہو۔

قرآن کریم نے اپنے آپکو بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ (۴/۱۷۵) کہا ہے۔ ''تمہارے رب کیطرف سے واضح دلیل''۔ اسلئے کہ اسکا ہر دعوی دلیل و برہان پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی دلیل و برہان ہی کا مطالبہ کرتا ہے اور علانیہ کہتا ہے کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (۲/۱۱۱)۔ ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اسکی تائید میں دلیل پیش کرو''۔ اسے اپنے دعوے کی صداقت پر اسقدر یقین ہے کہ اس مطالبہ کے ساتھ ہی ان سے کہدیتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل قاطع نہیں ہو سکتی۔ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ (۲۳/۱۱۷)۔ ''کسی کے پاس (شرک کی تائید میں) دلیل نہیں ہو سکتی''۔

مذہب**** کو (جسے ہمیشہ عقل کا حریف اور دلیل کا دشمن سمجھا جاتا تھا) علم و عقل اور دلیل و برہان کی رو سے پیش کرنا اور منوانا، قرآن کریم ہی کی خصوصیت ہے۔ وہ اپنے ہر دعوے کو علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی رو سے منواتا ہے۔

ب ز غ

بَزَغَ نَابُ الْبَعِيْرِ کے معنے ہیں اونٹ کی ڈاڑھ گوشت کو شق کرکے نمودار ہوئی ۔ اس سے چاند اور سورج کے طلوع ہو جانے کو جب انکی روشنی پھیل رہی ہو بُزُوْغٌ کہتے ہیں۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہو جانے کے ہیں۔

اِبْتَزَغَ الرَّبِيْعُ ۔ بہار کا آغاز ہوگیا ۔ شگوفے پھوٹنے شروع ہو گئے۔*

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****قرآن نے دین عطا کیا ہے ۔ مذہب کا لفظ قرآن میں نہیں ہے ۔ ہم نے یہ لفظ عام استعمال کے پیش نظر لکھ دیا ہے۔ ورنہ اسلام کو الدین کہنا چاہئے ۔ یعنی خدا کا مقرر کردہ ضابطہ حیات ۔ طریق زندگی ۔ نظام معاشرہ ۔

قرآن کریم میں ہے اَلْقَمَرَ بَازِغاً اور اَلشَّمْسَ بَازِغَةً (۷۸-۷۷/۶) ''طلوع ہوتے ہوئے یا چمکتے ہوئے چاند اور سورج،،

نواب صدیق حسن خاں نے کہا ہے کہ جب کسی لفظ میں بَاء اور زَاء اکٹھے آئیں تو اس میں ''کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہونے،، کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ بَزْغٌ میں بھی کیفیت ہوتی ہے۔

ب س ر

اَلْبَسْرُ۔ کسی چیز کا وقت سے پہلے، نا مکمل حالت میں جلدی ہو جانا۔ یہ اسکے بنیادی معنے ہیں۔ بَسَرَ الدُّمَّلَ۔ اسنے پھوڑے کو پکنے سے پہلے ہی پھوڑ دیا۔ اَلْبُسْرُ ہرتروتازہ چیز نیز کھجورجو ابھی پکی نہ ہو*۔ ان معانی کے اعتبار سے ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۷۴/۲۲) کے معنے ہیں اس نے منہ بگاڑ لیا۔ لیکن بَسَرَ کے معنے شدت کراہت سے کسی کی طرف دیکھنے کے بھی آتے ہیں*۔ اس اعتبار سے اسکے معنے تیوری چڑھانے اور منہ بگاڑنے کے ہونگے۔ خیال اسطرف جاتا ہے کہ چونکہ کچا پھل کھانے سے منہ بد مزہ ہو جاتا ہے اس لئے بَسَرَ کے معنی ''بد مزہ ہو گیا'' ہیں۔ بد مزگی سے منہ ضرور بگڑتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ (۷۵/۲۴)۔''اس دن بعض چہرے برے بنے ہوئے ہونگے''۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی (۱) کسی چیز کی پکنے سے پہلے کی حالت۔ اور (۲) کسی چیز کی حرکت کم ہو جانا یا اس کا ٹھہر جانا ہیں۔ نیز بَسَرَ الرَّجُلُ الْحَاجَةَ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنی ضرورت کو وہاں تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ب س س

ستو یا خشک روٹیوں کا سفوف جو ستو کیطرح پانی میں گھول کر کھا لیا جائے۔ گھولنے، خلط ملط کرنے اور چورا چورا کرنے کے لئے بَسَّ يَبُسُّ بَسًّا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح اسکے معنے کسی چیز کے ریزہ ریزہ کر دینے کے بھی ہیں۔

لیکن بَسَّ الْاِبِلَ بَسًّا کے معنی ہیں اس نے اونٹوں کو نرمی سے ہانکا۔ اَلْبَسُّ۔ اونٹوں کو مختلف شہروں میں بھیجدینا اور متفرق کر دینا۔ اس اعتبار سے اسکے معنے اپنی جگہ سے چلانے کے ہونگے*۔ چنانچہ اِنْبَسَّتِ الْحَيَّاتُ کے معنے ہیں سانپ تیزی سے رینگ گئے*۔ قرآن کریم میں ہے

*تاج و راغب۔

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵۶/۵)۔ اسکے ایک معنے تو یہ ھیں کہ جبال (بڑے بڑے سرداران قوم۔ جابر و متکبر لوگ) ریزہ ریزہ ھو جائینگے۔ اور یا یہ کہ وہ اپنے مقام سے ھانک کر ھٹا دئیے جائینگے یا وہ خود ھی رینگ کر الگ ھو جائینگے۔ انھیں معانی کیلئے دوسری جگہ ھے وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۷۸/۲۰) یا وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۸۱/۳)۔ یا، وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۷۷/۱۰)۔ نیز يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (۲۰/۱۰۵)۔ ان تمام مقامات میں مفہوم ایک ھی ھے۔ انکی قوت و استحکام کا ٹوٹ جانا۔ انکے مقام کا ان سے چھن جانا۔ انقلاب سے زیر و زبر ھوجانا۔ (عنوان ن۔س۔ف بھی دیکھئے اور ج۔ب۔ل بھی)۔ واضح رھے کہ جَبَلٌ کے لغوی معنی پہاڑ ھیں۔ اس لئے ان آیات میں اگر لغوی معنی لئے جائیں تو مطلب پہاڑوں کا اڑ جانا یا ریزہ ریزہ ھوجانا ھوگا۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق کے پیش نظر مجازی معنی زیادہ موزوں معلوم ھوتے ھیں۔ اس لئے ھم نے مجازی معانی لکھے ھیں۔

ب س ط

بَسَطَهُ۔ بَسْطَۃً۔ پھیلانا۔ نشر کرنا۔ توسیع کرنا۔ وسعت دینا**۔ بمقابلہ قَبْضٌ (۲/۲۴۵)۔ نیز بمقابلہ قَدَرٌ (۴۲/۲۷)۔ قَدَرٌ کے معنی ھیں پیمانوں سے ناپ تول کر دینا، بمقابلہ مَغْلُوْلَۃٌ بمعنی بندھا ھوا۔ (۱۷/۲۹ و ۵/۶۴)۔ نیز اسکے معنے حملہ کرنے۔ ھاتھ بڑھانے۔ دست درازی کرنے کے بھی آتے ھیں (۵/۱۱) جس کے مقابلہ میں فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ آیا ھے۔ (۵/۱۱)۔ یعنی ''اس نے تم سے ان کے ھاتھوں کو روکا،،۔ اور مسلط ھونے کے معنے بھی۔ وَالْمَلٰئِكَةُ بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ (۶/۹۴)۔ ''اور فرشتے اپنے ھاتھ پھیلا رھے ھونگے،،۔ یعنی مسلط ھو جائینگے۔ مَبْسُوْطٌ۔ کشادہ**۔ (۵/۶۴)۔ بِسَاطٌ۔ بچھی ھوئی یا وسیع اور پھیلی ھوئی (۷۱/۱۹)۔

قرآن کریم میں حضرت طالوت کے متعلق ھے کہ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷)۔ اسکے عام معنے یہ ھیں کہ اسے علم اور جسمانی قوت بہت زیادہ دی ھے۔ لیکن راغبؔ نے کہا ھے کہ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ یہ ھے کہ انسان اپنے علم سے خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے***۔ لہذا بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتوں کو اپنی ذاتی منفعت کیلئے صرف کرتے ھو لیکن طالوت اپنے علم اور توانائی سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ھے۔ یہ وجہ ھے کہ اسے ھم نے تمہارے

*تاج و راغب۔ نیز ابن فارس۔ ** تاج *** راغب

اوپر کمان کے لئے منتخب کیا ہے ۔ کمانڈر ہونے کے لئے جسمانی اور دماغی دونوں قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور اس خصوصیت کی بھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے ۔

ب س ق

اَلْبُسَاقُ ۔ لعاب دھن ۔ بَسَقَ ۔ اسنے تھوکا ۔ (بجائے ''س'' کے ''ص'' سے بصق بھی کہتے ہیں) ۔

بَسَقَ النَّخْلُ بُسُوْقاً ۔ کھجور کے درخت لمبے اور بلند ہوئے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔

بَسَقَ عَلَیْهِمْ۔ وہ ان پر فضیلت میں بازی لے گیا ۔ بڑھ چڑھ گیا ۔

اَلْبَسُوْقُ وہ بکری جسکے تھن لمبے ہوں۔

بَسَقَ الشَّیْئُ بُسُوْقاً ۔ چیز کی لمبائی مکمل ہو گئی* ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ (۵۰/۱۰)۔ ''لمبے لمبے کھجوروں کے درخت'' ۔

صاحب محیط نے اسکے معنے باردار کھجوروں کے بھی کئے ہیں** ۔

ب س ل

بَسْلٌ کے اصلی معنی روک دینے کے ہیں یَوْمٌ بَاسِلٌ سخت دن کو کہتے ہیں ۔ اَلْبَاسِلُ شیر کو کہتے ہیں ۔ یہیں سے بَسَالَۃٌ کے معنے بہادری کے ہیں کیونکہ بہادر اپنی مدافعت کرتا ہے**۔ اور روکنے کے مفہوم کے پیش نظر اسکے معنے ہیں کسی کو اچھی چیزوں سے محروم کر دینا**** ۔ بَسَّلَہٗ ۔ اسے تباہی آ جائے *** ۔ اَلْبَسْلُ ۔ چھلنی میں چھاننا ۔ کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا لینا ۔ کسی کو قید کر دینا ۔ اَبْسَلَہٗ اسے ہلاکت اور تباہی کے حوالہ کر دیا ۔ اَبْسَلَہٗ لِعَمَلِہٖ اسے اسکے عمل کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ اسنے کیا ہے اسکی سزا بھگتے*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ (۶/۷۰) ۔ ''ایسا نہ ہو کہ کوئی فرد اپنے (غلط) اعمال کی وجہ سے (قرآن کی بخشائشوں سے) محروم رہ جائے'' ۔ اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا (۶/۷۰) ۔''یہ وہ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے محروم کئے گئے ہیں'' ۔ اس سے مفہوم ہے قانون مکافات کی رو سے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا ۔ غلط اعمال کے نتیجہ میں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جانا اور اسطرح انسانی نشوونما کا رک جانا ۔

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ ****راغب ۔ راغب کی عبارت کے ترجمہ کے لئے دیکھیں تتمہ صفحہ ۱۷۲۵ جلد چہارم ۔

ب س م

بَسَمَ ۔ يَبْسِمُ ۔ بَسْماً ۔ انسان کا خوشی اور مسرت میں هلکی سی هنسی هنسنا ، مسکرانا ۔ (قدرے هونٹ کھول کر اور تھوڑے تھوڑے دانت نکال کر)۔ اِبْتَسَمَ وَ تَبَسَّمَ ۔ وہ کم از کم اور حسین ترین هنسی هنسا ۔ مسکرایا ۔ مَابَسَمْتُ فِی الشَّیْیِٔ ۔ میں نے اس چیز کو چکھا تک نہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِکاً (۲۷/۱۹) ۔ ''وہ خوشی سے مسکرایا'' ۔

ب ش ر

بَشَرَةٌ کے معنے انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کے هیں ۔ چنانچه اَلْبَشْرُ کے معنے هیں کھال کو چھیل دینا* ۔ (یعنی اسکے بال صاف کر دینا)۔ پھر اَلبَشَرُ کے معنے خود انسان کے هو گئے، لیکن اس فرق کے ساتھ که بَشَرٌ سے صرف انسان کی طبعی ساخت اور جسمانی بناوٹ مراد هوتی هے۔ اس اعتبار سے هر انسانی بچه (یا انسان) بشر هوتا هے۔ لیکن انسانیت کے جوهر اور خصوصیات هر بشر میں مختلف هونگے۔ چنانچه قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرامؑ جهاں یه کهتے هیں که اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ (میں بھی تمهارے جیسا بَشَر هوں) تو اس سے بشریت کے طبعی تقاضوں کا اشتراک مقصود هوتا هے ۔ جیسا که سورۃ مومنون میں هے مَاهٰذَا اِلاَّ بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یَاْ کُلُ مِمَّا تَاْ کُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (۲۳/۳۳)۔ (انهوں نے کها که) ''یه رسول تمهارے جیسا ایک بشر هی هے ۔ جو کچھ تم کھاتے هو وهی یه کھاتا هے ۔ جو تم پیتے هو وهی یه پیتا هے'' ۔ یعنی اگر اس وحی کو الگ کر لیا جائے جو اسے خدا کیطرف سے ملتی هے تو نبی کی طبیعی خلقت عام انسانوں کی سی هوتی هے ۔ لیکن نبوت (خدا کیطرف سے وحی پانا) ایسی خصوصیت نهیں تھی جسے هر انسان اپنے کسب و هنر سے حاصل کر سکتا ۔ یه خدا کی طرف سے وهبی طور پر ملتی تھی۔ نبی کی بشری حیثیت موت سے ختم هو جاتی هے ۔ لیکن اسکی نبوت (وحی) آگے چلتی هے ۔

عمومی حیثیت سے اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مراد ف طور پر بھی استعمال هوتے هیں ۔ مثلاً ۔ (۱۵/۲۶) اور (۱۵/۲۸) میں ایک جگه اِنْسَانٌ اور دوسری جگه بَشَرٌ

*تاج و محیط ۔

کہا گیا ھے ۔ بَاشِرُوْھُنَّ کے معنے عورت سے مجامعت کرنے کے ھیں (۲/۱۸۷) ۔ اس نہج سے کہ اس میں عورت اور مرد کی جلد سے جلد مل جاتی ھے ۔ کبھی اسکے معنے محض لپٹانے اور بوس و کنار کے بھی آتے ھیں* ۔ لیکن قرآن میں بَاشِرُوْھُنَّ (۲/۱۸۷) کے معنی مجامعت کے ھیں ۔

بِشَارَۃٌ (بالکسر) کے بنیادی معنے ایسی خبر کے ھیں جس سے انسان کے چہرے (کی رنگت) میں تغیر پیدا ھو جائے خواہ وہ خبر خوشی کی ھو یا غم کی ۔ بَشَّرَ کے معنے ھیں اس قسم کی خبر دینا** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی خبر کیلئے بھی یہ لفظ آیا ھے (۳/۲۰) اسی طرح سورۃ نحل میں ھے کہ جب ان لوگوں کو لڑکی پیدا ھونے کی خبر دیجاتی ھے تو انکے چہرے کی رنگت سیاہ ھو جاتی ھے ۔ اسکے لئے بھی بُشِّرَ کا لفظ آیا ھے (۱۶/۵۸)۔ لیکن عام حالات میں بِشَارَۃٌ اچھی خبر کو کہتے ھیں ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا حسن و جمال کے ساتھ ظاھر ھو جانا ھیں ۔

اَبْشَرَ اور اِسْتَبْشَرَ کے معنے بھی خوش ھونے کے آتے ھیں ۔ چنانچہ سورۃ زمر (۳۹/۴۵) میں اِشْمَئَزَّ کے مقابلہ میں اِسْتِبْشَارٌ آیا ھے ۔ اِشْمِئْزَازٌ کے معنے منقبض ھونے کے ھیں ۔

اَلْبَشَارَۃُ (بالفتح) کے معنے حسن و خوبصورتی کے بھی آتے ھیں ۔ اَلْبَشِیْرُ ۔ خوشخبری دینے والے کو کہتے ھیں ۔ اَلْبِشْرُ ۔ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کو کہتے ھیں ۔ اَلتَّبَاشِیْرُ کے معنے خوشخبری کے ھیں، نیز ھر چیز کے ابتدائی حصے کے ۔ صبح کے وقت روشنی کی پہلے پہل رونما ھونے والی کرنوں کو بھی کہتے ھیں ۔

اَلْمُبَشِّرَاتُ ان ھواؤں کو کہتے ھیں جو سحاب بردوش آتی ھیں اور بارش کی خوشخبری دیتی ھیں ۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص۱۸۱۵ جلد چہارم عنوان ب ش ر۔

ب ص ر

بَصَرٌ ۔ قوتِ بینائی۔ (اس میں روشنی اور چمک کا پہلو بھی ھوتا ھے) چنانچہ تیر کے پھل پر جو تھوڑا سا خون لگ جاتا ھے ، جس سے معلوم ھوتا ہے کہ وہ کسی شکار کے لگا ہے، اسے بَصِیْرَۃٌ کہتے ہیں۔ خون کا نشان یا ٹھکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندہی ہوتی ہو۔ نیز چمکدار ڈھال اور زرہ بکتر کو بھی ۔ اس زمین کو جس میں چمکدار اور نرم پتھر ہوں بَصْرَۃٌ کہتے ہیں۔ سخت زمین نیز سفید پتھر کو بھی (تاج)۔ راغب نے چمکدار کا اضافہ کیا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو جان لینا اور کسی چیز کا موٹا ہونا ہیں۔

---

*تاج ۔ ** اقرب الموارد۔

صاحب مصباح نے کہا ہے کہ بَصَرٌ اس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ مُبْصَرَات (نظر آنے والی چیزوں) کا ادراک کر لیتی ہے ۔ اسکے بعد آنکھ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا ۔ نیز بَصَرٌ کے معنے کسی چیز کا دل میں اتر جانا ہیں ۔ اسی وجہ سے اسکے معنے علم کے آتے ہیں ۔ بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں ۔ اور بَصِیْرَةٌ قوتِ ادراک یا ذہانت و فطانت کو کہتے ہیں ۔ نیز حجت اور دلیل کو ۔ اور یقین و ارادہ کو۔ اور عبرت و موعظت کو۔ بَصِیْرَةٌ کے معنے گواہ اور شاہد کے بھی آتے ہیں*۔

قرآن کریم نے اس مادہ کو عام دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے ۔ مثلاً سورۃ اعراف میں ہے أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُوْنَ بِهَا (۷/۱۹۵) ''کیا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں،،۔ اور بَصِیْرٌ کے مقابل أَعْمیٰ (اندھا) کا لفظ لا کر (۲۰/۱۲۵) ان معانی کو واضح کر دیا ہے ۔ لیکن اس نے نَظَر اور بَصَر کے باریک فرق کو نہایت عمدگی سے واضح کر کے بتا دیا ہے کہ بصیرت کا حقیقی مفہوم کیا ہے ۔ سورۃ اعراف میں ہے وَ تَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (۷/۱۹۸) ۔ ''تو دیکھتا ہے کہ انکی آنکھیں تیری طرف ہیں (نظر) لیکن وہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے،، (لَا يُبْصِرُوْنَ)۔ یہاں سے نَظَر اور بَصَر کا فرق واضح ہو جاتا ہے ۔ انہی لوگوں کو (سورۃ یونس) میں عُمْیٌ (اندھے) کہا ہے ۔ یعنی جو بصیرت سے کام نہیں لیتے (۱۰/۴۳) ۔ نیز (۴۷/۱۶) میں انہی جیسوں کے متعلق کہا ہے کہ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ تیری بات سن رہے ہیں حالانکہ وہ اسوقت کسی اور خیال میں مستغرق ہوتے ہیں ۔ اور (جیسا کہ ش ۔ م ۔ ع کے عنوان میں بتایا جائیگا)** بَصِیْرَةٌ اسکی ہوتی ہے جو اپنے علم سے وحی کی راہ نمائی میں کام لے ۔ (۶/۵۰) میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے* ۔ مومن، صاحب بصیرت ہوتے ہیں ، یعنی وحی کی روشنی میں عقل و فکر سے کام لینے والے۔

قرآن کریم میں بَصِیْرَةٌ گواہ اور شاہد کے معنوں میں بھی آیا ہے (۷۵/۱۴) ۔ مُبْصِرَةً (۱۷/۵۹) کے معنے روشن اور واضح دلیل کے ہیں ۔

بصیرت سے سمجھ لینے کے معنوں میں یہ لفظ (بَصِیْراً) سورۃ یوسف میں (۱۲/۹۶) میں آیا ہے ۔ قرآن نے اپنے آپکو بَصَائِرُ کہا ہے (۶/۱۰۵) ۔ یعنی واضح دلائل ۔ کھلی ہوئی حقیقتیں ۔ روشن علم ۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص۱۸۱۵/ ص۱۸۹۶ جلد چہارم، عنوان ب ص ر

*تاج ۔ ** (اس مفہوم کی وضاحت کیلئے س-م-ع ۔ ق-ل-ب اور خ-ت-م کے عنوانات دیکھئے) ۔

ب ص ل

بَصَلٌ - پیاز کو کہتے ہیں* -
قرآن کریم میں یہ لفظ (٢/٦١) میں آیا ہے -

ب ض ع

اَلْبَضْعُ - کاٹنا - بَضَعْتُ اللَّحْمَ - میں نے گوشت کاٹا - گوشت کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا - اَلْبِضْعُ - ایک حصہ - کچھ حصہ**- قرآن کریم میں ہے بِضْعَ سِنِیْنَ (١٢/٤٢) - ''کچھ سال - چند برس،، - لیکن یہ تین سے اوپر اور دس سے کم کے لئے آتا ہے* - اَلْبِضَاعَةُ - مال کا وہ حصہ جس سے تجارت کی جائے** - سامان تجارت - پونجی - سورۃ یوسف میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے - وَاَسَرُّوْہُ بِضَاعَةً (١٢/١٩) ''انہوں نے اسے مال تجارت سمجھ کر چھپائے رکھا،، - بِضَاعَتَهُمْ ''پونجی،، - (١٢/٦٢) و (١٢/٦٥) -

ب ط أ

بَطُؤَ - یَبْطُؤُ - بِطَاءً - تاخیر کرنا - اَبْطَؤُا - ان کے جانور سست رفتار ہو گئے* - راغب نے لکھا ہے کہ اَلْبُطْؤُ کے معنے ہیں چلنے یا اٹھنے میں دیر لگانا - اس اعتبار سے اس نے سورۃ نساء کی اس آیت (وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ٤/٧٢) کے معنے کئے ہیں، ''وہ لوگ جو خود بھی دیر لگائینگے اور دوسروں سے بھی دیر لگوائینگے،، -

ب ط ر

اَلْبَطَرُ - کسی نا اہل کو اگر بہت سی دولت اور قوت مل جائے تو اس سے اس میں جو تکبر، اکڑفوں، اوچھا پن اور اترانے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسے بَطَرٌ کہتے ہیں - اصل میں بَطَرَ - یَبْطُرُ کے معنے ہوتے ہیں پھاڑ دینا - شق کر دینا - (اَلْبَيْطَارُ وٹرنری ڈاکٹر کو کہتے ہیں جو حیوانات کی چیر پھاڑ کرتا ہے) - چونکہ کثرت مال و دولت سے تنگ ظرف انسان کا دیدہ پھٹ جاتا ہے اسلئے اس نفسیاتی کیفیت کو بَطَرٌ کہتے ہیں - اَبْطَرَهُ الْمَالُ - مال و دولت نے اس میں اوچھا پن پیدا کر دیا* -

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا (٨/٤٧) - ''جو اپنے گھروں سے اکڑتے اور اتراتے ہوئے نکلے،، - سورۃ قصص میں ہے - بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (٢٨/٥٨) - جو قومیں اسباب زیست کی فراوانیوں پر اتراتی تھیں -

---

*تاج - **تاج و راغب -

ب ط ش

بَطَشَ۔ یَبْطِشُ۔ کسی چیز کو زبردستی اور طاقت کے ساتھ لے لینا۔ اَلْبَطْشُ۔ سخت گرفت۔ جنگ۔ بَطَشَ عَلَيْهِ۔ اس پر تیزی سے حملہ کیا۔*

قرآن کریم میں ہے اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا (۷/۱۹۵) ''کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو گرفت میں لے سکتے ہیں''۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (۸۵/۱۲)۔ ''تیرے رب (کے قانون مکافات) کی گرفت بڑی سخت ہے''۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰی (۴۴/۱۶)۔ ''جس دن ہم سب سے بڑی شدید گرفت سے پکڑینگے'' (جب ظہور نتائج کا وقت آئیگا)۔ یہ تو قانون عدل و انصاف کی گرفت ہے۔ دوسری طرف ظلم و استبداد کی گرفت ہے جسے ہلاک ہونے والی قوموں کا شیوہ بتایا گیا ہے۔ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (۲۶/۱۳۰) ''جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو جابرانہ انداز سے پکڑتے ہو''۔ کمزور انسانوں کو اس گرفت سے چھڑانے کے لئے خدا کا نظام آتا ہے جو ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

ب ط ل

بَاطِلٌ۔ قرآن میں حَقٌّ کے مقابلہ میں بَاطِلٌ آیا ہے (مثلاً ۲/۴۲)۔ لہذا بَاطِلٌ کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے حَقٌّ کا عنوان دیکھئے جہاں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یعنی ہر وہ چیز یا تصور یا نظریہ جو حق نہیں، وہ بَاطِلٌ ہے۔ مثلاً حَقٌّ کے معنے ٹھوس تعمیری نتائج کے ہیں اسلئے بَاطِلٌ کے معنے تخریبی کوششوں کے یا ایسی کوششوں کے ہونگے جن کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ یعنی بَاطِلٌ صرف تخریبی کوششیں ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام باطل ہے جسکا کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ چنانچہ بَطَلَ الشَّیْءُ کے معنے ہیں کسی چیز کا یونہی ضائع چلا جانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ہوتے ہیں۔ صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے بَاطِلٌ کہتے ہیں۔ یعنی حَقٌّ وہ جو کسوٹی پر پورا اترے اور بَاطِلٌ وہ جو معیار پر پورا نہ اترے۔

---

* تاج و محیط و راغب۔ ** تاج

اِبْطَال کے معنے ھیں کسی چیز کو خراب کر دینا اور زائل کر دینا خواہ وہ چیز حَق ھی کیوں نہ ھو۔ بَطَلَ الاَجِیْر کے معنی ھیں مزدور بیکار ھو گیا۔ *صاحب محیط کے نزدیک بَاطِل ان چیزوں کو کہتے ھیں کہ جن مفادات و مقاصد کیلئے وہ بنائی گئی تھیں ان میں وہ مفادات مِن کُلِّ وَجْہٍ (پوری طرح) باقی نہ رھیں اور انکی صرف صورت باقی رہ جائے**۔ (چنانچہ وہ کہتا ھے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس مادہ کے اصلی معنے خالی ھونا ھوں)**۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے مذھب کے وہ تمام اعمال باطل قرار پا جاتے ھیں جنہیں محض رسماً ادا کیا جائے اور ان سے وہ فائدے حاصل نہ ھو رھے ھوں جن کے لئے انہیں تجویز کیا گیا تھا۔(ح۔ک۔م کا عنوان دیکھئے جہاں یہ بتایا گیا ھے کہ خدا نے قرآن میں قوانین کے ساتھ یہ بھی خود ھی متعین کر دیا ھے کہ ان قوانین سے کیا کیا نتائج مرتب ھونگے)۔ اسی لئے قرآن میں نِعْمَۃ کے بالمقابل بَاطِل آیا ھے (۲۹/۱۲ ؛ ۱۶/۷۲) اس لئے کہ حق پر عمل پیرا ھونے کا لازمی نتیجہ نعمائے حیات کا ملنا ھے۔ اور جہاں نعماء نہ ھوں ظاھر ھے وھاں حق نہیں باطل کارفرما ھے، خواہ ھم اپنے ذھن میں اسے کیسا ھی حق کیوں نہ سمجھ لیں۔ یا حَق کے معنے ھیں وہ شے جو اپنی جگہ پر اٹل ھو، محکم ھو۔ اسلئے بَاطِل اس چیز کو کہتے ھیں جسمیں ثبات نہ ھو*۔ یعنے وہ بظاھر نظر آئے لیکن جب تحقیق کی جائے تو اسمیں ثبات دکھائی نہ دے*۔ چنانچہ قرآن میں ھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (۱۷/۸۱)۔ "حق آگیا اور باطل تباہ ھو گیا۔ باطل ھوتا ھی تباہ ھونے والا ھے"۔ باطل کہتے ھی اسے ھیں جو باقی رھنے والا نہ ھو۔ وہ اسوقت تک باقی رھتا ھے جب تک حق نہیں آتا۔ چراغ آیا اور اندھیرا گیا۔ لہذا باطل کو مٹانے کا طریقہ یہ ھے کہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے والے پروگرام (حق) کو عمل میں لایا جائے۔ تعمیری کوششیں کی جائیں۔ انکے محکم نتائج سے تخریبی اور بیکار کوششیں خود بخود مٹ جائینگی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴)۔ ھمواریوں اور خوشگواریوں سے ناھمواریاں اور ناخشگواریاں خود بخود مٹ جاتی ھیں۔ ناھموار جگہ کو ھموار کر دیجئے، اسکی ناھمواری خود بخود مٹ جائیگی۔

اسی طرح حق کے مختلف معانی کو دیکھئے اور جو چیز اسکی نقیض ھو اسے باطل سمجھئے۔ نیز دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱۶ جلد چہارم عنوان ب ط ل تحت صفحہ ۳۲۶۔

---

*تاج۔ ** محیط

بِطَّالٌ وبَطَلٌ ۔ بہت بہادر آدمی جو دوسرے کے خون کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا اور اسے یونہی ضائع کر دیتا ہے *۔

ب ط ن

بَطْنٌ کے معنی پیٹ۔ اندرونی حصہ۔ اس کی جمع بُطُوْنٌ ہے۔

اَلْبَطْنُ ۔ ظَھْرٌ کی ضد ہے*۔ محیط میں ہے کہ اصلی معنے اس مادہ میں خالی ہونا ۔ فارغ ہونا ہیں**۔ راغب نے کہا ہے کہ ہر چیز کی نیچے کی جہت (Side) کو بَطْنٌ کہتے ہیں اور اوپر کی طرف کو ظَھْرٌ***۔

اَلْبَطْنُ ۔ پیٹ کو کہتے ہیں ۔ جمع بُطُوْنٌ ۔ ہر چیز کا اندرونی حصہ ۔ بَطْنُ الْاَمْرِ ۔ معاملہ کی اندرونی حالت *۔

اَلْبِطَانَۃُ مِنَ الثَّوْبِ۔ کپڑے کا استر۔ اندرونی حصہ۔ اس کی جمع بَطَائِنُ ہے (۵۵:۵۴)۔

یہیں سے اس کے معنے رازداں کے آتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو اندر آجا سکے اور اندرونی معاملات پر واقفیت رکھ سکے*۔ قرآن میں ہے لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ (۳:۱۱۷)۔ '' اپنی جماعت کے افراد کے علاوہ کسی اور کو ایسی پوزیشن نہ دو کہ وہ تمہارے اندرونی رازوں سے واقف ہو جائے ''۔ زجاج نے کہا ہے کہ اَلْبِطَانَۃُ وہ دخیل لوگ کہلاتے ہیں جن کے ساتھ کھل کر بات کی جاتی ہو اور انہیں رازوں میں شریک کر لیا جاتا ہو۔ نیز اس کے معنی راز کے بھی آتے ہیں ۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ آیا ہے (۵۷:۳)۔ اس کے پورے پورے مفہوم کیلئے (ظ ۔ ہ ۔ ر) کا عنوان دیکھئے ۔ جب نگہ بصیرت کائنات کے تخلیقی مظاہر پر غور کرے تو وہ خالق کائنات کے متعلق اندازہ کر سکتی ہے ۔ یعنی اس سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی خالق بھی ہے اور اس محیرالعقول مشنری کے پیچھے کوئی بڑی علیم و حکیم قوت کام کر رہی ہے ۔ اس اعتبار سے خدا اَلظَّاھِرُ ہے ۔ لیکن وہ اپنی کنہ و حقیقت کے اعتبار سے نگاہوں سے پوشیدہ ہے ۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (۶:۱۰۴) ۔ '' وہ نگاہوں کے ذریعے ہمارے ادراک میں نہیں آ سکتا ''۔ اس لحاظ سے وہ اَلْبَاطِنُ ہے ۔ (ظہور اور بطون کے دوسرے گوشے (ظ ۔ ہ ۔ ر) کے عنوان میں سامنے آئینگے ۔ اسے بھی ساتھ ہی دیکھ لیجئے) ۔ یاد رکھئے ، ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ سے یہ مراد لینا کہ جو کچھ کائنات میں ظاہر ہے وہ بھی خدا ہے اور جو اس کے باطن میں

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

ہے وہ بھی خدا ہی ہے ۔ یعنی ان محسوسات کے پردوں میں خود خدا ہے، باطل عقیدہ اور قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے ۔ اس عقیدہ کو تصوف کی اصطلاح میں '' وحدت وجود '' یا '' ہمہ اوست '' کہا جاتا ہے جو ہندوؤں کے فلسفہ و یدانت کا چربہ ہے ۔ ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۶/۱۲۱) سے مراد ہے گناہ کی محسوس وغیر محسوس شکلیں۔ اس میں نگاہ کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں۔

ب ع ث

بَعْثٌ کے بنیادی معنے ہیں وہ چیز جو کسی کی آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو اسے راستہ سے ہٹا دینا ، اس قسم کے موانع کو دور کر دینا ، اور یوں اس کی حرکت کو جاری کر دینا ۔ بَعَثَ النَّاقَةَ ۔ اس نے اونٹنی کی رسیاں وغیرہ کھول کر اسے آزاد چھوڑ دیا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے ہوتے ہیں ۔ سورۃ تطفیف میں ہے کہ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۔ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ (۸۳/۴-۵) اس سورۃ میں قرآن کریم نظام معیشت کے ایک بنیادی اور عظیم اصول کو سامنے لایا ہے ۔ اس نے پہلے یہ کہا ہے کہ نظام سرمایہ داری میں '' تاجرانہ ذہنیت '' یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ دار جب دوسرے سے لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب (مزدور کو) دیتا ہے تو جس قدر وہ پیدا کر کے دیتا ہے ، اسے اس سے کم دیتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام کی بنیاد ہی اس ذہنیت اور منہاج پر ہے ۔ لیکن خدا کا قانون یہ نہیں چاہتا ۔ وہ کسی کو اس سے کم نہیں دینا چاہتا جو وہ پیدا کرتا ہے ۔ اس سے پورے کا پورا معاشی نظام بدل جاتا ہے ۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کے حامل یہ سمجھتے ہیں کہ جو نظام انہوں نے قائم کر رکھا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا ۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے ۔ یہ نظام ضرور الٹ کر رہیگا ۔ اس لئے ان لوگوں کو جو یوں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے (اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ) تو یہ اس انقلاب عظیم تک کے لئے (لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ) ہے جس میں تمام نوع انسانی، اس غلط نظام سے تنگ آ کر، خدا کے نظام ربوبیت عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی (یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۸۳/۶)) ۔ نظام سرمایہ داری جو اس طرح بے روک ٹوک (ناقہ بے زمام کی طرح) بڑھے جا رہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تنگ آ کر، بہ ہیئت مجموعی، نظام ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے، جس میں لینے اور دینے میں کم اور بیش کا سوال ہی نہیں ہوگا ۔

---

* تاج و لین ۔

اَلْبَعْثُ کے معنے کسی کو بھیجنے کے بھی ہیں ۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِہِمْ مُوْسیٰ (۷/۱۰۳) "پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو بھیجا"۔ نیز کسی بیٹھی ہوئی چیز کو اٹھا دینا نیز یہ لفظ نیند سے جگا دینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے*۔(دیکھئے ۱۸/۱۹)۔ اَلْبَعِیْثُ۔ راتوں کو بار بار جاگنے والا ۔ اِنْبَعَثَ فُلَانٌ لِشَانِہٖ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص جذبہ میں بھر کر اٹھ کھڑا ہو اور اپنا کام کرنے کو چل دے۔

بَاعِثٌ کے معنی سبب یا جذبہ محرکہ کے بھی ہیں (Cause or Motive) کیونکہ وہ عمل کے رستہ کے موانع کو ہٹا کر انسان کو کام کے لئے اٹھا دیتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ (۲/۵۶) ۔ "پھر ہم نے تمہیں غش کی حالت کے بعد اٹھا کر کھڑا کیا"۔ یعنی تمہارے ہوش کی راہ میں جو موانع تھے انہیں دور کرکے پھر سے ہوش میں لے آئے ۔ اسی سورۃ میں آگے ہے فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ (۲/۲۵۹) ۔ "پھر اللہ نے اسے سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور پھر اسے اٹھا کھڑا کیا"۔ یہ قوموں کی اجتماعی موت اور زندگی کا تمثیلی بیان ہے ۔ یہاں بَعَثَ کے معنی ان موانع کو دور کرنے کے ہیں جو کسی قوم کی نشأۃِ ثانیہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ۔ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد ، بنی اسرائیل کی یہی حالت رہی تھی ۔ (تفصیل میری کتاب "برق طور" میں ملیگی) ۔

رسول بھیجنے کے معنوں میں دیکھئے (۲/۱۲۹) اور کسی کو کسی کام کیلئے مقرر کر دینے کے معنوں میں (۴/۳۵) میں، جہاں کہا ہے فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِنْ اَھْلِہٖ ۔ "اس کے خاندان میں سے کسی کو ثالث مقرر کر دو"۔

بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ (۱۷/۵) کے معنے ہیں، تم پر انہیں غالب کر دیا ۔

یَوْمُ الْبَعْثِ یا یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ یَوْمِ الدِّیْنِ کی طرح قرآن کی اہم اصطلاحات ہیں جن کا صحیح مفہوم ہر مقام پر سیاق و سباق کے مطابق متعین کیا جا سکتا ہے ۔ بنیادی معنی ان کے حیاتِ نو یا ظہور نتائج کے وقت کے ہیں ۔ خواہ یہ حیاتِ نو اسی دنیا میں (قوموں کی اجتماعی موت کے بعد) ملے۔ یا مرنے کے بعد دوسری زندگی (حیاتِ آخرت کی شکل میں) ۔

* تاج و لین ۔

ب ع ث ر

بَعْثَرَهٗ ۔ اسے دیکھا اور تلاش کیا ۔ بَعْثَرَ الشَّیْئَ ۔ اس نے اس چیز کو نکال کر اسے کھول دیا ۔ بَعْثَرَ الْحَوْضَ ۔ اس نے حوض کو منہدم کر کے اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا ۔ بَعْثَرَ مَتَاعَہٗ، اس نے اپنے سامان کو الٹ پلٹ کر دیا ۔ اَلْبَعْثَرَۃُ ۔ جی متلانے کو کہتے ھیں* ۔ اس میں بھی الٹ پلٹ کرنے کا تصور موجود ہے ۔

قرآن میں ہے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۸۲/۴) ۔ '' جب قبور کو الٹ پلٹ کیا جائیگا ،، ۔ (قُبُوْرٌ کیلئے دیکھئے عنوان (ق ۔ ب ۔ ر) ۔ جب تلاش و تفتیش کے بعد دبی ہوئی چیزیں نکالی جائینگی ۔ یعنی اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۱۰۰/۹) ۔ جو کچھ قبور''میں ہے جب اسے باہر نکالا جائیگا ،، ۔

ب ع د

بُعْدٌ دوری، دور ہونا، یہ قُرْبٌ کی ضد ہے قَرِیْبٌ بمقابلہ بَعِیْدٌ (۲۱/۱۰۹) ۔ بَعِدَ ۔ یَبْعَدُ ۔ بَعَدًا وَ بُعْدًا ۔ ہلاک ہونا ۔ تباہ و برباد ہو جانا* ۔ (زندگی کی خوشگواریوں سے دور ہو جانا) ۔ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۱۱/۴۴ و ۱۱/۶۸) ''ظالم قوم کے لئے تباہی ہے،، ۔ ان کے لئے زندگی کی خوشگواریوں سے محرومی ہے ۔ بَعِیْدٌ و بَاعِدٌ و بُعَادٌ ۔ دور ہونے والا ۔ تباہ ہونے والا* ۔ بَعْدُ ۔ قَبْلُ کی ضد ہے ۔ یعنی گزرے ہوئے زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ* ۔

اَلْاَبْعَدُ ۔ اَقْرَبُ کی ضد ہے ۔ نیز خائن کو بھی کہتے ھیں ۔ اور اَلْبُعَدَاءُ ۔ اجنبی لوگوں کو کہتے ھیں* ۔

بَعْدُ کے معنے غَیْرُ کے بھی آتے ھیں ۔ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ (۴۵/۲۳) ۔ اسکے معنے ھیں ''خدا کے سوا ''مِنْ غَیْرِاللّٰہِ،، اسے کون راہ نمائی دے سکتا ہے،، ۔ صحیح راہ نمائی صرف خدا کے قانون سے مل سکتی ہے ۔

نیز اسکے معنے ''با وجود،، کے بھی ھیں ۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۷۸) ۔ ''جو اسکے باوجود سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے،، ۔

---

*تاج و محیط ۔

ب ع ر

اَلْبَعِيْرُ - اونٹ - جوان اونٹ - نیز اَلْبَعِیْرُ گدھے کو بھی کہتے ھیں- اصل میں یہ اس جانور کیلئے بولا جاتا ھے جس پر بوجھ لادا جائے- بار برداری کا جانور - اَلْبَعْرُ- مینگنی کو کہتے ھیں* - سورۃ یوسف میں حِمْلُ بَعِیْرٍ (۱۲/۷۲) آیا ھے - یعنے ایک اونٹ (یا گدھے) کا بوجھ -

ب ع ض

بَعْضٌ - ھر چیز کا کچھ حصہ خواہ وہ کم ھو یا زیادہ (۲/۸۵) - مثلاً آٹھ ، دس کا بعض ھے اور دو بھی دس کا بعض ھے- آٹھ اور دو ذونوں ملکر دس ھو جاتے ھیں- بَعَّضَ الشَّیْءَ کے معنے ھیں چیز کو تقسیم کردیا- تَبْعِیْضٌ کے معنے ھیں الگ الگ کردینا - تقسیم کر دینا* -

سورۃ بقرہ میں ھے اِذَ اخَلاَ بَعْضُھُمْ اِلیٰ بَعْضٍ (۲/۷۶) - ''جب ان میں سے کچھ لوگ اپنے دوسرے لوگوں سے خلوت میں ملتے ھیں یا انکی طرف چلے جاتے ھیں،،- بَعْضُنَا -''ھم میں سے کوئی یا کسی نے،،- بعض ائمہ لغت نے کہا ھے کہ بَعْضٌ کے معنے کُلٌّ کے بھی آتے ھیں اور اسکی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کی ھے - یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِی یَعِدُکُمْ (۴۰/۲۸) ''جن باتوں کی تمھیں دھمکی دی جاتی ھے وہ سب تم پر واقع ھو کر رھینگی،،** - لیکن اس کے معنی ''بعض،، بھی ٹھیک ھیں - نیز (۴۳/۶۳) -

بَعُوْضَةٌ (جسکی جمع بَعُوْضٌ آتی ھے) مچھر کو کہتے ھیں (۲/۲۶)- چونکہ باقی حیوانات کے مقابلہ میں اسکا جسم بہت چھوٹا ھوتا ھے اسلئے یہ بَعْضٌ سے ماخوذ ھے*** -

ب ع ل

بَعْلٌ- بلند زمین جس تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکتا ھو - ھر درخت، بوٹا یا کھیتی جو بغیر آب پاشی کے اپنی جڑوں سے آپ پانی کھینچ لے- بلندی اور غیر محتاجی کے اعتبار سے بَعْلٌ کے معنے مالک اور آقا کے ھو گئے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) صاحب (۲) حیرت اور دھشت اور (۳) اونچائی لکھے ھیں- ''صاحب،، میں رفیق اور ساتھی بھی آجاتے ھیں- راغب نے کہا ھے کہ اھل عرب اپنے بتوں کا نام بَعْلٌ رکھتے تھے کیونکہ وہ

---

*تاج و محیط و راغب - ** لین - ***تاج

انہیں بلند اور برتر خیال کرتے تھے۔ اسی طرح چونکہ ان کے مُعاشرہ میں تصور یہ تھا کہ مرد، عورت پر غالب ہوتا ہے اسلئے وہ خاوند کو بھی بَعْلٌ کہنے لگے۔ اسکی جمع بُعُوْلَۃٌ ہے۔ نیز ہر اس چیز کو جو دوسری چیزوں پر غلبہ و استیلاء رکھتی ہو۔ لیکن چونکہ انہیں اسکا بھی احساس تھا کہ ہر مستبد اور متغلب دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے اسلئے وہ بوجھ کو بھی بَعْلٌ کہتے تھے۔ چنانچہ أَصْبَحَ فُلَانٌ بَعْلاً عَلیٰ أَهْلِهٖ کے معنے ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں پر بوجھ بن گیا ہے*۔

چونکہ عربوں میں خاوند کیلئے بَعْلٌ کا لفظ رائج تھا اسلئے قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے (۲/۲۲۸ و ۲۴/۳۱)۔ یعنے غلبہ واستیلاء کے معنوں میں نہیں بلکہ خاوند کے معنوں میں۔ بلکہ لین نے (مختلف اسناد سے) لکھا ہے کہ زَوْجٌ کیطرح بَعْلٌ بھی خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز جسطرح زَوْجٌ سے زَوْجَۃٌ آتا ہے اسی طرح بَعْلٌ سے بَعْلَۃٌ آتا ہے۔ اس لئے اس میں غلبہ و استیلاء کا مفہوم نہیں۔ صرف میاں بیوی ہونے کا مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے جب نکاح کو بہ طیب خاطر معاہدہ قرار دیا ہے تو اس میں کسی فریق کے غلبہ و استیلاء کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

صاحب محیط کے نزدیک بَعْلٌ اور زَوْجٌ میں فرق یہ ہے کہ زَوْجٌ تو ہر خاوند کو کہتے ہیں لیکن بَعْلٌ اسوقت کہتے ہیں جب وہ بیوی سے جنسی اختلاط کر چکا ہو***۔

حضرت الیاسؑ کی قوم اپنے بت کو بَعْلٌ کہتی تھی (۳۷/۱۲۵)۔ یہ سامی قبائل میں سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام میں خصوصیت سے اسکی پرستش ہوتی تھی۔ تورات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے (مثلاً تواریخ ۲۔ ۳۳/۳)۔

ب غ ت

اَلْبَغْتُ والْبَغْتَۃُ۔ یکبارگی۔ اچانک۔ اَلْمُبَاغَتَۃُ۔ ایک دوسرے کے پاس اچانک پہنچ جانا*۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں کسی چیز کا یکبارگی ایسی جگہ سے نمودار ہو جانا جہاں سے گمان بھی نہو**۔ قرآن میں ہے اِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً (۶/۳۱) "جب ان پر الساعۃ اچانک آجائیگی"۔ (اَلسَّاعَۃُ کسطرح اچانک اور یکبارگی آتی ہے، اسکے لئے

*تاج **راغب۔ ***محیط۔

س۔ و۔ ع کا عنوان دیکھئے)۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ھے ... اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَھْرَۃً (۶/۴۷)۔ "تم پر خدا کا عذاب اچانک آ جائے یا اسطرح کہ پہلے اس کی علامات ظاہر طور پر تمہارے سامنے آئیں اور اس کے بعد عذاب آئے"۔ اس سے واضح ھے کہ بَغْتَۃً اس انداز کو کہینگے جس میں کوئی واقعہ تدریجی یا ارتقائی طور پر (Bv Evolution) نمودار نہ ھو بلکہ انقلابی طور پر (By Revolution) یا دور حاضر کی تحقیق کے مطابق، فجائی ارتقاء کے طریق سے (by Emergent Evolution) واقع ھو۔ اس حقیقت کو سمجھ لینا چاھئیے کہ ھر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ھونا شروع ھو جاتا ھے لیکن وہ محسوس شکل میں ھمارے سامنے کچھ وقت کے بعد آتا ھے۔ چنانچہ سورۃ انبیاء میں ھے فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ... (۲۱/۱۲)۔ "جب انہوں نے ھمارے عذاب کو محسوس کیا"... یعنی وہ عذاب غیر محسوس شکل میں تو پہلے سے مرتب ھو رھا تھا لیکن ان کے سامنے محسوس شکل میں بعد میں آیا تھا۔ بعض صورتوں میں اس آنے والے عذاب (یعنی نتائج) کی علامات ظہور سے پہلے سامنے آنا شروع ھو جاتی ھیں۔ (اسے جَھْرَۃً کہینگے)۔ اور بعض اوقات اس کا علم اس وقت ھوتا ھے جب وہ سامنے آ کھڑا ھوتا ھے (یہ بَغْتَۃً ھے)۔ یعنی فَاَتٰھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (۳۹/۲۵)۔ "ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کی انہیں خبر تک نہ ملی"۔ جو ان کی عقل و شعور میں نہیں آ سکتی۔ سطح بین قومیں اپنی تباھی کے اسباب کا اندازہ ان واقعات اور عناصر سے لگانے کی کوشش کرتی ھیں جو تباھی واقع ھونے کے وقت محسوس طور پر ان کے سامنے آتے ھیں۔ لیکن ان اسباب کا سراغ در حقیقت بہت پیچھے جا کر لگانا چاھئیے۔

ب غ ض

اَلْبُغْضُ۔ یہ لفظ الحُبُّ (محبت) کی ضد ھے۔ یعنی کسی چیز سے دل کا متنفر اور بیزار ھونا، اَلْبَغْضَاءُ۔ شدت بغض کو کہتے ھیں*۔ (۳/۱۱۷)۔

ب غ ل

اَلْبَغْلُ۔ خچر*۔ جمع بِغَالٌ (۱۶/۸)۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی جسمانی قوت کے ھیں۔ خچر کو اَلْبَغْلُ اسکی مضبوطی کی وجہ سے کہتے ھیں۔ اَلتَّبَغُّلُ جسم کا موٹا اور سخت ھونا*۔ چونکہ خچر، گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی "بَغْلٌ" کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو۔

*تاج۔ راغب۔ محیط۔

ب غ ی

اَلْبَغْیُ - درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش (خواہ حد سے تجاوز کرسکے یا نہ کر سکے) - اَلْبَغْیُ بہت زیادہ بارش کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے - بَغَتِ السَّمَاءُ بادل اپنی حد سے بڑھ گیا - بہت زیادہ برسا - یہ اس لفظ کے بنیادی معنے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنی (۱) کسی چیز کو طلب کرنا - اور (۲) بگڑ جانا ہیں -

فِئَۃٌ بَاغِیَۃٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو حدود شکنی کرے اور نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہو - اور اَلْبَغَایَا ان ہر اول دستوں کو کہتے ہیں جو لشکر کے پہنچنے سے پہلے انتظامات کرنے کے لئے چلتے ہیں -

بَغٰی یَبْغِیْ - اسنے تکبر کیا اور اپنی حد سے بڑھ گیا - تَبَاغَوْا - ایک دوسرے پر زیادتی کرنا -

بَغَتِ الْمَرْاَۃُ بِغَاءً - عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہو گئی - بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار عورت کو کہتے ہیں -

بَغٰی عَلَیْہِ کسی پر زیادتی کرنا - ظلم کرنا - دست درازی کرنا - نیز حسد کرنا (کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا ہے)*-

اِبْتِغَاءٌ - کسی چیز کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرنا - اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو یہ کوشش بھی محمود ہو جاتی ہے - ورنہ مذموم *-

اَلْبِغْیَۃُ اور اَلْبُغْیَۃُ - اس مطلوب چیز کو کہتے ہیں جسکے حصول کی اسطرح کوشش کی جائے - اس گم گشتہ چیز کو بھی کہتے ہیں جسکی بہت زیادہ تلاش کی جائے - اَلْبَاغِیْ - تلاش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں *-

اِنْبَغٰی الشَّیْءُ کے معنے ہیں کسی چیز کا آسان ہو جانا ، مہیا ہو جانا ، یا مناسب ہونا - چنانچہ مَا یَنْبَغِیْ کے معنے ہیں ، یہ درست نہیں - یہ مناسب نہیں - یہ ممکن نہیں - جائز نہیں* - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یَنْبَغِیْ میں دو چیزوں میں سے ایک کی طرف رجحان اور دوسری کے جواز کا پہلو مضمر ہوتا ہے** - سورۃ یٰسٓ میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ ($\frac{۳۶}{۶۹}$) - ہم نے رسول کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی

*تاج - ** محیط -

ایک داعی انقلاب کی نفسیاتی کیفیت ایسی ہو سکتی ہے کہ اس پر حقائق کے مقابلہ میں جذبات غالب ہوں ۔ (یہی شاعر کی نفسیات ہے) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (۳٦/٦٩) ۔ اسے جو کچھ دیا گیا ہے وہ تاریخ کے محکم نوشتے ہیں اور زندگی کے واضح قوانین ۔ ان میں جذباتی تلون انگیزیوں کا کیا دخل؟ (مزید تفصیل ش ۔ ع ۔ ر کے عنوان میں ملیگی) ۔

سورۃ حج میں ہے بُغِيَ عَلَيْهِ (۲۲/٦۰) جس پر زیادتی ہوئی ہو قارون کے متعلق ہے کہ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (۲۸/۷٦) ''وہ ان پر زیادتی کرتا تھا،، یا ان سے آگے بڑھا ہوا رہنا چاہتا تھا ۔ نیز اسکے معنے حکومت اور سلطنت طلب کرنے کے بھی ہیں *۔

سورۃالنساء میں ہے وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ (۴/۱۰۴) '' دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو،، ۔ اسکی تلاش میں پیچھے جانے کی پوری پوری کوشش کرو ۔ سورۃ آل عمران میں اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ (۳/۷) آیا ہے ۔ یعنے فتنہ پیدا کرنے کی انتہائی خواہش ۔

سورۃ نور میں الْبِغَاءِ کا لفظ زناکاری کے لئے آیا ہے (۲۴/۳۳) ۔ لیکن سورۃ مریم میں بَغِيًّا کا لفظ حدود شکن کیلئے (۱۹/۲۰) آیا ہے ۔ خاص طور پر زناکار کے لئے نہیں ۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میں ھیکل میں (Nun) کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور (Nuns) کے متعلق '' قانون شریعت ،، یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں ۔ مینے اس قانون کو نہیں توڑا ۔ واضح رہے کہ ھیکل کے احبار و رہبان حضرت مریم ؑ کے خلاف یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ھیکل سے نکل کر متاہل زندگی اختیار کر لی ہے اور یہ چیز شریعت خانقاہیت کے خلاف ہے ۔ اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدود شریعت کو نہیں توڑتی تھی ۔ (۱۹/۲۸) تو نے حدود شکنی کیسے اختیار کر لی؟ حضرت عیسیٰ ؑ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ حدود ، تمہاری خود ساختہ شریعت کی ہیں ۔ مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے ۔ اور کتاب دی ہے ۔ اس کتاب میں ایسا کوئی قانون نہیں ۔ اس لئے میری والدہ نے قانون خداوندی کے خلاف کچھ نہیں کیا ۔ مزید برآں اس ضمن میں دیکھئے تبویب صفحہ ۱۸۱ جلد چہارم عنوان ب غ ی ۔

سورۃ بقرہ میں ہے کہ یہودی قرآن کریم کی مخالفت محض اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں حسد ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے ایک شخص کی طرف کیوں نازل ہو گیا ہے ۔ اس کے لئے بَغْيًا آیا ہے (۲/۹۰) ۔

---

* غریب القرآن (میرزا ابوالفضل)

قرآن کریم میں کھانے پینے کی حرام اشیاء کے تذکرہ کے بعد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (۲/۱۷۳)۔ بھوک سے جس شخص کی جان پر آبنے تو اس پر کوئی جرم نہیں (کہ وہ ان حرام چیزوں کو استعمال کرلے) بشرطیکہ وہ اتنا ہی لے جتنی اسے ضرورت ہے ۔ اور حد سے نہ بڑھے اور نہ ہی اسکی نیت قانون شکنی کی ہو۔ یعنی نہ تو وہ محض اس لئے کھائے کہ اس کا جی چاہتا ہے اور نہ ہی زائد ازضرورت لے ۔

ب ق ر

بَقْرٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو چیرنا پھاڑنا ۔ جیسے کسی جانور کا پیٹ چاک کرنا ۔ اسائے بَقَرَ الْعِلْمَ کے معنے ہیں علم کی گہری تحقیق و تجسس کرنا ۔ بَاقِرٌ کے معنے شیر کے بھی ہوتے ہیں اور علمی محقق کے بھی*۔

بَقَرٌ ۔ گائے اور بیل (دونوں) کو کہتے ہیں * ۔ یہ جمع ہے ۔ اس کا واحد بَقَرَةٌ ہے ۔ قصہ بنی اسرائیل میں یہ لفظ (۲/۶۷) میں آیا ہے ۔ مابعد آیات میں جو کچھ مذکور ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مطلب سانڈ تھا جس سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ دیوتاؤں کے نام پر ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ مصر میں سانڈ کی پرستش ہوتی تھی اور یہی جذبہ تھا جو بنی اسرائیل کے دلوں کی گہرائی میں (شعوری یا غیرشعوری طور پر) جا گزیں ہو چکا تھا ۔ اسی جذبہ عقیدت کو دور کرنے کے لئے ذبح بقر کا حکم دیا گیا تھا ۔

ب ق ع

اَلْبَاقِعُ ۔ چتکبرا کوا یا کتا ۔ اس کے بنیادی معنی رنگوں کا مختلف ہونا ہیں (ابن فارس) ۔ اَلْبَاقِعَةُ ۔ ایک پرندہ جو بہت ہوشیار اور چوکنا ہوتا ہے اور ہر وقت ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی شکاری اس کی گھات میں تو نہیں ، وہ پانی پینے کے لئے بھی دوسرے پرندوں کی روش سے ہٹ کر کسی نامانوس جگہ پر آتا ہے*۔ پہلے معنوں کے لحاظ سے اَرْضٌ بَقِعَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کہیں گھاس اور سبزہ ہو اور کہیں خشکی ۔ یعنی چتکبری زمین۔ اَلْبُقْعَةُ زمین کا ایسا قطعہ جو اپنے آس پاس کی زمینوں سے الگ ہو* ۔

قرآن کریم میں ہے فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ (۲۸/۳۰) ۔ ''درخت والے مبارک قطعہ'' زمین میں (جو باقی زمینوں سے الگ

*تاج و لین **تاج و محیط ۔ ۔

تھا)'' - ویسے اَلْبَقْعَةُ ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو گیا ہو* -

ب ق ل

بَقَلَ الشَّيْءُ - چیز ظاہر ہو گئی - بَقَلَتِ الْاَرْضُ - زمین پر سبزیاں نمودار ہو گئیں - راغب نے کہا ہے کہ بَقْلٌ ان سبزیوں کو کہتے ہیں جن کی جڑیں اور شاخیں سردیوں میں باقی نہیں رہتیں* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روئیدگی کے ہیں - ابو زیاد نے کہا ہے کہ جو کچھ زمین سے پہلے پہل نکلے اسے بَقْلٌ کہتے ہیں - اقرب الموارد میں ہے کہ بَقْلٌ ایسی سبزی کو کہتے ہیں جو (آلو - گاجر - شلجم کی طرح) زمین کے اندر پیدا نہ ہوتی ہو بلکہ (میتھی، پالک، گوبھی، ٹماٹر وغیرہ کیطرح) زمین کے اوپر پیدا ہوتی ہو -

قرآن کریم میں یہ لفظ سبزی ترکاری کے معنوں میں ($\frac{۲}{۶۱}$) میں آیا ہے -

ب ق ی

بَقِيَ - يَبْقىٰ - بَقَاءً - کسی چیز کا اپنی حالت پر قائم رہنا - تغیر پذیر نہ ہونا - یہ فَنَاءٌ کی ضد ہے جس کے معنے تغیر پذیر ہو جانا ہیں - اِبْقَاءٌ - اِسْتِبْقَاءٌ - باقی رکھنا* - نیز اس کے معنے حفاظت اور نگہبانی کے بھی آتے ہیں* -

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے - لیکن ذاتِ خداوندی تغیرات سے بلند ہے - اسی طرح اس کا قانون بھی تغیر پذیر نہیں ہوتا - یہی مستقل اقدار ہیں - جو اعمال اس کے قانون کے مطابق سر زد ہوں ان کے نتائج بھی غیر متبدل ثمرات کے حامل ہوتے ہیں - اس سے انسانی ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تغیرات سے بلند ہو جاتی ہے - ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیرات کی دنیا میں غیر متغیر رہتی ہے (Changelessness in Change) - (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب '' نظام ربوبیت '' نیز من و یزداں - اور معارف القرآن کی پانچویں جلد جس کا عنوان ہے '' انسان نے کیا سوچا '') -

---

*تاج و محیط -

ان معانی کی روشنی میں ان الفاظ کو دیکھئے جو قرآن کریم میں اس مادہ (بَقِیَ) سے آئے ہیں، بات واضح ہو جائیگی ۔ سورۃ النحل میں ہے مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَاللهِ بَاقٍ (۱۶/۹۶)۔ ''جو کچھ تمہارے پاس تمہارے اپنے تصورات کے مطابق ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ لیکن جو کچھ قانون خداوندی کے مطابق حاصل ہوتا ہے (خواہ وہ زیست کی خوشگواریاں ہوں اور خواہ انسانی ذات کی نشو و نما) وہ تغیر نا آشنا ہوتا ہے''۔ سورۃ کہف میں ہے ۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ ''دولت۔ اولاد، یہ انسان کی قریبی (طبعی) زندگی کی زینت کی چیزیں ہیں''۔ یہ بھی بُری نہیں کہ ان سے اجتناب کیا جائے ۔ لیکن وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا (۱۸/۴۶)۔ ''خدا کے قانون ربوبیت کی رو سے بہترین اعمال وہ ہیں جن کے صلاحیت بخش نتائج تغیر پذیر نہیں ہوتے''۔ انہی کی امید رکھنا بہترین نصب العین حیات ہے ۔ اسی طرح سورۃ ہود میں بَقِيَّةُ اللهِ (۱۱/۸۶) اس دولت اور سامان کو کہا گیا ہے جو خدا کے قانون کی رو سے حاصل کیا جائے ۔ اس سے ذرا آگے اُولُوْا بَقِيَّةٍ (۱۱/۱۱۶) ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو قانون خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں ۔ اور كَلِمَةً بَاقِيَةً (۴۳/۲۸) توحید کی تعلیم (ضابطہ قوانین خداوندی کی اصل و بنیاد) جسے حضرات انبیاء کرام اپنے متبعین کو دیکر جاتے تھے۔ اور جو کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتی ۔ ساحرین دربار فرعون نے اسی کو خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (۲۰/۷۳) کہا ہے ۔ یعنی سب سے زیادہ تغیر نا آشنا ۔

سورۃ الرحمٰن میں ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (۵۵/۲۶) اس کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے ۔ وہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہی ہے۔ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (۵۵/۲۷) ۔ لیکن خدا کی ذات تغیرات سے ماوراء ہے ۔ اور اسکی صفت ربوبیت اور اسکا قانون ربوبیت اور اسکے نتائج و اثرات بھی تغیر نا آشنا ہیں۔ ''فَنَا'' کا جو مفہوم ہمارے ہاں رائج ہے اور جسکا مطلب معدوم ہو جانا ہے وہ درست نہیں ۔ (اسکے لئے دیکھئے عنوان ف ۔ ن ۔ ی)۔ وَجْهِ رَب کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و ۔ ج ۔ ہ) دیکھئے۔

بَقِيَّةُ الشَّيْءِ ۔ کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ ۔ لیکن اسے اس چیز کی جنس میں سے ہونا چاہئے۔ لہذا بھائی کو بَقِيَّةُ الْاَبِ نہیں کہہ سکتے*۔

بنی اسرائیل کے تابوت سکینت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ (۲/۲۴۸) تھا ۔ یعنی جو کچھ آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا تھا اس کا باقیماندہ حصہ۔

---

* محیط ۔

ب ک ر

اَلْبِکْرُ جمع اَبْکَارٌ کنواری عورت، نیز وہ مرد جو ابتک کسی عورت کے پاس نہ گیا ہو۔ پہلا بچہ دینے والی عورت یا اونٹنی۔ پہلا بچہ، ہر پہلی چیز۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ گائے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو یا نو جوان ہو۔ لَا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ (۲/۶۸) "نہ بوڑھی ہے نہ نو جوان"۔

اَلْبُکْرَۃُ۔ صبح۔ دن کا پہلا اور ابتدائی حصہ*۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاِبْکَارُ۔ طلوع فجر سے چاشت کے وقت تک کی مدت کو کہتے ہیں۔ (۱۹/۱۲ و ۳/۴۰) نیز اسکے نزدیک بَکْرٌ کے مادّہ کے اصلی معنے شق کرنے یا قطع کرنے کے ہیں**۔

ایسی چیزوں کو بھی جن کی پہلے نظیر نہ ہو، اَبْکَارٌ کہتے ہیں***۔ (۵۶/۳۶-۳۵) میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی صحیح تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ سے ان میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ وہ ایسی مخلوق بن گئیں جس کی پہلے نظیر نہ تھی۔ وہ عہد جاھلیہ کی عورتوں سے یکسر مختلف ہو گئیں۔

ب ک ک

بَکَّہٗ۔ یَبُکُّہٗ۔ بَکًّا۔ کسی چیز کو پھاڑ دینا۔ متفرق کر دینا۔ کسی پر ھجوم کرنا۔ مزاحمت کرنا۔ بَکَّ عُنُقَہٗ۔ اسنے اسکی گردن توڑ دی*۔

مکہ مکرمہ کا نام بَکَّۃٌ بھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا (۳/۹۵)۔ "یقیناً پہلا گھر جو نوع انسان کے لئے مقرر کیا گیا وھی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت"۔ اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ لوگ اسکی طرف ھجوم کر کے آتے ہیں اور طواف میں بڑا ازدحام ہوتا ہے اسلئے اسے بَکَّۃٌ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں سرکشوں اور ظالموں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اسلئے اس کا یہ نام ہے۔ لیکن راغب کا خیال ہے کہ یہ مَکَّۃٌ ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ عربی میں میم کے باء کے

*تاج۔ **محیط۔ ***قاموس۔

ساتھ بدل جانے کی کئی مثالیں ملتی ھیں** ۔ مثلاً سَبَدَ اور سَمَدَ ۔ ایسے ھی لاَزِبٌ اور لاَزِمٌ ۔** ھر دو لفظ خواہ ''ب'' سے ھوں یا ''میم'' سے ایک ھی معنی رکھتے ھیں ۔

ب ک م

بَکَمٌ کے معنے ھیں گونگا ھونا ۔ ازھری نے کہا ھے کہ اَبْکَمُ اور اَخْرَسُ میں یہ فرق ھے کہ اَخْرَسُ اسے کہتے ھیں جو پیدائشی طور پر بول ھی نہ سکتا ھو اور اَبْکَمُ اسے کہتے ھیں جو بولتا تو ھو لیکن حاضر جواب نہ ھو اور طریقہ سے بات نہ کرنے کی وجہ سے اسکی بات سمجھ میں نہ آتی ھو ۔ لیکن اَبْکَمُ اس شخص کو بھی کہتے ھیں جو پیدائشی طور پر گونگا بہرا اور اندھا ھو* ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اَبْکَمُ (جسکی جمع بُکْمٌ ھے) اسے کہتے ھیں جو جہالت کی وجہ سے یا دانستہ بولنے چالنے سے گریز کرے ۔ نیز جو بات کو واضح طور پر بیان نہ کر سکے ۔

قرآن کریم میں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ آیا ھے (۲/۱۸) ۔ جہاں بُکْمٌ کے معنے صرف گونگا ھیں (کیونکہ بہرے اور اندھے کیلئے اسکے ساتھ صُمٌّ اور عُمْیٌ کے الفاظ موجود ھیں) ۔ سورۃ انفال میں اَلصُّمُّ الْبُکْمُ کے ساتھ اَلَّذِیْنَ لاَ یَعْقِلُوْنَ (۸/۲۲) کے الفاظ لا کر بات واضح کردی کہ اس سے مراد طبعی طور پر بہرے اور گونگے نہیں ، بلکہ وہ لوگ مراد ھیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔ سورۃ نحل میں اَبْکَمُ (۱۶/۷۶) کے بعد ھے ، جو کسی شے کی مقدرت نہیں رکھتا ۔ جو اپنے مالک پر بوجھ ھے ۔ وہ اسے جدھر بھیجتا ھے کوئی اچھا کام کرکے نہیں آتا ۔ اس کے مقابلہ میں وہ ھے جو صاحب اختیار ھے ۔ عدل و انصاف کا حکم دیتا ھے ۔ اور صراط مستقیم پر چلتا ھے ۔ ان تصریحات سے واضح ھو جاتا ھے کہ قرآن کے نزدیک صُمٌّ بُکْمٌ سے مفہوم کیا ھے ۔ یعنی وہ لوگ جو عقل و فکر سے کام نہ لیں بلکہ اندھا دھند اپنی غلط روش پر چلے جائیں ۔

ب ک ی

بُکَاءٌ ۔ غم کے ساتھ آنسو بہانا ۔ کبھی محض غم یا آنسو بہانے کو بھی کہہ دیتے ھیں** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی رونا اور (۲) چیز کا کم ھو جانا ھیں ۔ قرآن کریم میں ضَحِکَ کے مقابلہ میں بَکٰی

---

* تاج ۔ **تاج و راغب ۔

آیا ہے (۹/۸۲) - لہذا اسکے معنے غم کرنے کے ہیں - سورۃ دخان میں ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ (۲۹/۴۴)- ان کی تباہی پر نہ آسمان رویا نہ زمین- اس لئے کہ ان کی تباہی خدا کے قانون مکافات کے مطابق واقع ہوئی تھی - بُكِيًّا - (۱۹/۵۸) - قوانین خداوندی کے سامنے دل کے پورے گداز کے ساتھ جھکنے والے - لیکن اندھے اور بہرے بنکر نہیں (۲۵/۷۳) - عقل و بصیرت کی رو سے قوانین خداوندی کو اختیار کرکے' دل کی گہرائیوں سے ان کی متابعت کرنے والے -

بَلْ - (حرف)

بَلْ - بلکہ - ذیل کی مثالوں سے استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا -

(۱) جب یہ فقرے کے درمیان آئے تو پہلی بات کی تردید اور دوسری بات کی تائید مقصود ہوتی ہے- وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ' - بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ - (۲۱/۲۶) - ''اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے - ایسا نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جنہیں یہ اسکے بیٹے قرار دیتے ہیں وہ اس کے معزز بندے ہیں'' -

(۲) پہلی بات کی تردید کے بغیر دوسری بات کی تائید- وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ - بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا - (۲۳/۶۲-۶۳) ''ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی - لیکن (یا اور) ان کے دل تذبذب اور جہالت میں ہیں'' - یعنی دوسری بات پہلی بات سے الگ ہے (نیز ۸۲/۹-۱۰) - ان مقامات میں بَلْ - وَ - (اور) کے معنوں میں آیا ہے - (نیز دیکھئے ۸۵/۲۰-۲۱) - اسی طرح (۲۱/۶۳) میں بھی بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ سے نیا فقرہ شروع ہوسکتا ہے- (تفصیل اس کی متعلقہ عنوان میں ملیگی) -

ب ل د

اَلْبَلَدُ - زمین کا ہر وہ حصہ جسکی حد بندی کی گئی ہو- خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد - مٹی - زمین - اسکی جمع بِلَادٌ اور بُلْدَانٌ آتی ہے - اسکا استعمال قَرْيَةٌ (بستی) کے معنوں میں بعد میں ہوا ہے- سورۃ بقرہ میں هٰذَا بَلَدًا (۲/۱۲۶) سے قطعہ زمین اور بستی دونوں مراد ہو سکتے ہیں*- سورۃ البلد

* تاج و محیط-

میں بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰/۱۰۲) سے مراد مکہ ہے۔ اسی کو دوسری جگہ الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (۹۵/۳) ''امن والا شہر،، کہا گیا ہے ۔ حضرت ابراہیم ؑ نے دعا مانگی تھی (۲/۱۲۶) کہ یہ بستی' دنیا میں جورو استبداد کے ستائے ہوئے ہر انسان کیلئے امن کا مقام بن جائے ۔ نوع انسانی کے امن کی ضامن اُمت (جماعت مؤمنین) اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے مرکز کو یقیناً عالم انسانیت کے لئے امن کا مقام ہونا چاہئے ۔ مزید تفصیل کے لئے حج اور کعبہ سے متعلق عنوانات دیکھئے ۔

زمین سے متمسک(زمین گیر) ہونے کی جہت سے کہتے ہیں بَلَّدَ الْفَرَسُ ۔ گھوڑا دوڑ میں پیچھے رہ گیا ۔ آگے نہ نکل سکا*** ۔ اسی لئے بَلِیْدٌ کے معنے کند ذہن کے ہوتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سینے (چھاتی) کے ہوتے ہیں۔ اور بَلَّدَ الرَّجُلُ بِالْاَرْضِ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا ۔ یعنی وہ زمین کے ساتھ چپک گیا ۔

ب ل س

اَبْلَسَ ۔ کے معنے ہیں وہ ناامید ہوگیا ۔ مایوس ہوگیا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے یہی لکھے ہیں ۔ (اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ '' وہ ناگہاں اس میں مایوس ہو جائیںگے'' ۔ ۶/۴۴) ۔ نیز دہشت زدہ اور متحیر ہو جانا* ۔ (پرانی سامی لغت میں اسکے معنے تھے '' کچل کر مار ڈالنا ۔ روند ڈالنا'' ** ۔

اِبْلِیْسُ ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اَبْلَسَ ہی سے مشتق ہے اور اسکے معنے ہیں رحمت خداوندی سے ابدی طور پر مایوس اور ناامید ۔ لیکن دوسرے ائمہ' لغت نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے* ۔

قرآن کریم میں ابلیس کو سرکشی اور بغاوت کے پیکر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ۔ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (۲/۳۴) ۔ '' اسنے حکم خداوندی کی اطاعت سے انکار کیا ۔ خدا سے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور کہنا نہ ماننے والوں میں سے ہو گیا '' ۔ اسکے برعکس مَلَائِكَةٌ ہیں جن کی فطرت میں اطاعت و انقیاد رکھ دیا گیا ہے (فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ '' تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کر دیا '' (۱۵/۳۰) ۔ کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اسکا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے سرکشی برت لے ۔ کائنات کی

---

*تاج و محیط ۔ ** غریب القرآن میرزا ابوالفضل ۔ *** محیط

کسی اور شے کو معصیت (قانون خداوندی کی خلاف ورزی) کا اختیار نہیں دیا گیا۔ انسان، قانونِ خداوندی کی اطاعت سے سرکشی اسوقت اختیار کرتا ہے جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ جذبات اسے (عالمگیر مفاد کلی کے مقابلہ میں) ذاتی مفاد پرستی پر ابھارتے ہیں اور وہ قوانین خداوندی کو پس پشت ڈالکر ان مفادات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ پھر اسکی عقل اُسے وہ طریقے بتاتی ہے جن سے وہ ان مفادات کو حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ایسے جذبات اور انکے بروئے کار لانے والے سامان و ذرائع (عقل حیلہ جو کے بتائے ہوئے طرق و حِیَل) کو اِبْلِیْس کہکر پکارا ہے، اور اس کی سرکشی کی بنا پر اسکے متعلق کہا ہے کہ اسکی تخلیق آتش (نَارٌ) سے ہوئی ہے (۷/۱۲)۔ اور چونکہ انسانی جذبات آنکھوں سے پنہاں ہوتے ہیں اور غیر محسوس طور پر مصروف عمل رہتے ہیں اسلئے کَانَ مِنَ الْجِنِّ (۱۸/۵۰) کہا ہے (جِنّ کے معنی ہیں ”چھپا ہوا)۔ نیز چونکہ انسان کے یہ جذبات اور اسکے یہ اختیارات جسکی رو سے یہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت سکتا ہے، انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور جبتک انسان زندہ رہتا ہے اسوقت تک یہ ساتھ رہتے ہیں، اسلئے قرآن نے آدم کی جو سرگزشت بیان کی ہے (دیکھئے عنوان ادم) اسمیں ابلیس بھی آدم کے ساتھ ہی نمودار ہو جاتا ہے اور اسے انسانوں کے ساتھ ہی اسوقت تک مہلت دی گئی ہے جبتک انسان اس دنیا سے اٹھ نہیں جاتے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۵/۳۶)۔ مزید برآں دیکھئے تمہ ص ۱۸۱۸ جلد چہارم عنوان ب ل س۔

جو انسان قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلیتا ہے وہ ان تمام سعادتوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اسلئے ابلیس کو محروم و ناامید کہا گیا ہے۔ اسکے برعکس جو لوگ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ان کے متعلق کہا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸)۔ ”ان پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوگا“۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابلیس کا ان پر کسی قسم کا غلبہ و تسلط نہیں ہوگا (۱۵/۴۲)۔

قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رخ، اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو بتایا گیا ہے۔ مثلاً قصہ آدم میں دیکھئے۔ سجدے سے انکار۔ سرکشی و تکبر۔ ذریت آدم کو بہکانے کا چیلنج۔ سب ابلیس کی طرف سے ہے۔ لیکن اس کے بعد جب آدم کی لغزش کا ذکر ہے تو اسے شیطان

کیطرف منسوب کیا گیا ہے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا - ۲/۳۶ - نیز دیکھئے ۲۰/۱۱۰-۱۲۰ ؛ ۲۰/۱۱۶-۱۲۰)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس ایک خاص ذہنیت کا نام ہے اور جس انداز سے وہ ذہنیت کام کرتی ہے آسے شیطان کہکر پکارا گیا ہے۔ (شیطان کیلئے دیکھئے عنوان ش - ط - ن - نیز ان تمام امور کی تفصیل کیلئے دیکھئے میری کتاب ''ابلیس و آدم'' جو سلسلۂ معارف القرآن کی ایک کڑی ہے) ابلیس اور شیطان (ناامیدی و سرکشی) درحقیقت وہ موانع ہیں جو انسانی خودی کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوتے ہیں - اگر انسانی خودی ان موانع پر غالب آکر اپنے استحکام کا ثبوت دیتی ہے تو سلسلہ ارتقاء میں اسکا قدم آگے بڑھ جاتا ہے - لیکن اگر یہ موانع اس پر غالب آ جاتے ہیں تو وہ زندگی کی نچلی (حیوانی) سطح میں دب کر رہ جاتی ہے۔ زندگی در حقیقت ''ابلیس و آدم'' کی اسی کشمکش کا نام ہے۔ اسلئے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر ہے۔ مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہوسکتا - یا یوں کہئے کہ اسکی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہوسکتا - نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کے لئے بند بنکر آسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں - یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاندکر آگے نکل جاتا ہے؟ ایسے راستے تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہوں (یعنی مسلک رہبانیت و خانقاہیت) اپنی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کرلینا ہے - زندگی مسلسل جد و جہد (جہاد) کا نام ہے - یعنی ابلیس و آدم کی پیہم کشمکش کا۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ابلیس (ناامیدی) اور شیطان (سرکشی) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ علم النفس (سائیکالوجی) کی تحقیقات حاضرہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ ناامیدی (Frustration) سےسرکشی کے جذبات (Aggressiveness) پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اس میں غصہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے - اس غصے کو اگر وہ خود اپنے آپ کے خلاف نکالتا ہے تو یہ پریشانی (Worry) یا افسردگی و غمگینی (Gloominess) ہوتی ہے جس کی آخری شکل خودکشی (Suicide) ہے - جب اس غصہ کا مظاہرہ اس شخص یا شے کے خلاف ہو جو اس کی مایوسی کا باعث تھی تو اسے انتقام کہتے ہیں - لیکن اگر وہ اس سے انتقام نہ لے سکے تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف اپنا غصہ نکالتا ہے - یہ پاگل پن کی ابتدا ہوتی ہے - اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مایوسی اور سرکشی میں کسقدر گہرا تعلق

ہے، یہی تعلق ابلیس اور شیطان میں ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی کیفیات ہیں۔ قرآن ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد کیلئے مایوسی کے مواقع پیدا نہیں ہوتے۔ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (۳۹/۵۳)"۔ "اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو" وہاں کا معمول ہوتا ہے۔ اور یہ رحمت (سامانِ نشو و نما) زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہوتا ہے (وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (۷/۱۵۶))۔ لہذا اس قرآنی معاشرہ میں ابلیسیت کسی پر غالب نہیں آ سکتی۔ اسی لئے ابلیس سے کہا گیا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵/۴۲)۔ "یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوسکیگا"۔ نیز دیکھئے عنوانات (ق۔ن۔ط) اور (ی۔أ۔س)

ب ل ع

بَلِعَ۔ یَبْلَعُ۔ کسی چیز کو حلق سے نیچے اتار لینا۔ اَلْمَبْلَعُ وہ جگہ جہاں سے کھانا حلق سے اتر کر مری میں جاتا ہے۔ اَلْبَلُوْعُ پینے کی چیز۔ اَلْبُلْعَةُ۔ گھونٹ*۔ نیز چکی کا دھانہ جس میں اناج ڈالا جاتا ہے**۔

قرآن کریم میں طوفان حضرت نوحؑ کے متعلق ہے کہ اسکے بعد زمین کو حکم دیا گیا کہ اِبْلَعِیْ مَآءَکِ (۱۱/۴۴)۔ "اپنا پانی نگل جا"۔ یعنی اسے جذب کرلے۔

ب ل غ

بَلَغَ الْمَکَانَ بُلُوْغاً۔ وہ اس مقام تک پہنچ گیا۔ مفردات میں ہے کہ بُلُوْغٌ اور بَلَاغٌ کے معنے مقصد کے آخری سرے تک پہنچ جانا ہیں خواہ یہ آخری حد مکانی ہو یا زمانی، یا کسی اندازہ کئے ہوئے معاملہ کی۔ لیکن کبھی محض قریب تک پہنچ جانے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (۲/۲۳۱)۔ یعنے جب وہ عدت ختم ہونے کے قریب تک پہنچ جائیں۔ انکی عدت کی مدت قریب الاختتام ہو*۔ یعنی جب وہ مقررہ مدت کی آخری حد پر پہنچیں۔ اَلْبَلَاغُ۔ کسی چیز کا اتنا کافی ہونا کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے آخری مقصد تک پہنچ جائے اور ایسے کسی اور سامان یا ذریعہ کی ضرورت نہ پڑے*۔

اَلْبُلْغَةُ۔ ہر وہ شے جس سے کسی مقصد تک پہنچا جائے۔ ہر وہ شے جو کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے کافی ہو جائے*۔

---

* تاج۔ ** محیط۔

عرب کے بادیہ نشین صحراؤں میں پھرتے رہتے تھے - پانی پر ان کی زندگی کا دارو مدار تھا - صحراء میں کہیں کہیں کنوئیں ہوتے تھے جن پر ڈول اور رسی رکھی رہتی تھی - لیکن گرم مقامات کے کنووں کا پانی ہمیشہ ایک سطح پر نہیں رہتا - اکثر نیچے اتر جاتا ہے جسکی وجہ سے ڈول کی رسی پانی کی سطح تک نہیں پہنچ سکتی - اس مقصد کیلئے یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ رسی کا ٹکڑا رکھتے تھے جسے ڈول کی رسی (اَلرِّشَاءُ) کے ساتھ باندھ دیتے تاکہ ڈول پانی تک پہنچ جائے - اس رسی کے ٹکڑے کو اَلتَّبْلِغَةُ کہتے تھے - یہاں سے تَبْلِیْغٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنے اگر ایک انسان اپنی ذاتی استعداد کی کمی کی وجہ سے کسی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا تو اسکی اس کمی کو اسطرح پورا کر دیا جائے کہ وہ اصل مقصد تک پہنچ جائے - لیکن اگر وہ اپنی رسی (اَلرِّشَاءُ) کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہتا تو خالی تَبْلِغَةٌ اسے پانی تک نہیں پہنچا سکتی - تبلیغ اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی عقل و بصیرت کو بھی کام میں لائے - مَبْلَغٌ آخری مقام جس تک کوئی پہنچ سکے (۵۳/۳۰) -

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (۱۴/۵۲) کہا ہے - یعنے وہ ذریعہ جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے اور اسکے ہوتے ہوئے اسے کسی اور ذریعہ یا سامان کی ضرورت باقی نہیں رہتی - لہذا قرآن کیا ہے؟ انسانیت کو اسکی منزل مقصود تک پہنچانے کا کافی ذریعہ - لیکن یہ انہی کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جو اسکی اطاعت اختیار کریں - جو اس کے مطابق زندگی بسر کریں - اسلئے کہ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (۲۱/۱۰۶) - "یہ اسی قوم کیلئے بلاغ ہے جو قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کرے" - یہ چیز انسان کے اپنے اختیار پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بتائی ہوئی صحیح روش پر چلے یا کسی دوسری (غلط) روش پر - کسی کو کسی خاص روش پر چلنے کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا - اگر مجبور کرنا ہوتا تو خدا انسانوں کو پیدا ہی اس انداز سے کر دیتا کہ وہ اس روش کے سوا کوئی دوسری روش اختیار نہ کر سکتے، جسطرح کائنات کی دوسری چیزیں قوانین فطرت پر چلنے کیلئے مجبور ہیں - اسلئے رسولوں کا کام پیغامات خداوندی انسانوں تک پہنچا دینا ہے - انہیں زبردستی ان پیغامات پر چلانا نہیں - فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۱۶/۳۵) - "رسولوں کے ذمہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قانون خداوندی کو نکھار کر پہنچا دیں" -

بَالِغَةٌ - پہنچنے والی (۶/۱۴۹) -

ب ل و

بَلَاءٌ ۔ اِبْتِلَاءٌ ۔ راغبؒ نے کہا ہے کہ اس لفظ کے دو معنے ہیں۔ (۱) کسی کا حال معلوم کرنا یعنے اسکے متعلق جو باتیں معلوم نہ ہوں انہیں معلوم کرنا اور (۲) کسی چیز کی اصلی حالت کا ظاہر ہونا ۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری ۔ جب یہ لفظ خدا کیلئے استعمال ہوگا تو وہاں صرف دوسرے معنی مراد ہونگے ۔ کیونکہ خدا علام الغیوب ہے اسلئے اسکے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کی حالت سے بے خبر ہے* ۔

لہذا اس لفظ کے بنیادی معنے حالات کا معلوم کرنا یا اصل حقیقت کا ظاہر کرنا ہیں ۔

بَلِيَ ۔ يَبْلىٰ ۔ کے معنے کپڑے کا بوسیدہ ہو جانا یا پرانا ہو کر گھس جانا بھی ہیں**** ۔ اس لئے کہ اسطرح گھس کر اسکی اندرونی حالت نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہے ۔ لہذا بَلَاءٌ کے معنے ہیں مشکلات و مصائب کے وقت انسان کی حقیقی سیرت اور مضمر کیفیتوں کا ظاہر ہو جانا ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی اصلی حالت خراب ہی ہو۔ وہ حالت اچھی بھی ہو سکتی ہے ۔ اسلئے مذکورہ صدر معنی کے برعکس بَلَاءٌ کے معنے ہونگے خوشحالی اور آسائش کے وقت انسان کی حقیقی سیرت کی نمود ۔ انسان کی حقیقی سیرت اور اصلی ذہنیت کی نمود کے دونوں مواقع ہوتے ہیں —— ناسماعد حالات اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا دور —— یہی مواقع پر اس کی ذات کی نمود ہوتی ہے۔

اَلْمُبَالَاةُ کے معنی منافست و مفاخرت کے ہیں ۔ یعنے ایک دوسرے کے مقابلہ میں زندگی کے جوہر دکھانے پر فخر کرنا**۔ نیز اِبْتِلَاءٌ کے معنے انتخاب کرنا ۔ پسند کرنا بھی ہیں*** ۔

سورۂ بقرۃ میں بنی اسرائیل سے کہا گیا ہے کہ قوم فرعون تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھا کرتی تھی ۔ ہم نے تمہیں انکے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی ۔ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۲/۴۹) ان کے مظالم سے نجات نے تمہارے لئے یہ ظاہر کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا کہ آزادی ملنے پر تم کیسے کام کرتے ہو۔ سورۂ انفال میں ہے کہ خدا نے بدر کے میدان میں جماعت مومنین کو کامیابی عطا کی ۔ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا (۸/۱۷) ۔ تا کہ وہ زندگی کی کامرانیوں سے

---

* تاج و راغب **محیط ۔ ***تاج ۔ ****بعض ارباب لغت نے بلو (ب۔ل۔و) اور بلی (ب۔ل۔ی) کو ایک ہی جگہ لکھ دیا ہے ۔ لیکن ہم نے بلی کو الگ بھی لکھا ہے ۔ اگرچہ ان دونوں میں بہت لطیف فرق ہے اور بعض اوقات ان میں تمیز بھی بمشکل ہوتی ہے۔

انہیں یہ مواقع بہم پہنچادے کہ وہ دنیا کو بتا دیں کہ حکومت ملنے پر وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں ۔ سورۃ دخان میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ہم نے انہیں اقوام عالم پر برگزیدگی عطا کی اور انہیں وہ کچھ دیا مَافِیْہِ بَلٰؤٌا مُّبِیْنٌ (۴۴/۳۳) جس میں ان کی نمود ذات کے مواقع تھے۔

ظاہر کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ الطارق میں آیا ہے جہاں کہا ہے یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (۸۶/۹) ''جس دن تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائینگی،، ۔ سورۃ آل عمران میں ہے لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِی صُدُوْرِكُمْ (۳/۱۵۳) ''تا کہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کر دے جو تمہارے سینوں میں تھیں،، ۔ سورۃ یونس میں هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَا اَسْلَفَتْ (۱۰/۳۰) ۔ ''وہاں ہر شخص اپنے ان اعمال کو سامنے موجود دیکھیگا جو اسنے اس سے پہلے کئے تھے،، ۔ سورۃ المومنون میں قوم نوح کے احوال و کوائف بیان کرنے کے بعد کہا ہے اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ (۲۳/۳۰) ''ہم (اقوام سابقہ کی ان سر گزشتوں کو اس طرح) ظاہر کرتے رہتے ہیں،، ۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے ۔ کشمکش میں زندگی کے مختلف پہلو بدل بدل کر سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی مشقتوں کے ہمت آزما پہلو اور کبھی خوشگواریوں کے سکون افزا پہلو ۔ اس طریق کو بھی قرآن نے اِبْتَلٰی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا سامنے آتے رہنا ۔ سورۃ الفجر میں یہ مفہوم نمایاں طور پر سامنے آ جاتا ہے (دیکھئے ۸۹/۱۶-۱۵) ۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان خود دیکھ لے، پرکھ لے کہ اسکی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں ۔ کیونکہ وہ مزاحمتوں کا مقابلہ اسی حد تک کرسکیگا جس حد تک اسکی مضمر قوتیں بیدار ہو چکی ہونگی یہ حوادث جن سے اس کا مقابلہ ہوتا ہے در حقیقت اسکی نمودِ ذات کے مواقع ہوتے ہیں ۔ یہ ہے مفہوم اِبْتِلَاءٌ کا ۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (۲/۱۲۴) '' جب اسکے نشو نما دینے والے (رب) نے ابراہیمؑ کیلئے مختلف قوانین کے ذریعے اسکی نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچائے '' ۔ جب قوانین خداوندی کے مطابق زندگی کے مختلف حوادث اسکے سامنے آئے تا کہ وہ دیکھ سکے کہ اس کی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پاچکی ہیں۔ جسطرح ابراہیمؑ نے ان حوادث کا مقابلہ کیا (اسنے Re-act کیا) اس سے واضح ہو گیا کہ اسکی صلاحیتیں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں ۔ انکی پوری پوری نشو و نما ہوچکی تھی ۔ فَاَتَمَّهُنَّ (۲/۱۲۴) ۔

ان مقامات سے واضح ہے کہ جس چیز کو ہم اِبْتِلاَءٌ یعنی خدا کیطرف سے آزمائش کہتے ہیں وہ قرآنی تصور نہیں ۔ خدا کسی کو آزماتا نہیں ۔ وہ ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس سے انسان خود اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور دیکھے کہ وہ کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں ۔ اور اسطرح اپنے آپ کا اندازہ کرتا ہوا اپنی صلاحیتوں کی مزید نشو وبالیدگی کیلئے کوشش کرتا جائے ۔

سورۃ الدّھر میں اِبْتَلٰی کے لفظ کو قرآن نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے مضمر جوھروں کے محسوس شکل میں سامنے آ جانے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش، مرد اور عورت کے نطفہ کے امتزاج سے ہوتی ہے ۔ نطفہ ایسے باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جو خوردبین کے بغیر نظر بھی نہیں آ سکتے لیکن انہیں جرثوموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ چھپا ہوتا ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت کیلئے قرآن کہتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (۲/۷۶)۔ ”ہم نے انسان کی پیدائش (کی ابتداء) ایک ملے جلے نطفہ سے کی اور ایسا انتظام کیا کہ رحم مادر میں اس کے مضمر جوھروں کی نمود ہوتی جائے تاآنکہ وہ ایک سننے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جائے“۔

یہ ہے اِبْتِلاَءٌ کا صحیح نقشہ ۔ مضمر جوھروں کا محسوس شکل میں سامنے آ جانا ۔ ان کی نمود ہو جانا ۔

بَلٰی ۔ (حرف)

بَلٰی ۔ سوال نفی میں ہو اور اس سوال کی تردید مقصود ہو تو اسوقت بَلٰی آتا ہے ۔ مثلاً اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں“؟ یہ سوال نفی میں ہے ۔ اسکا جواب ہے قَالُوْا بَلٰی (۷/۱۷۲) ۔ ”انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے“۔ یا مثلاً اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ ۔ ”کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور مخفی مشوروں کو سنتے نہیں“ ۔ بَلٰی ۔ کیوں نہیں ۔ ہم ضرور سنتے ہیں ۔ (۴۳/۸۰)

(۲) یا سوال نہ بھی ہو، ویسے ہی نفی کی تردید مقصود ہو ۔ جیسے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۔ یہ

اللہ کی قسمیں اور سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اُسے زندہ نہیں کرتا ۔ بَلٰی ۔ یہ بالکل غلط کہتے ہیں ۔ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا (۱۶/۳۸) ۔ یہ اس کا وعدہ (قانون) ہے (کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی) جسکا پورا ہونا ضروری ہے ۔ یہاں بَلٰی نے پہلے ٹکڑے کی تردید کر دی (نیز ۔ ۱۶/۲۸) ۔ اسی طرح سورۃ بقرۃ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص ان کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد ہے ۔ بَلٰی ، مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ... (۲/۱۱۲) ۔ نہیں ۔ یہ غلط ہے ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو قانون خداوندی (قرآن) کے سامنے جھکادے .... وہ جنت میں جا سکتا ہے ۔

ب ل ی

بَلِیَ یَبْلٰی بِلًی اَلثَّوْبُ ۔ کپڑا پرانا اور خستہ ہوگیا۔ اسطرح پرانا ہو کر کمزور اور جھرّا ہو جانے والے کپڑے کو بالٍ کہا جائیگا*۔ قرآن کریم میں ہے مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (۲۰/۱۲۰) ۔ ایسی حکومت جس میں زوال و انحطاط رونما نہ ہو۔ ایسی مملکت جو ہمیشہ تازہ بتازہ رہے اور اس میں کہنگی اور خستگی کے آثار پیدا نہ ہوں ۔

زندہ رہنے اور حیاتِ دوام حاصل کرنے کی آرزو ہر انسان میں ہے ۔ قرآن نے اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے انسان کے اس جذبہ کو (Exploit) کیا اور اس سے کہا هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (۲۰/۱۲۰) ۔ "کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا اور ایک ایسی حکومت کا جو کبھی پرانی نہ ہو ، پتہ نشان دوں؟" ۔ اس کے بعد قرآن نے نہایت لطیف اشارے سے بتایا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ حیات جاوداں اولاد کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اس سے انسان کا نام روشن رہتا ہے ۔ لیکن یہ ابلیسی فریب ہے ۔ حیاتِ جاوید انسانی ذات کی نشوونما سے حاصل ہوتی ہے جس کیلئے قرآن نے خاص پروگرام دیا ہے (اس کو ایمان اور عمل صالح کہتے ہیں) ۔ اولاد سے افزائش نسل ہوتی ہے ۔ فرد کی ذات کی نشوونما نہیں ہوتی۔ لیکن جو لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ اسی کو بقائے دوام سمجھ لیتے ہیں ۔

* تاج و راغب و اقرب الموارد ۔

ب ن ن

بَنَّ بِالْمَکَانِ - یَبِنُّ - بَنًّا - کسی جگہ اقامت کرنا - ٹھہر جانا - اَبَنَّتِ السَّحَابَۃُ - بادل چند دن تک جما رہا - تَبَنَّنَ - وہ جما رہا - اَلْبَنَانُ - انگلیاں یا انگلیوں کے اطراف* (پوریں اور بالائی سرے) اسلئے کہ انگلیوں ہی سے انسان کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے - (حقیقت یہ ہے کہ انگلیاں ، بالخصوص انگوٹھا پختہ گرفت کرنے کے لئے ایک اہم اور قوی عضو ہے جو انسان کو دیا گیا ہے) - لہذا انسانی قوت ، قبضہ کرنے کی طاقت اور محکم گرفت کیلئے اس لفظ کو بولا جاتا ہے - چنانچہ سورۃ انفال میں ہے وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۸/۱۲) - ''ان کے ہر بنان پر مارو'' - اسمیں اگرچہ بَنَانٌ کے معنے انگلیاں ہیں لیکن مراد اس سے ہر وہ شے ہے جس سے دشمنوں کی طاقت اور گرفت کی قدرت وابستہ ہو - سورۃ قیامۃ میں ہے بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (۷۵/۴) - ''ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ انسان کے تمام اعضا یا قوتوں کو مکمل کردیں - ہر اس چیز کو مکمل کردیں جس سے وہ دوسری چیزوں کی گرفت کرتا ہے - یعنے وہ تمام قوتیں جن سے انسانی اعمال سرزد ہوتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ بَنَانٌ کے معنی ہاتھ پیر کے ہیں -

ب ن ی (ب - ن - و)

بِنَاءٌ کے معنی ہیں عمارت - جو چیز بھی تعمیر کی جائے - حتّٰی کہ ان خیموں کو بھی کہتے ہیں جن میں بدّو صحراؤں میں رہتے ہیں - نیز اسکے معنے چھت کے بھی ہوتے ہیں - ابو حنیفہ کا قول ہے کہ بِنَاءٌ در حقیقت اُن چیزوں کو کہتے ہیں جن میں قوتِ نمو نہ ہو - یعنے (Inorganic) مثلاً پتھر مٹی وغیرہ - بَنَّاءٌ معمار کو کہتے ہیں - نیز (Architect) کو بھی - بَانٍ بھی عمارت بنانے والے کو کہتے ہیں جسکی جمع بُنَاۃٌ ہے - بَانِیَۃٌ پسلی کی خمیدہ ہڈی کو بھی کہتے ہیں - بُنْيَانٌ دیوار کو کہتے ہیں (بعض کا خیال ہے کہ یہ جمع ہے) - اور بِنْیَۃٌ طرز تعمیر کو - اَرْضٌ مَبْنِیَّۃٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے کچھ حصے کو دوسرے حصہ کے ساتھ ملا کر بنانا -

* تاج - ** تاج و لین -

اِبْنٌ* - بیٹے کو کہتے ہیں - کیونکہ وہ بھی اپنے باپ کی عمارت ہوتا ہے* - یا اس لئے کہ اس میں کچھ حصہ باپ کا بھی شامل ہوتا ہے - اسکی جمع اَبْنَاءٌ وَ بَنُوْنَ ، بَنِیْنَ ہے - بِنْتٌ بیٹی - (جمع بَنَاتٌ*) - تَبَنَّاہُ کے معنے ہیں کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالینا - نیز کسی چیز سے زیادہ ربط ضبط اور لگاؤ رکھنے والے، اور اس میں دلچسپی لینے والے کو بھی اِبْنٌ* کہتے ہیں - مثلاً اِبْنُ حَرْبٍ (جنگجو) - یا اِبْنُ السَّبِیْلِ (مسافر)* -

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَ السَّمَآءَ بِنَآءً (۲/۲۲) - "جس نے تمہارے لئے زمین کو نیچے بچھی ہوئی بنایا اور سماء کو اوپر چھایا ہوا،، - یہاں بِنَآءٌ بمقابلہ فراش آیا ہے - فراش نیچے بچھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اسلئے بِنَآءٌ کے معنے اوپر چھائی ہوئی چیز کے ہونگے - جیسے خیمہ - سورۃ نحل میں ہے فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ (۱۶/۲۶) "اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا سو ان کی چھتیں انکے اوپر آگریں،، - یہاں بُنْیَانٌ* کے معنے عمارت ہیں جن کے نیچے بنیادیں ہوں اور اوپر چھتیں -

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے قصہ میں اَبْنَاء بمقابلہ نِسَآء آیا ہے - مثلاً (۲/۴۹) میں ہے وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ "وہ تمہارے ابناء کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری نساء کو زندہ رکھتے تھے،، یہاں یا تو نِسَآءٌ کے معنے بیٹیاں ہونگے - لہذا اَبْنَآءٌ کے معنی بیٹے - اور اگر نِسَآءٌ کے معنے عورتیں لئے جائیں تو اَبْنَآءٌ کے معنے مرد ہونگے - ان معانی کی تائید (۴۲/۴۹) سے بھی ہوتی ہے جہاں بَنِیْنَ (Males) کے مقابلہ میں اناث (Females) آیا ہے - مجازی معنوں کے اعتبار سے اَبْنَآءٌ کے معنی قوم کے معزز افراد ہونگے (ابنائے قوم) -

(نیز دیکھئے عنوان ن - س - و)

سورۃ لقمان میں یٰبُنَیَّ آیا ہے (۳۱/۱۶) جس کے معنی ہیں "اے میرے ننھے بیٹے،، - یہاں بُنَیَّ - اِبْنٌ* کی تصغیر ہے -

بنی اسرائیل

حضرت یعقوب (حضرت ابراہیم کے پوتے) کا لقب اسرائیل (یعنی مردِ خدا) تھا - آپ کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی اسے بنی اسرائیل کہتے

* راغب -

ھیں۔آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ (Juda)تھا ۔یہودہ اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ، فلسطین کے علاقہ (Juda) میں حکمران تھا ۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل ۔لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رھی اور بنی اسرائیل اور یہودی سے ایک ھی مفہوم لیاجانے لگا۔

حضرت یعقوب[ع] کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسف[ع] مصر میں صاحب اقتدار ہو گئے تو انہوں نے اپنے والد اور تمام خاندان کو مصر بلا لیا ۔حضرت یوسف[ع] کی وجہ سے مصر میں اس قبیلہ کی بڑی تعظیم و تکریم ھوئی ۔ چار سو برس تک یہ مصر میں رھے اور جو قبیلہ چند نفوس پر مشتمل تھا اس عرصہ میں ایک کثیرالتعداد قوم بن گیا ۔ لیکن اس کے ساتھ ھی یہ انقلاب بھی آیا کہ فراعنۂ مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا اور جو برتاؤ محکوموں کے ساتھ ھوتا ھے وھی ان کے ساتھ ھونے لگا ۔ جب ان کی ذلت و پستی انتہا تک پہنچ گئی تو ان کی طرف حضرت موسیٰ[ع] مبعوث ھوئے جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے ۔یہ واقعہ قریب ۱۶۰۰ ق۔م کا ھے ۔ یہاں انہوں نے بڑا عروج حاصل کیا ۔ان میں حضرت داؤد[ع] اور حضرت سلیمان[ع] جیسے صاحب سطوت وشوکت نبی پیدا ھوئے ۔ لیکن اس کے بعد اس قوم نے قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلی جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ یہ تشتت و انتشار کے عذاب میں مبتلا ھو کر دن بدن کمزور ھوتی چلی گئی ۔ ۵۹۹ ق ۔م میں بابل کے شاھنشاہ بنوکد نصر (بخت نصر) نے یروشلم (بیت المقدس) پر حملہ کیا اور یہودیوں کے اس ملی مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ انہیں قید کرکے بابل لے گیا اور وھاں ذلیل ترین زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا ۔ (قرآن کریم نے یہودیوں کی اس پہلی تباھی کی طرف (۱۷/۵) میں اشارہ کیا ھے) ۔قریب اسّی سال تک یہ اس عذاب میں مبتلا رھے تاآنکہ فارس کے تین بڑے بڑے شاھنشاہ خورس (ذوالقرنین) دارا اور ارتخششتا یکے بعد دیگرے ان کی امداد کے لئے آمادہ ھو گئے ۔ انہوں نے انہیں بابل کی قید سے رھائی دلا کر یوروشلم کی دوبارہ آبادی اور ھیکل کی تعمیر کی اجازت دے دی ۔ چنانچہ ۵۱۵ ق ۔م میں ھیکل دوبارہ تعمیر ھو گیا اور آوارۂ وطن یہودی پھر اپنے ملی مرکز میں آباد ھو گئے ۔ [قرآن نے اسکی طرف (۱۷/۶) میں اشارہ کیا ھے اور (۲/۲۵۹) میں اس سو سال کی ''مدت'' کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ھے ۔

کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں کی پھر وھی حالت ھو گئی ۔چنانچہ ۳۳۲ ق ۔م میں پہلے اسکندر نے ان پر حملہ کرکے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور پھر ۳۲۰ ق ۔م

میں بطلیموس (Ptolemy) نے یروشلم پر قبضہ کرکے ان کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کردیا ۔ انٹی گونس کے عہد میں یہ تمام علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں چلا گیا ۔ اسکے بعد ۶۶ ق ۔ م میں پاپٹی (رومی) نے یروشلم کو تباہ کیا ۔ ۵۰ ق ۔ م میں ایک اور یورش نے ان کے وقار کو یکسر ختم کردیا [قرآن کریم نے (۱۷/۷) میں اس دوسری تباہی کیطرف اشارہ کیا ہے] ۔

اس مقام پر فطرت نے انہیں باز آفرینی کا ایک اور موقعہ دیا اور ان میں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے ۔ لیکن ہیکل کے مشائخ وعلماء نے حکومت کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کی اور اسطرح اپنی تباہی پر خود اپنے ہاتھوں مہر ثبت کر دی ۔ ۷۰ ء میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر آخری وار کیا جس سے (مرکزی حیثیت سے) ان کا نام و نشان تک مٹ گیا ۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں ۔

> ۷۰ ء مہینے کی دسویں تاریخ کو ایسے خوف و ہراس کے عالم میں جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی ، سقوط یروشلم عمل میں آیا ۔ ہیکل کو جلادیا گیا اور اسطرح یہودی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ۔

یہودیوں کے علماء و مشائخ نے حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کیوں کی تھی اس کے متعلق انجیل برنباس کا یہ بیان قابل غور ہے ۔ اس کتاب کی فصل ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ

”تب ان لوگوں نے کاھنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا ، اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے ۔ ہم پر یہ بڑی مصیبت ہوگی ۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت میں قدیم طریقہ کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہے ۔ اسوقت تو یہ ہماری تقالید (رسومات) کو باطل کرنے کی قوت نہیں رکھتا ۔ لیکن (اگر اسے حکومت حاصل ہوگئی تو) اس کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا ۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائینگے ۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دئے جائینگے تو ہم مجبور ہونگے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں ۔ حالانکہ اسوقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کوئی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں جیسا کہ ہم ان کی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ۔ اور اسی سبب سے ہم اسکی قدرت رکھتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرلینگے ۔ (اسوقت) اگر ہم غلطی کرتے ہیں تو ہمارا خدا رحیم ہے ۔ قربانی اور روزہ

کے ساتھ اسے راضی کر لینا ممکن ہے۔ مگر جبکہ یہ آدمی ہمارا بادشاہ ہو گیا تو ہر گز راضی نہ کیا جاسکیگا مگر جب کہ اللہ کی عبادت ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسے موسیٰؑ نے لکھی ہے"۔

جس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہو وہ اگر تباہی اور بربادی کے رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ ہو تو اور کیا ہو؟ نبی اکرمؐ کے دور رحمت مآب میں ان کے لئے پھر ایک موقعہ آیا تھا کہ نظام خداوندی کے اتباع سے شرف انسانیت کی سعادت حاصل کر لیں لیکن انہوں نے اپنی ضد اور قساوت قلبی کی بناء پر اس دعوت کی بھی انتہائی مخالفت کی اور بالآخر جزیرۃالعرب سے نکال دئے گئے (قرآن کریم نے اس کا ذکر (۵۹/۲) میں کیا ہے) اس کے بعد یہ قوم "آوارہ گرد یہودی" (Wandering Jews) کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی تاآنکہ اب بعض طاقتور سلطنتوں کے سیاسی مصالح نے ان کے لئے فلسطین میں "گھر" بنا دیا ہے۔(چونکہ یہ حصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم اس مقام پر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے)۔

اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یہودیوں کے ہاں مذہب نسلی (قومی) تھا۔ یعنی یہودی وہی ہو سکتا تھا جو یہودیوں کے گھر پیدا ہو۔ کوئی غیر بنی اسرائیلی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ صرف یہ ایک بات ہی اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مذہب قطعاً وہ نہیں تھا جو ان کے انبیائے کرام کو خدا کیطرف سے ملا تھا۔ خدا کا دیا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ساحرین دربار فرعون حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے ہیں تو آپ نے انہیں یہ کہکر رد نہیں کر دیا کہ خدا پر ایمان صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ تم اس دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے اسے قومی دین بنا لیا۔

(بنی اسرائیل کے متعلق مزید تفصیل میری کتاب "برق طور" میں ملیگی)

ب ہ ت

بَہِتَ - حیرت زدہ ہو جانا۔ متحیر ہو کر خاموش ہو جانا۔ اَلْبَہْتُ۔ کسی کو اچانک پکڑ لینا*۔ فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (۲/۲۵۸)۔ جس نے خدا کا انکار کیا تھا وہ اس دلیل قاطع کی گرفت میں اسطرح آ گیا کہ ششدر و حیران ہو کر خاموش رہ گیا۔ فَتَبْہَتُہُمْ (۲۱/۴۰) وہ انقلاب اسطرح اچانک آئیگا کہ

*تاج۔

انہیں مبہوت کر دیگا۔ بُهْتَانٌ کسی پر ایسا الزام لگا دینا جسے سنکر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔ (۲۴/۱۶)۔ یعنی اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ جھوٹی بات (۲۴/۱۲)۔

سورۃ ممتحنہ میں یہ لفظ (بُهْتَانٌ) ہر عمل شنیع اور ناروا حرکت کے لئے آیا ہے جہاں کہا ہے وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ (۶۰/۱۲) ''اور نہ کوئی بہتان باندھ لائینگی''۔ یعنی کسی عمل شنیع کی مرتکب نہیں ہونگی۔

ب ہ ج

اَلْبَهْجَةُ۔ حسن و جمال۔ نباتات میں ترو تازگی اور انسانوں میں خندہ روئی اور بشاشت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اَلْاِبْتِهَاجُ۔ خوشی اور سرور۔ تَبَاهَجَ الرَّوْضُ۔ باغ میں پھول بہت کھل گئے۔ سورۃ حج میں ہے۔ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (۲۲/۵) ''اور زمین ہر قسم کے ترو تازہ اور حسین و خوشنما پودے اگاتی ہے''۔ سورۃ نمل میں ہے۔ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ (۲۷/۶۰)۔ ''حسین و خوشنما باغات''۔

ب ہ ل

اَبْهَلَهٗ۔ اسے اسکی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دیا۔ اَبْهَلَ النَّاقَةَ۔ اونٹنی کو تھن باندھے بغیر چھوڑ دیا کہ جسکے جی میں آئے اسکا دودھ دوہ کرلے جائے۔ یا بغیر مہار کے چھوڑ دیا کہ وہ جہاں سے چاہے چرتی رہے۔ اِسْتَبْهَلَ الْوَالِي الرَّعِيَّةَ۔ حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جو جی میں آئے کرے*۔ چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ بَهْلٌ کے اصلی معنے کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اسکی دیکھ بھال نہ کی جائے۔ اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ راغب نے اَلْاِبْتِهَالُ فِي الدُّعَاءِ کے معنے کھل کر عاجزی سے دعا کرتے رہنا بھی لکھے ہیں**۔ اَلْبَهْلُ مِنَ الْمَالِ۔ کے معنے تھوڑا سا مال ہیں۔ اَلْبَهْلُ تھوڑی سی حقیر چیز*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں پانی کی کمی کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (۳/۶۰) میں آیا ہے جہاں رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ اگر یہ اہل کتاب ان دلائل و براہین کے بعد بھی نہ مانیں تو ان سے کہو کہ ہم اور ہمارے اہل وعیال ایک طرف ہو جاتے ہیں اور تم اور

---

*تاج - ** راغب

تمہارے اہل و عیال ایک طرف ہو جائیں ۔ (ثُمَّ نَبْتَہِلْ) ۔ اور اسطرح فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (۳/۶۰) ۔ اسکے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ اس کے بعد تمہارے اور ہمارے درمیان یہ معاملہ ہونا چاہئے کہ تم ہمارے معاشرہ میں دخیل نہ ہو اور ہم تم لوگوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں (یعنی ایک دوسرے کو اس کی فکر ورائے میں آزاد چھوڑ دیا جائے) اور طرفین اپنی اپنی جگہ اپنا پروگرام مکمل کرتے جائیں ۔ اس کے بعد یہ پتہ چل جائیگا کہ کونسی جماعت خدا کی نوازشوں سے محروم (یعنی ملعون) ہو جاتی ہے، (لعنت کے یہی معنی ہیں) بس وہی اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہوگی ۔ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقامات پر ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (۷۳/۱۰) ۔ (نیز فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (۱۵/۸۵) ، ''نہایت عمدگی سے ان سے کنارہ کش ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ دے''۔ اور اسکے بعد ان سے کہدے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۱۳۶) ۔''تم اپنی جگہ کام کرتے جاؤ اور میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں ۔ نتائج خود بتا دینگے کہ آخرالامر کامرانی کس کے حصہ میں آتی ہے۔ اس سے خدا کے اس قانون کی صداقت واضح ہو جائیگی کہ ظالمین کی کھیتیاں کبھی ثمر بار نہیں ہوا کرتیں''۔ یہی لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے ۔

رسول کے انقلاب آفرینی کے پروگرام میں پہلا مرحلہ تبلیغ کا ہوتا ہے۔ دوسرا مرحلہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کشی کا ہوتا ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس پیغام کی مخالفت کرتے ہیں ۔ اس مرحلہ میں ان سے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ تم میرے پروگرام میں دخل نہ دو، میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتا ۔ اسی کو سورۃ آل عمران میں نَبْتَہِلْ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اور تیسرا مرحلہ تصادم (ٹکراؤ) کا ہوتا ہے جب نتائج نکل کر سامنے آ جاتے ہیں ۔ یعنی فلاح اور لعنت کے بیّن طور پر سامنے آ جانے کا مرحلہ ۔

ب ہ م

اَلْبُهْمَةُ ۔ ٹھوس چٹان ۔ اس سے اَلْاَبْهَمُ ٹھوس اور بند چیز ۔ گونگا ۔ نیز غیر واضح ۔ غیر فصیح کو کہتے ہیں ۔ اور بُهْمَةٌ مشکل معاملہ کو جو سمجھ میں نہ آ سکے ۔ اَبْهَمَ الْاَمْرُ اِبْهَامًا ۔ معاملہ غیر واضح ہو

*تاج ۔ **راغب ۔

گیا اور سمجھ میں نہ آ سکا کہ اسے کسطرح حل کیا جائے ۔ حَائِطٌ مُبْهَمٌ ۔ اس دیوار کو کہتے ہیں جسمیں کوئی دروازہ نہ ہو*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اسطرح ہو جانا کہ اسکی طرف جانے کا راستہ نہ ملے ۔ یعنی غیر واضح اور مبہم ہو جانا ۔

گونگے ہونے اور وضاحت سے کلام نہ کرسکنے کے اعتبار سے بَهَائِمُ (واحد اَلْبَهِيْمَةُ) تمام بے عقل اور بے زبان جانوروں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بول نہیں سکتے یا انکی آواز میں ابہام ہوتا ہے اور اس سے بات سمجھ میں نہیں آ سکتی ۔ اس میں تمام جانورشامل ہوتے ہیں خواہ وہ دریا ہی میں کیوں نہ ہوں ۔ لیکن صاحب محیط اور راغب دونوں نے لکھا ہے کہ درندے اور پرندے اسمیں شامل نہیں ہوتے* ۔ قرآن کریم نے کہا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (۵/۱) ۔تمہارے لئے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال قرار دیئے گئے ہیں ، بجز ان کے جنہیں خود وحی (قرآن) کی رو سے حرام قرار دیا گیا ہے ۔ (۵/۳) ۔ اسکے مفہوم کیلئے (ن ۔ ع ۔ م کے عنوان میں اَنْعَامٌ دیکھئے)

ب و أ

بَاءَ ۔ يَبُوْءُ ۔ بَوْءًا ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی کی طرف لوٹنا ۔ رجوع کرنا ۔ موافق و مطابق ہو جانا ۔ اقرار و اعتراف کرنا ۔ بوجھ اٹھانا ۔ برابر سرابر ہو جانا** ۔ قرآن کریم میں ہے وَ بَاءُوْا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ (۲/۶۱) ’’وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوگئے اور اسے لادے ہوئے پائے ،،وہ اپنے اعمال کی وجہ سے سزا کے مستوجب ہوگئے ۔ انکے اعمال ، اورذلت و رسوائی کی عقوبت، ایک دوسرے کے ساتھ بالکل فِٹ (موافق) ہو گئے ۔

سورة المائدہ میں فرزندانِ آدم کے قصے میں کہا گیا ہے کہ مظلوم نے ظالم سے کہا اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْءَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ (۵/۲۹) ۔ ’’میں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کے جرم اور اپنے دیگر جرائم کا بوجھ اٹھا لے،، ۔ انکی سزا کا مستحق بن جائے ۔

اَلْمَبَاءَةُ ۔ چھتہ کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنے ہیں مکان ۔ قیام گاہ** ۔ بَوَّأَ الْمَكَانَ : وہ کسی جگہ ٹھیرا ، اترا۔ بَوَّأَهُ الْمَنْزِلَ اسے کسی جگہ اتارا، ٹھیرایا ۔ (لازم ومتعدی) ۔ نیز بَوَّأَهُ مَنْزِلًا کے معنی ہیں اس کے لئے کسی

---

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ ** تاج

جگہ کو موافق و سازگار بنایا ، ہموار اور درست کیا ***۔ راغب نے بھی اس مادہ کے معنوں میں کسی جگہ کے اجزاء کا ہموار ہونا،سازگار و مناسب ہونا بتایا ہے ۔ بَوَّأْتُ لَهُ مَكَانًا ۔ میں نے اسکے لئے کسی جگہ کو ہموار و درست کیا** ۔سورۃ حج میں ہے ۔وَ اِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (۲۲/۲٦) ۔ اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ کو متعین کیا،اسے ان کے لئے سازگار و ہموار کیا۔اور یہ بھی کہ اس مقام کو انکے لئے مرجع بنا دیا ۔ تَبَوَّأَ الْمَكَانَ : کسی جگہ اترا اور وہاں اقامت کی***۔ سورۃ حشر میں ہے وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۵۹/۹) ۔ ''جن لوگوں نے ان سے پہلے مدینہ کو قیام گاہ بنا لیا اور ایمان کو اپنے دل میں محکم جگہ دے لی،، ۔

ب و ب

بَابٌ ۔ داخل ہونے کی جگہ* دروازہ، اسکی جمع اَبْوَابٌ ہے۔ مزارعت (کھیتی باڑی) میں ان جگہوں کو بھی اَبْوَابٌ کہتے ہیں جہاں سے پانی کھولا جائے*** ۔

هٰذَا بَابَتُهٗ ۔ یہ اسکے مناسب ہے ۔ اس کے لائق ہے ۔ یا اسکی شرط ہے* ۔

اَبْوَابُ السَّمَاءِ (۵۴/۱۱) ۔ خیر و برکت کی راہیں ۔

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ (۱٦/۲۹)۔ جہنم کے طبقات۔ درجات (نیز ۱۵/۴۴) ۔ اَبْوَابُ كُلِّ شَيْءٍ (٦/۴۴) ۔ ہر طرح کی راحت کے اسباب و سامان۔

سورۃ بقرہ میں مکان کے دروازوں (اَبْوَابٌ) کے مقابلہ میں ظُهُوْرِهَا (۲/۱۸۹) ''پچھواڑے،، آیا ہے ۔

ب و ر

اَلْبَوْرُ ۔ غیر آباد زمین جس میں کھیتی نہ کی گئی ہو۔ ناقابل کاشت زمین ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ہلاکت اور تعطل لکھے ہیں ۔

بَارَ عَمَلُهٗ ۔ اسکا عمل بیکار گیا*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (۳۵/۱۰) ۔ ''انکی تدبیر بیکار جائیگی،، ۔ بے نتیجہ رہ جائیگی۔ بَارَتِ السُّوْقُ بازار مندا پڑ گیا*** ۔ قرآن میں ہے تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (۳۵/۲۹) ۔ ''ایسی تجارت جو مندی نہ پڑے،، ۔ جس میں خسارہ نہو ۔ اَلْبُوْرُ

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ محیط ۔ راغب

نکمے ، بے فیض ، نقصان اٹھانے والے، تباہ و برباد ہو جانے والے* ۔ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا (۲۵/۱۸) ۔ ''وہ ہلاک ہونے والی قوم تھی،، ۔ اَلْبَوَارُ ۔ تباہی ، بربادی ، مندا پن ۔ بَوَارُ الْاَیِّمِ ۔ کنواری یا بیوہ لڑکی کا اس لئے گھر میں بیٹھا رہنا کہ اس کے لئے کوئی پیغام نہ آئے ۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴/۲۸) ۔ وہ اپنی قوم کو ایسی جگہ لے آئے جہاں اس جنس کاسد کا کوئی گاہک نہو۔ جہاں کوئی اس کی بات تک نہ پوچھے ۔ جہاں اسے کوئی ''پیغام،، نہ دے۔ جہاں یہ سخت خسارہ میں ہو ۔ جہاں اسکے لئے تباہی اور ہلاکت سامانی ہو۔ راہنماؤں کی غلط اندیشیوں اور مفاد پرستیوں سے قومیں ایسے ہی مقام میں پہنچ جاتی ہیں ۔ اسے قرآن نے جَهَنَّمُ کہکر پکارا ہے (۱۴/۲۹) ۔ پوری آیات کا ترجمہ یہ ہے ۔ ''کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا جنہوں نے نعمت خداوندی کی جگہ کفر اختیار کر لیا اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اتارا جہاں اس جنس کا کوئی خریدار نہ ہو۔ یعنی جہنم میں۔ اور اس میں وہ داخل ہو گئے ۔ اور وہ بہت بری جگہ ٹھہرنے کی ہے،، ۔ جو لیڈر ، نعمائے خداوندی کی قدر نہیں کرتے وہ اپنی قوم کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں لے آتے ہیں جہاں لیڈر اور ان کے متبعین ، سب تباہ و برباد ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کریم نے ''جہنم،، میں لیڈروں اور ان کے متبعین کے باہمی مکالمات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ یہ مقامات بڑے عبرت انگیز ہیں۔ (دیکھئے (۱۴/۲۱) و (۳۳/۶۷) و (۳۴/۳۲) و (۳۷/۲۹) و (۴۰/۴۷) و (۳۸/۶۰)) ۔

ب و ل

اَلْبَالُ ۔ وہ حالت جسکے متعلق کچھ فکر یا پرواہ کی جائے۔ گرانقدر اور مہتم بالشان معاملہ جس میں جی اٹکا رہے ۔ انسان کا دل ۔ دل میں گزرنے والا خیال ۔ نیز آرزو اور تمنا * ۔ سورۃ یوسف میں ہے مَا بَالُ النِّسْوَةِ (۱۲/۵۰) ۔ ''ان عورتوں کی حالت کیا ہے،، ۔ ان کا معاملہ کیا ہے ۔ بَالٌ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔ حضرتِ یوسفؑ کو اسکی فکر تھی ۔ سورۃ محمد میں ہے وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۴۷/۲) ۔ ''خدا ان کے حالات اور معاملات کو سنوار دیگا،، ۔

ب ی ت

بَيْتٌ ۔ راغب نے کہا ہے کہ بَيْتٌ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان رات میں پناہ لے۔ لیکن اسکے بعد یہ لفظ گھر اور مکان کے معنوں میں استعمال ہونے لگا** ۔

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ **راغب ۔

بَیْتُ الرَّجُلِ آدمی کی بیوی نیز اس کے بال بچوں کو کہتے ھیں ۔ اور اَلْبَیْتُ شرف کو*۔ اَلْبَیْتُ کے معنے شادی کرنا بھی ھیں*۔

بَاتَ ۔ یَبِیْتُ ۔رات بھر کوئی کام کرنا ۔ اسکے معنے سونا اور آرام کرنا نہیں ھیں ۔ لیکن زجاج نے کہا ھے کہ ھر وہ شخص جو کہیں رات گزارے اسکے لئے بَاتَ کہنا صحیح ھے خواہ وہ رات کو سوئے یا کام کرے۔ بَیَّتَ الْاَمْرَ کے معنے ھیں کام کی تدبیر رات کے وقت کرنا ۔ یا کام کو رات کے وقت کرنا ۔ بَیَّتَ الْقَوْمَ ۔ قوم پر رات کے وقت حملہ کرنا*۔ اَلْبِیْتُ غذا ۔ اَلْبَائِتُ ۔ باسی (جو تازہ نہ ھو)**۔

سورۃ بقرہ میں اَلْبَیْتُ خانہ کعبہ کیلئے آیا ھے (۲/۱۲۵) ۔ سورۃ الفرقان میں یُبَیِّتُوْنَ (۲۵/۶۴) راتوں کو مشورہ کرنے کے معنوں میں آیا ھے یا رات گزارنے کے معنوں میں ۔ اور (۲۷/۴۹) میں یہ لفظ رات کے وقت حملہ کرنے کے معنوں میں آیا ھے ۔

بَیَاتًا (۷/۴) راتوں رات ۔

ب ی د

بَادَ ۔ یَبِیْدُ ۔ کسی چیز کا جاتے رھنا ۔ ختم ھو جانا ۔ ھلاک ھو جانا ۔ بَادَتِ الشَّمْسُ بُیُوْدًا ۔ آفتاب غروب ھو گیا ۔ اصل میں اَلْبَیْدَاءُ لق و دق جنگل یا صحرا کو کہتے ھیں جس میں سفر کرنا موجب ھلاکت ھو۔ بَادَ الشَّیْءُ کے معنے ھیں وہ چیز متفرق اور منتشر ھو گئی ۔ اسی سے اسکے معنے جاتے رھنے اور برباد ھو جانے کے آتے ھیں ۔ اَبَادَهُ اللّٰهُ ۔ خدا نے اسے ھلاک کر دیا***۔ سورۃ کہف میں ھے مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا (۱۸/۳۵) ۔ ''میں گمان تک نہیں کرتا تھا کہ یہ کبھی برباد ھوگا،، ۔ اَلْبَائِدُ ھلاک ھونے والا**۔

ب ی ض

اَلْاَبْیَضُ ۔ سفید (جمع بِیْضٌ اور مؤنث بَیْضَاءُ) ۔ اَلْبَیَاضُ ۔ سفیدی۔ یہ اَسْوَدُ اور سَوَادٌ کی ضد ھے* ۔ چونکہ عربوں کے ھاں بَیَاضٌ افضل ترین رنگ تھا اسلئے وہ فضل و کرم اور عمدہ خصائل کو بیاض سے تعبیر کرتے تھے ۔ چنانچہ جو شخص کسی عیب کے ساتھ آلودہ نہو وہ اَبْیَضُ الْوَجْهِ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

کہلاتا تھا** - نیز اس سے مراد زندگی کی بشاشت اور شگفتگی ہوتی ہے - چنانچہ قرآن کریم میں ہے یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (۳/۱۰۵) "جس دن کچھ چہرے سفید ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ،، - اس میں تَبْيَضُّ سے مراد زندگی کی مسرتیں حاصل ہونا ہیں ، جسطرح تَسْوَدُّ سے مراد حزن و غم ہے** - اَلْبَيْضَةُ - انڈا - نیز ہر چیز کی اصل اور مقامِ اجتماع - اجتماعی قوت - بنیاد - مقامِ حکومت و تسلط - جماعت - قبیلہ* - اَلْيَدُ الْبَيْضَاءُ - وہ حجت جس پر دلیل و برہان قائم ہو- یعنی روشن اور واضح دلیل - نیز وہ ہاتھ جو کسی کو کچھ دیکر احسان نہ جتائے - جو بلا سوال دے* - صاحب محیط نے اسکے معنی لکھے ہیں نعمت - قدرت - فخر - جودت - شہرت**- قرآن کریم میں ، حضرت موسیٰ کے قصے میں "ید بیضاء،، کا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۷/۱۰۸ و ۲۰/۲۲ و ۲۷/۱۲ و ۲۸/۳۲) اس کے مجازی معنی روشن اور واضح دلائل کے ہیں - صاحب لطائف اللغۃ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے -

قرآن کریم نے جنتی عورتوں کے متعلق کہا ہے کَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ (۳۷/۴۹) یوں سمجھو جیسے وہ محفوظ رکھے ہوئے "انڈے،، ہیں - سفید - شفاف - بے داغ- گوہر آبدار - كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (۵۵/۵۸) - "گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں،، - وہ عفت مآب جنہیں (شادی سے قبل) کسی نے چھوا تک نہ ہو (۵۵/۵۶)- عفت و عصمت اور شرف و مجد کی مالک خواتین -

اِبْيَضَّتْ یا بَيَّضَتْ کے معنی ہیں بھر جانا - آنکھوں میں آنسو بھر جانا - اِبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ - اسکی آنکھیں آنسؤں سے بھر گئیں*** - سورۃ یوسف میں حضرت یعقوب کے متعلق ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ (۱۲/۸۴) - اسکے یہی معنی ہیں - یعنی غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسؤں سے بھری رہتی تھیں -

ب ی ع

بَاعَ - يَبِيْعُ - بَيْعاً - کسی چیز کو فروخت کردینا یا خرید لینا - دونوں معنوں میں آتا ہے -

---

*تاج - **محیط - ***رازی -

سورۃ بقرۃ میں ہے یَوْمٌ لَا بَیْعٌ فِیْهِ (۲/۲۵۴) "جس دن خرید و فروخت نہیں ہوگی" اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے۔ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (۲/۲۷۵) "خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربو کو حرام ٹھہرایا ہے"۔ آگے چل کر (جہاں لین دین کے معاملات کے متعلق احکام دئیے گئے ہیں) کہا گیا ہے کہ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً (۲/۲۸۲) "نقد تجارت کی صورت میں لکھنے کی ضرورت نہیں" وَ اَشْهِدُوْا اِذَا تَبَایَعْتُمْ (۲/۲۸۲) "جب باہمی بیع کا معاملہ ہو تو اس پر گواہ ٹھہراؤ"۔ (اور لکھو بھی۔ سباق سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں اس خرید و فروخت کیطرف اشارہ ہے جو نقد نہ ہو) اس سے معلوم ہوا کہ تجارت اور بیع میں فرق ہے۔ اس کی تائید سورۃ نور سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ (۲۴/۳۷)۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی"۔ آجکل کی اصطلاح میں ان دونوں میں فرق یہ سمجھئے کہ بَیْعٌ تو عام خرید و فروخت کو کہینگے "تجارۃ" اسے جسے انگریزی میں (Trade or Commerce) کہتے ہیں*۔ یا تجارت، پیشہ ورانہ سوداگری کو کہینگے اور بَیْعٌ میں عام تبادلۂ اشیاء آجائیگا۔

اس آیت کو پھر سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربو کو حرام"۔ (۲/۲۷۵) "ربو" کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوان میں کی جائیگی۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے "بیع" کسے کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے (اور اسی کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے) کہ بیع، یعنی خرید و فروخت میں جسقدر منافع لے لیا جائے وہ جائز ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ سورۂ تطفیف میں ہے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَ اِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳/۱-۳)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے۔ "تباہی ہے ان کے لئے جو کمی کرتے ہیں۔ یعنی ان کے لئے کہ وہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا ماپ لیتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"۔ ان آیات کا یہی مفہوم نہیں کہ "ماپ تول پورا رکھنا چاہئے"۔ یہ آیات، قرآنی نظام معیشت کے ایک بہت بڑے اصول کو بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ (مثلاً) ایک

*لین۔

کاریگر جوتا بنا کر دوکاندار کے پاس لاتا ہے۔ دوکاندار کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے کم سے کم دام دیکر جوتا خریدے۔ پھر جب اسی جوتے کا گاھک آتا ہے تو دوکاندار اس سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یہ وہ تاجرانہ ذہنیت ہے جسے قرآن کریم نے تباھی کا موجب بتایا ہے اور اس کمائی کو ''تطفیف'' کہکر پکارا ہے۔ یہ دوکاندار، کاریگر کو کم از کم دام کیوں دیتا ہے؟ یا یوں کہئے کہ کاریگر، کم از کم داموں پر اپنی چیز بیچنے پر کیوں مجبور ھوجاتا ہے؟ اس لئے کہ اس کے پاس ''سرمایہ'' نہیں۔ لہذا یہ ''منافع'' (جو اسطرح گاھک سے وصول کیا جاتا ہے) سرمایہ پر بڑھوتی ہے جو جائز نہیں ھوسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ دوکاندار کو کسقدر منافع لینا جائز ہے۔ اس کا جواب آسان ہے۔ دوکاندار ایک تو سرمایہ لگاتا ہے۔ اور دوسرے دن بھر دوکان پر بیٹھکر محنت کرتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے اصول یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹) ''انسان کے لئے وھی ہے جس کے لئے وہ محنت کرے''۔ لہذا یہ دوکاندار اپنی محنت (Labour) کے معاوضہ کا حقدار ہے۔ سرمایہ پر زیادہ لینے کا حقدار نہیں۔ اس کے لئے یہ مقرر ھونا چاھئیے کہ اس دوکاندار کی دن بھر کی محنت کا معاوضہ کیا ھونا چاھئے۔ وہ اس کاروبار میں سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ یعنی وہ گاھک سے ''رأس المال + اپنی محنت'' لے سکتا ہے۔ معاشیات میں قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) ''نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے''۔ نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ تم پر زیادتی کی جائے۔ ربوٰ میں چونکہ محنت کچھ نہیں ھوتی۔ صرف سرمایہ پر بڑھوتی لی جاتی ہے، اسلئے اس میں صرف رأس المال کا واپس لینا جائز ہے (۲/۲۷۹)۔ اور بیع میں چونکہ ساتھ محنت بھی ھوتی ہے اسلئے اسمیں رأس المال اور محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ صورت بھی اسوقت تک ھوگی جب تک قرآن کا معاشی نظام اپنی مکمل شکل میں قائم نہیں ھوتا۔ اسوقت تمام افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ (مملکت) پر ھوگی اور اشیاء کے تبادلہ میں منافع لینے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوگا۔

لہذا جس کاروبار میں صرف سرمایہ سے آمدنی ھو جائے اسلامی معاشرہ میں وہ جائز نہیں ھوگا۔ بیع اور ربوٰ میں فرق یہ ہے کہ بیع میں سرمایہ کے ساتھ محنت بھی ھوتی ہے اور ربوٰ میں فقط سرمایہ ھوتا ہے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

بَیْعٌ کے معنی باھمی معاھدہ کے بھی ھوتے ھیں* - قرآن کریم کی رُو سے مؤمن اور اس کے خدا کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ھوتا ھے جس کی تفصیل یہ ھے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (۹/۱۱۱) "بے شک اللہ نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے عوض کر لیا ھے" - ظاھر ھے کہ اس معاھدہ کی رُو سے نہ مال افراد کی ذاتی ملکیت میں رھتا ھے، نہ وہ اپنی جان کے آپ مالک ھوتے ھیں - یہ دونوں ان کے پاس بطور امانت رھتے ھیں - ان کے معاوضہ میں انھیں اس دنیا میں بھی جنتی زندگی دیدی جاتی ھے اور آخرت میں بھی (تفصیل میری کتاب "نظام ربوبیت" میں ملیگی) - عملاً یہ معاھدہ اُس نظام کے مرکز کے ساتھ ھوتا ھے جو دنیا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مُتشکل ھوتا ھے (سب سے پہلے رسول اللہؐ کے ساتھ اور حضورؐ کے بعد خلافت علیٰ منھاجِ رسالت کے ساتھ جو ھمیشہ قائم کی جاسکتی ھے) یہی وہ معاھدہ ھے جو شروع میں اسلام لاتے وقت کیا جاتا ھے، جیسا کہ سورۃ ممتحنہ میں آیا ھے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ .... (٦٠/۱۲) "اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس اس معاھدہ کے لئے آئیں" - اور جس کی تجدید اسوقت ھوتی ھے جب اس نظام کو سخت مشکلات کا سامنا ھو اور جماعتِ مؤمنین کو سربکف میدان میں نکل آنا پڑے - یہ وہ بیعت تھی جو جماعت مؤمنین نے حدیبیہ کے مقام پر کی تھی اور جس کا ذکر سورہ فتح میں ان الفاظ میں آیا ھے - اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (۴۸/۱۰) - "جو لوگ تجھ سے بیعت (معاھدہ) کرتے ھیں وہ درحقیقت اللہ سے معاھدہ کرتے ھیں - ان کے ھاتھ پر (بظاھر تمہارا ھاتھ لیکن درحقیقت) اللہ کا ھاتھ ھوتا ھے" - آپ نے دیکھا کہ جو معاھدہ خدا کے ساتھ کیا جانا ھو اسکی عملی شکل کیا ھوتی ھے؟ یعنی وہ معاھدہ اس نظام کے مرکز کے ساتھ کیا جاتا ھے جو قوانین خداوندی کی بنیادوں پر قائم ھو - یہ تھی وہ بیعت جو جان اور مال، یعنی سب کچھ دیکر جنت لینے کے لئے کی جاتی تھی - لیکن جب دین، مذھبِ خانقاھیت میں بدل گیا تو بیعت سے مفہوم رہ گیا "پیری مریدی کی بیعت"!

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذھبِ مردانِ خود آگہ و خدا مست
یہ مذھبِ ملّا و نباتات و جمادات (اقبال)

* تاج

اَلْبِیْعَۃُ - یہود کا کنیسہ یا نصاریٰ کی عبادت گاہ* (۲۲/۴۰) - صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ کنیسہ یہودیوں کی عبادتگاہ کو کہتے ہیں اور اَلْبِیْعَۃُ نصاریٰ کی -

ب ی ن

اَلْبَیْنُ - جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا (لازم و متعدی) بعض لغویین کا خیال ہے کہ اس میں جدا ہونے اور ملنے کے متضاد معنی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ خیال کمزور سا ہے - اس کا صحیح استعمال فَصْلٌ (الگ الگ کرنے) کیلئے ہوتا ہے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں- اَلْبَیْنُ دو زمینوں کے درمیانی فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں - بَانُوْا بَیْناً - وہ جدا ہوگئے - بَانَ الشَّیْئُ - وہ چیز منقطع ہو گئی - ضَرَبَہٗ فَاَبَانَ رَاْسَہٗ - اسے مارا اور اسکا سر اس کے جسم سے الگ کردیا - طَلَاقٌ بَائِنٌ اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات منقطع ہو جائیں* - (واضح رہے کہ یہ ایک فقہی اصطلاح ہے - قرآن کی رو سے طلاق رشتہ مناکحت کو منقطع کر دینے کے فیصلہ کا نام ہے دیکھئے عنوان ط - ل - ق) بَیْنَ - دو چیزوں کے وسط اور درمیان کو کہتے ہیں *

اَلْبَیَانُ کے معنے ہیں کسی چیز کا کھل کر سامنے آجانا، واضح ہو جانا، نمودار ہوجانا - (اس میں لازم اورمتعدی دونوں معنے پائے جاتے ہیں)- بَیَّنَ الشَّجَرُ - درخت کے پتے نکل آئے - یا جو چیزیں سب سے پہلے نمودار ہوتی ہیں (شگوفے وغیرہ) وہ نمودار ہوگئیں - بَیَّنَ الْقَرْنُ - سینگ نکل آیا - صاحب محیط کے نزدیک وہ دلیل وغیرہ جس سے کوئی چیز آشکارا اور واضح ہوجائے بَیَانٌ کہلاتی ہے** - قرآن کریم میں تَبْیِیْنٌ بمقابلہ کِتْمٌ آیا ہے (۲/۱۵۹؛ ۳/۱۸۶) کِتْمَ کے معنے ہیں کسی چیز کو چھپا دینا - لہذا تَبْیِیْنٌ کے معنے ہوئے کسی چیز کا ظاہر کر دینا - نمایاں کر دینا - دوسری جگہ یہ لفظ اِخْفَاءٌ (چھپانا) کے مقابلہ میں آیا ہے (۵/۱۵) - اسی جگہ قرآن کو کِتَابٌ مُبِیْنٌ (۵/۱۵) کہا گیا ہے - حقائق مستورہ کو ظاہر کرنے والا ضابطۂ حیات - یا وہ ضابطۂ حیات جو کھلے کھلے حقائق اپنے اندر رکھتا ہے - جن حقائق کا تعلق دنیائے محسوسات سے ماوراء ہے انکا معلوم کرلینا انسان کے بس کی بات نہیں - وہ انسانی عقل کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں - انہیں خود خدا وحی کے ذریعے رسول پر

*تاج - ** محیط

منکشف کرتا ہے - اسطرح حقیقت کو منکشف کردینے کا نام تبیان ہے - اسی لئے قرآنی حقائق کو بینات کہا گیا ہے - یعنے وہ حقیقتیں جنہیں خدا نے خود ظاہر کیا ہے - اگر وہ انہیں بیان (ظاہر) نہ کرتا تو وہ مستور ہی رہتیں -

یہانتک اس مرحلہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان مستورہ حقائق کو بذریعہ وحی نبی اکرم پر منکشف کیا - اب اگلا مرحلہ دیکھئے - اور وہ بھی بہت اہم ہے -

قرآن کریم کی رو سے خدا کیطرف سے انسانوں پر انکشاف حقیقت کا ایک ہی طریق ہے جسے وحی کہتے ہیں - اور وحی، حضرات انبیاء کرام کے لئے مخصوص تھی - لیکن انسانی ذہن نے غیر از انبیاء پر بھی انکشاف حقیقت کا تصور پیدا کر لیا اور اسے کشف و الہام کا نام دیدیا (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ل ہ م) - اور کشف و الہام کے متعلق یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ اس سے صرف وہی شخص کیف اندوز ہو سکتا ہے جس پر حقائق منکشف ہوں - انہیں دوسروں تک منتقل نہیں کیا جا سکتا - ''ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی،، اور'' کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیاید ،، وغیرہ قسم کے اقوال اسی عقیدہ کے مظہر ہیں - قرآن نے کہا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے - خدا کیطرف سے کشف حقیقت سے مقصود ہی یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر کیا جائے - یہ انکشاف حقائق ایک فرد (رسول) کے ذریعے تمام انسانوں کے لئے کیا جاتا ہے لہذا اس فرد (رسول) کا فریضہ ہے کہ اسے دوسروں پر ظاہر کرے - اور جن پر اسے ظاہر کیا جائے ان کا فریضہ یہ ہے کہ غور و فکر سے اسے سمجھیں اور پھر دوسروں پر اس کا اظہار کریں - یہی وہ عظیم حقیقت ہے جسے سورۃ نحل میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶/۴۴) ''اور ہم نے اس ضابطہ قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تا کہ جو کچھ لوگوں کیطرف نازل کیا گیا ہے تو اسے لوگوں پر ظاہر کر دے اور تا کہ وہ اس میں غور و فکر کریں ،، (نیز ۱۶/۶۴) - یعنی قرآن نے یہ کہا ہے کہ -

(۱) خدا نے رسول کیطرف کتاب نازل کی - (اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ)

(۲) لیکن یہ کتاب درحقیقت تمام انسانوں کیطرف نازل کی گئی ہے (مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) - اس لئے

(۳) رسول کا فریضہ ہے کہ اسے (اپنے تک ہی محدود نہ رکھے، جیسا کہ

کشف و الہام کے غلط تصور کی بناء پر سمجھا جاتا تھا) بلکہ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔ (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ)۔ اسے ان تک پہنچا دے۔ (بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۔ ۔ ۔ ۵/۶۷)۔

(۳) جو لوگ اسے چھپاتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ میں کہا گیا ہے ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۲/۱۵۹)۔ "جو لوگ اسے چھپاتے ہیں جو ہم نے کھلی کھلی باتوں یعنی ہدایت سے نازل کیا ہے ۔ بعد اس کے کہ ہم نے اسے قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا ہے ۔ تو ان لوگوں پر خدا کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے" (لعنت کے لئے دیکھئے عنوان (ل ۔ ع ۔ ن)۔ اس کے بعد ہے ۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۲/۱۶۰) "مگر وہ لوگ جو اس روش سے باز آ گئے ۔ اور انہوں نے اصلاح کر لی ۔ اور ظاہر کر دیا (جو کچھ اللہ نے نازل کیا تھا)۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی طرف میں لوٹ کر آ جاتا ہوں"۔

جو کتاب رسول اللہؐ کی طرف نازل کی گئی (یعنی قرآن کریم) اس کے متعلق بتا دیا کہ ۔

(۱) وہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے (۱۶/۸۹)۔ یعنی جن باتوں کو بذریعہ وحی دیا جانا مقصود تھا اس نے ان سب باتوں کو ظاہر کر دیا ہے ۔ کوئی بات چھپی نہیں رہی۔ دوسری جگہ ہے كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (۲/۱۸۷) "اس طرح اللہ اپنے احکام کو لوگوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے تا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں"۔

(۲) لہذا یہ کتاب تمام نوع انسانی کے لئے اظہار حقیقت ہے۔ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (۳/۱۳۷)۔

(۳) اس میں صحیح اور غلط راستے بالکل ظاہر ہو گئے ہیں ۔ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲/۲۵۶)۔

(۴) یہ كِتَابٌ مُّبِينٌ (۵/۱۵) ہے ۔ یعنی بالکل واضح اور ظاہر ۔ کھلے اور واضح راستے کو إِمَامٍ مُّبِينٍ (۱۵/۷۹) کہتے ہیں ۔

(۵) یہ روشنی ہے - قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۵/۱۵) "یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) یعنی واضح کتاب آ گئی"۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی - وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے - اس سے ہر شے نکھر کر سامنے آ جاتی ہے - اس لئے اسے تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲/۱۱۱) بھی کہا گیا ہے - "تفصیل" کے معنی ہیں الگ الگ کر کے دکھا دینا (دیکھئے عنوان ف - ص - ل)۔

یہ ہیں اس کتاب (قرآن) کی خصوصیات جسے اللہ تعالیٰ نے بوساطت نبی اکرمؐ تمام نوع انسانی کو دیا - اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کا انداز تَبْيِيْن کیا ہے - سورۃ انعام میں ہے وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۱۰۶) "اس طرح ہم اس کی آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ یہ کہیں کہ تو نے بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا - اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں پر ظاہر کر دیں جو علم سے کام لیتے ہیں"۔ یعنی قرآن تصریف آیات سے تبیانِ حقیقت کرتا ہے اور اسے علم و فکر کی رو سے سمجھا جاتا ہے -

اَلْبَيِّنَةُ کے معنی ہیں ایسی دلیل جو عقلی طور پر یا محسوس طور پر واضح ہو* - جمع بَيِّنَاتٌ ہے -

قرآن کریم نے انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۵۵/۴) - اللہ نے اسے اظہارِ خیالات کی صلاحیت دی ہے - یعنی یہ صلاحیت کہ وہ زبان اور قلم کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچا سکے - یہ خصوصیت انسان کو باقی حیوانات سے متمیز کرتی ہے اور انسانی تہذیب و تمدن اور عروج و ارتقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہے -

بَيْنَ کے معنی ہیں درمیان - فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (۲/۱۱۳) - "اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے"۔ (بَيْنَ يَدَيْهِ کے لئے دیکھئے عنوان ی - د - ی)۔

اِسْتَبَانَ الْاَمْرُ۔ معاملہ کھل گیا، ظاہر اور واضح ہوا۔ قرآن کریم میں ہے وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (۶/۵۵)، تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے۔ تَبَيَّنَ الشَّيْءُ۔ چیز واضح اور ظاہر ہوئی۔ تَبَيَّنْتُهٗ۔ میں نے اسے کھولا، واضح کیا اور اسے سمجھا (لازم و متعدی)۔ (۴۹/۶)۔

---

*تاج و راغب -

ت

ت - (حرف)

ت - یہ حرف جر ہے جو قسم کھانے کے معنوں میں آتا ہے - جیسے تَاللہِ (۱۲/۸۵) "اللہ کی قسم" - الثعالبی نے (فقہ اللغہ میں) لکھا ہے کہ یہ "تاء" اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتی -

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں یَآبَتِ آیا ہے جس کے معنی ہیں " اے میرے باپ" (مثلاً ۱۲/۴) - یہاں تِ دراصل یِ کی جگہ آئی ہے - یہ صرف أب* کے ساتھ خصوصیت ہے -

تَابُوْتٌ

تَابُوْت* - صندوق* - (۲/۲۴۸) - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے قلب اور سینے کے بھی ہیں** - لسان العرب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے - اس اعتبار سے (۲/۲۴۸) میں اسکے معنی ایسے قلب کے ہونگے جو سکون و اطمینان سے لبریز ہو اور اسمیں حضرت موسیٰ؏ و ہارون؏ کی تعلیم ہو اور اسے کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی تائید حاصل ہوتا کہ اسمیں ثبات اور استقامت رہے - مراد یہ ہے کہ حضرت طالوت کو اس قسم کا قلب عطا ہوا تھا - اور اگر اس کے مجازی معنی نہ لئے جائیں تو اس سے مراد وہ تابوت ہے جس کا ذکر بائیبل میں آیا ہے -

(بعض کے نزدیک یہ تَابَ سے ہے - دیکھئے عنوان ت - و - ب)

ت ب ب

التَّبّ* - خسارہ - آلتَّبَاب - التَّبِیْب - التَّتْبِیْب - نقصان اور خسارہ - ہلاکت اور تباہی - بربادی* - سورۃ ہود میں ہے وَ مَا زَادُوْہُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (۱۱/۱۰۱) - "اس سے انکا نقصان یا ہلاکت ہی زیادہ ہوئی" -

---

* تاج - ** راغب -

سورۃ المومن میں ہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِيْ تَبَابٍ (۴۰/۳۷) - ''فرعون کی تدبیر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی''۔ تَبَّ فُلَانًا - اس نے فلاں آدمی کو ہلاک کر دیا - اِسْتَتَبَّ الرَّجُلُ - آدمی ضعیف اور کمزور ہوگیا - عاجز ہو گیا ** - اَلتَّابُ - کمزور اور بوڑھا آدمی - اونٹ یا گدھا جسکی کمر زخمی ہوگئی ہو اور اسطرح وہ کام کے قابل نہ رہے * -

قرآن کریم میں ہے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱/۱) - ''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوگئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا'' - وہ خود بھی تباہ ہوگیا اور جس قوت کے بل پر وہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہوگئی - وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا - تباہ و برباد ہو گیا - سخت نقصان میں رہا - (راغب کے الفاظ میں) مسلسل خسارہ میں رہا *** -

ت ب ر

اَلتِّبْرُ - سونا - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چاندی اور دیگر معدنیات کو بھی کہتے ہیں - بالخصوص اس حالت میں جبکہ انہیں کان سے نکالا جائے اور صاف کر کے ڈھالا نہ جائے - اَلتَّبْرُ - توڑ دینا - ہلاک کر دینا * - ابن فارس نے اس کے یہ دونوں معانی بنیادی لکھے ہیں - وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا (۲۵/۳۹) - '' ان سب کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ،، - ہلاک کر دیا - تباہ و برباد کر دیا - تَبَارًا (۷۱/۲۸) - ہلاکت - مُتَبَّرٌ (۷/۱۳۹) - ہلاک شدہ - برباد شدہ - ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا -

ت ب ع

تَبِعَ کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا - بَقَرَةٌ مُتْبِعٌ اس گائے کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو - اور اس کے پیچھے چلنے والے بچھڑے کو تَبِيْعٌ کہتے ہیں - اَلتَّبَعُ - پیچھے چلنے والا (یہ تَابِعٌ کی جمع بھی ہے یعنی پیچھے چلنے والے) - اَتْبَعْتُهُمْ - میں ان کے پیچھے پیچھے چلا - وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے لیکن میں نے انہیں جا لیا * -

قرآن کریم میں تَبِعَ کا لفظ عَصَىٰ (سرکشی) کے مقابلے میں آیا ہے (۱۴/۳۶) - لہذا اِتِّبَاعٌ کے معنے ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت - ان قوانین کو (Follow) کرنا - اس کے برعکس وہ شخص ہے مَنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (۲/۱۴۳) - '' جو پچھلے پاؤں واپس ہو جاتا ہے ،، -

---

* تاج - ** محیط - *** راغب -

دین چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ھے اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع انفرادی طور پر نہیں ھوگا بلکہ نظام کے تابع ھوگا۔ یہ نظام سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ اس لئے اتباع قوانین خداوندی آپؐ کے اتباع سے ھوتا تھا (۷/۱۵۷)۔ آپؐ کے بعد یہ نظام آگے چلا اس لئے اس نظام میں خلیفۃ الرسول کے اتباع نے وھی مقام لے لیا۔ یہی وجہ ھے جو قرآن نے کہا ھے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تم پھر اپنی قدیم روش پر نہ چلے جانا بلکہ اس سلسلہ اتباع کو جاری رکھنا۔ دیکھئے (۳/۱۴۳)۔ واضح رھے کہ اتباع اور اطاعت میں ذرا سا فرق ھوتا ھے۔ جیسے پیروی اور فرمانبرداری میں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اطاعت بھی اس فرمانبرداری کو کہتے ھیں جو بطیب خاطر کی جائے لیکن اس میں حکم کا شائبہ یا کسی قدر قانونی تقاضا ضرور ھوتا ھے۔ لیکن اتباع میں انسان، تَبِیْعٌ کی طرح، بلاحکم و فرمان، محبانہ جذبہ اور کشش سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتا ھے۔

اَلتَّابِعُ اور اَلتَّبِیْعُ۔ خادم کو کہتے ھیں*۔ تَابِعٌ کی جمع، اَلتَّابِعِیْنَ (۲۴/۳۱)۔ لیکن (۱۷/۶۹) میں تَبِیْعًا کے معنے ھیں کسی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا۔ یا باز پرس کرنے والا۔ نیز مطالبہ یا تقاضا کرتے ھوئے پیچھے لگ جانے والا۔ سورۃ الشعراء میں اِتِّبَاعٌ کا لفظ جلوس نکالنے کے مفہوم میں استعمال ھوا ھے۔ یعنی فاتح ساحرین کو آگے رکھکر ان کا جلوس نکالا جائے (۲۶/۴۰)۔

تَتَبَّعَ کے معنے ھیں ایک بات کے ساتھ ھی دوسری بات لیے آنا۔ یکے بعد دیگرے (مسلسل) واقع ھونا۔ پے در پے واقع ھونا*۔ اَلتُّبَّعُ یمن کے بادشاھوں کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ھوتے رھتے تھے*۔ قرآن کریم میں قوم تُبَّعٍ کا ذکر آیا ھے۔ (۵۰/۱۴)۔ اسے الگ عنوان میں بیان کیا گیا ھے۔ (دیکھئے عنوان تُبَّعٌ)۔

کتاب الاشتقاق میں اَلتُّبَّعُ کے معنی اَلظِّلُّ (سایہ) دئے ھیں۔ شاید اس لئے کہ سایہ، روشنی کے سر چشمہ کے پیچھے پیچھے چلتا ھے۔

تبع

سورۃ قٓ میں ھے وَاَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ۔ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ (۵۰/۱۴)۔ "اصحاب الایکۃ اور قوم تُبَّع، ان سب نے ھمارے رسولوں

---

* تاج۔

کو جھٹلایا،، ۔ دوسری جگہ قریش کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ آھُمْ خَیْرٌ آمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (۴۴/۳۷) ''کیا (یہ قریش) بہتر ھیں یا قوم تُبَّع،، ۔

تذکرۂ حضرت سلیمانؑ میں بتایا گیا ہے کہ یمن کے مشرقی علاقہ میں سبا کی حکومت تھی۔ اسی قوم کی ایک شاخ مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے حِمْیَر کہتے ھیں۔ جب رومیوں نے اھل سبا کی تجارت کو تباہ کیا تو حمیر کا ستارۂ اقبال چمک اٹھا اور وہ بڑی زبردست قوت اور دولت کے مالک بن گئے ۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنا لقب تُبَّع اختیار کیا جس کے معنی(حبشی زبان میں) سلطان کے ھیں۔ یعنی غلبہ و استیلاء اور قوت و جبروت کا مالک ۔ یہ خاندان بھی (اھل سبا کیطرح) شروع میں کواکب پرست تھا لیکن بعد میں انہوں نے یہود کا مذھب اختیار کر لیا۔ جب ذونواس کے زمانہ میں عیسائیوں نے اپنے مذھب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ھو گیا ۔ اس نے عیسائیت کے مرکز نجران پر حملہ کر دیا ۔ پہلے تو اھل شہر قلعہ گزیں ھو گئے لیکن بالآخر شکست کھائی ۔ ذونواس کا تعصب بڑھ کر بربریت کی حد تک پہنچ گیا ۔ اس نے بڑے بڑے گڑھوں میں آگ جلائی اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں ۔ جو اس سے انکار کرتا آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا ۔ قرآن کریم نے ذونواس کے اس سرکش لشکر کو آصْحابُ الْاُخْدُوْدِ کہا ھے اور ان کے اس ظلم کی سخت مذمت کی ھے (۸۵/۴)۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا مقصد دنیا میں ظلم کو روکنا ھے خواہ وہ کسی کے ھاتھوں سے ھو اور کسی کے خلاف ھو۔

ت ج ر

تِجَارَۃٌ ۔ (پیشہ ورانہ) خرید و فروخت۔ سودا گری۔ کاروبار کو کہتے ھیں۔ راغب نے تجارۃٌ کے معنے نفع کمانے کے لئے راس المال کو کاروبار میں لگانا بتائے ھیں ۔ محیط نے تجارۃ کے معنے وہ سامان بھی بتائے ھیں جس سے تجارت کی جائے ۔ تَاجِرٌ پیشہ ور خرید و فروخت کرنے والے کو کہتے ھیں۔ عرب شراب بیچنے والے کو بھی تاجِرٌ کہتے تھے* ۔ مجازاً کسی معاملہ میں مہارت اور ھوشیاری کو بھی تِجَارَۃٌ کہتے ھیں اور حاذق و ماھر کو تَاجِرٌ*۔

قرآن کریم میں ھے فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُہُمْ (۲/۱۶) ۔ ''انکی خرید و فروخت (ھدایت کے بدلے گمراھی اختیار کر لینے) نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا،، ۔

---

*تاج و محیط ۔

قرآن کریم نے ایمان (اسلام) کو بھی ایک قسم کی تجارت قرار دیا ہے جس میں بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کا معاملہ ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ... (۹/۱۱۱)۔ ''یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں۔ اور ان کے بدلے میں انہیں جنت عطا کر دی ہے،،۔ اس تجارت میں جماعتِ مومنین اپنی وہبی اور اکتسابی صلاحیتوں کے نتائج (جان اور مال) کو اس معاشرہ کے سپرد کر دیتے ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوتا ہے اور یہ معاشرہ ان کے لئے دنیا میں جنتی زندگی کے سامان مہیا کر دیتا ہے (اور آخرت میں بھی انہیں جنت ملتی ہے)۔ یہی وہ تجارت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۔ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۔ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (۶۱/۱۰-۱۱)۔ ''اے جماعتِ مومنین! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلادے؟ ۔ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جدو جہد کرو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لو گے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائیگی کہ یہ تجارت تمہارے لئے کسقدر اچھی ہے،،۔ اس تجارت کا ماحصل عام کاروبار سے کہیں زیادہ نفع رساں ہے (۶۲/۱۱) **۔

تبادلۂ اشیاء (خرید و فروخت) کے معاملہ میں کسقدر منافع لیا جاسکتا ہے، اسکے متعلق عنوان (ب۔ی۔ع) میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اصول یہ ہے کہ منافع صرف محنت کے معاوضہ کے برابر لیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ پر کچھ نہیں لیا جا سکتا۔ یہی اصول تجارت پر بھی صادق آئیگا۔ اس اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (۴/۲۹)۔ ''تم ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے مت کھاؤ۔ سوائے اسکے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو،،۔ آجکل ''باہمی رضامندی سے تجارت،، سے مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ تم جسقدر جی چاہے منافع گاہک سے طلب کرو اور کہدو کہ جی چاہے تو خریدو

*تاج و محیط ۔ ** تجارت اور بیع میں فرق کے لئے دیکھئے عنوان (ب۔ی۔ع)

نہ جی چاہے نہ خریدو۔ اس کے بعد اگر وہ خرید لیتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا منافع دینے پر رضامند ہو گیا ہے ۔ ایسا سمجھنا خود فریبی ہے ۔ گاہک اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر منہ مانگی قیمت دیتا ہے ۔ یہ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ نہیں کہلا سکتی ۔ جب منافع صرف محنت کا معاوضہ ہو جسے معاشرہ متعین کردے ، تو اسے ہر شخص بہ طیب خاطر ادا کردیگا ۔ اسے تراضی مابین کہا جائیگا۔ پہلی شکل تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت کے ساتھ) کہا ہے کہ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (۴/۲۹) "ایک دوسرے کو قتل مت کرو" ۔ یا "اپنے لوگوں کو قتل مت کرو" ۔ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگے دام لینا ، اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے ۔ محنت کا معاوضہ لینا ایسا اصول ہے جس میں لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو ۔ نہ کوئی تم پر زیادتی کرے ۔ تبادلہ اشیاء کا طریق کار ، معاشرہ میں ایک دوسرے کی زندگی بڑھانے کے لئے ہونا چاہئے ۔ نہ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ۔ اگر تجارت ، قرآن کی مستقل اقدار کے راستے میں حائل ہوتی ہے تو اسکا انجام تباہی ہے ۔ (۹/۲۴) ۔

ت ح ت

تَحْتٌ ۔ فَوْقٌ (اوپر) کی ضد ہے ۔ یعنی نیچے ۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲/۲۵) ۔ "جن کے نیچے نہریں جاری ہیں" ۔
اَلتُّحُوْتُ تَحْتٌ کی جمع ہے جسکے معنے ہیں رذیل اور پست درجے کے لوگ* ۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْتَ کسی شے کے نچلے حصے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے الگ اس کے نیچے کی چیز کے لئے بولتے ہیں ۔ اس کے بر عکس ، اَسْفَلُ اسی چیز کے نیچے کے حصے کو کہتے ہیں ۔ یعنی جب ایک چیز کے نیچے کوئی دوسری چیز ہوگی تو اسوقت تَحْتٌ کہینگے ۔ لیکن جب اسی چیز کا نچلا حصہ کہنا ہو تو اَسْفَلُ کہینگے ۔

ت ر ب

اَلتِّرْبُ ۔ اَلتُّرَابُ ۔ مٹی (عَلَیْهِ تُرَابٌ ۲/۲۶۴) ۔ اسکی جمع

---

*تاج ۔

أَتْرِبَةٌ* اور تِرْبَانٌ* آتی ہے ۔ مَتْرَبَةٌ* ۔ مسکنت ۔ افلاس ۔ فاقہ ۔ ذَامَتْرَبَةٍ (۹۰/۱۶) ۔ خاک آلود ۔ حاجتمند ۔ مصیبت زدہ*

جَمَلٌ* تَرَبُوتٌ* ۔ فرمانبردار اور سدھا ہوا اونٹ*

اَلتَّرَائِبُ ۔ سینہ کی ھڈیاں (۸۶/۷) ۔

اَلتِّرْبُ ۔ ھم عمر ۔ جمع أَتْرَابٌ* ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ ھمسر اور برابر کے لوگوں کو کہتے ھیں اور یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ھے ۔ نیز اس کے معنی رفیق ۔ حبیب ۔ دوست اور سہیلی کے ھیں ۔

قرآن کریم میں جنت کے سلسلہ میں عُرُباً أَتْرَاباً (۵۶/۳۷) ۔ یا كَوَاعِبَ أَتْرَاباً (۷۸/۳۳) کا ذکر آیا ھے ۔ اسکے معنے عام طور پر ھمعمر بیویاں کئے جاتے ھیں لیکن دراصل اس کے معنے ایسے ساتھیوں کے ھیں جو عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے مماثل (ملتے) ھوں * ۔ ھم رنگ ۔ ایک ھی مٹی کے بنے ھوئے ۔ كَوَاعِبَ أَتْرَاباً اور عُرُباً أَتْرَاباً میں أَتْرَاباً صفت ھے كَوَاعِبَ اور عُرُباً کی ۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ایسی عورتیں ھونگے جو ھم مزاج اور مماثل ھوں ۔ یہ ھم مزاجی اور مماثلت عورتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی ھو سکتی ھے ۔ یعنی ان میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات عداوت و رقابت اور بیگانگی و مغایرت نہیں ھونگے بلکہ ان میں موافقت خیالات و تصورات ھوگی ۔ اور میاں بیوی میں باھمی موافقت اور مماثلت بھی مراد ھو سکتی ھے ۔ یعنی ایسی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے ھم مزاج و ھم خیال ھونگی ۔ اخروی جنت میں ان تعلقات کی کیا کیفیت ھوگی ، اس کا ھم اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ لیکن اس دنیا میں ، میاں اور بیوی کا ھم مزاج و ھم خیال ھونا جسطرح گھر کو جنت بنا سکتا ھے وہ ظاھر ھے (۲/۲۳۱) ۔ نیز چونکہ أَتْرَابٌ* ، ھمسر اور برابر کے لوگوں کو بھی کہتے ھیں ، اس لئے اس میں برابری اور مساوات کا پہلو بھی نمایاں ھے ۔ (اس کے لئے عنوان ز ۔ و ۔ ج بھی دیکھئے) ۔

ت ر ف

التُّرْفَةُ ۔ آسودگی اور فراخئی عیش ۔ عمدہ چیز ۔ خوشگوار کھانا ۔ تَرِفَ ۔ وہ آسودہ و خوش حال ھوا ، اسے عیش و آرام کے سامان مل گئے ۔

* تاج

اَتْرَفَ - اسے خوش حال و آسودہ کیا - اَلْمُتْرَفُ - وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہو اور لذات و شہوات میں بڑھتا چلا جائے جسے فراخی عیش اور آسودگی نے بدمست کردیا ہو - بعض لوگوں نے اسکے معنے ایسے خوشحال کے کئے ہیں جس کے پاس کثرت سے دولت ہو اور وہ اسکی بنا پر لیڈر بن جائے ، اور جو کچھ کرے اس پر اسے ٹوکا نہ جائے - نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو* - جو کثرت دولت کی بنا پر سرکشی اختیار کرے - اسکی جمع مُتْرَفُوْنَ اور مُتْرَفِیْنَ ہے* - اَتْرَفَ فُلَانٌ* - اسنے سرکشی اختیار کرلی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا -

مُتْرَفِیْنَ - قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے - اسنے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی صحیح نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا تو قوم کے مُتْرَفِیْن نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی - یہہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی - اسلئے یہ ہمیشہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں - دیکھئے قرآن کس حصر کے ساتھ کہتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ($\frac{34}{34}$) " ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے مترفین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں "- اس سے اگلی آیت نے مترفین کی وضاحت کردی - قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ($\frac{35}{34}$) "وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں "- اس لئے ہمیں کون ھاتھ لگا سکتا ہے - یہ وہی طبقہ ہے جو عصر حاضر میں سرمایہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اور جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کرلیتا ہے - انہی میں وہ مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں جو انہیں لا لا کر کھلاتے ہیں - قرآن نے کہا ہے کہ یہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے اور لوگوں کو یہہ کہکر بھڑکاتا رہتا ہے کہ دیکھو یہہ داعی انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے آبا و اجداد سے چلا آتا ہے - (دیکھئے $\frac{43}{23}$ ، $\frac{34}{43}$) - یہہ سب مُتْرَفِیْن ہیں جنہیں قرآن نے

* (تاج و محیط و راغب)

انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیا ہے ۔ اور یہی اہل جہنم ہیں ۔ (اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ (۵۶/۴۵))۔ سورۃ مومنون میں ہے وَ اَتْرَفْنٰھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۲۳/۳۳) "یہ لوگ ہمارے قوانین کی مخالفت اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں سامان زندگی بڑی فراوانی سے حاصل ہے اور اسنے انہیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے"۔ قرآنی نظام میں نہ سرمایہ داری باقی رہتی ہے نہ مذہبی پیشوائیت ۔ اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں اڑا سکتا ۔ (نیز دیکھئے عنوان م ۔ ل ۔ أ)

ت ر ک

تَرْکٌ ۔ کے معنے ہیں چھوڑ دینا ۔ پھینک دینا ۔ ڈال دینا ۔ خالی کر دینا ۔ تِرْکَۃُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کی میراث کو کہتے ہیں جسے وہ چھوڑ کر مرے ۔ تَرِیْکَۃٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے کوئی شادی نہ کرے۔ نیز انڈے کا خول جس میں سے چوزہ نکل گیا ہو*۔

اَلتَّرِیْکُ ۔ اس خوشے کو کہتے ہیں جس کے تمام پھل کھا لئے گئے ہوں یا جھاڑ لئے گئے ہوں*۔

بعض کا خیال ہے کہ کسی کام کو چھوڑ دینا ۔ خواہ ارادۃً ہو خواہ مجبوراً ۔ تَرْکٌ کہلاتا ہے ۔ اس میں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں ۔ یعنی جس کام کو انسان کر رہا ہے اسے چھوڑ دینا ، یا کسی کام سے محتاط رہنا (اسے ہاتھ ہی نہ لگانا) یہ بھی تَرْکٌ ہے ۔ چنانچہ اَلتَّرِیْکُ اس باغیچہ کو کہتے ہیں جس کے مالک اس سے غفلت برتیں اور اس کی دیکھ بھال نہ کریں (ابن فارس) ۔ لیکن جس کام کے کرنے کی انسان میں قدرت ہی نہ ہو اسے نہ کرنا تَرْکٌ نہیں کہلا سکتا**۔

تَرَکَ ۔ جَعَلَ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے***۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو ایسا کر دینا ۔ نیز اس کے معنی کسی سلسلہ کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں***۔ مثلاً وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۳۷/۷۸) کے معنی ہیں ہم نے اس کا تذکرہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا ۔ اسے دوام عطا کر دیا ۔ تَارَکَہٗ کے معنی ہیں وہ جس حالت میں تھا اسے اسی حالت میں رہنے دیا***۔

---

* تاج ** محیط ۔ *** تاج و لین ۔

ت س ع

تِسْعَةُ رِجَالٍ ۔ نو آدمی ۔ تِسْعُ نِسْوَةٍ نو عورتیں۔ تِسْعُ آيَاتٍ (۱۷/۱۰۱) نو نشانیاں ۔ تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴/۳۰) انیس (داروغے) تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً (۳۸/۲۳) ننانوے بھیڑیں ۔

ت ع س

اَلتَّعْسُ۔ منہ کے بل گر پڑنا ۔ ایسا گرنا کہ پھر اٹھا ھی نہ جائے ۔ لغزش ۔ ھلاکت ۔ پست ھو جانا ۔ انحطاط ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی الٹ دینا لکھے ھیں ۔ تَعَسَهُ اللّٰهُ ۔ خدا نے اسے تباہ کر دیا ۔ فَهُوَ مَتْعُوْسٌ ۔ سو وہ تباہ ھوگیا ۔ بد دعا کے طور پر کہتے ھیں تَعْسًا لَّهٗ** ۔ قرآن کریم میں ھے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ (۴۷/۸) "جنھوں نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی تو ان کے لئے ھلاکت اور بربادی، ذلت اور نگوں ساری ھے" ۔

ت ف ث

اَلتَّفَثُ ۔ صاحب تاج العروس نے مختلف ائمہ لغت کے حوالوں سے لکھا ھے کہ اشعار جاھلیہ میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا اسلئے اسکے لغوی معنے متعین نہیں کئے جا سکتے ۔ البتہ تفسیر میں ھے کہ تَفَثٌ حج کے مناسک میں سے سر منڈانے ۔ ناخن کتروانے ۔ بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنے ۔ قربانی اور رمی (کنکریاں مارنے) کیلئے آتا ھے* ۔ صاحب محیط نے لکھا ھے کہ التَّفَثُ ۔ بالوں کی پراگندگی و پریشانی کو کہتے ھیں ۔ نیز ابن عباس سے منقول[1] ھے کہ تَفَثٌ تمام مناسک حج کے لئے جامع لفظ ھے ۔ اس اعتبار سے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) کے معنے ھونگے وہ اپنے جملہ ارکان حج ادا کریں ۔ تَفِثَ الرَّجُلُ يَتْفَثُ ۔ اسوقت کہتے ھیں جب کوئی شخص اپنے بالوں کو صاف کرنا اور ان میں کنگھی وغیرہ کرنا چھوڑ دے اور اسطرح ژولیدہ و پراگندہ بال ھو جائے*** ۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ھے ، قرآن کریم میں حج کے اجتماع کے ضمن میں ھے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) "پھر چاھئے کہ وہ اپنے "تفث" کو پورا کریں" ۔ اسے اگر مناسک حج تک محدود رکھیں تو اسکا مفہوم بالوں وغیرہ کی صفائی ھوگا ۔ لیکن اگر مجازاً اسکا مفہوم وسیع کر لیا جائے تو اسکے معنے ملت کی کثافتیں دور کرنے کی تدابیر سوچنا ھوگا۔ حج ، ملی مسائل کا حل سوچنے کے لئے عالمگیر اجتماع ھوتا ھے ۔ (حج میں بال مونڈنے کے متعلق دیکھئے عنوان ح ۔ ل ۔ ق)

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ [1] ابن عباس کا قول یہ ہے کہ "تفث" سر کے بال مونڈنے یا ترشنے، داڑھی مونچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبح و رمی کو کہتے ہیں۔

ت ق ن

اَلتِّقْنُ ۔ ماہر آدمی *۔ ہر وہ چیز جس سے انسانی معاش قائم ہوتی ہے اور معاملات کی درستگی ہو جاتی ہے ۔ جیسے معدنیات وغیرہ ۔ نیز، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کی درستگی ہو جائے **۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی کو مضبوط اور محکم بنانا اور (۲) گارا اور چکنی کالی مٹی ۔ اَتْقَنَ الْاَمْرَ اِتْقَاناً ۔ کسی معاملہ کو محکم کر دینا * ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) "اسنے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے"۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنیٰ (الاسماء الحسنیٰ) بیان کرنے سے جہاں صفاتِ خداوندی کا صحیح صحیح تصور سامنے لانا مقصود ہے وہاں یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جو افراد، قوم، معاشرہ یا نظام قوانین خداوندی کا اتباع کریگا اس میں (تابہ حد بشریت) یہی صفات اجاگر ہوتی چلی جائینگی ۔ مثلاً جب خدا کے متعلق کہا گیا ہے کہ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) "یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے"، تو اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ جماعت مومنین کی بنیادی صفت یہ بھی ہوگی کہ وہ جو چیز بنائیگی محکم اور درست بنائیگی ۔ اس میں نہ کسی قسم کا جھول ہوگا نہ سلوٹ، نہ نقص ہوگا نہ عدمِ تناسب، نہ ہی وہ ناپختہ اور ناتمام ہوگی ۔ جسطرح کارگہ کائنات کے متعلق پورے حتم و یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷/۳) "تو رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا عدم تناسب نہیں دیکھے گا"، اسی طرح اس قوم کی مصنوعات کے متعلق بھی پورے پورے یقین اور اطمینان سے کہا جا سکیگا کہ تم ان میں کہیں تناسب و توازن کی کمی نہیں دیکھو گے ۔ دنیا میں ایسی قوم، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے جسقدر سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اور یہ تو صرف ایک صفتِ خداوندی کے انعکاس کا ذکر ہے ۔ جس قوم میں تمام صفاتِ خداوندی اسی انداز سے جھلک رہی ہوں، اس کی نفع رسانیوں اور سکون بخشیوں کا کیا ٹھکانہ ہے؟

*تاج و محیط ۔ **تاج

تِلْکَ

تِلْکَ ۔ اشارہ بعید کے لئے مؤنث کا صیغہ ہے ۔ یعنی '' وہ ''۔ (مؤنث)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ذا ۔

ت ل ل

تَلٌّ کے اصلی معنے ایسی جگہ کے ہیں جو اپنے آس پاس کی زمین سے قدرے بلند ہو ۔ اَلتَّلُّ مِنَ التُّرَابِ ۔ مٹی کا ٹیلہ۔ نیز اَلتَّلُّ کے معنے تکیہ، گدا، ہیں۔ پھر اس سے اسکے معنے ٹیلہ پر پچھاڑ دینے یا لٹا دینے کے آئے ہیں۔ یا پھر یہ تَلِیْلٌ* سے ہے جس کے معنے گردن اور رخسار کے ہیں۔ اس سے تَلَّهٗ کے معنے ہونگے اسے گردن اور رخسار کے بل گرایا ۔ تَلَّهٗ ۔ یَتُلُّهٗ ۔ تَلًّا ۔ اسنے اس کو پچھاڑ دیا ۔ قَوْمٌ* تَلْقَی ۔ پچھڑے ہوئے لوگ ۔ تَلَّ ۔ یَتِلُّ ۔ پچھڑ جانا ، گر پڑنا ۔ گرا دینا ۔ اَلتَّلَّةُ ۔ گرا دینا ۔ لٹا دینا (ایک مرتبہ) اَلْمِتَلُّ ۔ وہ جگہ جہاں کسی کو پچھاڑا جائے ۔ یا وہ نیزہ وغیرہ جس سے کسی کو گرایا جائے ۔ اَلتَّلِّی ۔ ذبح کی ہوئی بکری* ۔

قرآن کریم میں قصہٗ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ میں ہے وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (۱۰۳/۳۷)۔ ''اس نے اسے پٹ پڑی (کن پٹی) کے بل لٹا دیا،، ۔

ت ل و

تَلَوْتُهٗ ۔ تَلَیْتُهٗ ۔ میں اسکے پیچھے پیچھے چلا ۔ اَتْلَیْتُهٗ اِیَّاهُ میں نے اس سے اسکی پیروی کرائی ۔ اسے اس کے پیچھے لگایا ۔ تَلُوٌّ ۔ وہ شخص جو ہمیشہ پیچھے پیچھے چلے ۔ اَلتِّلْوُ ۔ جو چیز کسی کے پیچھے آئے ۔ اونٹ ، خچر یا بکری کا بچہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے ۔ اَتْلَتِ النَّاقَةُ ۔ اونٹنی کے پیچھے پیچھے اسکا بچہ چلا ۔ اَلتَّوَالِیْ و التَّالِیَاتُ پچھلے حصے ۔ اَلتَّلِیَّةُ اور التُّلَاوَةُ ۔ قرض وغیرہ کے باقی ماندہ حصہ کو کہتے ہیں جو پیچھے (باقی) رہ جاتا ہے ۔

راغبؒ** نے کہا ہے کہ تِلْوٌ و تُلُوٌّ کے معنے متابعت (پیچھے چلنے ۔ اتباع کرنے) کے ہوتے ہیں جو کہیں جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کہیں احکام کا اتباع ہوتا ہے

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ** راغب کی عبارت کے پورے ترجمہ کے لئے دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۹۱ جلد چہارم

ہے۔ جسمانی طور پر پیچھے جانے کی مثال چاند کی ہے ۔ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۹۱/۲) جس کے معنی ہیں ، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اس سے روشنی کا اقتباس کرتا ہے ۔ تَسْتَلاَّهُ تَتَلِّيًا ۔ اس نے اس کا پیچھا کیا ۔ تَتَلَّيْتُ حَقِّي : میں نے اسکا پیچھا لیکر اس سے اپنا پورا پورا حق وصول کر لیا* ۔ اتباعِ احکام کیلئے تلاوت قرآن کا حکم موجود ہے ۔ راغب کے نزدیک تِلاَوَةٌ بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں ۔ چونکہ اس اتباع کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ان احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اسلئے انہیں اسطرح پڑھنے کو بھی تلاوۃ کہتے ہیں ۔ لیکن یہ لفظ قِرَاءَةٌ (پڑھنے) سے خاص ہے ۔ یعنی قِرَاءَةٌ (پڑھنا) بہر حال تلاوۃ کے اندر آ جاتا ہے لیکن تلاوۃ (اتباع کرنا) قراءۃ کے اندر نہیں آتا** ۔ لہذا تلاوت قرآن کریم کے معنی ہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے اسے پڑھنا ۔ (نہ صرف پڑھتے رہنا)۔

فُلاَنٌ يَتْلُوْ عَلٰى فُلاَنٍ وَ يَقُوْلُ عَلَيْهِ ۔ عربی محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فلاں آدمی فلاں کے خلاف جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا ہے* ۔

تَلاَهُ کے معنی ''اسے چھوڑ دینا'' بھی آئے ہیں ۔ یعنی اسطرح چھوڑ دینا کہ وہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو (ابن فارس)

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلاَوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (۲/۱۲۱) ۔ ''جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے ، یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں'' ۔ ظاہر ہے کہ اسمیں تلاوت کے معنے اتباع کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ورنہ اگر اسکے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اسپر ایمان نہیں رکھتے ۔ لہذا قرآن کی تلاوت سے مراد اسکے احکام کا اتباع ہے ۔ اسے پڑھا اسلئے جاتا ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھا اسلئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکے ۔ قرآن کا اسطرح پڑھنا کہ وہ سمجھ میں نہ آئے یا اسے فقط سمجھ لینا اور اسپر عمل نہ کرنا ، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ۔ قرآن نے کہا ہے کہ مومن درحقیقت وہی ہیں جو اسکی پوری پیروی کرتے ہیں ۔

---

* تاج و محیط ۔ **راغب

قرآن مجید میں نبی اکرم ؐ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ (۳/۱۶۳) "وہ جماعت مومنین کے سامنے خدا کے احکام پیش کرتا ہے"۔ تو اسکے ساتھ ہی کہہ دیا کہ وَ یُزَکِّیْهِمْ (۳/۱۶۳)۔ وہ ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے (دیکھئے عنوان ز۔ک۔و) اس سے ظاہر ہے کہ تلاوتِ قرآن سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا نظام عملاً متشکل ہو جائے جسکے تعمیری نتائج (یعنے افرادِ معاشرہ کی نشوونما) محسوس صورت میں سامنے آ جائیں۔ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کہنا اور سمجھ لینا کہ اس سے مقصد حاصل ہوگیا ہے خود فریبی ہے۔ قرآن کو سمجھنا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کا پڑھنا اسلئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کو سمجھا نہ جائے تو اسکا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر اسپر عمل نہ کیا جائے تو اس کا سمجھنا بھی بیکار ہے۔

سورۃ صٰفّٰت میں فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا (۳۷/۳) آیا ہے۔ یعنے قرآن کا اتباع کرنے والی جماعتیں۔ سورۃ بقرۃ میں یہودیوں کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ (۲/۱۰۲)۔ "یہ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو شیاطین (دین خداوندی کے دشمنوں) نے مملکتِ سلیمان کے متعلق عام کر رکھی تھیں"۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دین خداوندی کے دشمنوں نے انبیائے بنی اسرائیل کے خلاف کیا کیا افسانے وضع کئے تھے، اور یہودی کسطرح ان افسانوں کو آسمانی تعلیم مانتے ہیں، تو اسکے لئے تورات (بائبل کا عہد نامہ عتیق) پڑھئے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان انبیائے کرام ؑ کے خلاف موجود ہیں جنہیں کوئی شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

ت م م

تَمَامُ الشَّیْءِ۔ وہ چیز جس سے کسی شے کی کمی پوری ہو جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی پورا ہونے کے لکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے تَمَام اور کَمَال کو مرادف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ تَمَام کسی چیز کی کمی کو پورا کر دینے کو کہتے ہیں اور کَمَال اس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک وہ اپنی پوری پوری نشو و نما (Devloepment) کے بعد پہنچ سکے۔ یا وہ اس مقصد کو پورا کردے

جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ تَامُّ الْخَلْقِ کے معنے ہوتے ہیں ایسا آدمی جس کے اعضاء میں کوئی نقص (Constitutional Defect) نہ رہ گیا ہو۔ اور کَامِلُ الْخَلْقِ اسے کہتے ہیں جس میں حسن و خوبی اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یعنی یہ تَمَامٌ سے آگے ہوتا ہے*۔

تَمَّ الشَّیْءُ۔ چیز پوری ہو گئی۔ تَمَّ عَلَیْہِ۔ وہ اس پر مداومت سے قائم رہا۔ اس کا ہمیشہ پابند رہا۔ اَتَمَّ الشَّیْءَ: چیز کو پورا کر دیا*۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ (۲/۱۲۴) "جب اس کے نشو و نما دینے والے نے ابراہیم کے لئے نمود ذات کے مختلف مواقع بہم پہنچائے تو وہ دوام و ثبات سے ان میں پورا اترا اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔" سورۃ المائدہ میں ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۵/۳) "اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا۔ (کوئی سرکش قوت باقی نہیں رہی) تمہارے نظام زندگی کی تکمیل ہو گئی۔ اور ہماری نعمتوں میں سے جس جس کی کمی تھی ہم نے وہ سب پوری کر دی"۔ سورۃ انعام میں ہے۔ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۶) "قوانین خداوندی میں سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ بھی سب کا سب صدق و عدل سے پورا ہو گیا، اور اب اس میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں"۔ اس طرح دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ جب قوانین خداوندی میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی رہے نہ رد و بدل کی گنجائش، تو پھر اور نبی آئیگا کس کام کیلئے؟ آیت ۵/۳ کے مزید مفہوم کے لئے دیکھیں تتمہ صفحہ ۱۸۲۰ جلد چہارم عنوان ت م م۔

مُتِمٌّ۔ پورا کرنے والا (۶۱/۸)۔

تنور

اَلتَّنُّوْرُ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مادہ نَارٌ۔ نُوْرٌ ہے (دیکھئے عنوان ن ـ و ـ ر) لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ عربوں نے معرب بنا لیا ہے۔ اس کے ایک معنے تو وہی ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں۔ یعنی روٹی پکانے کا تنور۔ لیکن اَلتَّنُّوْرُ وادی کے نشیبی مقام کو بھی کہتے ہیں

* تاج۔

جہاں پانی جمع ہو جائے۔ نیز ہر اس جگہ کو جہاں سے پانی کا چشمہ ابلتا ہو۔ نیز بلند اور اونچی زمین کو کہتے ہیں*۔

قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کے طوفان کے ضمن میں ہے فَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱/۴۰)۔ یہاں تنور سے مراد وادی کی وہ جگہ ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ یعنی بارش اس زور کی ہوئی (۱۱/۴۴) کہ وادی میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا وہاں پانی میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔

ت و ب

تَابَ۔ تَوْبًا۔ تَوْبَةً۔ مَتَابًا۔ کے معنے ہیں واپس آجانا**۔ آپ شاہراہ حیات پر چلے جا رہے ہیں۔ راستہ میں ایک چوراہا آیا جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ چند قدم آگے جا کر آپکو محسوس ہوا کہ آپکا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا ہے۔ صحیح راستہ یہ نہیں۔ اب آپکو صحیح راستہ کی طرف جانے کیلئے اس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپکا قدم غلط سمت کو اٹھا تھا۔ اس واپسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکے لئے آپکو چلکر واپس آنا ہوتا ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہینگے کہ میں نے غلط سمت کیطرف کیوں قدم اٹھا لیا تو یہ تَوْبَةٌ نہیں ہوگی۔ تَوْبَةٌ ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کو (Un-Do) کیا جاتا ہے۔ اس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے۔ تَابَ عَنْهُ اور مِنْهُ کے معنے ہیں اسنے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلط روش کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف لوٹ آیا۔ غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط روش سے اجتناب اور پھر صحیح روش کا اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوْبَةٌ کے اندر شامل ہیں۔ ایسا کرنے والے کو تَائِبٌ کہتے ہیں**۔ اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴)۔ ''اعمالِ حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیں،،۔ اسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں۔ یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لئے صحیح کام کرنے۔ اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دبا لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو اپنی اس غلط حرکت کا احساس ہوا۔ آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے۔ آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کا حق واپس دیدیں اور

* تاج و محیط و لطائف اللغۃ۔ **تاج

آئندہ کے لئے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کرینگے ۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی غلط کاری کا احساس ہؤا ۔ اس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے کبھی اس کے مرتکب نہ ہوں ۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اس چوراہے سے غلط راستہ اختیار کیا تھا تو صحیح راستہ نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا ۔ جب آپنے اپنی غلطی کے احساس کے بعد غلط راستہ کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف رخ کیا تو صحیح راستہ نے بھی (جو اسوقت تک آپ سے منہ سوڑے ہوئے تھا) آپکی طرف رخ کر لیا ۔ رخ ہی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اسکی طرف ایک قدم اٹھایا تو وہ دو قدم اٹھا کر آپکی طرف بڑھ آیا ۔ دو قدم اسطرح کہ ایک قدم وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جاتے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا قدم وہ جو آپنے اسکی طرف اٹھایا ۔ اسے تَابَ عَلَيْهِ کہتے ہیں ۔ اور ایسا کرنے والے کو تَوَّابٌ ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۱۱۰/۳) خدا کے متعلق ہے ۔ اور اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (۲۲۲/۲) بندوں کے متعلق۔ یعنے جب انسان غیر خدائی قانون کو چھوڑ کر قانون خدا وندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لئے ہوئے اس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے (۱۲۷/۳) میں یہ لفظ عَذَابٌ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ نیز (۱۰۶/۹) میں ۔ بالفاظ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں ہو جاتا ۔ وہ جب بھی قانونِ خدا وندی کو اختیار کریگا اس قانون کے خوشگوار نتائج اسکی طرف لپک کر آ جائینگے ۔ یعنے ہر شخص کیلئے باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے ۔ اور اسی طرح ہر قوم کیلئے نَشْاَۃِ ثَانِيَة کا امکان ۔ (قوموں کی زندگی میں وہ مرحلہ کب آتا ہے جب انکی حیاتِ نو نا ممکن ہو جاتی ہے اس کے متعلق ہ ۔ ل ۔ ک کے عنوان میں بتایا جائیگا) لیکن یہ باز آفرینی اسی وقت تک ممکن ہے جب انسان کے لئے عملِ صالح کرنے کا امکان ہو ۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے تو پھر باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے ۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے ۔

توبہ اور استغفار میں کیا فرق ہے اسکے لئے (غ ۔ف ۔ ر) کا عنوان دیکھئے۔ لطائف اللغۃ میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ہیں ۔ اور انابت، مستقبل میں ترک معاصی کو ۔*

---

*تاج ۔

اَلتَّابُوْتُ ۔ صندوق کو کہتے ھیں کیونکہ جو چیزیں اس سے نکالی جاتی ھیں وہ اس میں واپس ہوتی رہتی ھیں* ۔ (اس ضمن میں عنوان تَابُوْت بھی دیکھئے)۔

ت و ر

اَلتَّوْرُ ۔ بہنا، جاری ہونا۔ ایلچی، سفیر۔ اَلتَّوْرَۃُ۔ بانذی جنو اپنے چاھنے والوں میں آتی جاتی رہے ۔

اَلتَّارَۃُ ۔ وقت ۔ مرتبہ ۔ جیسے جِئْتُہٗ تَارَۃً اُخْرٰی ۔ میں اس کے پاس دوسری مرتبہ گیا ۔ اَتَارَہٗ ۔ اسنے اسے یکے بعد دیگرے دھرایا ۔

اَلتَّائِرُ ۔ تھکنے کے بعد بھی برابر کام میں لگا رہنے والا* ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی (۲۰/۵۵) ۔ ''ہم تم کو دوسری مرتبہ نکالینگے،، ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ تَارَ الْجُرْحُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا ہے** ۔ بہنا ۔ جاری رھنا۔ اور تھکنے کے بعد بھی کام میں لگے رھنا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کی جوئے رواں کے لئے تَارَۃً کا لفظ کسقدر معنی خیز ہے۔ حیات کا سلسلہ غیر منقطع ہے ۔ اس میں صرف احوال و ظروف کی تبدیلیاں ہوتی ھیں ۔ اس کا نام تَارَۃً اُخْرٰی ہے ۔

اَلتَّوْرَاۃُ ۔ (دیکھئے عنوان تورات) ۔

تَوْرَات

بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ وَرْیٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے روشن کرنے کے ھیں * ۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان و۔ ر۔ ی)

لیکن اصل وہی ہے جو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ تُوْرَہ کا معرب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور جسکے معنے شریعت اور حکم کے ھیں ۔ اسکی جمع تُوْرَات ہے ۔ یعنے احکام و شرائع *** ۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تورات اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔لیکن قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ کی کتاب کا نام خصوصیت سے تورات نہیں بتایا ۔ تورات کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابراھیمؑ کے بعد (۳/۶۴) بلکہ حضرت یعقوبؑ کے بعد (۳/۹۲) اور حضرت

*تاج ۔ **راغب ۔ *** محیط

عیسیٰؑ سے پہلے (۵/۴۶) نازل ہوئی تھی۔ یہ یہودیوں کے لئے آسمانی راہنمائی تھی اور اس میں احکام خداوندی مندرج تھے۔ (۵/۴۴)۔ اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اس کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے علماء و مشائخ معاملات کا فیصلہ کرتے تھے (۵/۴۴)۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے تورات آن مجموعۂ کتب کا نام ہے جو انبیائے بنی اسرائیل پر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے نازل ہوئیں۔ اسی مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ اس میں انتالیس صحیفے ہیں اور ہر صحیفہ اپنے نبی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں "اسفار موسیٰ" بھی شامل ہیں جنہیں قرآن "صحف موسیٰ" سے تعبیر کرتا ہے (۸۷/۱۹) نیز "کتاب موسیٰ" سے بھی (۱۱/۱۷)۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق، یہ کتاب چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی (۷/۱۴۵)۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، موجودہ عہد نامہ عتیق کے مجموعہ میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں بعض ایسی کتابوں کا حوالہ آتا ہے جو اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی کم از کم گیارہ کتابیں گنائی جا سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ نامکمل ہے۔

اس سے آگے بڑھئے۔ "اسفار موسیٰ" کو حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان میں حضرت موسیٰؑ کی وفات اور وفات کے بعد کے حالات بھی موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا کم از کم کچھ حصہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کا اضافہ ہے۔

عہد نامہ عتیق کی کتابوں کے متعلق اسوقت تک بالتحقیق ثابت نہیں ہو سکا کہ ابتداءً یہ کس عہد میں مدون ہوئیں اور ان کے مؤلف کون تھے۔ البتہ اتنا ضرور متحقق ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا تھا جس میں ان کا وجود ناپید ہو چکا تھا۔ یعنی جب چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا ہے (دیکھئے عنوان بنی اسرائیل)۔ تو اس نے تورات کی الواح کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ جب یہودی، بابل کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ بیت المقدس میں آئے تو انہیں اپنے گم گشتہ صحفِ مقدسہ کی ترتیب نو کی فکر ہوئی۔ چنانچہ عزرا نبی نے سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو ازسر نو مرتب کرکے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند کیا۔ لیکن خود عزرا نبی کے متعلق بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب یروشلم آئے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۴۴۴ ق۔م میں ان کتابوں کو

مرتب کیا تھا۔ یہ ترتیب و تدوین کسطرح عمل میں آئی تھی اس کے متعلق خود عزرا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتے ھیں۔

"دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا کہ عزرا! اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کے لئے دیتا ہوں۔ سو مینے اپنا منہ کھول دیا۔ تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا۔ وہ پانی سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا رنگ آتشیں تھا۔ مینے اسے لیا اور پی گیا۔ جب مینے اسے پی لیا تو میرے دل میں فہم و فراست اور سینے میں بصیرت پیدا ہو گئی اور میری روح نے میرے حافظہ کو قوی بنا دیا۔ اور پھر جو میری زبان کھلی ھے تو بند نہیں ہوئی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ چالیس دنوں میں انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں"۔ (کتاب عزرا ۲ - $\frac{۱۳}{۴۸ - ۴۴}$)۔

یہ بیان کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس پر صرف اتنا اضافہ کافی ہوگا کہ یروشلم کی تباھی ۵۸۷ ق م میں ہوئی اور عزرا نے ان کتابوں کو ۴۴۴ ق م میں لکھوایا۔ یعنی قریب ڈیڑھ سو سال بعد۔ ظاھر ھے کہ عزرا نے ان کتابوں کو خود کہیں نہیں دیکھا تھا جو انہیں حفظ یاد کرلیا ہوتا۔ اس لئے انہوں نے حفظ کردہ کتابوں کو دوبارہ نہیں لکھوایا بلکہ ان کتابوں کو انہوں نے خود تصنیف کیا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود عزرا کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھوائی تھیں لیکن اب کہا جاتا ھے کہ انہوں نے صرف پانچ کتابیں (اسفار موسیٰ) مرتب کرائی تھیں۔

عزرا کے بعد نحمیاہ نبی نے کچھ اور کتابوں کو مرتب کیا۔ لیکن ۱۶۸ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ، انٹونس نے پھر بیت المقدس کو برباد کیا اور مقدس صحیفوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد یہودا مقابی کی ھمت سے ان صحیفوں کو ازسر نو مرتب کیا گیا۔ لیکن ۷۰ ء میں رومیوں کا طوفان اٹھا اور ٹائٹس نے بیت المقدس کو اسطرح برباد کیا کہ یہودی اسمیں پھر نہ بس سکے۔ وہ ان صحیفوں کو ھیکل سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد یہودی علماء نے ان صحیفوں کو اپنے حافظہ کی مدد سے پھر مرتب کیا۔

پھر یہی نہیں کہ ان کتابوں کو حوادث ارضی و سماوی تباہ کر دیتے تھے۔ ان میں دانستہ تحریف و الحاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ مشہور مسیحی مؤرخ رینان (Life of Jesus) میں لکھتا ھے کہ

> زمانہ قرب مسیح ؑ میں تورات میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں ۔ بالکل نئی کتابیں (مثل کتاب استثناء) مرتب کی گئیں ۔ یہ کتابیں حضرت موسیٰ ؑ کی اصل شریعت کی حامل کہی جاتی ہیں حالانکہ ان کی روح پرانی کتابوں سے بلکل مختلف تھی ۔ (ص ۔ ۴۰)

اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور عقیدہ بھی وضع کیا ۔ وہ یہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تورہ شبکتب (یعنی وحی مکتوب یا متلو) اور دوسری تورہ شبعلفہ، وحی غیر مکتوب (وحی غیر متلو) ۔ یہودی علماء نے وحی غیر متلو کی روایات کو جمع کرکے اسے بھی تورات کا درجہ دیدیا ۔ اس مجموعہ کو مشنا کہا جاتا ہے ۔ پھر اس مجموعہ کی تشریحات و تفسیرات جمع کی گئیں ۔ اس کا نام جمارا ہے ۔ ان دونوں کے مجموعہ کو تالمود کہتے ہیں ۔ تالمود دو ہیں ۔ ایک شامی دوسرا بابلی ۔ دونوں پانچویں صدی عیسوی کے مرتب شدہ ہیں اور آسمانی سمجھے جاتے ہیں ۔

ان روایات کے علاوہ، یہودیوں کے ہاں ”باطنی علم“ کا عقیدہ بھی موجود ہے ۔ اس علم کی کتابوں کو ”سفریم چنوزیم“ (مخفی خزانہ کی کتابیں) کہا جاتا ہے ۔

اب کچھ تورات کی زبان کے متعلق بھی دیکھئے ۔ یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی تھی ۔ بابل سے واپسی کے بعد ان کی زبان ارامی ہوگئی ۔ لیکن یہودیوں کی کوئی کتاب نہ عبرانی زبان میں تھی نہ ارامی میں ۔ ان کی سب کتابیں جن سے دنیا روشناس ہوئی یونانی زبان میں تھیں ۔ اسفار موسیٰ ؑ کا یونانی زبان سے عبرانی میں ترجمہ ہوا ۔ یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا جسے عیسائیوں نے جلا دیا تھا ۔ ۳۹۴ء میں سینٹ جیروم نے ان کتابوں کا مشہور رومی ترجمہ شائع کیا جو (Vulgate) کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ بھی بالتحقیق معلوم نہیں کہ سینٹ جیروم کے پاس کونسا نسخہ تھا جس کا اس نے رومی زبان میں ترجمہ کیا تھا ۔

تورات کے جو نسخے دنیا میں آج مروج ہیں ان کے اختلافات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا پہلا نسخہ ۱۴۸۸ء میں چھپا ۔ جب اس کے دوسرے ایڈیشن کا ۱۷۰۵ء میں انتظام کیا گیا تو اس میں اور پہلے ایڈیشن میں قریب بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا ۔ اس طبع دوم کا نسخہ اب عام طور پر تورات (عہد نامہ عتیق) کہلاتا ہے ۔

مروجہ عہدنامہ عتیق کے متعلق خود یہودیوں اور عیسائی محققین کی تنقیدات کیا ہیں اس کے متعلق میری کتاب ''معراج انسانیت،، کے باب اول (ظہرالفساد) میں تورات کا عنوان ملاحظہ کیجئے۔

یہ ہے اس تورات کی مختصر سی سرگزشت جسے یہودی اپنی آسمانی کتاب کہکر پیش کرتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بری طرح سے مسخ کر ڈالا ہے۔ جب قرآن کریم ہم سے کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو اس کا مطالبہ فقط اتنا ہوتا ہے کہ تم مانو کہ انبیائے سابقہ پر بھی خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ جن کتابوں کو اہل کتاب آسمانی کتابیں کہتے ہیں انہیں حرفاً حرفاً خدا کی وحی سمجھو۔ قرآن ان کی کسطرح ''تصدیق'' کرتا ہے اس کے لئے عنوان (ص۔ د۔ ق) دیکھئے۔

ت ی ن

اَلتِّیْنُ ۔ انجیر یا انجیر کے درخت کو کہتے ہیں۔ نیز ایک پہاڑی کا نام ہے، جسطرح زَیْتُوْنٌ بھی ایک پہاڑی کا نام ہے *۔ اَلتِّیْنُ سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے حضرت نوح ؑ نے اپنی دعوت کی آواز بلند کی تھی۔ جسطرح زَیْتُوْنٌ وہ مقام ہے جہاں سے دعوتِ حضرتِ عیسیٰ ؑ کا آغاز ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان مقامات (تین۔ زیتون۔ طور سیناء اور مکہ) کو اس حقیقت پر شاہد ٹھہرایا ہے (95/1) کہ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ یعنی آسمانی پیغام جہاں جہاں بھی آیا، مترفین نے اس کی مخالفت کی۔ وہ دعوت حضرت نوح ؑ کی تھی (التین) یا حضرت عیسیٰ ؑ کی (الزیتون)۔ حضرت موسیٰ ؑ کی تھی (طور سیناء) یا نبی اکرم ؐ کی (البلد الامین)۔ ہر دعوت الی اللہ کی یکساں مخالفت ہوئی۔

ت ی ہ

اَرْضٌ تِیْہٌ ۔ اس سرزمین کو کہتے ہیں جسمیں نہ پہاڑ ہوں نہ ٹیلے۔ نہ کوئی دوسری چیزیں ہوں جنہیں نشانِ راہ بنایا جا سکے اور اسطرح مسافر اس میں راستہ کھو کر حیران و سرگرداں پھرے۔ تَاہَ یَتِیْہُ فِی الْاَرْضِ ۔ راستہ گم کرکے زمین میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرنا۔

---

*تاج و راغب۔

رَجُلٌ تَائِہٌ ۔ بھٹکتا ہوا راہی * ۔ اس سے تَاہَ ۔ یَتِیْہُ کے معنے متحیر ہونے کے آتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ نیز تَاہَ یَتِیْہُ کے معنے خودرائی اور تکبر کرنا ہیں * ۔ التِّیْہُ ۔ اَلتِّیْہَۃُ مقامات حیرت ** ۔ بنی اسرائیل کے متعلق ہے ۔ یَتِیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ (۵۲۶) ''وہ (چالیس سال تک) حیران و سرگردان پھرتے رہینگے'' ۔ یہ حالت ہوتی ہے اُس قوم کی جو قوانین خداوندی سے گریز کی راہیں تلاش کرنےاور ان میں حجتیں نکالے ۔ وہ سفر زندگی میں حیران و پریشان ماری ماری پھرتی ہے اور اسے کہیں نشانِ راہ اور سراغِ منزل نہیں ملتا ۔ (جیسا کہ خود ہمارےساتھ صدیوں سے ہورہا ہے) ۔

———:o:———

*تاج ۔ **راغب ۔

ث

ث ب ت

ثَبَتَ ـ ثابت رهنا ـ ایک حالت پر جمے رهنا ـ اَلثَّبْتُ مِنَ الْخَیْلِ ـ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ایک رفتار پر دوڑتا چلا جائے ـ اَلثَّبِیَاتُ ـ وہ تسمہ جس سے کجاوہ کو باندھ کر جمایا جائے ـ اور ایسے کجاوہ کو (جسے اس تسمہ سے باندھا جائے) اَلْمُثَبَّتُ کہتے ہیں* ـ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دوامِ شے کے ہوتے ہیں ـ سورۃ رعد میں اِثْبَاتٌ بمقابلہ مَحْوٌ (مٹا دینا) آیا ہے (۱۳/۳۹) اور سورۃ ابراہیم میں یُثَبِّتُ بمقابلہ یُضِلُّ (۱۴/۲۷) ـ لہذا اس کے معنی ہوئے، جو رائگاں نہ جائے بلکہ نتیجہ خیز اور بارآور ہو ـ جو مٹے نہیں، اپنی جگہ نہ چھوڑے بلکہ قائم و دائم رہے ـ اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ (۱۴/۲۷) محکم نظریہ حیات ـ اَصْلُهَا ثَابِتٌ (۱۴/۲۴) ـ جسکی جڑیں مضبوط جمی ہوں ـ اس کے مقابلہ میں ہے، ایسا درخت اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ (۱۴/۲۶) جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کچھ بھی قرار نہ ہو ـ سورۃ نحل میں ثُبُوْتٌ بمقابلہ تَزِلُّ آیا ہے ـ یعنی لغزش نہ کرنا اور جمے رهنا (۱۶/۹۴) ـ اور سورۃ بنی اسرائیل میں بمقابلہ تَرْكَنُ (۱۷/۷۴) ـ یعنی ذرا نہ جھکنا ـ قطعاً مائل نہ ہونا ـ یعنی وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸/۱۱) ـ سورۃ نساء میں ہے وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا (۴/۶۶) استحکام دینے میں زیادہ مضبوط ـ دَاءٌ ثُبَاتٌ ـ وہ بیماری جو انسان کو حرکت کرنے کے قابل نہ چھوڑے* ـ اس اعتبار سے اَثْبَتَ کے معنے ہوتے ہیں کسی کو قید کر دینا یا ایسا کر دینا کہ وہ نقل و حرکت کے قابل نہ رہے ـ سورۃ انفال میں لِیُثْبِتُوْكَ (۸/۳۰) کے یہی معنے ہیں ـ

جماعت مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے عطا کردہ محکم نظریہ حیات (قرآن) پر جم کر کھڑی رہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اتنی قوت پیدا کرے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے مقام سے ہلا نہ سکے ـ

---

* تاج و محیط ـ راغب ـ

ث ب ر

اَلثَّبْرُ ۔ روکنا ۔ کسی بات سے منع کرنا ۔ مَاثَبَرَکَ عَنْ هٰذَا ۔ تمہیں کس چیز نے اس بات سے روک دیا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلثَّبْرَةُ اس مٹی کو کہتے ہیں جو چونے سے مشابہ ہوتی ہے اور جب کھجور کی جڑ اس مٹی تک پہنچ جاتی ہے تو اسکی نشوونما رک جاتی ہے ۔ اس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ اَلثَّبْرُ ۔ نامراد و ناکام کرنا ۔ خوشگواریوں سے محروم کر دینا ۔ چنانچہ اَلْمُثَبَّرُ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر جرم کی وجہ سے حد (سزا) لگ چکی ہو اور وہ اسطرح آزادی سے محروم کر دیا گیا ہو** ۔ اَلْمَثْبِرُ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں اونٹ ذبح کیا جائے ۔ اس اعتبار سے اَلثُّبُوْرُ ۔ ہلاکت اور مسلسل تباہی کو کہتے ہیں* ۔ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (۲۵/۱۳) ۔ "وہ وہاں ہلاکت کو پکارینگے" ۔ مَثْبُوْرٌ ۔ نامراد و ناکام ۔ ہلاک شدہ ۔ ناقص العقل ۔ محروم* ۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (۱۷/۱۰۲) "اے فرعون! میں دیکھتا ہوں کہ تجھ میں عقل کی کمی ہے" ۔ ثَبَرَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی ہلاک ہو گیا یا اسکی نشو و نما رک گئی ۔ قرآن کی رو سے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے ۔ (دیکھئے عنوان ج ۔ ح ۔ م)

ث ب ط

ثَبَّطَهٗ عَنِ الْاَمْرِ ۔ اسکو کسی بات سے روک دیا اور دوسرے کام میں لگا دیا ۔ دیر کرا دی ۔ قرآن کریم میں ہے فَثَبَّطَهُمْ (۹/۴۶) ۔ "سو انہیں روک دیا" ۔ تَثْبِيْطٌ کے معنی ہیں کسی آدمی کو اس کام سے روک دینا جو وہ کر رہا ہو ۔ بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں آدمی اور اسکے ارادوں کے درمیان حائل ہو جانا ۔ اَلثَّبِيْطُ اسے کہتے ہیں جو اپنے کام میں سست اناڑی اور کمزور ہو ۔ جو دیر سے حرکت کرے*** ۔

ث ب ی

اَلتَّثْبِيَةُ ۔ ڈھیر ڈھیر جمع کرنا ۔ کسی معاملہ پر جم جانا اور مستقل مزاجی سے لگے رہنا ۔ بار بار اپنے قبیلہ کی تعریف کرنا ۔ متفرق خوبیوں کو بیان کرنا ۔ چیز کی اصلاح کرنا اور اس میں اضافہ کر دینا ۔ مکمل کر دینا ۔

* تاج و محیط و راغب ۔ ** تاج ۔ *** تاج و محیط

پورا کر دینا ۔ تعظیم کرنا ۔ آدمی کا اپنے باپ کی سیرت پر چلنا ۔ خیر اور شر کو جمع کر لینا ۔ بہت زیادہ ملامت اور نکتہ چینی کرنا ۔ ثَبَّیْتُ الْمَالَ ۔ میں نے مال کو جمع کر دیا ۔ مَالٌ مُثَبَّیٌ ۔ جمع کیا ہوا مال ۔ اَلثَّبِیُّ ۔ لوگوں کی بہت تعریفیں کرنے والا ۔ اَلثُّبَةُ ۔ حوض کا درمیانی حصہ ۔ لوگوں کی جماعت ۔ سواروں کا دستہ ۔ جَمَاعَاتُ الْخَیْلِ ثُبَاتٍ ۔ گھوڑے ٹکڑی ٹکڑی آئے ۔ ابن جنّی نے کہا ھے کہ ثُبَةٌ کے آخر سے واؤ گرا ھوا ھے ۔ (جیسا کہ آبٌ ۔ آخٌ اور سَنَةٌ اور عِضَةٌ وغیرہ میں ھے) ابن بری نے کہا ھے کہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ھے کہ اسکی اصل ثُبْوَةٌ تھی ۔ ابو اسحٰق نے کہا ھے کہ یہ ثَابَ اَلْمَاءُ یَثُوْبُ سے مشتق ھے ۔ جوھری نے کہا ھے کہ ثُبَةٌ وسط حوض کو کہتے ھیں جہاں پانی جمع ھو جاتا ھے ۔ اور آخر کی ھاء (یا تاء مربوطہ) درمیانی واؤ کے عوض میں ھے ۔ (اس صورت میں اس کا مادہ ث ۔ و ۔ ب ھوگا ۔ لیکن) راغب نے کہا ھے کہ اس کے آخر میں سے ایک یاء محذوف ھے اور اس کا مادہ ثَبْیٌ ھے* ۔

ثَبَّی الشَّیْئَ یُثَبِّیْهِ تَثْبِیًا ۔ چیز کو جمع کرنا ۔ بڑا کرنا ۔ درست کرنا ۔ اس میں اضافہ کرنا ۔ مکمل کرنا ۔ قرآن کریم میں ھے فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (۴/۷۱) ۔ اس میں ثُبَاتٍ جمع ھے ثُبَةٌ کی جس کے معنے ایک الگ جماعت کے ھوتے ھیں ۔ اس کے مقابلہ میں جَمِیْعًا آیا ھے ۔ یعنی تم الگ، گروہ گروہ ھو کر نکلو یا سب کے سب اکٹھے ۔ اس کی جمع ثُبَاتٍ اور ثُبُوْنَ ثِبِیْنَ آتی ھے ۔ اس میں آخری یاء محذوف ھے** ۔ (نیز دیکھئے عنوان ث ۔ و ۔ ب) ۔

ث ج ج

ثَجَّ اَلْمَاءُ ۔ یَثُجُّ ۔ ثُجُوْجًا ۔ پانی کا بہنا ۔ زور سے گرنا ۔ اِنْثَجَّ ۔ پانی گر گیا ۔ اَلثَّجَّاجُ مِنَ الْمَطَرِ ۔ زور سے برسنے والی موسلا دھار بارش*** ۔

قرآن کریم میں ھے وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاءً ثَجَّاجًا (۷۸/۱۴) ۔ ”ھم نے بادلوں سے زور سے برسنے والا پانی اتارا“ ۔

ث خ ن

ثَخُنَ ۔ یَثْخُنُ ۔ کسی چیز کا موٹا کثیف اور گاڑھا ھو جانا ، اسطرح کہ وہ بہ نہ سکے ۔ اَثْخَنَ فِی الْعَدُوِّ ۔ اسنے دشمنوں کو بہت زیادہ قتل

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و محیط و ابن فارس ۔

اور زخمی کیا ۔ اِسْتَثْخَنَ مِنْہُ النَّوْمُ ۔ نیند اس پر غالب آ گئی ۔اَثْخَنَ ۔ وہ غالب آ گیا ۔ اس نے تسلط پا لیا* ۔

سورۃ انفال میں ہے حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۸/۶۷) ۔ ''جب تک وہ تمام دشمنوں پر غالب نہ آ جائے'' ۔ اور انہیں انکی مخالفانہ کارروائیاں جاری رکھنے سے نہ روک دے ۔ سورۃ محمد میں ہے حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْھُمْ (۴۷/۴) ''جب تم انہیں مغلوب کر لو'' ۔

دراصل ثَخَنَ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اسقدر بھاری (یا بوجھل) ہو جانا کہ وہ اسکی وجہ سے حرکت نہ کرسکے ۔ (ابن فارس) ۔ چونکہ مغلوب یا مقتول اپنے مقام سے حرکت نہیں کرسکتا اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کے معنی ہونگے اس قسم کا غلبہ جو دشمن کو بے حس و حرکت اور بے دست و پا کردے اور اس طرح وہ مخالفت کے قابل نہ رہے ۔ چنانچہ ثَخِیْنٌ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو** ۔ محیط میں لکھا ہے کہ ثَخِیْنٌ کے معنے ہتھیار بند ہیں ۔ ممکن ہے کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس لفظ میں یہ دونوں معنی پیدا ہو گئے ہوں ۔ اس لئے کہ جس طرح ہتھیار بند اسلحہ کے بوجھ اور بندش کی وجہ سے آزاد نہیں رہتا اور پوری طرح تیزی سے حرکت نہیں کرسکتا ، اسی طرح نہتا بھی خوف کے باعث آزاد نہیں رہتا اور اسکی حرکت میں کمی آ جاتی ہے ۔

ث ر ب

ثَرْبٌ پتلی باریک چربی جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے ۔ تَثْرِیْبٌ ۔ اس چربی کا ازالہ کر دینا ۔ اسے وہاں سے ہٹا دینا ۔ ثَرَّبَ الثَّوْبَ اسنے کپڑے کو لپیٹ دیا ۔ ثَرَّبَہٗ وَعَلَیْہِ یُثَرِّبُ تَثْرِیْبًا ۔ اسے اسکی غلطی پر عار دلانا یا ملامت کرنا ۔ زجروتوبیخ کرنا ۔ سرزنش کرنا*** ۔ سورۃ یوسف میں ہے ۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (۱۲/۹۲) ۔ ''تم پر آج کوئی ملامت نہیں'' ۔ میں تمہیں زجروتوبیخ اور سرزنش نہیں کرتا ۔ تمہیں معافی ہے پچھلی لغزشوں پر، اور آئندہ تمہیں عار نہیں دلائی جائیگی ۔

یَثْرِبُ ۔ مدینہ منورہ کا قدیمی نام ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے یٰاَھْلَ یَثْرِبَ ۔ ''اے یثرب کے رہنے والو'' ۔ (۳۳/۱۳) ۔

* تاج ۔ ** ابن فارس ۔ ***تاج و راغب و محیط ۔

ث ر ی (ث ر و)

اَلثَّرٰی ۔ نمی ۔ نم آلود مٹی ۔ یعنے وہ مٹی جو گیلی ہو گئی ہو لیکن گارا نہ بنی ہو۔ زمین کی اوپر کی سطح خشک ہوتی ہے اور اس کے نیچے نم آلود ۔ اس سطح کو ثریٰ کہتے ہیں ۔ مَاتَحْتَ الثَّرَیٰ (۲۰/۶) ۔ ''جو کچھ ثریٰ کے نیچے ہے،، ۔ ثَرِیَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین نم آلود ہو گئی ۔ چونکہ زمین کی نمی کھیتی کیلئے نہایت ضروری ہے اسلئے فُلَانٌ قَرِیْبُ الثَّرَیٰ کے معنے ہیں ایسا آدمی جو آسانی سے خیر و برکت عطا کر دے۔ حقیقی ثروت زمین کی نمی کے ساتھ وابستہ ہے جو رزق کا سر چشمہ ہے ۔ اَنَا ثَرِیٌّ بِہٖ ۔ میں اس سے خوش ہوں* ۔

ث ع ب

ثَعَبَ الْمَاءَ ۔ پانی بہایا ۔ فَانْثَعَبَ ۔ چنانچہ پانی بہہ نکلا ۔ مَاءٌ اُثْعُبَانٌ ۔ بہنے والا پانی ۔ مَثَاعِبُ الْمَدِیْنَۃِ ۔ شہر کی پانی بہنے کی جگہیں ۔ اَلثُّعْبَانُ ۔ سانپ (موٹا لمبا اور نر سانپ) ۔ چونکہ سانپ زمین پر اسطرح چلتا ہے جیسے پانی کی نالی بہہ رہی ہو اسلئے اسے ثُعْبَانٌ کہتے ہیں* ۔ اَلْاُثْعُبَانُ ۔ بھاری بھر کم سفید اور حسین چہرہ* ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی درازی اور پھیلنے کے ہوتے ہیں ۔ (پانی وغیرہ میں)۔

قرآن کریم میں قصہ حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ...(۷/۱۰۷) ۔ اس کے لغوی معنی ہیں ''تب اس نے اپنا عصا ڈالا تو وہ صریح سانپ (اژدھا) تھا،، ۔ اس کے مجازی مفہوم کے لئے عنوان (ع ۔ ص ۔ و) میں لفظ عصا دیکھئے ۔

ث ق ب

اَلثَّقْبُ ۔ سوراخ ۔ آر پار شگاف ۔ ثَقَبَہٗ ۔ یَثْقُبُہٗ ۔ اسنے اسمیں سوراخ کر دیا ۔ فَانْثَقَبَ ۔ اسمیں سوراخ ہو گیا ۔ اَلْمِثْقَبُ ۔ سوراخ کرنے کا آلہ ۔ ثَقَبَتِ النَّارُ ۔ آگ بھڑک اٹھی۔ ثَقَبَ الْکَوْکَبُ ستارہ چمکا ۔ شِہَابٌ ثَاقِبٌ ۔ روشن ستارہ ۔ گویا وہ تاریکی کی چادر میں سوراخ کر کے باہر نکل آتا ہے،یا اسکی کرنیں فضا کی تاریکی میں چھید کرتی جاتی ہیں ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

اَلثَّقِیْبُ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بہت دودھیاری ہو - جسکے دودھ کی دھاریں چھید کرتی جائیں* - قرآن کریم میں شِہَابٌ ثَاقِبٌ (۳۷/۱۰)- اور اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (۸۶/۳) آیا ہے -

ث ق ف

اَلثَّقْفُ - کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کے بھانپ لینے اور پا لینے میں مہارت اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت۔ ثَقِفْتُ کَذَا - میں نے کسی چیز کو مہارت نظر کے ذریعہ تاڑ لیا۔ اسکے بعد یہ لفظ محض پا لینے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا خواہ اسکے ساتھ نگاہ کی مہارت شامل ہو یا نہو** - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس کے معنی غلبہ پا لینے کے بھی ہیں - قرآن کریم میں ہے اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً (۶۰/۲)- ''اگر وہ تم پر غلبہ پالینگے تو تمہارے دشمن ہوجائیں گے'' - یا وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (۲/۱۹۱) ''جہاں تم انہیں بھانپ لو اور غلبہ پا لو انہیں قتل کر دو'' -

اَلثِّقَافُ کے معنے باہم جھگڑنے اور تلواریں چلانے کے ہیں - نیز وہ آلہ جس سے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے*** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنے کے ہوتے ہیں - چنانچہ ثَقَّفْتُ الْقَنَاةَ کے معنی ہیں میں نے نیزہ کے خم کو سیدھا کر دیا۔ اس اعتبار سے اَلثَّقَافَۃُ میں جہاں نگاہ کی تیزی - ذہانت - اور حذاقت کا مفہوم ہے وہاں اس میں تلوار چلانے اور نیزہ کے خم کو سیدھا کر دینے کا مفہوم بھی ہے* - قوموں کی اولین ثَقَافَت شمشیر وسنان ہوتی ہے اور آخرالامر اس سے مفہوم شعر گوئی اور افسانہ طرازی رہ جاتا ہے۔ ایک زندہ قوم کی ثقافت، نگاہ کی تیزی اور شمشیر کی خارہ شگافی (دونوں) کا مجموعہ ہوتی ہے -

ث ق ل

اَلثِّقَلُ - خِفَّۃٌ کی ضد ہے - بھاری اور بوجھل ہونا - راغب نے کہا ہے کہ یہ دونوں مقابل کے الفاظ ہیں - جب تم کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ وزن یا اندازہ کر رہے ہو تو جو چیز بھاری ہو اسے ثَقِیْلٌ کہتے ہیں اور جو ہلکی ہو اسے خَفِیْفٌ۔ ثَقِیْلٌ کی جمع ثِقَالٌ آتی ہے***۔

*تاج و محیط و راغب - **راغب - ***تاج -

عظیم الشان وزنی بات ۔ قَوْلاً ثَقِیْلاً (۷۳/۵) ۔ ثَقَلَیْنِ ۔ دو عظیم القدر چیزیں ۔ یا جماعتیں ۔ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۵۵/۳۱) ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں کیونکہ دونوں صفحہ ارض پر ثَقَل ہیں** ۔

اَثْقَال (ثِقْل کی جمع ہے) وزن ۔ بوجھ ۔ اعمال کے نتائج ۔ (۲۹/۱۳) ۔ سورۃ زلزال میں ہے وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۹۹/۲) ۔ ''زمین اپنے اثقال کو اوپر لے آئیگی ۔ باہر نکال دیگی،، ۔ اس سے مراد زمین کے چھپے ہوئے خزائن و دفائن (معدنیات وغیرہ) بھی ہیں اور بڑے بڑے لوگ بھی ۔ مِثْقَال ۔ ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے ۔ چنانچہ ہر باٹ کو مِثْقَال کہہ سکتے ہیں* (۴/۴۰) ۔

ثَقُلَ ۔ بھاری ہونا* ۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷/۱۸۷) ۔ ''وہ ارض و سماء میں بھاری ہے،، ۔ اَثْقَلَتِ الْمَرْاَةُ وَثَقُلَتْ ۔ عورت کا حمل ظاہر ہو گیا* ۔ (۷/۱۸۹) ۔ اِثَّاقَلَ ۔ بوجھل ہو کر (زمین کی طرف) جھک جانا ۔ سست ہو جانا ۔ دیر لگا دینا** ۔ (۹/۳۸) ۔

مُثْقَلٌ ۔ بوجھ سے دبا ہوا* (۵۲/۴۰) ۔ مُثْقَلَةٌ (۳۵/۱۸) ۔

سورۃ توبہ میں ہے ۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً (۹/۴۱) ۔ جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو تم چاہے فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی حالت میں ہر حال میں جہاد کیلئے چل کھڑے ہو ۔ تاج العروس نے جوان اور بوڑھے بھی کہا ہے* ۔ نیز اس کے معنے چست اور سست بھی ہو سکتے ہیں اور سامان حرب سے ادھوری یا پوری طرح لیس ہونے والے بھی ۔

ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ، کے لئے دیکھئے عنوان (خ ۔ ف ۔ ف) ۔

ث ل ث

اَلثُّلُثُ ۔ الثُّلْثُ ۔ ایک تہائی حصہ (⅓ حصہ) فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (۴/۱۱) ۔ '' تو اسکی ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے ''۔ اَلثُّلُثَانِ ۔ دو تہائی ۔ ثَلَّثَ ۔ گھوڑے کا دوڑ میں مُصَلِّیْ کے بعد تیسرے نمبر پر آنا ۔ (مُصَلِّیْ وہ ہوتا ہے جو پہلے نمبر سے متصل دوسرے نمبر پر آئے) ۔ اَلثَّلاَثَةُ ۔ تین کا عدد ، مذکر (ثَلاَث مؤنث) ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ (۲/۱۹۶) ۔ ''تین دن کے روزے (بطور فدیہ)،، ۔

ثُلاَثَ ۔ تین تین ۔ مَثْنٰی وَثُلاَثَ وَرُبٰعَ ۔ (۴/۳) ''دو دو ۔ تین تین ۔ چار چار،، ۔ اَلثَّلاَثِیْنَ وَالثَّلاَثُوْنَ ۔ تیس (۳۰) ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

ث ل ل

اَلثَّلَّةُ - بہت سی بھیڑیں یا بکریاں - اصل میں اون کے ڈھیر کو کہتے ہیں - چونکہ بھیڑ بکریوں پر اون ہوتی ہے اسلئے ان کے ریوڑ کیلئے بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے - حَبْلٌ ثَلَّةٍ - اون کی رسّی - الثُّلَّةُ - آدمیوں کی جماعت* - قرآن کریم میں ہے ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ (۵۶/۱۳) - ''پہلوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت'' -

ثَلَّ الدَّارَ - گھر کی دیوار کی بنیاد میں سے مٹی نکال لینا اور پھر اسے دھکا دیکر گرا دینا - بَیْتٌ مَثْلُوْلٌ - منہدم مکان کو کہتے ہیں - الثَّلَّةُ - ھلاکت* - یعنی ڈھیر ہو کر رہ جانا -

ث م د

اَلثَّمْدُ - الثَّمَدُ - الثِّمَادُ - تھوڑا سا پانی جو کہیں جمع ہو جائے اور جسکا کوئی چشمہ نہو - مثلاً بارش کا پانی - اَثْمَدَ الماءَ : بارش کے پانی کو گڑھوں وغیرہ میں محفوظ کیا - **

اَلثَّامِدُ کے معنے ہیں چوپایہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کردے - یہ اس کی ابتدائی عمر ہوتی ہے -

ثَمُوْدُ - محققین علم الاقوام نے دنیا کی قوموں کو تین بڑی بڑی شاخوں میں تقسیم کیا ہے (۱) آریائی (۲) منگولی (۳) سامی - سامی اقوام میں عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی وغیرہ شامل ہیں - قرآن نے جن اقوام اور انبیائے کرامؑ کا ذکر کیا ہے وہ سامی اقوام سے متعلق ہیں - تورات کے بیان کے مطابق سام، حضرت نوحؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا - ان کی اولاد سامی کہلاتی ہے - دور حاضرہ کی تحقیق کے مطابق امم سامیہ کا اولین وطن عرب تھا جہاں سے نکل کر وہ بابل، شام، مصر وغیرہ تک پھیل گئیں - ان میں سے جنھوں نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ ثمود کا تھا - ثَمْدٌ کے لغوی معنی کے پیش نظر، بعض کا خیال ہے کہ ان کا نام ثَمُوْد اس لئے تھا کہ ان کے علاقہ میں پانی کی قلت تھی اور یہ بارش کے پانی پر گزارہ کیا کرتے تھے** - یہ قوم عرب کے شمال مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے وادیٔ قریٰ کہتے تھے - حجر ان کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم

---

*تاج - راغب - محیط - **تاج - ***راغب و محیط -

راستے پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا ہے ۔ وادیٔ قریٰ کے گرد و پیش کا علاقہ بڑا سرسبز ہے لیکن آتش فشاں مادہ سے لبریز ۔ یہ قوم میدانوں میں وسیع و رفیع محلات تعمیر کرتی اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتی تھی جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے (۷/۷۴ ؛ ۱۵/۸۲) ۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے سامان رزق زمین کے دستر خوان پر بافراط بچھا دیا تاکہ ہر ایک اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لے ۔ لیکن مستبد قوتیں رزق کے سر چشموں کو اپنی ملکیت بنا لیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور انسان بھوکے مر جاتے ہیں ۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ رزق کے چشموں کو مستبد قوتوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر نوع انسانی کے لئے عام کر دیں ۔

قدیم زمانہ (اور آج بھی صحرا نورد اور بادیہ پیما اقوام) میں پانی کے چشمے اور چراگاہیں رزق کے اولیں ذرائع ہوتے ہیں ۔ قوم ثمود کے ہاں بھی یہی حالت تھی ۔ سرداران قوم نے پانی کے چشموں کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا اور کمزور انسان انکے دست نگر تھے ۔ معاشرہ کے اس فساد کو مٹانے کے لئے ان میں حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے (۷/۷۳) جنہوں نے ان سے کہا کہ وہ ملک میں اس قسم کی ناہمواریاں (فساد) پیدا نہ کریں (۷/۷۴) ۔ کمزور طبقے نے حضرت صالحؑ کا ساتھ دیا لیکن دولت مند طبقہ نے ان کی سخت مخالفت کی (۷/۷۵) ۔ اور آپ کی دعوت کے جواب میں کہا کہ ہمارے ہاں جو مسلک ہمارے اسلاف سے چلا آرہا ہے ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہونے دیں گے ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالحؑ کی پوزیشن مستحکم تھی اس لئے انہوں (سرداروں) نے آپ سے معاہدہ کر لیا کہ پانی کے چشموں پر جانوروں کی باریاں مقرر کر دی جائیں اور امیروں اور غریبوں (سب) کے جانور اپنی اپنی باری پر پانی پی لیا کریں ۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ تم اپنے معاہدہ پر قائم رہتے ہو یا نہیں میں اپنی اونٹنی چھوڑتا ہوں ۔ اگر تم نے اسے اسکی باری پر پانی پی لینے دیا تو سمجھا جائیگا کہ تم اپنی بات کے پکے ہو (۷/۷۳) ۔ لیکن ان مفسدین نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اسطرح اپنی بات سے پھر گئے (۷/۷۷) ۔ یہ اونٹنی گویا خدا کے قانون کی محسوس علامت تھی ۔ اس لئے اسے نَاقَةُ اللہِ اور آیَةً (۷/۷۳) کہا گیا ہے ۔ وہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک رات آتش فشاں پہاڑوں میں دھماکا ہوا ۔ ایک چیخ ۔

ایک گرج - ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قوم ثمود کی بستیاں راکھ کا ڈھیر ہوگئیں (۷/۷۸)-

[اس قوم کی فساد انگیز روشِ زندگی اور اس حادثہ میں باھمی تعلق کیسا تھا - اس کے متعلق میری کتاب ''جوئے نور،، میں (حضرت نوحؑ کے تذکرہ کے ضمن میں) تفصیل ملیگی]

ث م ر

ثَمَرٌ - درخت کے پھل - ھر قسم کا مال - سونا چاندی - سب کو ثَمَرٌ کہتے ھیں - اَلثَّمَرَۃُ خود درخت کو بھی کہتے ھیں - اور اولاد کو بھی - مَالٌ ثَمَرٌ - کثیر مال، (جو بہت جلد بڑھ جائے) - ثَمَّرَ النَّبَاتُ کے معنے ھیں پودے نے پھول جھاڑا اور اسکی جگہ پھل نمودار ھوا - ابن فارس نے اس مادہ کی اصل وہ چیز بتائی ھے جو مجتمع شکل میں کسی دوسری چیز سے پیدا ھو، پھر استعارۃً دوسری چیزوں کو بھی کہدیا جاتا ھے -

قرآن کریم میں یہ لفظ مال و دولت کیلئے بھی آیا ھے - (کَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۱۸/۳۴) - شہد کی مکھی کیلئے کہا گیا ھے کہ وہ تمام ثَمَرَاتٌ سے رس چوستی ھے (۱۶/۶۹) - راغب نے لکھا ھے کہ ثَمَرٌ درخت کے تمام ان اجزاء پر حاوی ھے جنکو کھایا اور چکھا جاسکے - اس لئے ثمرات میں پھلوں کے علاوہ پھولوں وغیرہ کے بھی وہ اجزاء شامل ھیں جنہیں کھایا یا چکھا جاسکے -

ثَمَّ

ثَمَّ - یہ ظرف مکان ھے - اور ان معنوں میں استعمال ھوتا ھے جن معنوں میں انگریزی میں (There) استعمال ھوتا ھے - یعنے وھاں** - سورۃ بقرۃ میں ھے - فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[له] (۲/۱۱۵) ''تم جسطرف بھی اپنا رخ کروگے وھاں اس راستہ کو اپنے سامنے پاؤگے جو تمہیں خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لیجائے''- قانون خداوندی زندگی کے ھر گوشے میں مل جائیگا (دیکھئے عنوان و-ج-ہ) - سورۃ شعراء میں ھے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (۲۶/۶۴) - ''ھم دوسروں کو بھی وھیں قریب لے آئے''- سورۃ الدھر میں ھے اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا (۷۶/۲۰)'' جب تو وھاں دیکھیگا (یا ادھر دیکھیگا) تو نعمتیں نظر آئینگی''- سورۃ تکویر میں ھے مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (۸۱/۲۱)'' وہ مطاع بھی ھے اور اس کے ساتھ ھی امین بھی-''

---

* (تاج) - ** تاج و لین - له - اس آیت میں وجہُ اللہ کے معنی ذاتِ خداوندی بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن ذاتِ خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی رُو سے ہی آتی ہے۔ آیات اللہ میں قانونِ خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے۔

(ثَمَّ ۔ فعل بھی ہوتا ہے جسکے مختلف معانی ہیں ۔ مثلاً درست کردینا ۔ پاؤں سے روندنا ۔ جمع کرنا وغیرہ ۔)

ثُمَّ (حرف)

ثُمَّ ۔ عام طور پر یہ اس مقام پر آتا ہے جہاں کوئی ترتیب بیان کرنا مقصود ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر پانی پیا ۔ سورۃ مومنون میں ہے ۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۔ (۲۳/۳۱) ''پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کی'' ۔

(۲) لیکن ضروری نہیں کہ ثُمَّ ہر جگہ ترتیب کے معنی ہی میں استعمال ہو۔ یہ وَ (اور) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً سورۃ یونس میں ہے ۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ (۱۰/۴۶)۔ ''اور اللہ اس پر گواہ ہے جو یہ کرتے ہیں'' ۔ اسکی ایک اور بیّن مثال یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲/۲۹)۔ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے ۔ (ثُمَّ) اور وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا ۔ اور انہیں متعدد کُروں میں درست کیا'' ۔ اگر یہاں ثُمَّ کے معنی ''پھر'' کئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے زمین کو بنایا اور پھر آسمانی کروں کو ۔ لیکن سورۃ نازعات میں پہلے آسمانی کُروں کے متعلق ہے ۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۔ ''اس نے آسمان کی بلندی کو اونچا کیا اور اسے ٹھیک بنایا'' ۔ اس کے بعد ہے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (۷۹/۳۰) ''اور زمین کو اس کے بعد پھینکا'' ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمانی کروں کو مرتب کیا ۔ پھر زمین کو دور پھینکا ۔ (اسکی تائید کہ ان کُروں کو چھینٹوں کی طرح اڑایا (۲۱/۳۰) سے بھی ہوتی ہے) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ (۲/۲۹) میں ثُمَّ ، ترتیب کے لئے نہیں آیا ۔ لہٰذا اس کے معنی ہر مقام پر ترتیب کے نہیں لئے جائینگے ۔ کہیں وَ (اور) کے بھی لئے جائینگے ۔

نیز کہیں یہ زائد ہوتا ہے ۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ..... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (۹/۱۱۸) ۔ ''یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی ۔ اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے ۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کی سزا سے اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ۔ تو اللہ انکی طرف متوجہ ہوا'' ۔ یہاں ثُمَّ کچھ معنی نہیں دیتا ۔ اسے زائد کہتے ہیں ۔ (''زائد'' کے متعلق کتاب کا پیش لفظ دیکھئے) ۔

ثُمَّ کے ایک معنی ''اس پر بھی، اس کے باوجود بھی'' ہوتے ہیں، مثلاً يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (۱۶/۸۳)۔

ث م ن

ثَمَنٌ الشَّيْءِ - وہ کچھ جسے ادا کرنے کے بعد چیز کی ملکیت حاصل ہوجائے - عام طور پر ثَمَنٌ کسی چیز کی اس قیمت کو کہتے ہیں جسپر خریدار اور فروخت کرنے والا باہم راضی ہوجائیں - اور "قیمت" اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو اس چیز کے فی الواقعہ برابر ہو۔ مَتَاعٌ ثَمِيْنٌ - قیمتی سامان* -

قرآن کریم میں ہے - وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۲/۴۱) "میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت بیچو"۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں زیادہ قیمت پر بیچو - کم قیمت پر مت بیچو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقی قیمت وہی ہے جو ان پر عمل پیرا ہونے سے ان کے نتائج کی صورت میں ملتی ہے - اس کے علاوہ جو قیمت بھی ہوگی وہ ثمنِ قلیل ہوگی - دین کو ذاتی اغراض و مصالح کے حصول کا ذریعہ بنانا بدترین جرم ہے - مذہبی پیشوائیت کا مدار ہی اس پر ہے۔ چنانچہ قرآن، شیطان کی زبان سے کہلواتا ہے کہ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (۴/۱۱۸) "میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لونگا"۔ اسی کو وہ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا کہکر پکارتا ہے (۱۰/۶۹)۔ یعنی انسان کی طبعی زندگی کے مفاد و متاع جس میں اس کی مستقبل کی زندگی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ متاع بہر حال قلیل ہوتی ہے (۳/۱۹۶) خواہ اسکی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جس متاع سے انسانی ذات کی نشو و نما نہ ہو وہ میزانِ انسانیت میں کچھ وزن نہیں رکھتی۔ مذہبی پیشوائیت کا باہمی گٹھ جوڑ اسی متاع کے لئے ہوتا ہے۔ (۲۹/۲۵) - اسی لئے پیشوائیت اور اسلام متضاد تصور ہیں -

ثَمَانِيَةٌ - آٹھ (مذکر کے لئے) - ثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ (۶۹/۷) - "آٹھ دن" -

ثَمَانٍ یا ثَمَانِيْ - آٹھ (مؤنث کے لئے) - ثَمَانِيَ حِجَجٍ (۲۸/۲۷) - "آٹھ سال" -

ثَمَانُوْنَ - ثَمَانِيْنَ - اسّی - ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً (۲۴/۴) - "اسّی کوڑے" -

اَلثُّمْنُ - اَلثُّمُنُ - اَلثَّمِيْنُ - کسی چیز کا آٹھواں حصہ -

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ (۴/۱۲) - "ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے" -

*تاج و محیط -

مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) سر سید احمد خاں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ لفظ کبھی محض فصاحت کلام کیلئے بھی بولا جاتا ہے جسمیں اسکے معنے غیر متناہی کے ہوتے ہیں - یعنی بہت سے)۔

ثمود

دیکھئے عنوان (ث - م - د)۔

ث ن ی

ثَنَاہٗ - ثَنْیاً - کسی چیز کو دُھرا کرنا یا تہہ کرنا (جیسے کپڑا)۔ یا کسی چیز کو موڑ کر دھرا کرنا (جیسے درخت کی شاخ کو موڑ کر دھرا کر دیا جائے)۔

ثَنَی الشَّیْیٔ - چیز کو موڑ دیا یا لپیٹ دیا - تَثَنّٰی - چیز مڑ گئی - ثِنْیُ الْحَیَّۃِ - سانپ کا بل کھانا - اَلثِّنْیُ مِنَ الْوَادِیْ - وادی کا موڑ- اس کی جمع اَلْمَثَانِیْ مِنَ الْوَادِیْ ہے - اَلْمَثَانِیْ مِنَ الدَّابَّۃِ - چوپایہ کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر دھری ہو جاتی ہیں* - ثِنَاءٌ - اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا موڑ کر اس کی ران سے باندھا جاتا ہے** - ثِنْیٌ - وہ چیز جسے دھرایا جائے، یکے بعد دیگرے بار بار کیا جائے* - اَلاِثْنَانِ - دو - ایک کا دگنا* - مؤنث اِثْنَتَانِ، اِثْنَتَیْنِ فَوْقَ اثْنَتَیْنِ (۴/۱۱) - "دو سے زیادہ" (عورتیں)۔

اَثْنَاءُ الْکَلَامِ - وسط کلام، - فِیْ اَثْنَاءِ ذَالِکَ - اس درمیان میں -

اِسْتِثْنَاءٌ - کسی کو مستثنیٰ کرنا* - الگ نکال کر رکھ دینا - چنانچہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) ایک کام کو دوبارہ (مکرر) کرنا اور (۲) ایک چیز کی دو الگ الگ چیزیں بنا دینا ہیں -

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (۱۱/۵) - "وہ اپنے سینے کو دھرا کئے ہوتے ہیں" - ایسے تہہ کر لیتے ہیں کہ اوپر کچھ اور دکھائی دے اور نیچے کچھ اور ہو- (Dual Personality) - سورۃ حج میں کتاب اللہ سے اعراض برتنے والے اور گریز کی راہیں نکالنے والے کے متعلق کہا گیا ہے ثَانِیَ عِطْفِهٖ (۲۲/۹) - "وہ

*تاج - **لین - ***محیط -

اپنی گردن موڑ کر چل دیتا ہے۔ اعراض برتتا ہے" سورۃ القلم میں ہے کہ تباہ ہونے والے سرمایہ پرست لَا یَسْتَثْنُوْنَ (۶۸/۱۸)۔ "دوسروں کا حق نکال کر الگ نہیں رکھتے تھے" یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لیں گے۔ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑیں گے۔

سورۃ الحجر میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۱۵/۸۷)۔ "ہم نے تجھے سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِیْ اور اَلْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ عطا کیا"۔ اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ خدا کے مقرر کردہ بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق اعمال اپنا اپنا نتیجہ مرتب کرتے ہیں (دیکھئے عنوان ع۔ظ۔م)۔ اور اَلْمَثَانِیْ وہ تاریخی حقائق ہیں جو اپنے آپ کو دھراتے رہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ایک تو ان بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا جن کی رو سے قوموں کو عروج و زوال حاصل ہوتا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اس کی تائید میں وہ متعدد تاریخی شواہد بیان کر دئے جو ہر زمانہ میں بار بار سامنے آتے ہیں۔ قرآن کی ابدی صداقتوں کے پرکھنے کا ایک اہم طریق یہ بھی ہے کہ تاریخ میں دیکھا جائے کہ فلاں قوم نے جب وہ روش اختیار کی جسے قرآن حق کی روش قرار دیتا ہے تو اس کے نتائج کیا بر آمد ہوئے اور جس قوم نے باطل کی روش اختیار کی تو اس کے عواقب کیا ہوئے۔ (مزید تفصیل کیلئے مُحْکَمَاتٌ اور مُتَشَابِهَاتٌ کی بحث دیکھئے۔ عنوان (ح۔ک۔م) کے تحت)۔

سورۃ زمر میں قرآن کریم کے متعلق ہے کِتَاباً مُتَشَابِهاً مَثَانِیَ (۳۹/۲۳)۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مَثَانِیَ کے معنے ہیں وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں۔ (جیسے چوپاؤں کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر ایک دوسرے کے سامنے آ جاتی ہیں)۔ اور مُتَشَابِهاً کے معنے ہیں آپس میں ملتی جلتی۔ قرآن کی ساری تعلیم، یہاں سے وہاں تک، ایک دوسرے سے ملتی جلتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کہیں تضاد نہیں۔ تخالف نہیں۔ لیکن اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر بات صاف کر دیتا ہے۔ مثلاً ظُلُمَت کے مقابلہ میں نُوْر۔ حَیَات کے مقابلہ میں مَوْت۔ اِیْمَان کے مقابلہ میں کُفْر۔
یعنی متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر مطلب کی وضاحت کر دینا) لہذا قرآن مُتَشَابِہٌ بھی ہے اور مَثَانِیْ بھی۔ ایسی کتاب جس کی ایک کڑی

دوسری کڑی سے ملتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن جس کے مطالب کو متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر واضح کیا گیا ہے - (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ش - ب - ہ) اور (ح - ک - م) -

مَثْنیٰ - دو، دو (۳/۴) - (نیز ۳۴/۴۶) اِثْنَا عَشَرَ (مذکر) اِثْنَتَا عَشْرَةَ (مؤنث) (۱/۲) پارہ - کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے متشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار -

ث و ب

ثَابَ - يَثُوْبُ - ثَوْبًا - چلے جانے کے بعد پھر واپس آ جانا - ثَابَ جِسْمُهُ ثَوَبَانًا وَآثَابَ - اسکا جسم بیماری کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آنے لگا، اور اسطرح ضائع شدہ توانائی اور صحت پھر عود کر آئی* - ثَابَ الْمَاءُ - پانی نکالے جانے کے بعد پھر اتنا ہی آ گیا - بحال ہو گیا** - اَلثَّائِبُ مِنَ الْبَحْرِ - جزر کے بعد سمندر کا بچ رہنے والا پانی - بِئْرٌ ثَيِّبٌ - وہ کنواں جسمیں دوبارہ پانی پلٹ آئے اور جمع ہو جائے* - کتاب الاشتقاق میں ہے کہ ثَابَ يَثُوْبُ کے معنی رَجَعَ (واپس آ جانے) کے ہیں - كُلُّ رَاجِعٍ ثَائِبٌ - ہر واپس آنے والے کو ثائب کہا جاتا ہے - ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں -

مَثَابَةُ الْبِئْرِ - جہاں تک کنویں کا پانی پہنچ رہا ہو- اَلْمَثَابَةُ وہ مقام جہاں بار بار رجمع ہوا جائے - مرجع - مکان - منزل - ثَابَ النَّاسُ لوگ جمع ہو گئے* -

اَلثَّوْبُ - کپڑے کو کہتے ہیں (غالباً اسلئے کہ اسکے بننے میں نال بار بار آتی اور جاتی ہے) اسکی جمع ثِيَابٌ ہے - ثَوَّابٌ - کپڑا بیچنے والا* - عرب عام طور پر ثِيَابٌ کے لفظ سے انسان کی شخصیت مراد لیتے ہیں - یعنے خود کپڑے پہننے والا - چنانچہ وہ کہتے ہیں فُلَانٌ دَنِسُ الثِّيَابِ - یعنے وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے - اسکی شخصیت بڑی خراب ہے* -

اس اعتبار سے کہ خود ثَابَ کے معنے جمع ہونے کے ہیں - اور اسلئے بھی کہ عربوں میں جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو ایک آدمی کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر کپڑا ہلاتا ، تَثْوِيْبٌ کے معنے ہیں لوگوں کو آواز دیکر بلانا ، اکٹھا کرنا - چنانچہ صبح کی نماز میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ پکارنے کو تَثْوِيْبٌ کہتے ہیں** ،

---

* تاج و محیط - نیز ابن قتیبہ (القرطین ج/۲ صفحہ ۱۹۰) - **تاج -

ثَابَ یَثُوبُ۔ کے ان بنیادی معنوں کو سامنے لائیے (جن کا شروع میں ذکر آیا ہے) ۔ اس سے ثَوَابٌ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائیگا۔ ثَابَ کے معنے ہیں جو چیز چلی جائے اسکا پھر سے واپس آ جانا ۔ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اسمیں آپکا کچھ نہ کچھ صرف ہوتا ہے ۔ اگر اور کچھ صرف نہ ہو تو بھی آپکے جسم کی توانائی ۔ وقت اور ذہن کی صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔ اگر آپکا وہ کام بیکار ہے تو آپکی یہ سب توانائیاں (جو آپنے صرف کی ہیں) ضائع چلی جاتی ہیں ۔ لیکن اگر وہ کام نتیجہ خیز اور صلاحیت بخش ہے تو آپنے جو کچھ صرف کیا ہے وہ سب آپکو واپس مل جاتا ہے ۔ اس (Restoration) کا نام ثَوَابٌ ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز محض ذہنی یا خیالی نہیں ہو سکتی کہ ثواب ہو اور آپ کو محسوس ہی نہ ہو کہ کچھ ہؤا ہے یا نہیں ۔ آپ جو کچھ صرف کرتے ہیں اسکا آپکو پورا پورا احساس ہوتا ہے (خواہ وہ وقت یا جسم یا ذہن کی توانائی ہی کیوں نہو) اسلئے جو کچھ آپکو واپس ملے (Restore ہو) اسکا بھی آپکو احساس ہونا چاہئے ۔ ورنہ آپکو معلوم کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ واپس مل گیا ہے یا نہیں ۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ ($\frac{3}{147}$) کہا ہے ۔ یعنے وہ بازیابی (واپسی) جو انجام کار (یا بعد کی زندگی میں) ملے ، اسکے ساتھ ہی ثَوَابَ الدُّنْیَا ($\frac{3}{147}$) بھی کہا ہے ۔ یعنے اسی دنیا کی زندگی میں بازیابی ۔ نتیجہ خیزی ۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ یہ ثَوَابٌ کس شکل میں ملیگا اسکی تفصیل میں بتا دیا کہ یہ ثواب، سرداری و سر بلندی کے نشانات، دبیز اور لطیف ریشمی ملبوسات اور سرفرازیوں کی نشست گاہیں ہیں ۔ ($\frac{18}{31}$) ۔ قرآن نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حتمی اور یقینی نتیجہ اِس دنیا کی حکومت اور سطوت بھی بتایا ہے ۔ ($\frac{24}{55}$) ۔ اس لئے ثَوَابٌ (نتائجِ اعمال) سب سے پہلے اسی دنیا میں سامنے آ جانے چاہئیں۔ اس کے بعد اُخروی زندگی میں بھی۔ چونکہ زندگی کی یہ تمام آسائشیں اور خوشگواریاں اور انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما اور ارتقاء ، اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس لئے ثَوَابٌ کے معنے اعمال کا نتیجہ بھی ہیں ۔ یعنے قانون مکافات کی رو سے اعمالِ انسانی کا نتیجہ مرتب ہونا ۔ عام طور پر اچھے نتائج کیلئے ہی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات غلط کاموں کے خراب نتائج کیلئے بھی اسکا استعمال ہوتا ہے، (مثلاً $\frac{3}{152}$ اور $\frac{83}{36}$ میں) ۔ یعنے انسان نے جو کچھ کیا ہے اسکا اسکی طرف لوٹ کر آ جانا ۔ اس کی (Return) ۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ($\frac{83}{36}$) ۔ ''کفار کے اعمال ہی نتیجہ بنکر انکی طرف لوٹ کر آ جاتے

ھیں،،۔ قرآن کریم نے مکافات عمل کے ضمن میں یہ بڑا باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اعمال خود اپنی جزا آپ ھوتے ھیں۔ خود عمل کے اندر اسکا نتیجہ مضمر ھوتا ہے ۔ آپ صبح کے وقت سیر کیلئے جاتے ھیں ۔ دو تین میل کا چکر لگاتے ھیں ۔ اس سے آپکی طاقت خرچ ھوتی ہے ۔ وقت بھی صرف ھوتا ہے ۔ لیکن اس سے آپکو صحت و توانائی، شگفتگی اور بشاشت حاصل ھوتی ہے ۔ یہ صحت اور بشاشت کیا ہے ۔ آپکی سیر کا نتیجہ ہے ۔ یعنے آپکی سیر کا عمل خود اپنا آپ نتیجہ بن گیا ہے ۔ اسے ثَوَابٌ کہتے ھیں ۔ ثَوَابٌ کے اس مفہوم کے بعد آپ سمجھ سکتے ھیں کہ جس چیز کو اِیْصَالِ ثَوَاب کہتے ھیں وہ کسقدر غیر قرآنی تصور ہے ۔ کیا یہ کسی طرح بھی ممکن ہے کہ سیر تو آپ کریں اور اس سیر کا نتیجہ آپ میری طرف منتقل کر دیں ؟ یہ ناممکن ہے ۔ اگر آپ سیر کرتے ھیں تو آپ ھی کی صحت ٹھیک ھوگی ۔ اگر میں سیر نہیں کرتا تو آپکا سیر کرنا میرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ آپ ہزار چاھیں لیکن اس سیر کا نتیجہ (ثَوَابٌ) آپ کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کر سکتے ۔ اس لئے آپکا کسی دوسرے کو ثواب پہنچانا ایک موھوم عقیدہ ہے جسکا حقیقت (قرآن) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ ھر شخص کو اس کے اپنے اعمال ھی کا نتیجہ ملتا ہے ۔ ھر عمل کا اثر انسان کی اپنی ذات پر ھوتا ہے اس لئے اس کے (کسی دوسرے کی طرف) منتقل کرنے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا ۔

مَثُوْبَةٌ (۵/۲) بدلہ یا مکافات عمل کیلئے آیا ہے ۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴/۷۴) ۔ ھم پہلے دیکھ چکے ھیں کہ ثِيَابٌ کے معنے انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کے ھیں ۔ (چنانچہ خود قرآن میں دوسرے مقامات پر یہ لفظ انسانی شخصیت یا قلب و دماغ کیلئے استعمال ھوا ہے ۔ مثلاً (۱۱/۵ و ۲۲/۱۹) ۔ اسلئے اسکے معنے یہ بھی ھیں کہ اپنی سیرت و شخصیت کو پاکیزہ رکھو ۔ اور اگر تَثْوِیْبٌ کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اس کے معنے یہ ھونگے کہ اپنی دعوت کو ان لوگوں سے پاک اور صاف (یا دور دور) رکھو جو دل میں نفاق وغیرہ کی خباثتیں لئے ھوں ۔ لہذا اسمیں سیرت و شخصیت یا دعوت اور پکار کی پاکیزگی اور بلندی کا حکم ہے ۔ نہ کہ کپڑوں کو صاف رکھنے کا ۔ (ثَوَابٌ کے ایک اور مفہوم کیلئے لفظ سُدًی دیکھئے) ۔

ث و ر

اَلثَّوَرَانُ ۔ ھیجان کو کہتے ھیں۔ ثَارَ الشَّیْءُ ۔ اس چیز میں ھیجان پیدا ھوگیا ۔ ثَارَ الْغُبَارُ ۔ غبار اوپر کو اٹھا اور پھیل گیا۔ قَدْ ثَارَ ثَائِرُہٗ

وہ شخص غضبناک ہو گیا ۔ اَثَارَہٗ وَ ثَوَّرَہٗ وَ اسْتَثَارَہٗ ۔ اسنے اسے بھڑکا دیا ۔ برانگیختہ کر دیا ۔ اَثَارَ الْاَرْضَ ۔ زمین میں ہل چلا کر اسکی مٹی کو الٹ پلٹ دیا* ۔ سورۃ عادیات میں ہے فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (۴/۱۰۰) ۔ ''وہ گھوڑے اپنے سموں کو زمین پر مار کر گرد اڑاتے ہیں'' ۔

سورۃ بقرہ میں ہے لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ (۷۱/۲) ۔ ''اس بیل کو ابھی ہل میں نہیں جوتا گیا'' ۔ سورۃ روم میں ہواؤں کے متعلق ہے فَتُثِيْرُ سَحَابًا (۴۸/۳۰) ۔ ''وہ بادلوں میں ہیجان پیدا کر کے انہیں اوپر اٹھاتی ہیں'' ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے اوپر اٹھنے کے ہوتے ہیں ۔

ث و ی

ثَوَى الْمَكَانَ ۔ کسی جگہ دیر تک ٹھہرا ، وہاں مستقل اقامت کے لئے اترا ، ۔ اَلْمَثْوٰی ۔ اقامت گاہ ۔ قرار گاہ ۔ وہ جگہ جہاں مستقل طور پر رہا جائے ۔ منزل ۔ اَبُوْ مَثْوٰی ۔ مہمان ، میزبان ، صاحب خانہ ۔ اَلثَّوِیُّ ۔ مہمان ۔ نیز وہ کمرہ جسے مہمان کیلئے تیار کیا جائے ۔ اَثْوَاہُ ۔ اسکی مہمانی کی ، اَلثُّوَّةُ ۔ گھر کے ارد گرد اونٹوں کے آرام کرنے کی جگہ (نیز دیکھئے عنوان ا ۔ و ۔ ی) ۔ اسے اَلثَّوِيَّةُ بھی کہتے ہیں** ۔ سورۃ قصص میں ہے وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ (۴۵/۲۸) ۔ '' تو اهل مدین میں قیام پذیر نہیں تھا '' ۔ سورۃ یوسف میں ہے ۔ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ (۲۱/۱۲) ۔ ''اسے باعزت طریق سے رکھو'' ۔ اسے اپنے ہاں عزت کی جگہ دو ۔ اس مادہ میں مستقل اقامت اور مہمانی کا مفہوم یہ بتارہا ہے کہ عزیز مصر نے پہلے ہی حضرت یوسفؑ کو باعزت مہمان کی حیثیت دیدی تھی اور انہیں عام غلاموں کی طرح نہیں رکھا گیا تھا ۔ سورۃ آل عمران میں ہے بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (۱۵۰/۳) '' سرکشوں کی قرار گاہ (جہنم) کیا ہی بری ہے '' ۔

ث ی ب

اَلثَّيِّبُ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی وجہ سے شوہر سے الگ ہوچکی ہو (خواہ بیوگی کی وجہ سے یا طلاق کی وجہ سے) * ۔ قرآن کریم میں ثَيِّبٰتٍ بمقابلہ اَبْكَارًا آیا ہے ۔ اَبْكَارٌ کے معنے کنواری عورتوں کے ہیں ۔(۵/۶۶)۔

بِئْرٌ ثَيِّبٌ ۔ وہ کنواں جس کا پانی ختم ہوجانے کے بعد اس میں دوبارہ پانی آجائے ۔

ثَيَّبَتِ الْمَرْاَةُ و تَثَيَّبَتْ ۔ عورت بیوہ ہوگئی* ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ نیز لطائف اللغۃ ۔

ج

ج أ ر

جُؤَارٌ - اس کے بنیادی معنی زور سے پکارنے اور آواز نکالنے کے ھیں (خواہ انسان کی طرف سے ھو یا حیوان کی طرف سے) مثلاً بلند آواز سے دعا کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ھوگا اور گائے وغیرہ کے بولنے کے لئے بھی۔ الجُؤَارُ بمعنی خُوَارٌ (بیل کا ڈکارنا) بھی ھے۔ اسی سے جَأَرَ الدَّاعِی یَجْأَرُ کے معنے ھیں دعا کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ جَأَرَ الرَّجُلُ اِلَی اللّٰہِ - وہ خدا کے سامنے دعا کے ساتھ گڑگڑایا* دعا اور تضرع و زاری میں افراط کے موقع پر بولتے ھیں**۔

قرآن کریم میں ھے کہ جب تمھیں مصیبت پڑتی ھے تو اِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ (۱۶/۵۳) "تم چیختے چلاتے۔ گڑگڑاتے ھوئے خدا سے ھی فریاد کرتے ھو"۔

جَالُوْتُ

جَالُوْتُ - یہ عجمی لفظ ھے*** - فلسطین میں ایک سرکش سردار تھا جسے حضرت داؤدؑ نے قتل کیا تھا (۲/۲۵۱)۔ اس کا عبرانی تلفظ جَلْیَات ھے****۔ بعض کا خیال ھے کہ یہ جَالَ سے ھے اور جَالَ فِی الْحَرْبِ کے معنی ھیں اس نے جنگ میں شدت سے حملہ کیا۔ انگریزی میں اسے (Goliath) کہتے ھیں۔

ج ب ب

اَلْجَبُّ - اَلْجِبَابُ اَلْاِجْتِبَابُ - کاٹ ڈالنا - قطع کر دینا - اَلْجُبُّ - کنواں - بہت گہرا کنواں - وہ کنواں جو پختہ یا لپا ہوا نہ ھو۔

* تاج - ** راغب - *** تاج و راغب - **** محیط -

یہ اس وقت جُبّ* کہلاتا ہے جب وہ ایسی حالت میں پایا جائے کہ اسے لوگوں نے کھود کر خاص طور پر تیار نہ کیا ہو، بلکہ کھائی سی بنی ہوئی ہو یا گڑھا سا کھدا ہوا ہو۔ (از خود بن جانے والا کنواں جسے خاص طور پر تیار نہ کیا گیا ہو)۔ ایسا ہی کنواں تھا جس میں برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو ڈالا تھا (۱۲/۱۰)۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ ایسے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جس کی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔

راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنوئیں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی چیزوں کا جمع کرنا ہیں۔ اس اعتبار سے اَلْجُبَّۃُ لباس کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سارے جسم کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ لیکن صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ اَلْجُبَّۃُ اس لباس کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کو سی کر بنا لیا جائے۔

ج ب ت

اَلْجِبْتُ۔ تاج العروس میں اسکے معنے، بُت۔ ساحر۔ کاہن کے لکھے ہیں۔ نیز شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسکے معنے سحر کے ہیں۔ اسکی اصل اَلْجِبْسُ بتائی گئی ہے جسکے معنے ہر اس چیز کے ہیں جسمیں کوئی بھلائی نہو**۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی الاصل ہے جسکے معنے مُتَجَوِّف (یعنی کھوکھلی شے) کے آئے ہیں۔ اسکے بعد ہر خالی اور کھوکھلی چیز کیلئے استعمال ہونے لگا***۔ صاحب المنار نے بھی اسکی تائید کی ہے****۔

قرآن میں اہل کتاب کے متعلق ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴/۵۱) طاغوت انسانوں کے خود ساختہ قوانین اور ان قوانین کو نافذ کرنے والی قوتیں۔ اور جِبْتٌ ہر بے حقیقت اور بے معنے چیز۔ تو ہم پرستیاں۔ رسومات جن میں روح باقی نہ رہی ہو۔ جو اندر سے کھوکھلی (مُتَجَوِّف) ہو چکی ہوں۔ جو قوم بھی خدا کیطرف سے دئے ہوئے الدین کو چھوڑ دیتی ہے وہ جبت اور طاغوت کو اپنا ''معبود،، بنا لیتی ہے۔

ج ب ر

اَلْجَبْرُ۔ اس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کی اسطرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے۔ چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لئے جو لکڑیاں (Splints) اوپر اور نیچے رکھی جاتی ہیں انہیں اَلْجَبَائِرُ،

*تاج و محیط۔ **تاج۔ ***محیط۔ ****تفسیر المنار جلد ۵ صفحہ ۱۵۶۔

اور اسطرح هڈی جوڑنے کو جَبَرًا لِّعَظْمِ، کہتے ھیں۔ اَلْجَابِرُ ۔ ٹوٹی ھوئی هڈیوں کو جوڑنے والا*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ ج ۔ ب ۔ ر اپنی مختلف تراکیب میں قوت اور شدت کے مفہوم کو ظاھر کرتے ھیں ۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ بنیادی طور پر اس کے اندر عظمت ۔ بلندی اور استقامت کا مفہوم پایا جاتا ھے ۔ اَلْجَبَّارُ ۔ خدا کی صفت ھے ۔ یعنے کائناتی نظام یا انسان کی ھر شکستگی کو قوانین کی (Splints) میں رکھکر جوڑنے والا ۔ اس سے اسکے معنے ضرورتوں سے بے نیاز کر دینے کے بھی آتے ھیں ۔ مثلاً کہتے ھیں جَبَرَ اَلْفَقِیْرَ مِنَ الْفَقْرِ ۔ اسنے محتاج کو اسکی ضرورتوں سے بے نیاز کر دیا ۔ تَجَبَّرَ الشَّجَرُ ۔ درخت سر سبز ھو گیا ۔ تَجَبَّرَ الْمَرِیْضُ ۔ مریض کی حالت سدھری ۔ ان مثالوں سے خدا کی جَبَّارِیَّت (جَبَرُوْت) کا مفہوم واضح ھو جاتا ھے ۔ یعنے یه بھی اسکی ربوبیت اور رحمانیت ھی کا ایک پہلو ھے البته اسمیں انسان کو قانون کی حدود میں گھیر کر چلانا مقصود ھوتا ھے ۔ لیکن جب انسانی قوتیں قوانین خداوندی کی حدیں توڑ کر سر کش ھو جاتی ھیں تو یه جوئبار سیلابِ بلاانگیز بن جاتی ھے ۔ اسلئے اس حالت میں جَبْرٌ کے معنے استبداد اور جَبَّارٌ کے معنے مستبد ۔ ظالم ۔ سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا ھونگے ۔ چنانچه قرآن میں حضرت عیسیٰ کا قول ھے وَ لَمْ یَجْعَلْنِی جَبَّارًا شَقِیًّا ($\frac{19}{32}$) ۔ "خدا نے مجھے مستبد، سرکش اور بدبخت نہیں بنایا" ۔ اور سورۃ ق میں نبی اکرم کے متعلق ھے وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ($\frac{50}{45}$) ۔ "تو ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے والا نہیں ھے"۔ جبراً کوئی بات منوانے والا نہیں ھے ۔ قوم عاد کے متعلق ھے اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ($\frac{26}{130}$) ۔ "جب تم کسی کو پکڑتے ھو تو نہایت مستبد انداز سے پکڑتے ھو۔" ویسے عام قوی ھیکل لوگوں کے لئے بھی یه لفظ آیا ھے ($\frac{5}{22}$) ۔ اسلئے که اَلْجَبَّارُ مِنَ النَّخِیْلِ اس لمبی کھجور کو کہتے ھیں جس تک کسی کا ھاتھ نه پہنچ سکے ۔

آپ نے غور کیا که انسان کی کوئی قوت نه بجائے خویش خیر ھے نه شر ۔ یه اس کا مقصد استعمال ، یعنی جس مقصد کے حصول کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جائے اسے خیر یا شر بنا دیتی ھے ۔ اگر قوت کو ٹوٹی ھوئی هڈی کے جوڑنے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ خیر ھے اور اگر اسے کسی مظلوم کی هڈی توڑنے کے لئے صرف کیا جائے تو وہ شر ھے ۔ ظلم روکنے والا "جبّار" نوع انسان کے لئے آیهٔ رحمت ھے ، اور ظلم کرنے والا "جبّار" موجبِ عذاب ۔

* تاج و محیط و راغب.

جبریل

جِبْرِیْلُ - عبرانی لفظ ہے - قرآن کریم میں اس سے مراد خدا کی وہ قوت ہے جو قلبِ نبوی پر وحیِ خداوندی کا القاء کرتی تھی - فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲/۹۷) - "اس نے اللہ کے قانون کے مطابق اسے تیرے قلب پر نازل کیا" - اسے رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶/۱۰۲) - اور رُوْحُ الْاَمِیْنِ (۲۶/۱۹۳) بھی کہا گیا ہے - لفظ جبریل، دوبار سورۃ بقرہ میں (۲/۹۷،۹۸) اور ایک بار سورۃ تحریم میں آیا ہے (۶۶/۴)- چونکہ کوئی غیر نبی وحی کی ماہیت کو سمجھ نہیں سکتا (کیونکہ وحی اس علم کا نام ہے جسکا سرچشمہ انسانی ادراک سے ماوراء ہے) اسلئے ہم نہیں جان سکتے کہ جِبْرِیْلُ کی ماہیت کیا ہے - ہمارا واسطہ اس وحی سے ہے جو قرآن کے اندر ہے اور اسکا مفہوم ہم سمجھ سکتے ہیں - اس قوت (رُوْحٌ) کو قُدُسٌ اور اَمِیْنٌ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ وحیِ خداوندی میں (جو قلبِ نبویؐ پر نازل کی جاتی ہے) نہ کسی قسم کی آمیزش ہوتی ہے، نہ خیانت - نہ اس میں نبی کے اپنے جذبات کا کوئی شائبہ ہوتا ہے (مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی - ۵۳/۳) - نہ وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرتا ہے (۳/۱۶۰) - اور نہ ہی کوئی کائناتی قوت وحی میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکتی ہے - وحی میں آمیزش اور خیانت رسول کے بعد اس کے دین کے دشمن کرتے ہیں (خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے) لیکن قرآن کریم کے الفاظ میں نہ کوئی آمیزش کر سکتا ہے نہ خیانت - اس لئے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود لے رکھی ہے -

ج ب ل

اَلْجَبَلُ - پہاڑ - قوم کا سردار یا عالم - (جمع جِبَالٌ) *- سورۃ انبیاء میں ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ (۲۱/۷۹) ہم نے اس قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو داؤد (کے مقصدِ زندگی کی تکمیل کیلئے) تابع فرمان کر دیا - یہی معنی (۳۴/۱۰) - میں ہیں - اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت داؤد** پہاڑوں کو مسخر کرکے اپنے مصرف میں لاتے تھے - سورۃ کہف میں اَلْجِبَالُ - بمقابلہ اَلْاَرْضُ آیا ہے - (۱۸/۴۷) - اسمیں بھی جِبَالٌ سے مراد سردارانِ قوم ہیں اور اَرْضٌ سے مراد قوم کا نچلا طبقہ - اَلْجِبِلُّ وَ الْجِبِلَّةُ -

---

* تاج - ** حضرت داؤدؑ کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں مزید دیکھیں عنوان (ا - و - ب) تتمہ میں صفحہ ۱۸۱۳ پر جلد چہارم۔

انسانوں کی بڑی جماعت *۔ (۳۶/۶۲) ۔ بڑی جماعت،*۔ (۲۶/۱۸۴) ۔ الجِبِلَّة ۔ کسی شے کی کثرت ۔ مستحکم عادت ۔ طبیعت ۔ خلقت **۔ ابنِ فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا بلند ھونا اور اس کے ساتھ ھی اس کے اجزا کا ایک دوسرے کے ساتھ مستحکم طور پر اکٹھے ھونا ھیں ۔ لہذا جِبَال میں بلندی و سرفرازی اور قوت و جمعیت دونوں شامل ھونگی ۔

واضح رھے کہ جَبَل کے لغوی معنی پہاڑ کے ھیں اور اس کے مجازی معنی سردارِ قوم کے ھیں ۔ قرآنِ کریم کے مختلف مقامات میں (سیاق و سباق کو دیکھکر) متعین کیا جاسکتا ھے کہ اسے لغوی معنوں میں کہاں استعمال کیا گیا ھے اور مجازی معنوں میں کہاں ۔

ج ب ن

اَلْجُبْنُ ۔ بزدلی ۔ دل کا کمزور ھو جانا ۔ نیز اس کے معنی پنیر بھی ھیں۔ اَلْجَبِیْنَانِ ۔ پیشانی کے دونوں طرف کے کنارے جو بھووں کے بعد سے شروع ھوکر سر تک چلے جاتے ھیں اور جن کے اندر پٹ پٹڑیاں آجاتی ھیں ۔ اس کا واحد اَلْجَبِیْنُ ھے ۔ پیشانی (جَبْہَۃٌ) ان دونوں جبینوں کے درمیان میں ھوتی ھے ***۔

قرآنِ کریم میں قصہ حضرت ابراھیمؑ و اسمٰعیلؑ کے ضمن میں ھے وَتَلَّهُ لِلْجَبِیْنِ (۳۷/۱۰۳) ۔ ابراھیمؑ نے اسمٰعیل کو پٹ پڑی کے بل لٹا دیا ۔ آپ نے دیکھا ھوگا کہ قصاب بکرے کو ذبح کرنے کیلئے ایک پہلو پر (یعنے کن پٹی کے بل لٹاتا ھے ۔ اس سے ذبح کرنے میں آسانی ھوتی ھے ۔ قرآن کے اس بیان سے مترشح ھوتا ھے کہ حضرت ابراھیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو اسی طرح لٹایا تھا ۔

ج ب ہ

اَلْجَبْہَۃُ ۔ پیشانی ۔ اسکی جمع جِبَاہٌ ھے ۔ جَبْہَاءُ ۔ کشادہ، حسین اور بلند پیشانی والی عورت * ۔ صاحب محیط نے کہا ھے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بلند اور لمبا ھونا ھیں **۔

قرآن میں ھے جِبَاھُھُمْ (۹/۳۵) ان کی پیشانیاں ۔

---

* تاج ۔ **محیط ۔ *** تاج و محیط و راغب

ج ب و (ی)

جَبَی الْخَرَاجَ وَ الْمَالَ ۔ خراج اور مال جمع کیا ۔ جَبَی الماءَ فِی الحَوْضِ ۔ حوض میں پانی جمع کیا ۔ اصل معنے اس مادہ کے جمع کرنے یا جمع ہوجانے کے ہیں*۔ سورۃ قصص میں ہے یُجْبٰی اِلَیْہِ ثَمَرَاتُ (۲۸/۵۷) ۔ حرم کعبہ کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچکر چلے آتے ہیں اور جمع ہو جاتے ہیں۔

جَبًا ۔ تالیف کرنا یا جمع کرنا ۔ سورۃ اعراف میں ہے وَاِذَا لَمْ تَاْتِھِمْ بِاٰیَۃٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَھَا (۷/۲۰۳) ۔ ''جب تو انکے پاس کوئی آیت (قرآنی) نہیں لاتا تو یہ کہتے ہیں کہ تو خود ہی انہیں تالیف کیوں نہیں کرلیتا'' ۔ یعنی تو ادھر ادھر کی باتوں میں سے چن کر ایک آیت کیوں نہیں بنالیتا ۔ کفار، قرآن کے متعلق یہ تصور رکھتے تھے کہ اسے رسول اللہؐ نے (معاذاللہ) ادھر ادھر سے اکٹھا کرلیا ہے ۔ اب بھی مستشرقین حضورؐ کے متعلق کچھ اسی قسم کے خیالات پیش کرتے رہتے ہیں ۔ اسکی وجہ یا تو نبوت کے متعلق ان کی بے خبری ہے یا تعصب ۔ دونوں صورتوں میں ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ پر ان کی اس قسم کی تصانیف کا بڑا برا اثر پڑتا ہے ۔

اَلْاِجْتِبَاءُ ۔ جہاں سے مال مل سکتا ہو وہاں سے مال نکالنا اور جمع کرنا ۔ (یعنے خراج کے مال کو اسطرح وصول کرنا) ۔ اس سے اسکے معنے بطور انتخاب جمع کرنا ہیں ۔ یعنے چن کر اکٹھا کرنا* ۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ (۴۲/۱۳) ۔ ''اللہ چن لیتا ہے'' ۔ جبی الماء فی الحوض کے لئے مزید دیکھیں تتمہ صفحہ ۱۸۲ جلد چہارم

ج ث ث

اَلْجَثُّ ۔ درخت کو جڑ سے کاٹ دینا یا اکھاڑ لینا ۔ اَلْاِجْتِثَاثُ ۔ کے بھی یہی معنے ہیں، بلکہ زیادہ شدت اور مبالغہ کے ساتھ* ۔ قرآن میں اُجْتُثَّتْ (۱۴/۲۶) آیا ہے ۔ یعنی اسکی جڑ بنیاد تمام کی تمام اکھیڑ دی گئی ۔

اَلْجُثَّۃُ ۔ زمین کا بلند حصہ جو ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح ہو جائے۔ اس سے جُثَّۃُ الْاِنْسَانِ آتا ہے ۔ انسانی جثہ* ۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب انسان بیٹھا ہؤا یا سویا ہؤا ہو کیونکہ اسوقت اس کا تمام جسم اکٹھا اور سمٹا ہوتا ہے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے جمع ہونے کے ہیں ۔ درخت کو جڑ سے اکھیڑنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ جس درخت کو اکھیڑا جاتا ہے اسکی جڑیں وغیرہ سب اکٹھی کی جاتی ہیں تا کہ ان میں سے کوئی چیز زمین میں باقی نہ رہ جائے ۔

---

*تاج و محیط و راغب ۔ **ابن فارس ۔

ج ث م

جَثَمَ - يَجْثِمُ - جَثْماً و جُثُوْماً - اپنی جگه پر چمٹ جانا اور اسے نه چھوڑنا - (پرند وغیرہ کا) سینه کے بل بیٹھنا - اس طرح جم کر یا سینه کے بل بیٹھ جانے والا جو اپنی جگه سے نه ھٹے اَلْجَاثِمُ کہلائیگا - اَلْجُثْمَةُ - مٹی، گارے یا راکھ کا ڈھیر - اَلْجُثْوُمُ والجثمة - ٹیله - اَلْمُجَثَّمَةُ - اس جانور یا پرندے کو کہتے تھے جسے باندھ کر نشانه بنا لیا جائے اور اسطرح مار دیا جائے* - لہذا اس لفظ کے معنے کسی ایک جگه جم کر بےحس و حرکت پڑے رھنے کے ھیں - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی چیز کے مجتمع ھو جانے کے ھیں -

قرآن میں ھے فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ - (۷۸/۷) - ''وہ اپنے گھروں میں بےحس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے- ڈھیر ھو کر رہ گئے،، -

ج ث و

اَلْجَثْوَةُ (جیم کی تینوں حرکتوں - زیر - زبر - پیش کے ساتھ) - پتھروں کا ڈھیر- ریت کا ڈھیر- جسم- جُثَى الْحَرَمِ - رمی جمار کی وجه سے حرم میں جمع ھو جانےوالے پتھر یا وہ پتھر جو حرم کی حدود پر رکھ دئے جاتے تھے- تھان (انصاب) جن پر ایام جاھلیت میں جانور قربانی کے طور پر ذبح کئے جاتے تھے - پتھروں کے ڈھیر کے اعتبار سے اَلْجُثَا جماعتوں کو کہتے ھیں، اور جَثَوْتُ الاِبِلَ کے معنے ھیں میں نے اونٹوں کو جمع کیا -

جَثَا - يَجْثُوْ - جُثِيًّا - (جھگڑا کرنے کیلئے) گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا - فَهُوَ جَاثٍ - گھٹنوں کے بل بیٹھا ھوا - اسکی جمع جُثِيٌّ اور جِثِيٌّ آتی ھے* -

سورۃ جاثیة میں ھے وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (۲۸/۴۵)- توھر جماعت کو (اس وقت) گھٹنوں کے بل بیٹھے ھوئے دیکھیگا - یعنے ذلت و خواری اور عاجزی و درماندگی کی حالت میں -

سورۃ مریم میں ھے وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا (۷۲/۱۹) '' ھم ظالمین کو اس میں گھٹنوں پر گرا ھوا چھوڑینگے'' اور لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا (۶۸/۱۹) یعنی ''ھم انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ھوئے حاضر کرینگے،، -اس سے مراد ذلت و خواری یا عاجزی و درماندگی ھے -

*تاج -

ج ح د

جَحَدَ حَقَّهٗ ۔ جان بوجھکر کسی کے حق سے مکر جانا اور انکار کر دینا ۔ اَرْضٌ جَحِدَةٌ خشک زمین کو کہتے ھیں ۔ اور عَامٌ جَحِدٌ ۔ کم بارش والے سال کو ۔ اَجْحَدَ الرَّجُلُ اسوقت کہتے ھیں جب کسی کا سب کچھ جاتا رہے اور وہ ھاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑا ھو* ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے معنی قلتِ خیر (یعنی اچھی چیزوں کی کمی) کے ھیں ۔ راغب اور صاحب محیط نے کہا ھے اَلْجَحْدُ کے معنی ھوتے ھیں اس چیز سے انکار کر دینا جسکا اقرار دل کے اندر ھو اور اسکا اقرار کرنا جسکا انکار دل کر رہا ھو**۔ قرآن کریم نے حقائق کا انکار کرنے والوں کے متعلق متعدد مقامات پر کہا ھے بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (۶/۳۳) ۔ یہ جانتے بوجھتے (محض ضد اور سر کشی کی بنا پر) قوانین خدا وندی کا انکار کرتے ھیں ۔ (''جانتے بوجھتے'' کی تشریح قرآن کریم نے خود ھی دوسری جگہ کر دی ھے ۔ جہاں کہا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (۲۷/۱۴) ۔ ''یہ محض ظلم و تکبر کی بنا پر اسکا انکار کر رہے ھیں حالانکہ ان کا دل اندر سے اسے صحیح مانتا ھے'' ۔ صاحب محیط نے کہا ھے کہ جَحَدَ النِّعْمَةَ کے معنی ھیں اس نے نعمت کا یا تو شعور ھی نہیں کیا اور یا سمجھنے بوجھنے کے باوجود منعم کا شکر نہیں کیا ۔

ج ح م

اَجْحَمَ عَنْهُ ۔ وہ اس سے رک گیا ۔ اَلْجَحَّامُ ۔ بخیل کو کہتے ھیں جو مال و دولت کو روک کر رکھ لیتا ھے* ۔ جَحَمَ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ کے منہ پر ایسا چھینکا چڑھا دینا جس سے وہ کاٹنے سے رک جائے ۔ تَجَحَّمَ الْمَکَانُ وَالْقَلْبُ ۔ مکان یا دل تنگ ھو گیا** ۔ امام الرمانی نے اَجْحَمَ کو اَمْسَکَ اور اِنْتَهٰی کا مرادف قرار دیا ھے***۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ ان معنوں میں یہ لفظ اَحْجَمَ سے مقلوب ھے ۔

تَجَحَّمَ کے معنے ھیں بخل اور تنگ دلی کی وجہ سے جل بھن جانا ۔ اس سے جَحَمَ کے معنے ھوتے ھیں آگ بھڑکانا ۔ اَلْجَحْمَةُ ۔ بڑی آگ کو کہتے ھیں جو کسی گہری جگہ میں ھو ۔ نیز سخت گرم جگہ کو ۔ اَلْجَاحِمُ

---

*تاج ۔ **محیط و راغب ۔ ***محیط ۔ **** الالفاظ المترادفه ۔

مِنَ الْحَرْبِ ۔ سخت گھمسان کی جنگ کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے اس کے معنی حرارت اور گرمی کی شدت کے لکھے ہیں ۔ قرآن کریم میں اَلْجَحِیْمُ جہنم کیلئے آیا ہے دیکھئے (۲۳/۳۷) اور (۳۷/۶۸-۶۴-۵۵) ۔ قرآن کریم میں غلط اعمال کے نتائج کو عذاب نار سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ آگ سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے ۔ لیکن اگر زندگی اور اسکے مقاصد کے متعلق قرآنی نقطۂ نگاہ سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی اسکے سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہے جسے ابھی بہت آگے چلنا ہے ۔ قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے انسانی صلاحیتوں میں ایسی نشو و نما آجاتی ہے جس سے وہ (مرنے کے بعد) زندگی کی اگلی ارتقائی منزل تک پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر اسکی صلاحیتوں کی اسطرح نشوونما نہ ہو تو وہ آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا ، وہیں رک جاتا ہے ۔ یہ قانون ارتقاء کا بنیادی اصول ہے ۔ اس رک جانے کو قرآن نے اَلْجَحِیْمُ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے جس کے بنیادی معنے رک جانے کے ہیں ۔ لہذا جَحِیْمٌ انسانی زندگی کی وہ منزل ہے جسمیں وہ آگے بڑھنے سے رک جائے ۔ اور چونکہ اس رک جانے کا احساس شدید ہوگا اسلئے اس سے انسان کے دل میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی (۱۰۴/۶-۷) جو اسکی کشتِ امل (امیدوں کی کھیتی) کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی ۔ قرآن کریم کی رو سے فرد یا قوم ، جس مقام پر رک جائے ، وہ جحیم ہے ۔ زندگی تو ایک جوئے رواں ہے جسے رواں دواں آگے بڑھتے چلے جانا چاہئے ۔ جونہی اسکی روانی بند ہوئی ، وہ جوئے رواں نہ رہی جوہڑ بن گئی اور اس میں سڑاہند پیدا ہونی شروع ہو گئی ۔

ج د ث

اَلْجَدَثُ ۔ قبر ۔ جمع اَجْدُثٌ و اَجْدَاثٌ ۔ قرآن کریم میں ہے فَاِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۳۶/۵۱) ۔ "پس وہ ناگہاں قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑینگے" ۔ اس سے آگے ہے کہ وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہینگے کہ مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا (۳۶/۵۲) "ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے جگا دیا" ۔ لہذا جَدَثٌ اور مَرْقَدٌ ہم معنی ہیں ۔ واضح رہے کہ اس سے مقصود کوئی خاص مقام نہیں ، کیفیت ہے ۔ اَلْجَدَثَةُ ۔ اونٹ کے پاؤں کی زمین پر پڑنے کی آواز** ۔

* تاج ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

ج د د

اَلْجَدُّ ۔ اس مادہ میں اصل معنے قطع کرنے اور کاٹنے کے آتے ہیں*۔ مثلاً ثَوْبٌ جَدِیْدٌ کے اصل معنے کاٹے ہوئے (قطع کردہ) کپڑے کے ہیں۔ پھر ہر اس چیز کو کہنے لگے جس کی پیدائش نئی نئی ہوئی ہو**۔ اَلْجَدِیْدُ ۔ وہ چیز جس کے ساتھ تمہارا کبھی واسطہ نہ رہا ہو***۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (۱۴/۲۰)۔ " وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے "، (ایسی مخلوق لے آئے جس سے تمہیں کبھی واسطہ نہ رہا ہو)۔ اَلْجُدَّةُ ۔ ہر چیز کا راستہ (جس سے اسے قطع کیا جاتا ہے یا جو اسے قطع کرتا ہوا چلا جاتا ہے)۔ اس کی جمع جُدَدٌ آتی ہے۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کے متعلق ہے جُدَدٌ بِیْضٌ وَحُمْرٌ (۳۵/۲۷)۔ سفید اور سرخ رنگ کے راستے۔ راستہ سے یہاں مراد دھاریاں ہیں جو پہاڑوں کے مختلف قطعات اور تہوں کو متمیز کرتی ہیں۔ چنانچہ اَلْجُدَّةُ اس دھاری کو بھی کہتے ہیں جو گدھے کی کمر پر ہوتی ہے***۔

اَلْجَدُّ ۔ روئے زمین کو کہتے ہیں، اور بڑے نصیبہ والے آدمی کو بھی۔ دادا اور نانا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے اس کے معنی بڑائی، عظمت و جلال کے بھی آتے ہیں***۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَاَنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا (۷۲/۳)۔ " ہمارے رب کی عظمت بہت بڑی ہے "۔

اَلْجِدُّ ۔ کسی کام میں کوشش کرنا۔ نیز جلدی اور عجلت کو بھی کہتے ہیں۔ نیز اس لفظ کو ہر بات میں مبالغہ کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً عَالِمٌ جِدُّ عَالِمٍ ۔ وہ عالم ہے اور بہت بڑا عالم***۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے تین بنیادی معانی ہیں (۱) عظمت۔ (۲) نصیبہ اور (۳) کاٹ دینا۔ تینوں کی مثالیں اوپر مذکور ہیں۔

ج د ر

اَلْجَدْرُ ۔ اَلْجِدَارُ ۔ دیوار کو کہتے ہیں۔ اَلْحَائِطُ ۔ دیوار کو احاطہ کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں اور اَلْجِدَارُ اسکے بلند ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس مادہ میں اصل معنے احاطہ کرنا۔ ابھرنا۔ بلند ہونا ہیں۔

---

* محیط۔ ** راغب۔ *** تاج۔

چنانچہ جَدَّرْتُ الْجِدَارَ کے معنے ہیں میں نے دیوار کو اونچا کر دیا۔ اَلْجَدْرُ ایک قسم کا پودا جو ریتلی زمین میں اگتا ہے*۔

سورۃ کہف میں جِدَارٌ (۱۸/۷۷) دیوار کے معنے میں آیا ہے۔

اَلْجَدِیْرُ۔ مناسب اور لائق۔ قَدْ جَدُرَ جَدَارَۃً۔ وہ لائق ہوا۔ اِنَّهٗ مَجْدُوْرٌ اَنْ یَفْعَلَ ذٰلِکَ۔ وہ ایسا کرنے کے قابل ہے*۔ قرآن کریم میں ہے وَ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا (۹/۹۷)۔ "ان کی حالت اس کے زیادہ قابل ہے کہ وہ اس بات کو نہ سمجھ سکیں"۔ اَلْجَدِیْرَۃُ طبیعت کو کہتے ہیں*۔

ج د ل

اَلْجَدْلُ۔ اصل معنے اس مادہ میں بٹنے کے ہیں۔ جَدَلَ الْحَبْلَ۔ رسی کو مضبوط بٹنا۔ اَلْجَدِیْلُ۔ چمڑے کی بٹی ہوئی لگام کو کہتے ہیں۔ یا چمڑے کی بٹی ہوئی رسی کو**۔ اَلْجَدَالُ ہر مضبوط چیز کو کہتے ہیں***۔ اَلْجَدَالَۃُ۔ سخت زمین**۔ جَدَلَ الشَّیْءُ جُدُوْلاً۔ کسی چیز کا سخت اور قوی ہو جانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا لمبا اور مستحکم ہونا۔ جھگڑے کو جَدَلٌ گفتگو کی درازی کی وجہ سے کہتے ہیں۔

اَلْجِدَالُ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ایسی گفتگو کرنے کے ہیں جسمیں طرفین ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور غلبہ حاصل کر لینے کی کوشش کریں اور اسطرح خواہ مخواہ بات کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اسی سے بعض نے کہا ہے کہ اسکے اصل معنے صِرَاعٌ کے ہیں، یعنے ایک انسان کا دوسرے انسان کو زمین پر گرا دینا۔ پچھاڑ دینا **۔

قرآن کریم میں احکام حج کے ضمن میں لَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ (۲/۱۹۷) آیا ہے۔ اَلْجِدَالُ کے جو معنی اوپر دیئے گئے ہیں ان سے مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ حج مسلمانوں کا بین المللی اجتماع ہے جس سےمقصد یہ ہے کہ اُمت کے اجتماعیؔ مسائل کا حل باہمی مشاورت سے تلاش کیا جائے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس مقصد کے لئے باہمی گفتگو میں ایسی روش اختیار نہ کرو جس سے مقصد یہ ہو کہ تم فریق مقابل کو مناظرانہ شکست دیدو اور اس کے لئے خواہ مخواہ بات بڑھاتے اور اس پر اصرار کرتے چلے جاؤ۔ تم متانت اور سنجیدگی سے بات کرو اور مقصد یہ سامنے رکھو کہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مسائل کا تصفیہ ہو جائے۔

---

* تاج و راغب و محیط۔ ** تاج۔ *** محیط۔

سورۂ مجادلہ میں جو آیا ہے اَلَّتِیْ تُجَادِلُکَ (۵۸/۱) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت رسول اللہ سے اپنے خاوند کے متعلق بار بار سوال کرتی تھی۔ خواہ مخواہ بات کو طول دیئے جا رہی تھی۔ اپنی بات پر اصرار کرتی تھی اور یوں اس سے جھگڑے کا سا پہلو نکلتا تھا۔

سورۂ کہف میں ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (۱۸/۵۴)۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر معاملہ کے متعلق بات واضح طور پر کہہ دی گئی ہے لیکن اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان اس ذہنیت کو لیکر قرآن کیطرف نہ آئے کہ مجھے بہرحال اپنی بات پراڑے رہنا اور قرآن کو شکست دیدینا ہے۔ وہ خالی الذہن ہو کر قرآن پر غور و فکر کرے اور مقصد پیش نظر یہ رکھے کہ مجھے حق اور صداقت کو تلاش کرنا ہے۔ اسطرح قرآن سے صحیح راہ نمائی مل جائیگی۔

ج ذ ذ

اَلْجَذُّ ۔ کسی چیز کو توڑ دینا۔ کَسَرْتُهٗ اَجْذَاذًا ۔ میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ دیا*۔ اَلْجُذَّةُ ۔ دراصل کسی شے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس سے کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو**۔

جُذَاذٌ ۔ سونے کے ڈلے یا ٹکڑے یا ریزے***۔ سورۂ انبیاء میں ہے فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (۲۱/۵۸)۔ "ابراھیم نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا"۔

سورۂ ھود میں جنت کے متعلق ہے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۸)۔ غیر منقطع عطاء۔ ایسی عطاء جو ان سے قطع نہیں کی جائیگی۔ جو ہمیشہ رہیگی۔ یعنی اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۹۵/۶)۔

ج ذ ع

جِذْعٌ ۔ درخت (خرما) کا تنہ۔ (جمع جُذُوْعٌ)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس تنہ کو کہتے ہیں جو خشک ہو چکا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے کہتے ہیں جو کاٹ لیا گیا ہو۔ لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اسمیں نہ خشک ہونے کی شرط ہے اور نہ کاٹ لینے کی*۔ سورۂ مریم میں جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹/۲۳)۔ کھجور کے تنے کیلئے آیا ہے۔ اور (۱۹/۲۵) سے ظاہر ہے کہ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب

وہ سر سبز اور ثمردار کھجور تھی۔ لیکن سورۃ طٰہٰ میں صلیب کی لکڑیوں کے لئے جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰/۷۱) آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خشک کاٹے ہوئے تنے ہوتے تھے جن پر صلیب دی جاتی تھی۔ ویسے جَذَعْتُہٗ کے معنے ہیں میں نے اسے کاٹ لیا ****۔ جَذَعَ الدَّابَّۃَ۔ اس نے جانور کو روک دیا۔ اَلْجُذُوْعَۃُ۔ جوانی اور نوعمری کو کہتے ہیں ***۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) نوعمری اور تازگی۔ (۲) درخت کا تنہ اور (۳) کسی چیز کو مٹانے کے لکھے ہیں۔

ج ذ و

جَذَا عَلَی الشَّیْءِ یَجْذُوْ جَذْوًا۔ وہ کسی چیز پر جم کر کھڑا ہوگیا۔ جَذَا الرَّجُلُ عَلٰی اَطْرَافِ اَصَابِعِہٖ۔ آدمی اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوگیا*۔ گویا اسمیں کسی چیز کے کسی ایک مقام پر جم کر ٹھہر جانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ اسلئے جَذْوَۃٌ لکڑی کے اس انگارے کو کہتے ہیں جس سے شعلہ ختم ہوجائے اور صرف انگارہ باقی رہ جائے*۔ یعنی اس میں شعلے کا ابھرنا اور تڑپنا باقی نہ رہے اور وہ ایک مقام پر ٹھہر جائے۔ قرآن میں جَذْوَۃٍ مِنَ النَّارِ (۲۸/۲۹) آیا ہے۔ یعنی آگ کا انگارہ۔

ج ر ح

جَرَحَ۔ کسی چیز کو حاصل کرنا۔ اکتساب کے معنوں میں آتا ہے**
ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کمانا اور (۲) کھال کو پھاڑنا (زخمی کرنا) بتائے ہیں۔ کمانے کے اعتبار سے قرآن کریم میں ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ (۴۵/۲۹)۔ ”جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں“۔ یعنی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یا سورۃ انعام میں ہے مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (۶/۶۰)۔ ”جو کچھ تم دن میں کرتے ہو“۔ اسی بنا پر اَلْجَوَارِحُ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو کہتے ہیں جو اس کے لئے کام کرتے ہیں**۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَوَارِحُ ان مصائب کو کہتے ہیں جو دن کے وقت آئیں۔ جیسا کہ رات کے وقت آنے والی مصیبتوں کو طَوَارِقُ کہتے ہیں***۔ نیز اس کے معنے شکار کرنے والے جانور ہیں۔ اس لئے کہ جَرَحَ یَجْرَحُ کے معنے زخمی کر دینے کے

*تاج۔ راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔ ****راغب۔

ھیں ۔ اَلْجَرَاحَۃُ ۔ نیزہ یا تلوار کے زخم کو کہتے ھیں*۔ قرآن میں اَلْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ آیا ھے (۵/۴)۔ یعنی شکار کے لئے سدھائے ھوئے کتے یا دیگر جانور۔ اَلْجُرُوْحُ زخموں کیلئے آیا ھے (۵/۴۵)۔

ج ر د

جَرَدَ ۔ یَجْرِدُ ۔ چھیل دینا ۔ چھلکا اتار دینا ۔ جَرَدَ الْجِلْدَ ۔ اس نے کھال کے اوپر سے بال صاف کر لئے ۔ جَرَدَ زَیْدًا مِنْ ثَوْبِہٖ ۔ اس نے زید کو اس کے کپڑوں سے ننگا کر دیا ۔ فَتَجَرَّدَ ۔ پس وہ ننگا ھو گیا ۔ اَلتَّجَرُّدُ ۔ ننگا ھونا ۔ اَلْجَرَادُ (۷/۱۳۳) ۔ ٹڈی (کیونکہ وہ درختوں کو ننگا کر دیتی ھے) ۔ مَکَانٌ جَرِدٌ ۔ وہ جگہ جہاں گھاس نہ ھو ۔ سَنَۃٌ جَارُوْدٌ ۔ سخت قحط کا سال** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ھوتے ھیں کسی چیز کا اس طرح صاف ھو جانا کہ وہ کھل کر نظر آنے لگ جائے ۔

ج ر ز

جَرَزَ ۔ یَجْرُزُ ۔ جَرْزًا ۔ تیزی سے کھانا ۔ قتل کر دینا ۔ کاٹ ڈالنا۔ جڑ بنیاد سے اکھیڑ دینا ۔ اصل معنے اس مادہ میں قطع و استئصال کے آتے ھیں ۔ اَلْجَرُوْزُ ۔ بہت کھانے والا کہ جب وہ کھانے کیلئے بیٹھے تو دسترخوان پر کچھ نہ چھوڑے۔ اَرْضٌ جُرُزٌ ۔ وہ زمین جسمیں کچھ پیدا نہ ھوتا ھو یا وہ زمین جس سے تمام گھاس وغیرہ چر کر ختم کر دیا گیا ھو۔ اَلْجَرَزُ ۔ قحط کا سال ۔ اَلْجَارِزُ ۔ بانجھ عورت ۔ اَلْجُرَازُ ۔ تیز تلوار*۔

قرآن کریم میں ھے لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا (۱۸/۸) ''ھم اس زمین کو ایسی بنا دینے والے ھیں کہ اسپر سبزہ کا نام و نشان تک نہ رھے''۔ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہم، جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک و بے گیاہ کرتے رہتے ہیں (بہار اور خزاں کے دور جاری رہتے ہیں)۔

ج ر ع

اَلْجَرْعَۃُ ۔ (جیم کی تینوں حرکتوں — زیر ۔ زبر ۔ پیش — کے ساتھ) گھونٹ ۔ لسان العرب میں ھے کہ جَرْعَۃٌ ایک مرتبہ گھونٹ کے نگلنے کو کہتے ھیں اور جُرْعَۃٌ اس چیز کو جسے اسطرح نگلا جائے ۔ اَلتَّجَرُّعُ کسی چیز کو اسطرح گھونٹ گھونٹ کرکے نگلنا جس سے معلوم ھو کہ اسکا

* تاج ۔ ** تاج و راغب و محیط ۔

پینا پینے والے پر سخت نا گوار گذر رہا ہے* - چنانچہ قرآن کریم میں جہنمی کے متعلق ہے کہ اسے جو کچھ پینے کو ملیگا یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهٗ (۱۴/۱۷) - " وہ اسے سخت نا گواری سے گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا اور گلے سے نیچے نہیں اتار سکیگا" - (الامان و الحفیظ! اس دنیا میں ذلت اور محکومی کی روٹی بھی کیسی تلخ ہوتی ہے - کھائے بغیر گذارہ بھی نہیں اور حلق سے نیچے بھی نہیں اترتی)

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اصل معنے اس مادہ میں کسی چیز کو توڑ کر یا کاٹ کر الگ کر دینے (یا جمع کرلینے) کے ہیں** - وَتَرٌ جَرِعٌ کمان کے ایسے تانت کو کہتے ہیں جسکا کوئی بٹ اسقدر ٹیڑھا ہو کہ دوسرے بٹوں میں نمایاں طور پر نظر آ رہا ہو - اَلْاَجْرَعُ سخت اور سنگلاخ زمین کو بھی کہتے ہیں* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی پینے کی چیز کے کم ہونے کے ہیں -

ج ر ف

جَرَفَ - يَجْرُفُ - جَرْفاً - بہت زیادہ لے لینا - سب کچھ لے لینا یا بڑا حصہ لے لینا - جَرَفَ الطِّيْنَ - اس نے زمین سے مٹی کو کھرچ لیا - اس سے اَلْجَارِفُ اس تباہی کو کہتے ہیں جو قوم کے اموال کو بربادکردے - طاعون اور وبا کو بھی کہتے ہیں - سَيْلٌ جُرَافٌ - وہ سیلاب جو سب کچھ بہا کر لے جائے - اَلْجُرْفُ والجُرُفُ زمین کا وہ حصہ جو کسی دریا کے کنارے واقع ہو اور وہ کٹ کٹ کر دریا میں گرتا رہے یا سیلاب کی زد میں آ کر بہ جائے*** -

سورۃ توبہ میں شَفَا جُرُفٍ (۹/۱۰۹) - آیا ہے - یعنی ایسا کنارہ جو کٹ کٹ کر گر رہا ہو - اصل معنے اس مادہ میں صاف کر دینے اور نکال لینے کچلو سے لے لینے نیز کاٹ دینے کے ہوتے ہیں ** - یا کسی چیز پر پورا پورا قبضہ کرکے اسے ھڑپ کر جانے کے **** -

ج ر م

جَرْمٌ - کے بنیادی معنے کسی چیز کو کاٹ دینے یا اس پر سے کسی چیز کو ہٹا کر اسے ننگا کر دینے کے ہیں** - عام طور پر درخت سے پھل کاٹنے یا توڑنے کے لئے بولا جاتا ہے***** - جَرَمَ النَّخْلَ - کھجور کو کاٹ دیا یا اسکا پھل توڑلیا -

* تاج - ** محیط - *** تاج و راغب - ****ابن فارس - ***** اغب -

اَلْجِرْمَۃُ ۔ وہ لوگ جو کھجوروں کا پھل توڑتے ھیں ۔ جَرَمَ الشَّاۃَ جَرْمًا ۔ اس نے بھیڑ کی اون کاٹ لی* ۔ جَرَمَ اللَّحْمَ عَنِ الْعَظْمِ ۔ ھڈی پر سے گوشت نوچ لیا اور اسطرح ھڈی کو ننگا کر دیا** ۔ ان مثالوں سے لفظ جرم کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ھے ۔ یعنے لوٹ کھسوٹ ۔ سلب و نہب (Exploitation) ۔ دوسرے کا پھل توڑ کر اپنے ھاں لے جانا ۔ دوسروں کی محنت کا ماحصل چھین کر لے جانا اور انہیں ننگا کردینا ۔ ایسا کرنے والوں کو مُجْرِمُوْن کہا جاتا ھے ۔ اسی بنا پر ھر اکتساب مکروہ (ناپسندیدہ کمائی) کو جَرْمٌ کہاجاتا ھے ۔ اَجْرَمَ ۔ وہ جرم والا ھوا ۔*** ۔ جرم کے اس مفہوم کو سامنے رکھئے اور سونچئے کہ جب قرآن کریم قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ (مجرم قوم) کو جہنم رسید کرتا ھے تو اس سے مقصود کیا ھے ۔ قرآن کی رو سے بدترین نظام اور معاشرہ وہ ھے جسمیں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو (Exploit) کریں اور انکی محنت کی کمائی پر عیش اڑائیں ۔ ایسا معاشرہ جہنمی معاشرہ ھےاور اسکا نتیجہ تباھی اور بربادی۔ سورۃ القلم میں ھے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (۶۸/۳۵) ''کیا ھم مسلمین کو مجرمین کے برابر کردینگے'' یہاں مسلمین کے مقابلہ میں مجرمین آیا ھے ۔ اس سےظاھر ھے کہ کوئی مسلم مجرم نہیں ھوسکتا۔(نیز دیکھئےعنوان ج ۔ ن ۔ ی)۔

لَا جَرَمَ ۔ لا محالہ ۔ ضرور* ۔ بےشک ۔ (جو بات واضح اور بے نقاب یعنی برھنہ ھو) ۔ سورۃ ھود میں ھے لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (۱۱/۲۲)۔ ''بلا شک و شبہ یہی لوگ آخر الامر سب سے زیادہ نقصان میں رھینگے'' ۔ سورۃ مائدہ میں ھے لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۵/۲) ۔ اسکے معنے آمادہ کرنے کے ھیں ۔ یعنے اسکے اکتساب پر تمہیں آمادہ نہ کردے۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ جَرَمَ کے معنی کمانے کے بھی ھوتے ھیں ۔

ج ر ی

جَرْیٌ وَجَرَیَانٌ ۔ کے معنے ھین پانی وغیرہ کا چلنا ۔ بلا روک ٹوک بہنا۔راغب نے کہاھے کہ اَلْجَرْیُ تیزی سے چلنے کو کہتے ھیں چنانچہ جَرَیٰ الْفَرَسُ کے معنے ھیں گھوڑا تیزی سے دوڑا ۔ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (۱۳/۲) ''ھر کرہ مدت معینہ کے لئیے تیزی سے چل رھا ھے'' ۔ اس کے راستہ میں کوئی روک نہیں ۔ اَلْجَارِیَۃُ مؤنث ھےجَارٍ اور اَلْجَارِیْ کا جس کے معنی ہیں چلنے والا' بہنے والا' تیزی سے دوڑنے والا ۔جَارِیَۃٌ کی جمع جَارِیَاتٌ اور جَوَارٍ آتی ہے ۔قرآن مجید میں ہے اَلْجَارِیَاتِ یُسْرًا (۵۱/۳) ۔ بہنا اور پانی میں تیرتی چلے جانے کی وجہ سے کشتی

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

کو بھی جَارِیَۃ" کہہ دیتے ہیں۔ جمع جَوَارٍ اور جَارِیَاتٌ ہے۔ اَلْجَارِیَۃُ آفتاب کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْجَوَارِیْ ستاروں کو۔ جَارِیَۃٌ لڑکی کو کہتے ھیں ۔ جَرَی اللّٰہُ الشَّیْءَ کے معنے ھیں وہ شے اسکے لئے ھمیشہ قائم رھی ۔ یعنے اسمیں دوام کے معنے بھی پائے جاتے ھیں *۔ (دوام کے مفہوم کیلئے ج۔ن۔ن کا عنوان دیکھئے جہاں جَنّٰت کے ضمن میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ کی تشریح کی گئی ھے) ۔ قرآن کریم میں مُجْرٖھَا کے مقابلہ میں مُرْسٰھَا کا لفظ آیا ھے (۱۱/۴۱) ۔ یعنی کشتی کا چلنا اور اس کا لنگرانداز ہونا ۔ اَلْجَرِیُّ ۔ وکیل اور ضامن کو بھی کہتے ھیں ** ۔ سورۃ غاشیہ میں ھے فِیْھَا عَیْنٌ جَارِیَۃٌ (۸۸/۱۲) ۔ اس میں بہتا چشمہ ھے ۔ سورۃ شوریٰ میں ھے اَلْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ (۴۲/۳۲) سمندر میں کشتیاں ۔

ج ز أ

اَلْجُزْءُ ۔ کسی چیز کا حصہ یا اس کا ٹکڑا۔ جمع اَجْزَاءٌ ۔ یعنی وہ ٹکڑے جن سے کوئی چیز مل کر بنے، جیسے اجزاءُ السفینۃِ ۔ اجزاءُ الدواء وغیرہ ۔ بہت سی چیزوں کے مجموعہ میں سے اگر کچھ چیزیں الگ کرلی جائیں تو وہ بھی اس مجموعہ کا جُزْءٌ کہلائینگی * ۔ سورۃ زخرف میں عیسائیوں کے متعلق ھے وَجَعَلُوْا لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا (۴۳/۱۵) ۔ ''وہ خدا کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء قرار دیتے ھیں'' ۔ اس سے تثلیث کے عقیدہ کا ابطال مقصود ھے جسمیں '' تین میں ایک اور ایک میں تین '' کے گورکھ دھندے سے خدا کو تین حصوں میں بانٹ دیا جاتا ھے ۔ یا ھر اس عقیدہ کا ابطال جس کی رو سے کسی انسان یا کسی قوت کو خدائی کاروبار میں شریک سمجھا جائے ۔ ابنیتِ مسیح اور وحدت الوجود جیسے عقائد بھی اسی کے ذیل میں آجاتے ھیں ۔

جَزْءٌ کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ، الگ الگ کر دینا ھیں ۔ الجُزْءُ کسی چیز کے حصہ اور ٹکڑے کو کہتے ھیں خواہ وہ اپنے کل سے ملا ہوا ہو یا اس سے الگ کرلیا گیا ہو، یہ ضروری نہیں کہ جزء کے لئے کل کے ہر فرد کو بھی توڑا یا کاٹا جائے ۔ ہوسکتا ھے کہ بہت سے فرد مل کر ایک کل کے جزء بنیں ۔ مثلاً سورۃ الحجر میں ھے کہ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (۱۵/۴۴) ۔ یعنے ان (جہنم میں داخل ہونے والے انسانوں) میں سے ، ھر دروازہ کیلئے ، ایک حصہ الگ کر دیا گیا ھے ۔ اس سے یہ مطلب

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

نہیں کہ ان انسانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کا ایک ایک حصہ الگ کر لیا گیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا ایک ایک گروہ الگ کر لیا گیا ہے۔ اس سے سورۃ بقرہ کی اس آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جسمیں حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا ہے کہ چار پرندوں کو اچھی طرح سدھا کر اور اپنی طرف مائل کرکے۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا (۲۶۰/۲) پھر انہیں الگ الگ کر لو اور ایک ایک پرندہ کو الگ الگ پہاڑیوں میں چھوڑ دو۔ پھر انہیں آواز دو تو وہ اڑتے ہوئے تمہاری طرف آجائینگے۔ قرآن میں اعمال کے نتیجہ کیلئے جَزَآءٌ کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنے (ج-ز-ی) کے عنوان میں دیکھئے۔

ج ز ع

جَزْعٌ۔ کے اصلی معنے رسی کو بیچ سے کاٹ دینا ہوتے ہیں*۔ پھر اسکا استعمال ہر شے کو کاٹ دینے یا قطع کر دینے کے لئے ہونے لگا۔ جَزَعَ الْاَرْضَ وَ الْوَادِیَ۔ اسنے زمین اور وادی کو قطع کر دیا**۔ اصل میں جِزْعُ الْوَادِیْ۔ وادی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں پہنچکر وادی ختم ہو جاتی ہے یا مڑ جاتی ہے۔ اَلْجَازِعُ اس شہتیر کو کہتے ہیں جو چھت کے وسط میں ڈالا جاتا ہے اور دونوں طرف سے شہتیریاں آآ کر اس پر مل جاتی ہیں۔ اسطرح وہ ان شہتیریوں (یا خود کمرے) کو دو حصوں میں قطع کر دیتا ہے*۔

اَلْجَزَعُ۔ صَبْرٌ کی ضد ہے۔ صَبْرٌ کہتے ہیں کسی معاملہ کی مسلسل پیروی کرنا۔ استقامت دکھانا (دیکھئے عنوان ص - ب - ر)۔ اور جب کسی معاملہ کو درمیان ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ یعنے انسان اسکی پیروی سے اپنے آپکو منقطع کرلے۔ تو وہ اَلْجَزَعُ ہوگا۔ یعنی ہمت ہار دینا۔ استقامت چھوڑ دینا*۔ سورۃ ابراہیم میں ہے اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (۲۱/۱۴)۔ خواہ ہم ہمت ہار دیں یا استقامت سے برداشت کریں۔

ج ز ی

جَزَآءٌ۔ (نیز جَازِیَۃٌ) کسی چیز کا بدلہ۔ جَزَاہُ کَذَا وَبِہٖ وَعَلَیْہِ۔ اس نے اسے کسی بات پر ایسا بدلہ دیا**۔ مُجَازَاۃٌ۔ ایک دوسرے کو بدلہ دینا۔ (عام طور پر مُجَازَاۃٌ شر میں استعمال ہوتا ہے اور

---

* راغب۔ ** تاج۔

مُكَافَاةٌ* خیر میں)**. ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونا ہیں۔ یہ مفہوم ایک عظیم حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ جس چیز کو عام طور پر "عمل کا بدلہ" کہا جاتا ہے وہ درحقیقت اس عمل کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی نتیجہ، عمل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ آپ آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں یہ آپ کا عمل ہے۔ آپ کا ہاتھ جل جاتا ہے اور اس میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اس عمل کا نتیجہ ہے۔ عمل تو فوراً ختم ہو گیا لیکن اس کے نتیجہ نے اس کی جگہ لے لی۔ اس سے جزا اور سزا کا قرآنی تصور سامنے آ جاتا ہے۔ اس تصور کی رو سے نہ سزا خارجی طور پر (باہر سے) ملتی ہے۔ نہ جزا ہی کہیں باہر سے انعام ملنے کا نام ہے۔ آپ نے کسی کو گالی دی۔ اس نے آپ کو تھپڑ مارا۔ گالی اور تھپڑ میں باہمی کوئی تعلق نہیں۔ یہ سزا خارج سے ملی ہے۔ لیکن آپ نے سنکھیا کھایا اور آپ کی موت واقع ہو گئی۔ یہ چیز آپ کے عمل کا نتیجہ ہے۔ یعنی عمل کی جانشین۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۳۴/۳۳)۔ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ہیں۔ ہر عمل کا نتیجہ اس عمل کی جگہ آ جاتا ہے۔ اس کا قائمقام بن جاتا ہے۔

جَزَى الشَّيْءُ* يَجْزِىْ کے معنے ہیں وہ چیز کافی ہو گئی۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی لکھے ہیں۔ مَا يَجْزِيْنِیْ هٰذَا الثَّوْبُ۔ مجھے یہ کپڑا کافی نہیں ہوگا۔ هٰذِهٖ اِبِلٌ مَجَازِىْ۔ یہ اونٹ بار برداری کے لئے مجھے کافی ہیں*۔ يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا (۲/۴۸)۔ "جس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کسی دوسرے کے کسی جرم کا بدلہ نہیں بن سکیگا"۔ اس میں سے کچھ بھی اپنے سر نہیں لے سکیگا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو سکیگا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کسی شخص کا کسی دوسرے کی طرف سے کچھ ادا کر دینا۔

جِزْيَةٌ۔ (۹/۲۹) وہ ٹیکس جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا جائے۔ یعنی جو ان کی جان، مال، آبرو، معابد وغیرہ کی حفاظت کے لئے کافی سمجھا جائے اور جس کی وجہ سے ان پر (جنگ وغیرہ میں شریک ہونے کی) ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔ یہ تھوڑا سامالی معاوضہ

* تاج۔ ** محیط۔

ان تمام آسائشوں کے بدلے میں لیا جاتا ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں حاصل ہوتی ہیں اور جن کے بہم پہنچانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوتی ہے -

اسام الرمانی نے اَلْجِزْیَۃُ کو اَلْعَھْدُ - اَلذِّمَّۃُ - اَلْاَمَانُ - اَلْخَرَاجُ کا مرادف قرار دیا ہے*** لہذا اس کے معنی وہ معاہدہ ہونگے جس میں کسی سے کچھ خراج لیکر اسے امان کی ذمہ داری دی جائے -

ج س د

اَلْجَسَدُ - انسان کے جسم کو کہتے ہیں - دوسرے کھانے پینے والے اجسام کو جَسَدٌ نہیں کہتے - البتہ جو مخلوق کھاتی پیتی نہ ہو اور ذوی العقول میں سے ہو (عربوں کے عقیدہ کے مطابق - مثلاً جنات اور ملائکہ) تو انکے اجسام کو بھی جَسَدٌ کہدیتے تھے* - لیکن قرآن کریم نے بنی اسرئیل کے بچھڑے کو بھی جَسَدًا (۷/۱۴۸) کہا ہے - صاحب محیط (نیز ابن فارس) نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنے کسی چیز کا مجتمع اور سخت ہونا ہوتے ہیں - لہذا جَسَدٌ ٹھوس اور مرکب جسم کو کہینگے - گوسالہ سامری کو جَسَدٌ کہنے کی یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ٹھوس بھی تھا اور مختلف زیورات کو ڈھال کر مرکب بنایا گیا تھا - کلیات میں ہے کہ جَسَدٌ دراصل رنگدار جسم کو کہتے ہیں** - سورۃ انبیاء میں انسانی اجسام کیلئے جَسَدًا کا لفظ آیا ہے (۲۱/۸) - لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ وہ جَسَدًا ایسے نہ تھے جو کھاتے پیتے نہ ہوں - اور حضرت سلیمان کے بیٹے کو (جو جہانبانی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا) جَسَدًا کہا ہے (۳۸/۳۴) - یعنے محض گوشت کا لوتھڑا - بلکہ صرف دَابَّۃٌ (۳۴/۱۴) - تورات میں (حضرت سلیمان کے اس بیٹے اجعام کے متعلق) ہے :—

''اور اجعام کی سلطنت کے پانچویں برس ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ سیق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کا خزانہ اور بادشاہ کے گھر کا خزانہ لوٹ لیا - (نیز) . . . . حضرت سلیمان کے زمانے میں ایک شخص یربعام نامی نے حیا کاھن کے ساتھ مل کر آپ کی سلطنت کے خلاف سخت سازشیں کی تھیں - اسوقت تو وہ اپنی مساھی میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن اجعام کے عہد میں اس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور بنی اسرائیل کے دس اسباط کو اپنے ساتھ

*تاج - **محیط - ***الالفاظ المترادفۃ -

ملا کر اجعام کو شکست دی۔ اس نے بیت المقدس کے ھیکل کے مقابلے میں وہ بت خانے تعمیر کرائے جہاں سونے چاندی کے بتوں کی پرستش ھوتی تھی''۔ (سلاطین ۱ ۔ باب ۱۴ ؛ ۱۲ ؛ ۱۰۱)

حضرت سلیمانؑ کا یہی بیٹا (جانشین) ہے جسے قرآن کریم نے جیتے جاگتے انسان کے بجائے '' جَسَدٌ '' ،۔ محض گوشت پوست کا مرکب کہکر اسکی نااھلی کیطرف اشارہ کیا ہے۔ آیت (۳۸/۳۴) سے مترشح ھوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اپنی زندگی ھی میں اس کا احساس تھا اور انھوں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مملکت تخریبی اثرات سے محفوظ رہے ۔

ج س س

جَسٌّ کے اصلی معنے ھیں رگ کو چھونا اور اسطرح نبض دیکھ کر تشخیص کرنا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار۔ یہ لفظ حَسٌّ سے زیادہ خاص ہے کیونکہ حَسٌّ ان چیزوں کے معلوم کرنے کو کہتے ھیں جن کا ادراک احساس کرسکے۔ اَلْجَسٌّ ۔ خبریں اور اندرونی حالات تلاش کرنا اور ان کی کرید کرنا ۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّسَ (جیم کے ساتھ) اور تَحَسَّسَ (حاء کے ساتھ) ایک ھی معنی میں آتے ھیں ، اس فرق کے ساتھ کہ تَجَسَّسَ کسی دوسرے کیلئے خبریں تلاش کرنا ھوتا ہے (اسی سے جَاسُوْسٌ ہے) اور تَحَسَّسَ خود اپنے لئے ھوتا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّسَ کے معنے چھپی ھوئی باتوں کی کرید کرنا ھوتا ہے اور تَحَسَّسَ سے مفہوم چھپ کر باتیں سننا*۔ اَلْجَاسُوْسٌ بُرے راز داں کو کہتے ھیں اور اَلنَّامُوْس اور اَلْحَاسُوْسٌ اچھے رازداں کو**۔

قرآن میں ہے لَا تَجَسَّسُوْا (۴۹/۱۲) پوشیدہ باتوں کی خواہ مخواہ کرید مت کرو۔ یعنی کسی کے ایسے اندرونی اور نجی حالات جنہیں وہ راز میں رکھنا چاھتا ہے اور اس سے اجتماعی فساد کا کوئی امکان نہیں ، اپنے ذاتی غرض سے انہیں معلوم کرنے میں دلچسپی نہ لو۔ خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ایسے فضول، لا یعنی کاموں میں خرچ نہ کرو۔ مندرجہ بالا معانی کے اعتبار سے اس میں ارادے کی برائی بھی شامل ہے۔یعنی بری نیت سے (شرانگیز مقصد کیلئے) ایسا کرنا معیوب ہے ۔ حکومت کے لئے ضروری ھوتا ہے کہ باشندگان ملک اور بیرونی دشمنوں کے اندرونی حالات تک سے باخبر ھو۔ یہ چیز اس تجسس میں نہیں آئیگی جس سے قرآن نے منع کیا ہے ۔

*تاج و راغب ۔ ** محیط۔

ج س م

اَلْجِسْمُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے جمع ہو جانے کے ہیں ۔ بدن (کی مجموعی شکل) ۔ اعضاءِ بدن* ۔ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (۶۳/۴) یعنی انکی جسمانی ہیئت اور ڈیل ڈول ۔ سورۃ بقرۃ میں یہ لفظ جسمانی توانائی کیلئے بھی آیا ہے (۲/۲۴۷) جہاں کہا گیا ہے کہ فوج کی کمان اسے دی جاسکتی ہے جس کا علم بھی زیادہ ہو اور جسمانی توانائی بھی ، اور اس سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہوں ۔ غور کیجئے ، قرآن نے علم کے ساتھ جسمانی توانائی کی اہمیت کو کس انداز سے اجاگر کیا ہے ۔ جو فرد یا قوم جسمانی طور پر (Physically) کمزور ہو جائے اس کا علم زیادہ نفع رساں اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ۔ جسمانی قوت میں ہر قسم کی طبیعی قوت (Physical Force) آ جاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مقصودِ حیات ، انسانی ذات (Personality) کی نشو و نما ہے لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر یہ نشو و نما جسم کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ اس کے لئے جسم کی پرورش ایسے ہی ضروری ہے جسطرح انڈے میں بچہ بننے کے لئے انڈے کے خول کا صحیح و سالم ہونا ضروری ہے ۔ قرآنی نظام میں جسم اور ذات دونوں کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچتا ہے ۔

ج ع ل

جَعْلٌ کے بہت سے معنے آتے ہیں اور راغب کے قول کے مطابق یہ لفظ ہر کام کرنے کے لئے بولا جاسکتا ہے ۔ نیز فَعَلَ (اسنے کیا) اور صَنَعَ (اس نے بنایا) وغیرہ کی نسبت جَعَلَ بہت زیادہ وسیع المعنی ہے** ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (۱۹/۳۰) ''اسنے مجھے نبی بنا دیا،، یہاں اسکے معنی خَلَقَ اور صَنَعَ سے بالکل الگ ہیں ۔ لیکن جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ (۶/۱) ''اللہ نے تاریکی اور روشنی کو بنایا،، میں جَعَلَ کے معنے تَخْلِیْق و اِیْجَاد کے ہیں ۔ اگرچہ یہاں بھی پہلے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کہا ہے اور پھر جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۔ اسی طرح وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔ (۲۱/۳۰) ''اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا،، ۔ اور جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ (۱۶/۷۸) ۔ ''خدا نے تمہارے لئے سمع و بصر اور قلب بنائے،، میں

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔

بھی جَعَلَ کے یہی معنے ہیں - اسکے بعد فِی آنے سے اس کے معنے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا ہو جاتے ہیں - مثلاً یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ (۲/۱۹) - ''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں'' - نیز وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (۵۷/۲۷) ''ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اس (حضرت عیسیٰؑ کی پیغمبری) کا اتباع کیا نرمی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دئے'' -

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے ، سیاق وسباق کے مطابق اسکے معنی کئے جائینگے - ہر مقام پر ایک ہی معنے نہیں ہونگے - کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ، یہ لفظ (انگریزی کے (To Make) کی طرح) وسیع المعنی ہے - جعل کے دیگر معانی کے لئے دیکھئے تتمہ ص۱۸۲۳ جلد چہارم -

ج ف ن

اَلْجَفْنُ - غلافِ چشم - پپوٹا (اوپر اور نیچے کا) - تلوار کا نیام - اَلْجَفْنَةُ - چھوٹا کنواں - بڑا پیالہ جسمیں کھانا کھایا جاتا ہو - اسکی جمع جِفَانٌ آتی ہے* (۳۴/۱۳) - اس آیت میں کہا گیا ہے کہ پہاڑی علاقہ کے لوگ (جن) جنھیں حضرت سلیمانؑ نے کام میں لگایا تھا ، ان کے لئے علاوہ دیگر اشیاء کے ، بڑے بڑے لگن بناتے تھے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہر اس چیز کے ہیں جو کسی دوسری چیز کو محیط ہو - یعنی اسے اپنے گھیرے میں لے لے -

ج ف و (ج ف أ)

جَفَا - جَفَاءً - تَجَافٰی - وہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہا ، جیسے زین جو گھوڑے کی پشت پر قائم نہ رہے - اِجْتَفَیْتُهٗ - میں نے اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا - جَفَا مَالَهٗ - وہ اپنے اونٹوں سے جدا ہو گیا - اَلْجُفَاءُ - ہانڈی کا میل کچیل جو ابال آنے سے ادھر اُدھر گر جائے - کہتے ہیں اَجْفَتِ الْقِدْرُ زَبَدَهَا - ہانڈی نے اپنا ابال پھینک دیا** - اس معنی میں راغب نے اَجْفَاتِ الْقِدْرُ بھی لکھا ہے*** - اسی سے وادی کے دونوں کناروں پر رہ جانے والا کوڑا کرکٹ ، نیز بیکار وبے فائدہ اور باطل شے کو جُفَاءٌ کہتے ہیں** - سورۂ رعد میں ہے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَاءً (۱۳/۱۷) - ''سو جھاگ بالکل رائگاں جاتا ہے'' - اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے ہیں جَفَتِ الْاَرْضُ وَاَجْفَتْ - زمین بے خیر اور بے برکت ہو گئی - بالکل بے کار ہو گئی** -

* تاج - راغب - محیط - **تاج - ***راغب

(راغب نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ واوی ہیں - مہموز نہیں*)

قرآن میں مومنین کے متعلق ہے تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳۲/۱۶) - ''ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں،، - خداوندی پروگرام کی تکمیل میں ان پر راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔

ج ل ب

جَلَبَهٗ - يَجْلِبُهٗ اس نے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ھانکا**- برائے تجارت مال وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا***- اَلْجَلَبُ - وہ لوگ جو اونٹ بکریاں وغیرہ فروخت کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں - نیز خود ان اونٹ بکریوں کو بھی جَلَبٌ اور جَلَبَةٌ کہتے ہیں - عَبْدٌ جَلِيْبٌ - وہ غلام جو کسی دوسرے شہر سے لایا گیا ہو - اَلْجُلْبَةُ - زمانہ کی سختی - بھوک کی شدت - مشقت - اسی سے اَلْجَلْبُ کے معنے ہیں کسی پر ظلم اور سختی کرنا - جَلَبَ عَلَيْهِ - اس نے اس پر ظلم کیا - اَجْلَبَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ - قوم اس کے خلاف جمع ہو گئی - اَجْلَبَ الْقَوْمُ - لوگ ہر طرف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے**- انہی معنوں میں قرآن کریم میں ہے وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ (۱۷/۶۴) - ''تو ان کے خلاف اپنے تمام لشکر جمع کر لا،، - ان پر چڑھ دوڑ -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو دوسری چیز کو ڈھانپ لے - اس اعتبار سے اَلْجِلْبَابُ - اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنے سر اور سینے کو چھپاتی ہیں** - قرآن میں ہے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (۳۳/۵۹) - '' اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں ،، - انصار کی عورتیں سیاہ ملبوس (اور کوٹ کی طرح) اوپر سے پہنتی تھیں - اسے بھی جِلْبَابٌ کہتے تھے - لہذا اس سے مراد ایسا کپڑا یا لباس ہے جو اوپر سے اوڑھ یا پہن لیا جائے تاکہ اس سے زینت کی چیزیں نمایاں نہ ہوں - ابن فارس نے یہ بھی کہا ہے کہ عربوں کے ہاں جِلْبَابٌ یا اسی قسم کے دیگر کشادہ لباسوں سے (بطور محاورہ) وقار اور سکون مراد لیا جاتا ہے -

ج ل د

اَلْجِلْدُ (وَالْجَلَدُ) - ہر جاندار کی کھال (۴۱/۲۰) اس کی جمع جُلُوْدٌ اور اَجْلَادٌ ہے - اَلْجِلْدُ سے کنایۃً عضو تناسل بھی مراد لیا جاتا ہے -

* تاج - **تاج و محیط و راغب - ***محیط -

اَجْلاَدُ الْاِنْسَانِ سے مراد آدمی کا پورا ڈھانچہ اور جسم ہے جس پر کھال ہوتی ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور صلابت (سختی) کے ہوتے ہیں۔ فُلاَنٌ عَظِیْمُ الْاَجْلاَدِ۔ وہ قوی اعضا اور مضبوط جسم والا ہے۔ یا مَا اَشْبَہَ اَجْلاَدَہٗ بِاَجْلاَدِ اَبِیْہِ۔ اس کا جسم اور ناک نقشہ، چہرہ، بشرہ اور ڈیل ڈول اپنے باپ سے کسقدر مشابہ ہے*۔ اَلتَّجَلُّدُ (بچہ کی) بھس بھری ہوئی کھال (جو اونٹنی وغیرہ کے سامنے دودھ اتارنے کے لئے رکھ دی جائے)۔ اَلْجَلَدُ۔ شدت اور قوت۔ استقامت اور سختی*۔ صاحب محیط نے اس کے معنے آسمان، کرۂ ہوائی، اور اس پانی کے کئے ہیں جو اوپر سے گر کر زمین پر جم جائے۔ راغب نے کہا ہے کہ جس طرح اَلْقُلُوبُ سے مراد نفوس ہوتے ہیں اسی طرح جُلُودٌ سے مراد اجسام ہوتے ہیں**۔

اَلْمِجْلَدُ۔ چمڑے کا ٹکڑا جسے نوحہ کرنے والیاں اپنے چہرے پر مارا کرتی تھیں۔ جَلَدَ یَجْلِدُ۔ کوڑوں سے مارنا*۔ (۲۴/۲)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) چمڑے سے مارنا اور (۲) چمڑی پر مارنا۔ جَلَدَہٗ عَلَی الْاَمْرِ۔ اسے اس بات پر مجبور کر دیا*۔

سورۂ نساء میں ہے کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۴/۵۶)۔ اس کے لفظی معنی ہیں "جب ان کی جلود (کھالیں) پک جائینگی تو ہم ان کی جگہ انہیں اور جلود (کھالیں) دیدینگے۔ مفہوم یہ ہے کہ ان مخالفین پر ذلت و رسوائیوں کا عذاب پیہم اور مسلسل آتا رہیگا۔ جب ایک دفعہ کی شکست سے ان کی قوت ٹوٹ جائیگی تو یہ پھر مقابلہ کے لئے اٹھینگے۔ اور پھر شکست اور ناکامی کی ذلت کا مزہ چکھینگے۔ اسطرح پیہم شکستوں اور متواتر ناکامیوں سے ان کی سختی اور صلابت ٹوٹیگی۔ بدر کی جنگ سے فتح مکہ تک پیہم شکستوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر آخرالامر ان مخالفین کی شدت و صلابت ختم ہوئی۔

سورۂ حم سجدہ میں سمع و بصر کے ساتھ جُلُوْدٌ کی شہادت کا ذکر آیا ہے (۴۱/۲۰-۲۲)۔ یعنی مجرمین کی سماعت، بصارت اور سارا جسم ان کے اعمال کی شہادت دینگے۔ وہ خود اپنے اعمال کی شہادت کے مجسمے ہونگے۔ ہر عمل کا اثر انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس لئے انسانی اعمال کی بنیادی

* تاج و محیط۔ ** راغب۔

شاهد خود انسان کی ذات ہوتی ہے خواہ عقل حیلہ جو ان کے جواز میں کتنی دلیلیں کیوں نہ تراشے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۔ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (۷۵/ ۱۴-۱۵) ۔ '' انسان اپنی ذات کے خلاف خود دلیل ہے۔ خواہ (ویسے) وہ (اپنے اعمال کی مدافعت میں) کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کرے''۔ یہی '' سمع و بصر و جلود '' کی شہادت ہے۔ ظہور نتائج کا وقت بھی کیسا عبرت انگیز اور دلدوز ہوتا ہے جب انسان کا کوئی خفیہ سے خفیہ عمل بھی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ دل میں گذرنے والا خیال تک بھی نہیں۔

ج ل س

جَلَسَ - یَجْلِسُ - جُلُوْسًا - مَجْلِسًا - بیٹھنا - جُلُوْسٌ - اس شخص کیلئے آتا ہے جو لیٹا ہو اور اس کے بعد اٹھ بیٹھے - اور قُعُوْدٌ - اس شخص کیلئے آتا ہے جو کھڑا ہو اور اس کے بعد بیٹھ جائے - اَلْجَلْسُ - دراصل سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں - یہی اس کے بنیادی معنی ہیں - بیٹھنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ اس میں انسان اپنی مقعد کو سخت زمین پر رکھتا ہے* لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلند ہونے کے ہیں اور چونکہ لیٹا ہوا آدمی جب اٹھتا ہے تو وہ بلند ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے - قرآن کریم میں مَجَالِسُ کا لفظ (۵۸/ ۱۱) میں آیا ہے - اس کے معنی ہیں وہ مقامات جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھیں -

ج ل ل

جَلَّ الرَّجُلُ یَجِلُّ جَلَالَۃً وَ جَلَالًا - سن رسیدہ اور معمر ہو جانا - قدر و منزلت کے اعتبار سے بڑا عظیم المرتبت یا جلیل القدر ہونا جَلِیْلٌ کہلائیگا - جُلُّ الشَّیْءِ - چیز کا بڑا حصہ - اَلْجُلِّیُّ - امر عظیم - اَلْجُلُّ وہ کپڑا جو حفاظت کیلئے چوپایہ پر ڈال دیا جاتا ہے - اَلْجَلِیْلُ - بڑا آدمی - اونٹ کو بھی کہتے ہیں - اس کے مقابلہ میں دَقِیْقٌ بکری کو کہتے ہیں** - صاحب محیط کے نزدیک اصل معنے اس مادہ میں گول اور بلند ہونے کے ہیں*** - راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے۔

---

* تاج - محیط - راغب - ** تاج و راغب - *** محیط -

قرآن کریم میں اللہ تعالے کیلئے ذُوْالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵/۲۷) آیا ہے - یعنی عظمت و جلالت کا مالک - (اِکْرَام کے لئے مادہ ک۔ ر۔ م دیکھئے) -

ج ل و

اَلْجَلَاءُ - منتشر کر دینا - علیحدہ اور الگ الگ کر دینا - جلا وطن کر دینا (۵۹/۳) - جَلَا فُلَانًا الْاَمْرَ - اس نے فلاں کیلئے معاملہ کو کھول دیا - واضح کر دیا۔ ظاہر کر دیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (۹۱/۳) - یعنی اِذَا جَلَا الظُّلْمَةَ - دن، جب وہ تاریکی کو دور کر کے ہر چیز کو واضح اور نمایاں کر دیتا ہے* -

اَلْجَلِیُّ - واضح امر - خفی کی ضد ہے - اَلْجَلَاءُ - واضح امر -

اَلْجِلْوَةُ - وہ چیز جو دولھا کی طرف سے دلہن (عروس) کو منہ دکھائی میں دی جائے*۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (۷/۱۴۳) ''جب اس کا رب پہاڑ پر جلوہ بار ہوا''۔ جَلْوٌ کے اصل معنے ظاہر طور پر کھول دینے کے آتے ہیں** -

ج م ح

جَمَحَ الْفَرَسُ - گھوڑے کا تیزی کے ساتھ دوڑتے جانا اسطرح کہ وہ سوار کے قابو میں نہ رہے اور سر کو اونچا کئے اسطرح دوڑتا جائے کہ سوار اسکی گردن کو موڑ نہ سکے***۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (۹/۵۸) وہ بے قابو ہو کر دوڑے جا رہے ہیں - قانون خداوندی سے سرکشی اختیار کر رہے ہیں - اَلْجِمَاحُ - جنگ میں شکست کھا کر بھاگنے والے کہ جنہیں پھر میدان میں لانا ممکن نہو۔ جَمَحَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ زَوْجِهَا - عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی، بغیر اسکے کہ شوہر نے اسے طلاق دی ہو - جُمَيْحٌ - مرد کے عضو مخصوص کو کہتے ہیں - اور اَلْجَمُوْحُ - اس شخص کو جو بے قابو ہو کر اپنے جذبات کے تابع چلے اور اسے اس سے باز رکھنا ممکن نہ ہو*** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا قوت اور غلبہ کے ساتھ آگے بڑھتے جانا - اس کے بعد اس کے معنی عام طور پر دوڑنے یا دوڑ جانے کے ہوگئے -

---

*تاج - ** راغب - ***تاج و محیط - راغب -

ج م د

جَمَدَ الْمَاءُ ۔ پانی جم گیا ۔ کھڑا ہوگیا ۔ اَلْجَمَدُ ۔ برف ۔ جما ہوا پانی ۔ اَلْجَمَادُ ۔ سست رفتار اونٹنی جسکا دودھ نہ رہا ہو ۔ جَمَادُ الْکَفِّ ۔ بخیل آدمی ۔ عَیْنٌ جَمُوْدٌ ۔ وہ آنکھ جس سے آنسو نہ بہیں *۔ اَلْجَمَادُ ۔ زمین ۔ ہر وہ چیز جو نشو و نما نہ پاتی ہو ۔ جو نامی نہو (Inorganic) ۔ جمادیٰ ۔ جُمَادَی الْاُوْلیٰ اور جُمَادَی الْاٰخِرَۃُ ۔ ربیع الثانی کے بعد دونوں مہینوں کو کہتے ہیں ۔ جس زمانے میں انکے یہ نام رکھے گئے تھے یہ مہینے سخت سردی میں آتے تھے (اب چونکہ حساب قمری ہے اسلئے یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر مہینہ ، ہر سال اسی موسم میں آئے) *

قرآن کریم میں پہاڑوں (یا قوم کے سرداروں) کے متعلق ہے ۔ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً (۲۷/۸۸) ''تو انہیں جما ہوا سمجھتا ہے'' ۔

ج م ع

اَلْجَمْعُ ۔ متفرق چیزوں کو اکٹھا کر دینا ۔ راغب نے کہا ہے ، چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا ۔ سرخ رنگ کے ایک گوند کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز لوگوں کے گروہ کو بھی ۔ اَلْجَمِیْعُ ۔ لشکر ۔ مجتمع قبیلہ ۔ اَلْجُمَّاعُ ۔ ہر چیز جس کے اجزاء باہم ملے ہوئے اور مجتمع ہوں ۔ مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہو جائیں ۔ نیز کسی چیز کی جڑ کے جمع ہونے کی جگہ ۔ جُمْعُ الْکَفِّ ۔ بندھی ہوئی مٹھی *۔

اَجْمَعُ ۔ (مذکر) جَمْعَاءُ (مؤنث) ۔ اَجْمَعُوْنَ (جمع مذکر) جُمَعُ (جمع مؤنث) یہ الفاظ محض تاکید کے لئے آتے ہیں * ۔ یعنی جب ہم کہینگے اَجْمَعُوْنَ ۔ ''سب لوگ'' ، تو اس سے لازماً یہ مراد نہیں ہوگی کہ کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں رہا ۔ مقصد اکثریت ہوگا ۔ اَجْمَعْتُ الْاَمْرَ ۔ میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا (۱۰/۷۱) ۔ (اس کے بعد عَلَیْہِ بھی آ جاتا ہے)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس میں کسی بات پر غور و فکر کے بعد ارادہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے ۔ اَمْرٌ جَامِعٌ ۔ عظیم الشان کام جس کے لئے لوگ جمع ہو جائیں ۔ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ ۔ اسلام سے پہلے قریش ، ہفتہ میں ایک دن ، جسے وہ یَوْمُ الْعَرُوْبَۃِ کہتے تھے ، دار قصیؓ کے پاس دارالندوہ (اپنے قومی دارالمشاورت) میں

* تاج ۔ ** محیط ۔

جمع ہوا کرتے تھے ۔ کعب بن لُؤَیّ نے اس دن کا نام یَوْمُ الْجُمُعَةِ رکھ دیا۔ اسی حیثیت سے اَلْمُجَمِّعُ ، قُصَیّ بن کلاب کا لقب ہے جس نے دارالندوہ بنایا تھا* ۔ اس سے جمعہ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی مشورہ کے لئے اکٹھا ہونا ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جماعت مومنین کا شیوہ یہ ہے اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸) "وہ صلواة کے نظام کو قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"۔ صلوٰة کے اجتماعات میں خدا کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کے لئے جمع ہوئے ہیں ۔ اور اسی مقصد کے لئے ہماری مشاورت ہوگی ۔ محیط میں ہے کہ اَلْجُمُعَةُ ، اِجْتِمَاعٌ سے ماخوذ ہے جس طرح اَلْفُرْقَةُ ، اِفْتِرَاقٌ سے ماخوذ ہے**۔

قرآن کریم میں جَمِيْعاً بمقابلہ اَشْتَاتاً (۲۴/۶۱) آیا ہے جس سے اس کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ (اَشْتَاتاً کے معنی ہیں الگ الگ) سورة النساء میں جمیعاً بمقابلہ ثُبَاتٍ (۴/۷۱) ۔ آیا ہے جہاں اس کے معنی ہیں ایک پورا لشکر بنا کر۔ (ثُبَاتٍ کے لئے دیکھئے ۔ ث ۔ ب ۔ ی)۔

اَجْمَعِيْنَ کا لفظ قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے (مثلاً ۲/۱۶۱) ۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس سے مفہوم محض تاکید ہوتی ہے نہ کہ یہ کہنا کہ اس سے کوئی ایک فرد بھی باہر نہیں رہا ۔

ج م ل

اَلْجَمَلُ ۔ اَلْجَمْلُ ۔ نر اونٹ ۔ اس کی جمع جِمَالَةٌ آتی ہے (۷۷/۳۳)۔ جَمَالٌ ۔ خوبصورتی* ۔ (۱۶/۶) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہونا اور خلقت میں بڑا ہونا اور (۲) خوبصورتی ہیں ۔ عربوں کے نزدیک جَمَلٌ (اونٹ) سے بڑھ کر عظمت اور بلندی اور حسن و خوبصورتی اور کس چیز میں ہو سکتی تھی؟ یا خود ان کا جمال و حسن بھی اونٹوں کی وجہ سے ہوا کرتا تھا ۔ جَمِيْلٌ ۔ خوبصورت انداز ۔ عمدہ چیز* ۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ (۱۲/۱۸) حسن کا رانہ انداز سے صدمہ کو برداشت کرنا اور استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا ۔

---

* تاج ۔ ** محیط ۔

اَلْجُمَّلُ ۔ اَلْجُمْلُ ۔ اَلْجُمَلُ اَلْجُمُلُ ۔ اَلْجَمَلُ ۔ کشتی کا موٹا رسہ*۔ قرآن کریم میں ہے حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ (۷/۴۰)۔ ” حتّٰکہ جہاز کا رسہ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے “ ۔ اَلْجُمْلَۃُ ۔ چیز کا مجموعہ*۔ یہیں سے اَلْمُجْمَلُ بھی بہت سی چیزوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ یعنی جس کی چیزیں الگ (منفصل) نہ کی گئی ہوں*۔ قرآن کریم میں جُمْلَۃً وَاحِدَۃً (۲۵/۳۲) آیا ہے ۔ یعنی سارے کا سارا ایک ہی بار ۔ (مجمل اور مفصل کے لئے دیکھئے عنوان ف ۔ ص ۔ ل) ۔

ج م م

اَلْجَمُّ ۔ ہر چیز کی کثرت ۔ مَالٌ جَمٌّ ۔ بہت زیادہ مال ۔ جُمَّۃُ الْمَاءِ ۔ زیادہ مقدار میں پانی کے جمع ہونے کی جگہ**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کثرت اور اجتماع کے ہیں ۔ جَمَّتِ الْبِئْرُ ۔ کنویں میں پانی (نکالے جانے کے بعد) لوٹ آیا اور کثیر اور مجتمع ہو گیا ۔ اَلْجَمَمُ ۔ پیمانہ کو کناروں تک (لبالب) بھر دینے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر ہو**۔ اَلْجَمَامَۃُ ۔ راحت ۔ سیری ۔ ۔ جَمًّا غَفِیْرًا ۔ سب کے سب، لوگوں کی بہت بڑی تعداد جس میں چھوٹے بڑے ، ادنےٰ اور اعلیٰ سب شامل ہوں**** ۔

قرآن میں ہے وَ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹/۲۰) ۔ تم بڑی شدت سے دولت سے محبت رکھتے ہو ۔ تم چاہتے ہو کہ جسطرح گڑھے میں ارد گرد کا پانی جمع ہو جاتا ہے*** اسی طرح سب کی دولت، وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ، سمٹ سمٹا کر تمہاری طرف آجائے۔ نظام سرمایہ داری میں ہوتا ہی یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹا کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے ۔ قرآن اس نظام کو مٹانے کے لئے آیا تھا ۔

ج ن ب

اَلْجَنْبُ ۔ پہلو** اسکی جمع جُنُوْبٌ ہے ۔ (۳/۱۹۰) ۔ اَلصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ (۴/۳۶) ۔ ساتھی، رفیق ۔ اَلْجَارِ الْجُنُبِ (۴/۳۶) ۔ ایسا ہمسایہ جو رشتہ دار نہ ہو ۔ کیونکہ اس سے پہلے اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی آیا ہے ۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی اَلْغَرِیْبُ ۔ یعنی اجنبی کے دئے ہیں ۔ سورۃ الزمر میں ہے مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ (۳۹/۵۶) ۔ ”یعنی خدا کے (حقوق ادا کرنے کے) بارے میں جو کوتاہی کی“ ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اسکے

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔ *** راغب ۔ ****محیط ۔

معنے اللہ کے اس راستہ کے ہیں جسکی طرف اسنے مجھے دعوت دی* ۔ سورۃ مائدہ میں ہے وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا (۵/۶) ۔ اسکے معنے حالت جنابت کے ہیں ۔ (ہم آغوشی کی رعایت سے) ۔ جَنْبَۃٌ ۔ دوسروں سے الگ رہنا ۔ جَنَبَۃٌ ۔ وہ چیز جس سے کوئی دور رہے***۔

جَنَّبَہٗ ۔ جَانَبَہٗ ۔ اسے دور کر دیا ۔ جَنَّبَہٗ ۔ اَجْنَبَہٗ ۔ اسے ہٹا دیا ۔ رَجُلٌ جَنِبٌ ۔ کنارہ کش ، اجنبی نیز وہ شخص جو بخل کی وجہ سے عام راستہ سے ہٹ کر رہتا ہو تا کہ مہمانی نہ کرنا پڑے* ۔ سَیُجَنَّبُھَا (۹۲/۱۷) ۔ یَتَجَنَّبُھَا (۸۷/۱۱) ۔ اجْتَنَبَ (۳۹/۱۷) ۔ یہ سب الفاظ انہی معانی میں آئے ہیں ۔ یعنی دور رکھنا ۔ یا دور رہنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) کنارہ اور (۲) دوری کے ہیں ۔ جَانِبُ الْبَرِّ (۱۷/۶۸) ۔ خشکی کا قطعہ ۔ اَلْجَنَابُ ۔ گھر کے سامنے کھلے ہوئے میدان کو کہتے ہیں* ۔ نیز کسی کے اترنے یا ٹھہرنے کی جگہ کو***۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی ماں نے بچہ کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں بہا دیا تو بیٹی سے کہا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے فَبَصُرَتْ بِہٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۲۸/۱۱) ۔ اس مادہ کے جو معانی اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان کے پیش نظر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ

(۱) وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور (فرعون کے) لوگوں نے اسے محسوس نہ کیا کہ وہ اسکا پیچھا کر رہی ہے ۔ یا

(۲) وہ ایسے کچھ اجنبی سا بنکر دیکھتی رہی تا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اسکی تاک میں ہے ۔

ج ن ح

اَلْجَنَاحُ ۔ (جمع اَجْنِحَۃٌ) ہاتھ ۔ بازو ۔ پرندے کا بازو ۔ بغل ۔ پہلو ۔ نیز اسکا اطلاق خود نفس شے پر بھی ہوتا ہے****۔

اَنَا فِیْ جَنَاحِہٖ ۔ میں اس کے سایہ اور حفاظت میں ہوں* ۔ اس قسم کی حفاظت جیسے مرغی اپنے بچوں کو خطرہ کے وقت اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے ۔ جَنَحَ اِلَیْہِ ۔ وہ اسکی طرف مائل ہوگیا ۔ جھک گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھکنے کے ہیں ۔ اس سے اَلْجُنَاحُ کے معنے ہیں گناہ کی طرف میلان* ۔ لیکن محیط میں ہے کہ یہ لفظ گناہ کا معرب ہے** ۔ یہ لفظ مضائقہ یا حرج کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لین ۔ ****تاج و لطائف اللغہ ۔

جب نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ آپ مخالفین سے الگ ہٹ کر اپنی جماعت کی تنظیم کریں۔(۱۵/۹۴)۔ تو اس کیلئے ان الفاظ میں تاکید کی گئی کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (۱۵/۸۸) ''اپنی جماعت کے افراد کے لئے اپنا بازو جھکا دے،،۔ انہیں اپنے پروں کے نیچے ایسے سمیٹ لے جسطرح مرغی اپنے نوزائیدہ بچوں کو اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔۔ سورۃ قصص میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے کہ فرعون کے ساتھ کشمکش میں گھبرانا نہیں۔ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا۔ وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ (۲۸/۳۲) خوف کے وقت پھڑ پھڑانا نہیں بلکہ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا، حواس قائم رکھنا۔ یا اپنے افرادِ جماعت کی حفاظت کرنا، انکی تنظیم کرنا۔ یہ سب معانی اسمیں آجاتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ماں باپ کی پرورش و حفاظت کی تاکید کیلئے بھی کہا گیا ہے کہ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (۱۷/۲۴)۔ نرمی اور رحمت سے اپنے بازو کو انکی طرف اور جھکا دو۔ انکی حفاظت اور خدمت نہایت نرم روی سے کرو کیونکہ وہ معذور ہو چکے ہیں۔

سورۃ فاطر میں ملائکہ کے متعلق کہا ہے اُولِیْ اَجْنِحَةٍ (۳۵/۱)۔ اس کے لفظی معنی ہیں بازوؤں (پروں) والے۔ چونکہ بازو یا پر وہ سہارا ہیں جن سے پرندے فضا میں اڑتے ہیں اس لئے مجازی طور پر اُولِیْ اَجْنِحَةٍ کے معنی ہونگے مختلف خواص کی مالک کائناتی قوتیں۔

گناہ، حرج یا مضائقہ کے معنوں میں جُنَاحٌ کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً لَاجُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا (۲/۱۵۸)۔ ان پہاڑیوں (صفا اور مروہ) میں چلنے پھرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا زیادتی نہیں۔ کیونکہ ابن فارس نے اس کے دوسرے بنیادی معنی ''زیادتی،، لکھے ہیں۔

ج ن د

اَلْجَنَدُ۔ سخت زمین۔ پتھر جو مٹی سے مشابہ ہوں۔ جُنْدٌ۔ جمع ہو جانیوالے لوگ (یا اشیاء)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے اور مدد کرنے کے ہیں۔ غلظت اور سختی کی وجہ سے لشکر کو اَلْجُنْدُ کہتے ہیں۔ (اسکی جمع جُنُوْدٌ آتی ہے) اور جمع ہوجانے کے اعتبار سے ہر جماعت اور انصار کو جُنْدٌ۔ سورۃ مریم میں ہے اَضْعَفُ جُنْدًا (۱۹/۷۵) اس کے معنی ہیں جس کے رفقاء اور ساتھی، اعیان و انصار، جماعت

* تاج و راغب۔

اور جتھہ کمزور ہے ۔ سورۃ فتح میں ہے لِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۸/۴) ۔ ''ارض و سماء کے لشکر اللہ کے لئے ہیں،، اس سے مراد کائنات کی تمام اشیاء اور قوتیں ہیں ۔ محیط میں ہے کہ اسکے معنی ایک نوع کی مخلوق کے بھی ہیں ۔ سورۃ بروج میں ہے هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (۸۵/۱۷) ۔ ''کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔'' یعنے بڑے بڑے لشکر اور قوت والوں کی داستان ۔ (اس سے اگلی آیت میں فرعون اور ثمود کا ذکر ہے) ۔

ج ن ف

اَلْجَنَفُ ۔ کسی ایک طرف جھک جانا ۔ جانبداری ۔ دل کا میلان ۔ (یہ عدل کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف جھک جانے کے لئے آتا ہے) ۔ تَجَانَفَ عَنْ طَرِيْقِهٖ ۔ اپنے راستہ سے ایک طرف کو ہٹ گیا* ۔ قرآن کریم میں ہے فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا (۲/۱۸۲) ۔ ''جسے اسکا خدشہ ہو کہ وصیت کرنے والا کسی کی طرفداری کریگا،، ۔ یعنی وہ انصاف سے ہٹ کر کسی ایک کو زیادہ دیدیگا ۔ یاد رہے کہ مُتَجَنِّفٌ اس کو کہینگے جو حق و انصاف کو چھوڑ کر کسی کی طرفداری کرے* ۔

سورۃ مائدہ میں ہے غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِاِثْمٍ (۵/۳) ۔ جو گناہ (اِثْمٌ) کی طرف جھکنے والا نہو ۔

ج ن ن

جَنَّ کے معنے ہیں چھپا لینا ۔ یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس) ۔ راغب نے کہا ہے کہ جَنَّ کے معنے کسی چیز کو حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں ۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا (۶/۷۶) ''جب رات کی تاریکی نے اسے چھپا لیا تو اسنے ایک ستارہ دیکھا'' ۔ ویسے بھی ہر اس چیز کے لئے جو تم سے چھپ جائے قَدْ جَنَّ عَنْكَ کہتے ہیں ۔ جَنَنٌ قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے ۔ اور خود میت اور اسکے کفن کو بھی ۔ جَنِيْنٌ جمع اَجِنَّةٌ (۵۳/۳۲) اس بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز ماں کے پیٹ میں ہو ۔ جُنَّةٌ ۔ اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنا بچاؤ کرے۔ ہر پردہ اور آڑ ۔ جُنَّةٌ اور مِجَنَّةٌ ڈھال کو بھی کہتے ہیں* ۔ (۵۸/۱۶) ۔ لا جِنَّ بِهٰذَا الْاَمْرِ کے معنے ہیں اس بات میں کوئی راز (پوشیدہ) نہیں ۔ جِنَّةٌ جنون

---

* تاج و محیط ۔

کو کہتے ہیں (۲۳/۲۵) - دراصل عربوں کے ہاں مَجْنُوْنٌ کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جِنّ چمٹ گیا ہے* -

دور توہم پرستی میں تمام وہ قوتیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتیں اور جن کے متعلق اُس زمانے کے انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، دیوی دیوتا بن جاتی تھیں - انہی کو عرب (اُن کے نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی بنا پر) جِنّ کہتے تھے - وہ فرشتوں کو بھی جِنّ کہا کرتے تھے، حالانکہ انکی پرستش بھی کرتے تھے - راغب نے کہا ہے کہ اَلْجِنّ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے - ایک تو ان تمام مخفی قوتوں (روحانیّین) کے لئے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہیں - اس اعتبار سے جِنّ میں فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں - دوسرا یہ کہ ان مخفی قوتوں (روحانیّین) میں سے بعض کو جِنّ کہتے ہیں، اسطرح کہ جو روحانیئین نیک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں، جو بد اور سرکش ہوتے ہیں وہ شیاطین کہلاتے ہیں** - اور جن میں نیک و بد دونوں شامل ہوتے ہیں وہ جِنّ کہلاتے ہیں - چنانچہ قرآن کے کئی مقامات میں جہاں جاہلیت عرب میں جِنّوں کی پرستش کا ذکر ہے وہاں جِنَّةٌ سے مراد فرشتے ہی ہیں (مثلاً ۳۷/۱۵۸) وغیرہ** -

ہماری زمین ابتدا میں ایک آتشیں گولہ تھی جسے ٹھنڈا ہو کر انسانی آبادی کے قابل بننے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں برس لگ گئے - قرآن کریم میں ہے کہ جب کرۂ ارض پر ہنوز انسانوں کی آبادی نہیں ہوئی تھی تواسمیں جو مخلوق یہاں بستی تھی اسمیں حرارت برداشت کرنے کی قوت اور صلاحیت زیادہ تھی - اسکے بعد وہ مخلوق ختم (Extinct) ہوگئی اور اسکا جانشین (خلیفہ - دیکھئے عنوان خ-ل-ف) انسان ہوا - چونکہ اُس (پہلی) مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی اور چونکہ اب وہ انسانوں کے سامنے نہیں ہے، ان کی نسل ختم (Extinct) ہو چکی ہے، اسلئے قرآن نے کہا ہے کہ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۱۵/۲۷) - انسان سے پہلے ہم نے ایک مخلوق کو جلتی ہوئی ہوا کی حرارت سے پیدا کیا تھا - وہ مخلوق اب تمہاری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے - اس اعتبار سے اسے الجآنّ کہا گیا ہے - اس سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ اشیائے کائنات مادہ کی مرئی اور محسوس شکل میں آنے سے پہلے، مخفی توانائی (Energy) کی حالت میں تھیں - یہی توانائی اب مادہ کے اندر (Latent) صورت میں ہے -

*تاج - **تاج و راغب -

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے ، نیز اسکی خوئے سرکشی کی وجہ سے، ابلیس کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ جِنّوں میں سے تھا (دیکھئے عنوان ب۔ ل۔ س اور ش۔ ط۔ ن) ۔

قرآن کریم میں جِنٌّ اور اِنْسٌ کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم (ا۔ن۔س) کے عنوان میں بتاچکے ہیں کہ عربوں میں اَلْاِنْسُ ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوجائیں ۔ لیکن جِنٌّ وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اسطرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے ۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور ، جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں ۔ آجکل وسائل رسل و رسائل کے عام ہوجانے سے ، ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے امور مشترک ہوچکے ہیں ، اس لئے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا ۔ لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے ، شہر والوں اور ان خانہ بدوش ، صحرانشینوں کے تمدن و معاشرت ، عادات و اطوار ، خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اسقدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے ۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدّو یا اَعْرَابٌ کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا اس لئے اس نے جِنٌّ و اِنْسٌ دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے ۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ وہاں جِنٌّ سے مراد انسان ہی ہیں ۔ یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے ۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ (٦/١٣١) ۔ اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے ۔ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا ۔ اور سورۃ اعراف میں اس کی تصریح کردی کہ رسول، بنی آدم میں سے، انہی کی طرف بھیجے گئے تھے (٧/٣٥)۔ سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئی (دیکھئے ٧٢/١ ؛ ٤٦/٢٩)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ’’جنوں ،، کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے ۔ انہی سورتوں (سورۃ جن اور سورۃ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے وہ انسان ہی تھے ۔

(وحشی قبائل میں سے عیسائی ۔ یہودی اور مشرک) ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر ''جن و انس'' اکٹھے ہوجائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہ بنا سکیں ۔ سورہ انعام میں ہے کہ '' انس و جن '' کے سرکش لوگ انبیاءؑ کی مخالفت کیا کرتے تھے (۶/۱۱۲)سورۃ اعراف میں ہے کہ''جن و انس''میں اکثریت ان کی ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اس لئے وہ اہل جہنم ہیں (۷/۱۷۹)۔ سورۃ حم سجدہ میں ہے کہ اہل جہنم کہینگے کہ ہمیں ''جن و انس'' میں سے بعض نے گمراہ کیا تھا (۴۱/۲۹)سورۃ انعام میں ہے کہ اِنْسٌ کہینگے کہ ہم جِنوں سے فوائد حاصل کیا کرتے تھے اور جِنٌ کہینگے کہ ہم اِنْسٌ سے فائدےاٹھایا کرتے تھے (۶/۱۲۹)۔ سورۃ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جن و انس کے لشکر تھے ۔ (۲۷/۱۷) ۔ ان جنوں کے متعلق سورۃ سباٗ میں ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کا کام کرتے تھے ۔ مجسمے تراشتے تھے ۔ لگن اور دیگیں بناتے تھے (۳۴/۱۳) ۔ سمندروں میں غوطہ خوری سے موتی نکالتے تھے (۲۱/۸۲) ۔ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا (۳۸/۳۷-۳۸) ۔ توراتمیں اسکی صراحت موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے مانگے تھے ۔ چنانچہ یہ قبائل اور ''جبلیم'' ۔ پہاڑی قبائل ۔ ان کے لئے لکڑیاں کاٹتے اور پتھر تراشتے تھے ۔ ان کے علاوہ حضرت سلیمانؑ نے فلسطین کے پہاڑی اور جنگلی (غیر بنی اسرائیل) قبائل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بطور مزدور اور دس ہزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا (دیکھئے کتاب سلاطین و کتاب تاریخ الایام) ۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن میں ''جن و انس'' سے مراد وحشی اور متمدن انسان ہیں ۔ اِنس جو مانوس تھے اور جن ، جو وحشی اور غیرمہذب قبائل جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے تھے ۔ (مزید تفصیل میری کتاب ''ابلیس و آدم '' میں ملیگی) ۔

اَلْجَانُّ زرد رنگ کے سیاہ چشم سانپ کو بھی کہتے ہیں * (۲۷/۱۰) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ جَانٌّ سے تشبیہ کی بنا پر بولا جاتا ہے ۔ اَلْجِنُّ مِنَ النَّبْتِ شگوفوں اور پھولوں کو کہتے ہیں * ۔ جُنَّتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین پر سبز گھاس خوب پھیل گئی اور نگاہوں کو بھلی نظر آنے لگی * ۔ جَنَّ النَّبَاتُ کے معنی ہیں پودے لمبے ہوگئے اور آپس میں خوب گتھ گئے ۔ نَخْلَۃٌ مَجْنُوْنَۃٌ نہایت لمبا کھجور کا درخت *۔

جَنَّةٌ ۔ کھجوروں اور انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں ۔ (اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں دوسرے درخت ہوں تو اسے حَدِیْقَۃٌ کہتے ہیں ۔ جَنَّۃٌ نہیں کہتے)* ۔ لیکن راغب کا قول ہے کہ جَنَّۃٌ ہر اس باغ کو کہتے ہیں جسکی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے** ۔

قرآن کریم میں جَنَّۃٌ کا لفظ بڑی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ قرآنی نظام پر عمل پیرا ہونے سے اس دنیا میں جس قسم کا فردوس بدوش معاشرہ متشکل ہوتا ہے اسے بھی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں حسن عمل کے جو خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں انہیں بھی جنت ہی کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ قرآن پر عمل کرنے والوں (مومنین) کو اس دنیا میں جس قسم کا جنتی معاشرہ نصیب ہوتا ہے اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں مذکور ہیں ۔ لیکن اسے اگر دو لفظوں میں سمجھنا چاہیں تو اس آیت کو سامنے لے آنا چاہئیے جو آدمؑ کی سرگذشت سے متعلق ہے ۔ اس جنت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲/۳۵) ۔ ''اس میں سے جہاں جی چاہے نہایت فراغت سے کھاؤ لیکن اس شجر کے قریب نہ جانا'' (شجر کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ج۔ر) ۔ یعنی جنت اس معاشرہ کا نام ہے جسمیں زندگی کی تمام آسائشیں بافراط موجود ہوں ۔ جہاں سامان زیست کی فراوانیاں ہوں ۔ (صرف غذا ہی نہیں بلکہ لباس ۔ مکان ۔ یعنی تمام بنیادی ضروریات زندگی ۲۰/۱۱۸-۱۱۹) لیکن ان کا استعمال حدود اللہ (قوانین خداوندی) کے مطابق کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو اس معاشرہ کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئیگی ۔ اسی لئے اسے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (۲/۲۵) کہا گیا ہے ۔ یعنی اس باغ کے نیچے آب رواں ہمیشہ جاری رہیگا ۔ قرآن نے اسکی تفسیر ان الفاظ سے کردی ہے اُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا (۱۳/۳۵) ''اسکے پھل اور دیگر آسائشیں ہمیشہ رہینگی'' ۔ باقی رہے اعمال حسنہ کے وہ نتائج جو مرنے کے بعد سامنے آئینگے، سو اگرچہ انہیں بھی جنت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (۳۲/۱۷) ۔ ''خدا نے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا ہے وہ کسی انسان کے

* تاج ۔ **راغب

حیطه ادراک میں نہیں آسکتا،، ۔ اس زندگی کی کیفیات کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جنت کی اسقدر تفاصیل دینے کے باوجود یہ بھی کہدیا ہے کہ یہ سب تمثیلی بیان ہے (۱۳/۳۵) ۔

لیکن اس دنیا کی جنت ہمارے سامنے آسکتی ہے، اگر ہم اپنے معاشرہ کو قرآن کے متعین کردہ خطوط پر متشکل کرلیں ۔ اسمیں انسان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تمام آسائشیں اور راحتیں موجود ہونگی ۔ لیکن اس سے بعد کی زندگی کی جنت کی کیفیت ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اسلئے کہ ہمارا موجودہ شعور محسوسات کی حد سے آگے جا ہی نہیں سکتا ۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس دنیا میں جنتی زندگی بسر کرنے سے نہ صرف طبعی آسائشیں ہی ملتی ہیں بلکہ انسانی ذات (Personality) کی بھی نشوو نما ہوتی جاتی ہے ۔ اس سے انسانی ذات اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ اس زندگی کے بعد اگلے ارتقائی مراحل طے کرکے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ۔ اس قسم کی انسانی ذات مرنے کے بعد جس مرحلہ میں پہنچتی ہے اس کا نام جنت ہے ۔ وہ انسانی زندگی کی آخری منزل نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا مقام ہے ۔ اس لئے کہ وہاں بھی ''انسان کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا،، (۶۶/۸) ۔ اس کے برعکس جن کی ذات کی نشوو نما (Development) رک چکی ہوگی ، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی' وہ اہلِ جہنم ہونگے (دیکھئے عنوان جَہَنَّم و ج ـ ح ـ م)۔ بہر حال ، مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم ، مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں جن کی حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے ۔ آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم (جس میں ہم سب مبتلا ہیں) جنت سے بدل جائے ۔ یہ قرآنی نظام کی رُو سے ہوسکیگا ۔

ج ن ی

جَنَی الثَّمَرَۃَ یَجْنِیْھَا : اسنے پھل کو درخت سے توڑ لیا ۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ (ابن فارس) فَھُوَ جَانٍ ۔ وہ پھل توڑنے والا ہے۔ اَلْجَنٰی پختہ اور تازہ کھجور۔ چنے ہوئے پھل ۔ اَجْنٰی الشَّجَرُ ۔ درخت کے پھل توڑنے کے قابل ہوگئے ۔ ثَمَرٌ جَنِیٌّ ۔ تازہ پھل جو ابھی ابھی توڑا گیا ہو* ۔ سورۃ مریم میں رُطَبًا جَنِیًّا (۱۹/۲۵) ۔ تر و تازہ کھجوروں کے لئے آیا ہے ۔اور سورۃ رحمٰن میں جَنَا (۵۵/۵۴) پھلوں کیلئے ۔

*تاج و راغب ۔

کسی کا پھل توڑ کرلے جانا جرم ہے ۔ اس سے اَلْجِنَایَۃُ اس جرم کو کہتے ہیں جس سے سزا لازم آتی ہو۔ جَانٍ کے معنے ہیں مجرم ۔ جَانٰی عَلَیْہِ مُجَانَاۃً ۔ اسنے اسکے خلاف جرم کا دعوی کردیا* ۔ غور کیجئے ، جب ایک شخص کسی دوسرے کا پھل توڑ کرلے جانے سے مجرم بنتا ہے تو جو لوگ دوسروں کی محنت کے محاصل کو غضب کرلیں وہ مجرم کیوں نہیں؟ (اس ضمن میں عنوان ج-ر-م بھی دیکھئے) ۔

ج ھ د

اَلْجَھْدُ ۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جَھْدٌ کے معنے تکلیف اور مشقت اور کسی کام کو اسکی انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں ۔ اور جُھْدٌ کے معنے وسعت اور طاقت کے ہیں ۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جَھْدٌ اور جُھْدٌ دونوں وسعت اور طاقت کے معنوں میں آتے ہیں ۔ لیکن مشقت کے معنوں میں صرف جَھْدٌ آتا ہے* ۔ لیکن قرآن میں جُھْدٌ بھی مشقت کے معنوں میں آیا ہے (۹/۷۹) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں ۔ جِھَادٌ کے معنے ہیں کسی مقصد کے حصول کیلئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کردینا ۔ اسمیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ۔ اور جَھَادٌ کے معنے ہیں سخت زمین جسمیں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو* ۔ اَجْھَدَتْ لَکَ الْاَرْضُ ۔ زمین تیرے لئے ظاہر ہو گئی* ۔

اَلْاِجْتِھَادُ ۔ کسی ایسے مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دینا جس میں کلفت اور مشقت لازمی ہو** ۔ یعنی اس کام کا مشکل اور کٹھن ہونا ضروری ہے ۔

اَلْجَاھِدُ ۔ جاگنے والا** ۔

قرآن کریم میں مُجَاھِدِیْنَ بمقابلہ قَاعِدِیْنَ آیا ہے (۴/۹۵) ۔ قَاعِدِیْنَ کے معنے ہیں بیٹھ رہنے والے ۔ سستی کرنے والے ۔ لہذا مُجَاھِدِیْنَ کے معنے ہوئے جد و جہد کرنے والے ۔ حصول مقاصد کیلئے پوری پوری کوشش کرنے والے ۔ خواہ اسمیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے ۔ قرآن کی رو سے زندگی کا راز جد و جہد اور سعی و عمل میں ہے ۔ لہذا مردِ مومن ، جو زندگی کا پیکر ہوتا ہے ، ساری عمر مجاھد رھتا ہے ۔ یعنی مصروفِ سعی و عمل ۔ (جنگ کے لئے دیکھئے عنوان ق-ت-ل) سورۃ النّحل میں جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ (۱۶/۳۸) سخت قسموں کیلئے آیا ہے ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔

ج ھ ر

جَہْرٌ - راغب نے کہا ہے کہ اسکے اصلی معنے کسی چیز کا حد سے زیادہ زور کے ساتھ نمایاں اور ظاہر ہونا ہے، خواہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو یا سننے سے - چنانچہ رَاٰہٗ جَہْرَۃً کے معنے ہیں اسے کھلم کھلا اسطرح دیکھا کہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا-اورجَہَرَ الصَّلٰوۃَ کے معنے ہیں آواز کو بلند کیا - جَہَرَ الْکَلَامَ اسنے اس بات کو کھول کر بآواز بلند کہا - جَہْرَاءُ الْقَوْمِ - قوم کے ممتاز اور برگزیدہ افراد*- جَہَرَ الْقَوْمُ الْقَوْمَ - ایک قبیلے نے دوسرے قبیلہ پر صبح دم غفلت میں چڑھائی کر دی - مُجَاھَرَۃٌ- ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا*-

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ وہ بے حجاب (جَہْرَۃً) نہیں دیکھا جا سکتا ($\frac{۲}{۵۵}$) - سورۃ حدید میں اللہ کے لئے ھُوَالظَّاھِرُ آیا ہے -($\frac{۵۷}{۳}$) اس کے مفہوم کےلئے دیکھئے عنوانات (ظ-ھ-ر) و(ب-ط-ن)-سورۃ انعام میں جَہْر بمقابلہ سِرّ آیا ہے ($\frac{۶}{۳}$) - اور ($\frac{۲۱}{۱۱۰}$) میں یہ لفظ کَتَمَ کے مقابلہ میں آیا ہے - سورۃ بنی اسرائیل میں جَہْرٌ بمقابلہ خَفْتٌ آیا ہے- ($\frac{۱۷}{۱۱۰}$ وَلَا تَجْہَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِہَا **) - سورۃ انعام میں ہے اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللہِ بَغْتَۃً اَوْ جَہْرَۃً ($\frac{۶}{۴۷}$) - بَغْتَۃً کے معنے ہیں جسکی علامات وغیرہ پہلے سے ظاہر نہ ہوں (اچانک) لہذا جَہْرَۃً کے معنے ہوئے جسکی علامات پہلے سے نمایاں ہو جائیں -

سورۃ الحجرات میں ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ ($\frac{۴۹}{۲}$) - اگرچہ اس کے ظاہری معنے یہی ہیں کہ تم نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی اس سے چلا کر باتیں کرو جیسا کہ آپس میں کرتے ہو، لیکن اگر اسے آدابِ مجالس سے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم اسکے فیصلہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے کی کوشش نہ کرو - اسکے فیصلوں کو دل کے کامل جھکاؤ کے ساتھ تسلیم کرو- قرآنی مملکت میں، مرکز کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ وہاں کا فیصلہ حرفِ آخر قرار دیا جاتا ہے - رسول اللہ ؐ کی حیات طیبہ میں یہ حیثیت حضور کو حاصل تھی - آپ ؐ کے بعد، یہ حیثیت حضور ؐ کے جانشینان (یعنی خلافت علیٰ منہاج رسالت یا قرآنی نظام مملکت کے مرکز) کو حاصل ہوگی -

---

*تاج - ** دیکھئے عنوان (ص - ل - و)-

ج ھ ز

اَلجَھَازُ ۔ سامان سفر۔ جو سامان سواری پر لدا ہوتا ہے* ۔ ساز و سامان جو کسی کی ضرورت کا ہو** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسے خریدا اور حاصل کیا جاسکے ۔
اَلتَّجْھِیْزُ سامان سفر لادنا یا دینا * ۔ سورۃ یوسف میں ہے وَ لَمَّا جَھَّزَ ھُمْ بِجَھَازِھِمْ (۱۲/۵۹) ۔ ''جب انہیں ان کا سامان دیکر سفر کیلئے تیار کردیا'' ۔
اَلْجَھْزَاءُ مِنَ الْاَرْضِ ۔بلند زمین کو کہتے ہیں** ۔

ج ھ ل

اَلْجَھْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا ۔ راغب نے کہا ہے کہ جَھْلٌ کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا (یہ بنیادی معنے ہیں) ۔ (۲) کسی بات کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور (۳) کسی بات کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا ۔ خواہ اس کی بابت اعتقاد صحیح ہو یا غلط*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) علم کی ضد اور (۲) ہلکا پن اور بے اطمینانی کے ہیں ۔

مَجْھَلٌ ۔ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نشانات راہ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح راستہ نہ مل سکے* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَھُوْلُ اس سادہ لوح اور نا تجربہ کار آدمی کو کہتے ہیں جو جلد دھوکے میں آجائے** ۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جَاھِلٌ کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے لیکن کبھی اس کے معنے نا واقف کے بھی ہوتے ہیں ۔ اس صورت میں یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں آتا ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ (۲/۲۷۳) ''ناواقف انہیں دولتمند سمجھتا ہے'' ۔

عربوں کے زمانۂ قبل از اسلام کے لئے جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن میں بھی اس لفظ کا استعمال آیا ہے (مثلاً (۳۳/۳۳)) ۔ اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ لوگ جاہل مطلق تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے ناواقف تھے ۔ جاہلیت سے مراد ان کی جہالت نہیں بلکہ اس دین سے ناواقفیت ہے

*تاج ۔ **محیط ۔

جو نبی اکرمؐ کے ذریعہ ان تک پہنچا ۔ لہذا رسوم جاہلیت سے مراد وہ رسوم ہی نہیں جو زمانۂ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں رائج تھیں ۔ اس سے مراد وہ تمام غلط اعتقادات اور غیر قرآنی اعمال حیات ہیں جو دین سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں ۔ نیز علم ہو جانے کے بعد بھی اسی روش پر جمے رہنا (محض اس لئے کہ وہ روش اسی طرح چلی آ رہی ہے) جاہلیت ہے ۔ یہ مسلک پتھروں کا ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے ۔ اسی لئے بڑی چٹان کو صَفَاۃٌ جَیْہَلٌ کہتے ہیں**۔ یہ جہالت و جاہلیت کی بد ترین قسم ہے ۔ اسی لئے صاحب تاج العروس نے اسے جَہْلٌ مُرَکَّبٌ سے تعبیر کیا ہے*۔

احمد امین مصری (مرحوم) نے کہا ہے کہ "سَلاَمٌ" کے معنے مسالمت کے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے ۔ قرآن کریم کی اس آیت وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلاَمًا (۲۵/۶۳) میں جَھَالَت کے مقابلہ میں سَلاَم کا لفظ لایا گیا ہے ۔ غالباً اس آیت کے ذریعہ ہم وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنا پر نبی اکرمؐ کی بعثت سے پچھلے زمانہ کو جاہلیت کا اور بعثت کے بعد کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا ۔ یہ لفظ "جاہلیت" اس جَھْلٌ سے ماخوذ نہیں جس کے معنے نہ جاننے (عِلْمٌ کی ضد) کے ہوتے ہیں ۔ بلکہ یہ اس "جَھْلٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنے سفاہت ، غضب ، اور حمیت کے ہوتے ہیں ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کو اس کی ماں کے نام سے عار دلائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّۃٌ ۔ "تمہارے اندر جاہلیت کی روح ابتک موجود ہے" ۔ اسی جہت سے عربوں کا محاورہ ہے "اِسْتَجْھَلَہُ الشَّیْءُ" ۔ یعنی اس چیز نے اسے عقل وخرد سے بیگانہ بنا دیا ۔ کسی شاعر کا مصرع ہے ۔ دَعَاکَ الْھَوٰی وَاسْتَجْھَلَتْکَ الْمَنَازِلُ ۔ محبت نے تجھے پکارا اور محبوب کے مکانوں نے تیرے حواس گم کر دئیے ۔ عمرو بن کلثوم کے معلقہ میں ہے ۔

اَلاَ لاَ یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا ۔
فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا ۔

خبردار کوئی ہمارے خلاف زیادتی نہ کرے ورنہ ہم زیادتی کرنے والوں سے بڑھکر زیادتی کرینگے ۔ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ ھلکے پن ،

* تاج ۔ ** محیط ۔

عقل و هوش سے بیگانگی، عصبیت، حمیّت اور مفاخرت وغیرہ کے لئے استعمال هوتا تها جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا اهم ترین عنصر تها۔ اسی لئے اس زمانه کو جاهلیت کا زمانه کہا جاتا هے۔ ان معانی کے بالمقابل سکون نفس، تواضع، اعمال صالحه کی اهمیت کا احساس، اور نسلی فخر و غرور کی بے اعتباری وغیره رجحانات، سلامتی اور مصالحت کے هوتے هیں"*۔ اس سے واضح هو جاتا هے که اسلامی نہجِ زندگی کیا هے اور جاهلیت کی روش کیا؟

قرآن کریم کی رو سے علم حاصل نه کرنا جرم هے اور علم حاصل هو جانے کے بعد اپنی غلط روش میں تبدیلی نه کرنا اس سے زیاده سنگین جرم (مزید تفصیل ع-ل-م اور ع-ق-ل کے عنوانات میں ملیگی)۔ سورۃ بقره میں یه لفظ هُزُوٌ کے ساتھ آیا هے (۶۷/۲) لہذا اس کے معنے هیں وه لوگ جو زندگی کے مسائل اور احکام و قوانین کو سنجیدگی سے (Seriously) نه لیں۔ انهیں مذاق هی سمجهیں۔

جَهَنَّمُ

جَهَنَّمُ۔ بعض کا خیال هے که یه عربی لفظ هے جسکے معنے هیں گہرا۔ کہتے هیں "رَکِیَّةٌ جَهَنَّمٌ" گہری ته والا کنواں"۔ بعض نے اسے عبرانی لفظ گَهِنَّام سے معرب مانا هے*۔

صاحب محیط نے لکھا هے که یه عبرانی الاصل هے اور دو لفظوں سے مرکب۔ جِیْ، جسکے معنے وادی هیں اور هَنُّوم سے۔ هنوم ایک آدمی کا نام تها۔ وادی هَنُّوم یروشلم کے جنوب میں ایک مشهور وادی تهی جسمیں زمانه قدیم میں مولوک (عَمُّوْنِیِّیْن کے دیوتا) کے حضور آدمیوں کو جلا کر قربانی پیش کی جاتی تهی۔ لہذا جِیْ هَنُّوْم سے مراد تهی وه وادی جہاں انسان ذبح کئے جاتے تهے اور انهیں جلایا جاتا تها۔** اس اعتبار سے جَهَنَّم کا ترجمه انسانیت کی قربانگاه هوگا۔ خدا کے قانون ربوبیت کا منشا یه هے که انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما هو۔ انسانیت برومند اور ثمر بار هو۔ ایسا معاشره جسمیں انسانیت نشوونما پائے جنتی معاشره هے۔ اسکے مقابله میں وه معاشره جسمیں انسانیت ذبح هو جائے اور جلکر راکھ کا ڈهیر بن جائے جَهَنَّمی معاشره هے۔ اسکے لئے عربی لفظ جَحِیْمٌ هے جس کے معنے روک دینا هیں (دیکهئے عنوان ج ح م)۔ یعنے جس مقام پر انسانیت کی نشوونما رک جائے۔

* فجرالاسلام صفحه ۶۹ - ۷۰ - **تاج - ***محیط نیز [illegible]

سورۃ بنی اسرائیل میں جَهَنَّم کے متعلق کہا ہے وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (۸/۱۷)۔ جہنم ان لوگوں کے لئے روک کا مقام ہے جو قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں -

چونکہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے اسلئے جسکی نشونما یہاں رک جاتی ہے وہ زندگی کی اگلی منزلیں طے کرنے کے قابل نہیں ہوتا - اسلئے اس زندگی میں بھی وہ جَهَنَّم میں رہتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی - اس زندگی میں جَهَنَّم کی کیفیات کیسی ہونگی، اس کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے - البتہ موجودہ زندگی میں جہنم کا عذاب ہم ہر وقت محسوس کر سکتے ہیں - انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی - اجتماعی طور پر جو قوم غلط راستے پر چلتی ہے اسکی سعی و عمل ثمر بار ہونے کی بجائے جلکر خاکستر ہو جاتی ہے - یہ جَهَنَّم ہے - اور اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی - اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں ملینگی - اسی طرح اس معاشرہ میں رہنے والے افراد کے جوہر انسانیت جلکر راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں -

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جہنم، انسان کے اپنے اعمال ہی سے بنتی ہے - اس لئے کہا گیا ہے کہ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (۵۴/۲۹) "یقیناً جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے" - وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (۱۶/۸۲) - یہ اسکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں - وہ انہیں اب بھی دیکھ رہی ہے - ان کے سامنے ہی ہے، لیکن ان کا عدم احساس اسے ان کی نظروں سے اوجھل کئے ہوئے ہے - جب ان کی آنکھیں کھل جائینگی تو وہ ابھر کر سامنے آجائیگی - وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (۳۶/۷۹) - وہ دیکھنے والے کے لئے ابھر کر سامنے آجائیگی - یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس میں "یوم الدین" میں داخل ہونگے يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ (۱۵/۸۲) - يَوْمَ الدِّيْنِ، ظہور نتائج کا زمانہ ہے، اس دنیا میں یا مرنے کے بعد -

ج و ب

اَلْجَوْبُ - قطع کرنا - پھاڑنا - سوراخ کرنا - یہ اس مادہ کے اصلی معنے ہیں* - قرآن کریم میں ہے وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸/۸۹) اور ثمود جو وادی میں پہاڑوں کی چٹانوں کو تراش کر (اپنے مکان بناتے تھے) - اَلْجَوْبَةُ - مکانات کے پچھواڑے جو گڑھا سا بن جائے جسمیں بارش کا پانی جمع ہو جائے* - اَلْجَوْبُ ڈھال کو بھی کہتے ہیں* -

*تاج -

اَجَابَ۔ یُجِیْبُ۔ اِجَابًا و اِجَابَۃً۔ جواب دینا*۔ (اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے منہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے۔ ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہوگیا ہے۔ راغب)۔ اس سے اسمِ فاعل مُجِیْبٌ ہے۔ جواب دینے والا۔ قرآن میں ہے اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (۱۱/۶۱)

''یقیناً میرا رب قریب ہی ہے اور بات کا جواب بھی دیتا ہے۔ سورۃ بقرۃ میں ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)۔ ''میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔ دعا اور خدا کی طرف سے اسکے جواب کے صحیح مفہوم کیلئے (د ۔ ع ۔ و) کا عنوان دیکھئے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ دُعَا سے مفہوم ہے خدا کے قوانین کا اتباع کرنا، اور اسکی طرف سے جواب کے معنی ہیں ان قوانین کا نتیجہ خیز ہونا۔ چنانچہ سورۃ المومن میں ہے وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۴۰/۶۰)۔ ''تمہارا نشو و نما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا'' اسکے بعد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (۴۰/۶۰)۔ جو لوگ میری اطاعت گزاری سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہونگے''۔ اس پوری آیت سے واضح ہے کہ دعا درحقیقت ''یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ'' کی ضد ہے۔ لہذا دعا سے مقصود خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ اسی لئے اس سے ذرا پہلے ہے وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (۴۰/۵۰)۔ ''جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں انکی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی''۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ بقرۃ میں جہاں یہ کہا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)۔ ''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں'' تو اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ (۲/۱۸۶)۔ ''لہذا انہیں چاہئے کہ میرے قوانین پر ایمان رکھیں اور میری اطاعت کریں''۔ یہ لوگ یہ کچھ کریں اور میں انکی سعی و عمل کو نتیجہ خیز کرونگا۔ یہ ہے دعا اور اجابتِ دعا کا قرآنی مفہوم۔ یعنی جو کچھ خدا کے تقاضے ہیں انہیں تم پورا کرو۔ جو کچھ تمہارے تقاضے ہونگے خدا انہیں پورا کردیگا۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو شخص محسنانہ انداز سے اسکے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اسکی محنت کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۱۱/۱۱۵)۔ ''اور استقامت سے جما رہ۔ بیشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ اور کوشش کے بغیر کچھ ملتا نہیں۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹)۔ ''انسان کے لئے کچھ نہیں بجز اسکے جسکے لئے وہ کوشش اور محنت کرے''۔

* تاج ۔ سوال دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو کسی بات یا مسئلہ کا دریافت کرنا اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا۔ لہٰذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہوں گی اور اجابت و استجابت ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائے گا۔ یعنی کسی سوال کا جواب دینا، یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کردینا۔

ج و د

اَلْجَیِّدُ - عمدہ چیز - جَوْدَۃٌ - عمدہ ہونا - اَجَادَہٗ - اسے عمدہ بنا دیا - اَلْجَوَادُ - سخی * - اَلْجُوْدِیُّ - اس پہاڑی یا ٹیلہ کا نام ہے جس پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی (۱۱/۴۴) - کہا جاتا ہے کہ یہ اس سلسلۂ کوہ میں واقع ہے جو آرمینیا کو میسوپوٹیمیا سے جدا کرتا ہے -

جَوَادٌ - اعلیٰ درجے کا گھوڑا جو نہایت تیز رفتار ہو اور دوڑنے میں اپنی ساری طاقت صرف کردے**- (جمع جِیَادٌ) - سورہ ص میں ہے اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ (۳۸/۳۱) - ''اصیل ، تیز رو گھوڑے'' -

ج و ر

اَلْجَوْرُ - درمیانی راہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جانا - اس سے اسکے معنے ظلم و ستم اور بے انصافی کے ہوگئے - اسی سے جَارَ کے معنی ہیں عدل کی راہ چھوڑی * - قرآن میں قَصْدُ السَّبِیْلِ کے مقابل جَائِرٌ آیا ہے (۱۶/۹) قَصْدُ السَّبِیْلِ ، درمیانی راہ اور جَائِرٌ ، ایکطرف کو ہٹی ہوئی راہ - اَلْجَارُ - پڑوسی ، ہمسایہ ، نیز وہ شخص جسے تم نے کسی کے جور و ستم سے پناہ دی ہو - نیز ساتھی، شریک، مددگار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* قرآن میں اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبیٰ اور اَلْجَارِ الْجُنُبِ آیا ہے (۴/۳۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج - ن - ب) - سورۃ احزاب میں ہے لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَا (۳۳/۶۰) - '' وہ اس شہر میں تیرے ہمسایہ بنکر نہیں رہنے پائینگے'' - سورۃ انفال میں ہے اِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ (۸/۴۸) - ''میں تمہارا پناہ دینے والا یا حامی و مددگار ہوں'' - اَجَارَہٗ - اسکو پناہ دیدی - اسے حفاظت میں لے لیا (۲۳/۸۸)- اِسْتَجَارَ - پناہ طلب کرنا (۹/۶) - سورۃ رعد میں ہے قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (۱۳/۴) - '' آپس میں ملے ہوئے قطعات زمین '' -

ج و ز

جَازَ الْمَوْضِعَ - وہ اس مقام پر سے گزر گیا - اسے پیچھے چھوڑ گیا - اگر دریا ہو تو اسکے معنے ہونگے اسے عبور کر گیا - نیز جَاوَزَ (۲/۲۴۹ ، ۱۸/۶۲) کسی مقام سے آگے بڑھ جانا * - اصل معنے اس مادہ میں قطع کرنا - کاٹنا ہیں *** -

* تاج - ** راغب - ***محیط -

تَجَوَّزَ عَنْ ذَنْبِہٖ۔ اسکی خطا سے درگزر کردیا ۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّئَاتِہِمْ (۴۶/۱۶)۔ '' ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں ''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو قطع کرنا اور کسی شے کا وسط ہیں ۔ چنانچہ جَوْزُ کُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کے وسط کو کہتے ہیں ۔ غالباً اسی وجہ سے التَّجَائِزُ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کے وسط میں سے گزر جائے ۔ نیز اَلتَّجَائِزُ ۔ صحیح سمت کو گزرنے والا **۔ اَلْمَجَازُ ۔ راستہ جیسے ایک طرف سے دوسری طرف کو قطع کیا جائے * ۔ یا وہ راستہ جس پر لوگ بہت زیادہ گزرتے ہوں * ۔ الْجَائِزَۃُ ۔ عطیہ ۔ انعام ۔ وہ زاد سفر جو مسافر کو دیا جاتا ہے جس کے سہارے وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کر لے ۔(ممکن ہے اسی سے جائزہ انعام و عطیہ کے لئے بولا جانے لگا ہو)۔

ج و س

اَلْجَوْسُ ۔ کسی چیز کی آخری حد تک اسے تلاش کرنا ۔ چھان مارنا ۔ گھومنا پھرنا *** ۔ اَلْاِجْتِیَاسُ ۔ رات میں گھومنا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندر گھس جانے کے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ (۵/۱۷) ۔ '' وہ تمہارے شہروں کے اندر گھس گئے اور تمہاری کھوج میں انہوں نے گلی کوچوں کو چھان مارا '' اور اسطرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمہیں قتل یا گرفتار کیا ۔ محیط نے اس کے معنوں میں حملہ کرنے یا لوٹ مار کرنے میں ادھر ادھر آمد و رفت کرنا بھی بتائے ہیں ۔

ج و ع

اَلْجُوْعُ ۔ بھوک ۔ جَاعَ ۔ یَجُوْعُ ۔ جَوْعاً ۔ بھوکا ہونا ۔ عَامٌ مَجَاعَۃٍ ۔ بھوک کا سال ۔ قحط سالی * ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بھوک کیلئے آیا ہے (۳/۱۵۵)۔ اور جنت کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اسمیں بھوک (رزق کی تنگی) نہیں ہوگی ۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْہَا (۱۱۸/۲۰)۔ '' تیرے لئے یہ ہے کہ تو اس میں بھوکا نہیں رہیگا ''۔ کفران نعمت (خدا کی طرف سے ملے ہوئے سامان زیست کو چھپا کر رکھنے یا غلط طور پر استعمال کرنے) کا نتیجہ لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۱۲/۱۶) بتایا ہے ۔ یعنے بھوک اور خوف کا عذاب ۔ لہذا کسی قوم میں سامان

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج ۔ راغب ۔

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے اور اسکی فراوانی جنتی معاشرہ کی خصوصیت۔ قرآن کی رو سے جو معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں کوئی فرد بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نظام میں ہر فرد کو روٹی مل جائے اُسے نظام خداوندی اور اس معاشرہ کو جنتی معاشرہ کہا جائیگا۔ نظام خداوندی اور جنتی معاشرہ کی بہت سی خصوصیات ہیں اور جب تک وہ سب موجود نہ ہوں اسے جنتی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس نظام یا معاشرہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے اسے نہ نظام خداوندی کہہ سکتے ہیں نہ جنتی معاشرہ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم ایسے ہنگامی حالات سے گزرے جس میں کچھ وقت کے لئے رزق کی تنگی آجائے (مثلاً جنگ کے زمانہ مین)۔ لیکن کسی قوم میں نہج زندگی ایسا قائم ہو جانا جس میں تمام افراد کو پیٹ بھر کر، باطمینان، کھانے کو نہ ملے، خدا کا عذاب ہے، اور جو قوم ایسی حالت سے نکلنا نہیں چاہتی وہ جہنم میں رہنا چاہتی ہے۔

ج و ف

اَلْجَوْفُ۔ وسیع نشیبی زمین۔ شکم (پیٹ) نیز کسی چیز کے اندرونی حصہ کو کہتے ہیں۔ جَوْفُ الْبَیْتِ۔ گھر کا اندرونی حصہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندرون کے ہوتے ہیں۔ جَافَهٗ۔ یَجُوْفُهٗ۔ جَوْفاً۔ اس نے اسے گہرا کر دیا۔ اَلْمُجَوَّفُ۔ گہرائی والی چیز (مُحَدَّبٌ کے مقابلہ میں)۔ نیز وہ شخص جسکا دل نہو، (بزدل) یعنے جسکے سینے میں خلا ہو*۔

قرآن کریم میں ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ (۳۳/۴) یہاں جَوْفٌ سے مراد سینہ ہے۔ یعنی اللہ نے کسی شخص کے لئے اس کے سینے میں دو دل نہیں پیدا کئے۔

ج و و

اَلْجَوُّ۔ فضا۔ زمین اورآسمان کے درمیان خلا**۔ قرآن کریم میں ہے مُسَخَّرَاتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ (۱۶/۷۹)۔ اسکے معنے فضائے آسمانی ہیں۔ یعنی (پرندے) آسمان کی فضا میں مسخر کئے ہوئے ہیں۔ ویسے اَلْجَوُّ اندرون مکان کو بھی کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہو۔ بالائی فضا کو اَلْجَوُّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کے اطراف کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

* تاج و محیط۔ ** تاج۔ راغب۔ محیط

ج ی أ

جَاءَ - يَجِيْءُ - آنا - أَجَاءَ تُهُ وَجِئْتُ بِهٖ - میں اسے لایا * - راغب نے اِتْیَانٌ اور مَجِیْءٌ کا فرق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اِتْیَانٌ کسی کام کے کرنے کے ارادہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہوسکے)۔ لیکن المَجِیْءُ اسوقت بولا جائیگا جب کوئی کام رونما اور واقع ہو گیا ہو **- نیز اسکے معنے لیکر آنا یا مرتکب ہونا ہیں - حضرت مریمؑ سے لوگوں نے کہا لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا (۱۹/۲۷)- تو نے ایک انوکھا کام کیا ہے ، تو ایک نرالی حرکت کی مرتکب ہوئی ہے - یہ تیری اپنی اختراع ہے - اسی طرح سورۃ کہف میں (قصۂ حضرت موسےٰؑ اور مرد بزرگ میں) ہے لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (۱۸/۷۱)- " تو ایک خطرناک کام کا مرتکب ہوا ہے "۔

سورۃ مریم میں ہے فَاَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹/۲۳)- اس کے معنے ہیں درد زہ اسے کھجور کے درخت کی طرف لے آیا - یعنے اسمیں مجبوری کا پہلو پایا جاتا ہے -

ج ی ب

جَيْبُ الْقَمِيْصِ - کرتے کا گریبان- الجَيْبُ سینہ کیلئے بھی مجازاً بولا جاتا ہے جس پر کرتہ ہوتا ہے نیز دل کو بھی کہتے ہیں- هُوَنَاصِحُ الْجَيْبِ - وہ صاف دل اور صاف سینہ والا یعنی مخلص ہے * - سورۃ نور میں عورتوں سے کہا گیا ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (۲۴/۳۱)- " انھیں چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں "۔ قصۂ حضرت موسےٰؑ میں ہے وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ (۲۷/۱۲) اور اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ (۲۸/۳۲)- " اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر یا ڈال "۔ (ان آیات کے مفہوم کیلئے ی - د - ی اور ب - ی - ض کے عنوان دیکھئے)-

ج ی د

جِيْدٌ - گردن یا گردن کا اگلا حصہ یا گردن کی وہ جگہ جہاں ہار لٹکا رہتا ہے - ایک قول کے مطابق جِيْدٌ ، مقام مدح میں بولا جاتا ہے اور عُنُقٌ ، مذمت میں * - قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کے متعلق ہے فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ (۱۱۱/۵) " اسکی گردن میں کھجور کے ریشوں کی رسی ہے "- یعنے وہ گردن جو بڑی عزت و توقیر اور سرفرازی و سربلندی کی حامل سمجھی جاتی تھی، اسطرح ذلیل ہو رہی ہے - اس کا تکبر خاک میں مل رہا ہے -

جلد اول ختم شد

* تاج - ** تاج و راغب -